## ابتدائیہ



## دانش کدہ



## ہمارا آنچل



## سروے



## سلسلہ وار ناول



## مکمل ناول



## ناولٹ



## افسانے




پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400


سرورق: صائمہ انصار..... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

## مستقل سلسلے




خط وکتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبر: 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 کےلئے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل info@aanchal.com.pk

''حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔'' (متفق علیہ)

# سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنوری ۲۰۱۵ء کا پہلا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

تمام بہنوں کو نئے عیسوی سال کی مبارک' کیسی عجیب بات ہے وقت دبے پاؤں گزرتا جارہا ہے ہمیں محسوس بھی نہیں ہورہا آپ کے اس آنچل کا سفر 1978ء سے شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر واحسان ہے کہ اس نے آپ بہنوں کے تعاون اور مدد سے بغیر کسی وقفے کے اپنی اشاعت کے مسلسل 36 سال مکمل کرلیے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں آنچل کا یہ 430 واں شمارہ ہے ذرا سوچیے کہ 430 ماہ کا یہ عرصہ اپنے اندر کیسے تغیرات وانقلابات سمیٹے ہوئے ہے۔ وطن عزیز میں حادثات وواقعات رونما ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہماری کشتی پار لگادی۔ اس عرصے میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سینے میں سانس گھٹتا محسوس ہوا ہاتھ سے آنچل چھوٹتا محسوس ہوا۔ رب کا بڑا کرم ہے آپ کا یہ آنچل پچھلی اور نچلی سطح کو چیرتا ہوا پہلی صف میں آچکا ہے۔ میں تمام لکھاری بہنوں کے ساتھ ساتھ تمام قاری بہنوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں۔ آنچل کو آج جو مقام حاصل ہے وہ سب کچھ ہماری ہمارے ساتھیوں کی شب وروز محنتوں کا ثمر نہیں بلکہ اس میں آپ سب بہنیں بھی برابر کی شریک ہیں۔ یقیناً آپ میں اور میرے تمام ساتھی ایک فیملی ایک گھرانے کی مانند ہیں۔ میری اور ادارے کی جانب سے آپ سب کو نئے سال کی مبارک باد۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ ساتھ ہمیشہ اسی طرح قائم رکھے آمین۔

تمام اہل قلم لکھاری بہنوں کا خصوصی شکریہ کہ ان کی خوب صورت تحریریں ہی آنچل کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ تمام قلم کار بہنیں اپنے آنچل سے اسی طرح تعاون جاری رکھیں گی۔

**اس ماہ کے ستارے**

☆ کروں سجدہ ایک خدا کو — جذبہ ایمان کو حرارت بخشتی سیدہ غزل کی شاہکار تحریر جو آپ کا دل موہ لے گی۔
☆ صبح نو کا ستارہ — نادیہ فاطمہ رضوی اپنی نٹ کھٹ تحریر لیے مسکراہٹ کا سامان کررہی ہیں۔
☆ سال نو مبارک — عالیہ حرا کے خوب صورت انداز بیاں میں حرماں نصیب، ماں کی کہانی جسے پڑھ کر آپ کی پلکوں پر ستارے ٹھہر جائیں گے۔
☆ تم کانچ کا پیکر ہو — بہن ضوباریہ کانچ کے پیکر میں محبت کی چاشنی لیے دلکش انداز میں رونق افروز ہے۔
☆ میں بہت شرمندہ ہوں — خطا کوشی روش میری کے سانچے میں ڈھلی نازیہ جمال کی تحریر کیسے اعتراف جرم کررہی ہے۔
☆ دوسرا عہد — صدف آصف اپنے خوب صورت وپراثر انداز میں اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتی رونق افروز ہیں۔
☆ اب کے برس — اب کے برس نئے عہد وپیماں کرتی حیا بخاری خوب صورت انداز میں جلوہ گر ہیں۔
☆ آزادی یا انقلاب، — حالات حاضرہ پر طنز ومزاح کی چاشنی لیے ام ثمامہ کی پراثر تحریر جو آپ کو مسکرانے پر مجبور کردے گی۔
☆ نیا دن — امید کی روشن کرن لیے ام ایمن پہلی بار شریک محفل ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا



تُو ہی بے کسوں کا ہے آسرا تری شان جلّ جلالہ

تُو ہی ہر بشر کا ہے مدعا تری شان جلّ جلالہ

ہے عیاں بھی تُو ہے نہاں بھی تُو ہے یہاں بھی تُو ہے وہاں بھی تُو

کہ تُو ہی تُو اپنا ہے خود پتا تری شان جلّ جلالہ

تُو ہی رب ہے تُو ہی کریم ہے تُو قدیر ہے تُو رحیم ہے

تُو ہی ہے خدا تُو ہی کبریا تری شان جل جلالہ

تری حمد ہوسکے کیا بیاں کہ تُو ہی ہے خالقِ این وآں

ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا تری شان جلّ جلالہ

تری کنہ کوئی نہ پا سکا ہوا پست عقل کا حوصلہ

کہ ہے عقل کی بھی بساط تو تری شان جلّ جلالہ

ہم مدینے سے اللہ کیوں آگئے قلب حیراں کی تسکیں وہیں رہ گئی

دل وہیں رہ گیا جاں وہیں رہ گئی خم اسی در پہ اپنی جبیں رہ گئی

یاد آتے ہیں ہم کو وہ شام وسحر وہ سکونِ دل وجان وروح ونظر

یہ انہیں کا کرم ہے انہیں کی عطا ایک کیفیتِ دلنشیں رہ گئی

اللہ اللہ وہاں کا درود وسلام اللہ اللہ وہاں کا سجود وقیام

اللہ اللہ وہاں کا وہ کیفِ دوام وہ صلوٰۃ سکوں آفریں رہ گئی

جس جگہ سجدہ ریزی کی لذت ملی جس جگہ ہر قدم ان کی رحمت ملی

جس جگہ نور رہتا ہے شام وسحر وہ فلک رہ گیا وہ زمیں رہ گئی

پڑھ کے نصر من اللہ فتح قریب ہم رواں جب ہوئے سوئے کوئے حبیب

برکتیں رحمتیں ساتھ چلنے لگیں بے بسی زندگی کی یہیں رہ گئی

زندگانی وہیں کاش ہوتی بسر، کاش بہزاد آتے نہ ہم لوٹ کر

اور پوری ہوئی ہر تمنا مگر یہ تمنائے قلب حزیں رہ گئی

(بہزاد لکھنوی)

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

## سلمیٰ غزل...... کراچی

عزیزی سلمیٰ! شاد وآباد رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا نامہ موصول ہوا' آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں صفحات کی کمی کی بنا پر تاخیر کا شکار ہیں آپ کی شاعری ان شاء اللہ اگلے پرچے میں شائع ہوجائے گی۔ آج کل فرصت کا وجود فنا ہو چکا ہے ہر طرف یہی صدا ہے "دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن" لیکن ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتے آپ نے اس مصروف زندگی سے کچھ پل نکال کر صبح بہاراں کی صورت میں اپنا افسانہ ہمیں ارسال کیا بے حد اچھا لگا۔ ان شاء اللہ جلد اپنی جگہ بنالے گا' فرحانناز کے لیے اپنے جذبات واحساسات صفحہ قرطاس کے سپرد کرکے فیکس یا میل کردیجیے شامل کرلیں گے۔

## نجم انجم اعوان...... کورنگی' کراچی

پیاری بہن! جگ جگ جیو دو سال کی علالت کے بعد روبہ صحت ہونا بے شک اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنتا اور ہم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے بچوں پر آپ کی ممتا کا سایہ سدا سلامت رکھے...... آمین' بہرحال آپ نے تین سال بعد بھی یہ تعلق ٹوٹنے نہ دیا' جان کر خوشی ہوئی۔ قلمی رابطہ استوار رکھیے گا دوستوں کو بھی معلوم ہوجائے گا فکر مت کریں' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

## سویرا فلک...... کراچی

ڈیئر سویرا! جگ جگ جیو' یہ تو آپ کا حسن نظر ہے ورنہ ہم اور ہماری کاوشیں ان باتوں کے اہل کہاں؟ آپ کے ناول ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد ہی آنچل کے صفحات پر رونق افروز ہوجائے گا۔ یہ تحریر تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر اس ماہ شامل اشاعت نہ ہوسکی' معذرت چاہتے ہیں۔

## نورین مسکان سرور' سیالکوٹ' ڈسکہ

ڈیئر نورین! پیاری نانی کی پیاری نواسی جگ جگ جیو' آپ کا نٹ کھٹ انداز تحریر ہے بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔ بہرحال آپ کا نام تو آیا ہے ناں یہی کافی ہے۔ آپ کی محنت وشوق قابل تحسین ہے آپ نے جس طرح تمام احوال گوش گزار کیا ہے اسے پڑھ کر اور آپ کے حوصلے کو داد دینے کو دل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے' آپ کی نانی محمدی بی بی کا تعارف سب نے ہی پسند کیا ہے۔

## دعا ہاشمی...... فیصل آباد

پیاری دعا! شاد وآباد رہو' ہم سے رابطے کے لیے ایک ذریعہ خط وکتابت اور دوسرا ای میل کا ہے اسی لیے آپ سے رابطہ نہ ہوسکا۔ بے شک ماں جیسے عظیم سرمایہ کو کھودینا ناقابل تلافی نقصان ہے' ماں کی ممتا کے آنچل کے بغیر اس دنیا میں جینا بے حد کٹھن ہے لیکن ہر کام میں اللہ سبحان وتعالیٰ کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں وہ آپ کی والدہ کے درجات بلند فرمائے آپ کو صبر واستقامت عطا فرمائے' پیاری سی بھانجی کی آمد مبارک ہو یہ ننھی گڑیا آپ کے لیے بہت سی خوشیوں کا باعث بنے آمین۔

## ارم کمال...... فیصل آباد

عزیزی ارم! سدا مسکراؤ' چاہتوں اور دعاؤں کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ موصول ہوا' اس قدر پرخلوص دعاؤں پر آپ کا بہت جزاک اللہ' وطن عزیز کے حق میں اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی تمام دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دے اور ہمارے حکمرانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ آپ کو بھی نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں۔

## حمیرا قریشی...... لاہور

ڈیئر حمیرا! جگ جگ جیو' اچھی اور معیاری چیز کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' آپ کی تحریر قبولیت کا درجہ حاصل کر پائی کیونکہ آپ کے قلم میں اتنی اہلیت تھی۔ آپ کی نئی تحریر موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھ کر آپ کو



اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا' ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔

## رابعہ بٹ...... لودھراں

ڈیئر رابی! سدا مسکراؤ' بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے' پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرسکتی ہیں۔

## تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان

ڈیئر تمنا! شاد رہو آپ کی دونوں کہانیاں بہت کمزور ہیں اسی بنا پر رد کی گئی تھیں۔ انداز تحریر کمزور اور کہانی پر گرفت بھی نہیں ہے اس لیے معذرت۔ آئینہ میں آپ کا تبصرہ لیٹ موصول ہوا تو شامل کیسے کرتے' بہرحال نازیہ تک آپ کا خط پہنچ جائے گا۔

## ماہ نور نعیم...... ضلع بھکر

ڈیئر ماہ نور! سدا سلامت رہو' آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ حساس دل کی مالک اور اپنے وطن پاکستان سے والہانہ محبت کرتی ہیں آج کل کے حالات میں ہر محب وطن انہی کیفیات کا شکار ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے ارض وطن پر اپنی رحمتیں برکتیں نازل فرمائے اور حاسدوں کی نظر سے محفوظ رکھے آمین۔

## روما غفور رومی...... شاہ کوٹ

ڈیئر روما! شاد وآباد رہو' بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ آنچل کی دیرینہ قاری ہیں اور آج طویل عرصے بعد آنچل کو رونق بخشی جان کر بے حد اچھا لگا' آنچل کی تحریروں سے آپ اصلاح حاصل کرتی ہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے' جان کر خوشی ہوئی۔

## مریم مغل...... حیدرآباد' سندھ

ڈیئر مریم! سدا مسکراؤ' گڑیا آپ بالکل آنچل میں شرکت کرسکتی ہیں یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے اس کے لیے اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح آپ نے ابھی یہ خط ارسال کیا ہے اسی طرح دیگر سلسلوں کی بھی ڈاک ایک ہی لفافے میں رکھ کر ارسال کردیں البتہ ہر سلسلہ پر اس کا نام اور الگ سے صفحہ کا استعمال کرنا ہوگا۔

## سبط الرحمن...... ماچھیوال

پیاری بہن! خوش آمدید' آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی اور خط ہم تک پہنچ جائے گا تو شائع کیونکر نہ ہوگا۔ غزل اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوجائے گی۔ آپ دوست کے پیغام کے ذریعے اپنی سہیلی کو سالگرہ کی مبارک باد دے سکتی ہیں' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

## تصور یعقوب...... چک بیلی خان

ڈیئر ہمشیرہ! جگ جگ جیو' آپ سالانہ خریدار بننے کے لیے 700 روپے کا منی آرڈر آنچل کے نام اور دفتر کے پتے پر ارسال کردیں اور منی آرڈر کے آخری حصہ میں اپنا مکمل نام پتا اور نمبر بھی درج کریں اور آئندہ اس طرح لفافے میں رقم رکھ کر مت ارسال کریں آپ کی مطلوبہ رقم محکمہ ڈاک کی نذر ہوجائے گی دیگر بہنیں بھی اس طرح پیسے لفافے میں رکھ کر ہرگز مت ارسال کریں۔ مزید معلومات کے لیے آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کریں۔

## فرحت اشرف گھمن...... سید والا

ڈیئر فرحت! سدا خوش رہو' خفگی وناراضگی سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا بہرحال آپ کی ڈاک شامل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے ہماری جانب سے زندگی کا ایک نیا سفر مبارک ہو۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو نئی زندگی میں بہت سی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

## حرا رمضان...... اختر آباد

پیاری حرا! شاد وآباد رہو' آنچل سے آپ کے دیرینہ تعلقات کا جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ بے شک آپ ہماری پرانی قاری ہیں جہاں تک تعارف کی اشاعت کی بات ہے تو گڑیا ہمیں کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے۔ بہت سے تعارف باری کے انتظار میں ہیں' ان شاء اللہ آپ کا تعارف بھی باری آنے پر لگادیں گے۔ مایوسی بری بات ہے آپ ہمیں اتنا مان اتنا پیار دیتی ہیں ہمارے لیے آپ کے جذبات بہت انمول ہیں۔ آنچل سے رابطہ استوار رکھیے گا اور یہ رشتہ بحال رکھیے گا۔

## فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال

ڈیئر فائقہ! جگ جگ جیو' سب سے پہلے تو ہماری جانب سے آپ کو نئے گھر کی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ سبحان و

تعالیٰ سال نو میں آپ کے آشیانے کو ہمیشہ کے لیے خوشیوں سے بھر دے۔ آپ کو بھی سال نو مبارک' نادیہ فاطمہ رضوی شریک محفل ہیں۔

### غزالہ شریف...... وہاڑی

ڈیئر غزالہ! سدا مسکراؤ' روحانی مسائل اور آپ کی صحت کے سلسلوں میں شرکت کرنے کے لیے آنچل کے پتے پر اپنی ڈاک ارسال کردیں' لفافے پر آپ کی صحت اور دوسرے پر روحانی مسائل کا حل بمعہ کوپن ارسال کردیں اس طرح آپ کی یہ ڈاک وہاں تک پہنچادی جائے گی۔

### سیدہ جیا عباس...... تلہ گنگ

پیاری جیا! شاد و آباد رہو آپ کا خط پڑھ کر تمام احوال کا بخوبی اندازہ ہوا اور جان کر بے حد افسوس بھی ہوا۔ آپ اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرتی جائیں اور باقی تمام معاملات اس مالکِ دو جہاں پر چھوڑ دیں بے شک وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ کو بھی ان حالات کا بہت اچھا اجر اور خوشیاں عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ راہ راست سے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

### ثانیہ مغل...... للیانی سرگودھا

ڈیئر ثانیہ! سدا مسکراؤ' آپ اپنی تحریر ہمیں ارسال کردیں پڑھنے کے بعد ہی آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کرپائیں گے۔ آپ ایک کہانی پر ایک ہی رائٹرز کا نام لکھ سکتی ہیں۔

### شازیہ خان...... ڈیرہ غازی خان

ڈیئر شازیہ! جیتی رہو ہر پرچے کا اپنا معیار ہوتا ہے آپ اپنی تحریر ارسال کردیں اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

### شازیہ گل...... بھیر کنڈ

ڈیئر شازیہ! شاد و آباد رہو آپ کے جذبات و احساسات قابل قدر و قابل تحسین ہیں۔ آپ کچھ کرنا چاہتی ہیں بے حد اچھی سوچ ہے آپ اپنا مختصر افسانہ ارسال کردیں اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

### تہمینہ گل...... مانسہرہ

پیاری تہمینہ! جگ جگ جیو آپ کے افسانے موضوع اور انداز تحریر دونوں لحاظ سے کمزور ہیں' کہانی پر آپ کی گرفت بالکل کمزور ہے۔ تحریر میں پختگی لانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں دیگر رائٹرز کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں' پھر قلم اٹھایئے گا۔

### سونیا اماوس...... اوکاڑہ

ڈیئر سونیا! شاد و آباد رہو آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کردی جاتی ہے رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے اگر شائع نہیں ہوئی تو یقیناً اس معیار کی نہیں یا پھر کچھ انتظار کریں شاید باری آنے پر شائع ہوجائے۔

### عاصمہ مشتاق...... چکوال

ڈیئر عاصمہ! سدا مسکراؤ پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید' سیدہ غزل زیدی کے ناول کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچا رہے ہیں' آپ کہانی ارسال کردیں' پڑھنے کے بعد ہی رائے دے پائیں گے۔ دوست کا پیغام میں شرکت کے ذریعے آپ دیگر بہنوں سے رابطہ کرسکتی ہیں۔

### نیلم گوندل...... گجرات

پیاری نیلم! سدا مسکراؤ' آپ کی غزل متعلقہ شعبے کو ارسال کردی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنائے گی۔ طویل عرصے کی آنچل سے آپ کی وابستگی کا جان کر اچھا لگا۔

### شمزہ رانی...... اڈا پا ہڑیانوالی

پیاری شمزہ! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر موصول ہوئی ہے بہت جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ فی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا لہٰذا تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا' قلمی دوستی کے لیے نصف ملاقات ہی ایک ذریعہ ہے۔

### حنا نذیر...... نا معلوم

ڈیئر سسٹر! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر پڑھی جس سے اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے مگر موضوع ٹھیک نہیں ہے' اس لیے کسی اور موضوع کا انتخاب کریں' امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

### نسرین کوثر...... ڈیرہ غازی خان

اچھی بہن! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ''نادم'' پڑھی' انداز



تحریر بہتر ہے لیکن کسی اور موضوع کا انتخاب کریں اور لڑکی کو ہر حالات میں ثابت قدم دکھائیں تاکہ قارئین بہنیں اس سے اچھا سبق حاصل کریں اور اپنی اصلاح بھی کرسکیں۔

### صبا انور...... نامعلوم

ڈیئر صبا! خوش رہو آپ کی تحریر ''ایک خواہش'' موصول ہوئی' تحریر موضوع کا چناؤ اچھا ہے لیکن آپ کے انداز تحریر میں کہیں کہیں گرفت کمزور پڑی' مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔

### ثمینہ فیاض...... کراچی

پیاری ثمینہ! خوش رہو آپ کی تحریر ''جیون پہیلی'' موصول ہوئی' کہانی بے جا طوالت کا شکار ہے اور جملوں کا انتخاب بھی کہانی کو سنبھال نہیں پایا' مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہے' امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

### بنت پاکستان آبشار...... بھکر

پیاری بہن! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر ''بارش کا پہلا قطرہ'' موصول ہوئی' حب الوطنی پر لکھی گئی کمزور اور مختصر آرٹیکل کی طرز پر ہے اس لیے جگہ نہیں بناسکتی' مزید محنت اور وسیع مطالعے کے بعد آپ اچھا لکھ سکتی ہیں' اس کے علاوہ ہمیں آپ کی کوئی اور تحریر موصول نہیں ہوئی۔

### حنا عروج...... لانڈھی' کراچی

ڈیئر حنا! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ''مکڑی کا جال'' موصول ہوئی' تمثیلی انداز میں لکھی قدرے بہتر تحریر ہے لیکن آنچل کے صفحات پر جگہ نہیں بناسکتی' پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ آپ کو مزید محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے' اس لیے کوشش جاری رکھیں۔

### صباء الیاس...... راولپنڈی

پیاری صبا! شاد و آباد رہو آپ کی دو تحریریں ''جو سر راہ ٹکرا گئے'' اور ''چوڑیوں کی قیمت'' دونوں ہی کا موضوع اور انداز تحریر کمزور ہے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے مزید محنت اور وسیع مطالعہ سے آپ اچھا لکھ سکتی ہیں' اس لیے کوشش جاری رکھیں۔

❖ تمام قارئین و نو آموز بہنوں سے درخواست ہے کہ سلسلہ وار ناول ہرگز ارسال مت کریں۔ سلسلہ وار ناول کی فی الحال گنجائش نہیں ہے' مزید سلسلہ وار ناول لکھنے سے پہلے ادارے سے باقاعدہ اجازت درکار ہوتی ہے اس لیے تمام بہنیں مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں' تنا یاد رکھیں مختصر مگر پراثر لکھیں۔

**ناقابل اشاعت:۔**

محبت انمول ہے' دل کیسے جیتوں' اگر دیر ہوجاتی' سجدہ شکر' انتقام کی آگ' تیرے بن تیرے سنگ' دریا کی لہروں سے عشق نہ ہارا' اکتساب محبت' مٹی کا قرض' عادت' چالان' جیون پہیلی' صبر کا اجر' ضرورت عنوان' تقدیر کے فیصلے' مکڑی کا جال' جو سر راہ ٹکرا گئے' شجر سے ٹوٹ کر گرنا' نادم' چاہتوں کا بندھن' اعتراف شکست' محبت ایک جذبہ ہے' وہ اک بات' میرے بخت کا سرپرائز' ماڈرن' ڈولی ارمانوں کی' محبت پھول کی مانند' پتھر کی آزادروح' رائٹر' اک شام معافی' امید محبت' میرے شوق پورے ہوئے' محبتیں' اے جنگ باز انسانوں' چوڑیوں کی قیمت' انجانا انجانی' اک نظر اس طرف' ذرا تم شام ہونے دو' فاصلے دلوں کے مٹ جائیں گے' بارش کا پہلا قطرہ' ایک خواہش' اک تتلی۔

❀

**مصنفین سے گزارش**

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کراکر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مشتاق احمد قریشی

مذہب سے بھاگنے والے ہی آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا یہ دعویٰ کہ وہ انسانوں اور جنوں کو دوبارہ پیدا کرے گا تو وہ ایسا ضرور کرے گا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور قوت سے سب کچھ ممکن ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے پہلی بار انسان کو عہد الست کے لیے پیدا کیا اور دوسری بار دنیا کی زندگی کے لیے وہ تیسری کیا بلکہ بار بار بھی پیدا کرسکتا ہے۔ جو شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی بار تخلیق کیا وہ دوبارہ پیدائش کو یا زندہ ہونے کو بعید از فہم نہیں مانتا و سمجھتا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔

اعادۂ خلق، عقل وانصاف کی رو سے ضروری ہے اور یہ ضرورت تخلیقِ ثانیہ سے ہی پوری ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اپنا مالک وخالق ماننے والے اس اکیلے کی پرستش وعبادت وبندگی کرنے والے اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں ان کے اخلاصِ عمل کی پوری پوری جزا ملے اور جنہوں نے اپنے مقصدِ تخلیق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احکاماتِ الٰہی سے انکار وانحراف کیا انہیں ان کے اعمال کی سزا ملے۔ اس لئے جزا وسزا کا عمل مکمل کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ اسے جزا وسزا کے عمل سے گزارا جاسکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جو بڑا ہی دانا اور حکیم ہے اس نے کائنات کا ایک ایک ذرہ بڑی حکمت ودانائی سے تخلیق کیا ہے وہ جو انسانی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور وہ جو پوشیدہ ہیں سب اللہ کی حکمت کے آثار اور علاماتِ اعلانیہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ فی الارض کی ذمے داری سے نوازا ہے اسے عقل وفہم، قوتِ ادراک، اخلاق اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشے ہیں یہ سب اسی لئے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے نائب سے پوچھ گچھ کرے گا حساب کتاب کرے گا، اسی ذمہ داری کی وجہ سے جو انسان کو سونپی گئی تھی جزا وسزا کا استحقاقِ الٰہی بنتا ہے اس لئے انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ دوسری زندگی لازمی ہے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویہ کا نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ اکیلا ہے صرف اسی کی عبادت کرو اور دوسرے یہ کہ تمہیں اس دنیا سے جاکر اپنے رب کو حساب دینا ہے۔ ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بغیر دیکھے یقینِ کامل ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ہر ہدایت پر پورا یقین ہی ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کا جو امتحان لینا چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ حس اور مشاہدے سے بالاتر حقیقتوں کو خالص نظر وفکر اور استدلالِ صحیح کے ذریعے مانتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہر ہر چیز



میں نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت حکیمانہ طریقے سے زندگی کے مظاہر میں ہر طرف وہ آثار وعلامات پھیلادی ہیں جن کے پیچھے حقیقت کی صاف نشان دہی ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت ظاہر ہو رہی ہے۔

منکرین حق وآخرت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ عنقریب میں اُسے دوزخ میں جھونک دووں گا اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ اور اس میں انیس فرشتے مقرر ہیں۔ (المدثر۔ ۲۶ تا ۳۰)

آیاتِ مبارکہ اپنی جگہ خود تفسیر ہیں، پیام الٰہی اس قدر صاف اور واضح ہے کہ مزید تشریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے آیات میں دوزخ کو سقر کہہ کر متعارف کرایا گیا ہے۔ سقر کے معنی آگ کے ہیں یہ دوزخ کے ایک خاص حصے کا نام ہے جس کی شدید آگ جسم وروح کو تحلیل کر ڈالتی ہے شدید جلانے والی آگ ہوگی جو جلا کر خاک کردے گی مگر انسان کا پیچھا مر کر نہیں چھوٹے گا کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہوگی آگ بار بار جلاتی رہے گی اور جلنے والا جسم بار بار جلتا ہی رہے گا کیونکہ آخرت کے بعد کی زندگی دائمی ہوگی وہاں کسی کو کسی بھی طرح موت نہیں آئے گی اس کیفیت کا اظہار سورۃ الاعلیٰ ۱۳ میں کیا گیا ہے۔ ''وہ نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا'' اس حصے میں دوزخ کا سخت عذاب مسلسل ہوگا، آگ ان کے جسم پر نہ گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی ہر بار ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا آگ جسم میں کچھ جلائے بغیر نہیں چھوڑے گی کھال جھلس دینے کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے لہجے میں ہی سمجھاتا ہے، کیونکہ انسان کو نمایاں کرنے والی اس کی شخصیت کو حسن وجمال دینے والی اس کے چہرے کی کھال ہوتی ہے جس کی بدنمائی انسان کو سب سے زیادہ کھلتی ہے۔ اندرونی اعضا خواہ کتنے ہی بدنما ہوں اسے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی جسم کے کھلے حصوں کے داغ اسے پریشان رکھتے ہیں انسان کی فطرت بھی اللہ تعالیٰ کی ہی بنائی ہوئی ہے جسے وہ خوب جانتا ہے کہ بندے اپنی کس چیز کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اطلاع بھی دے رہا ہے کہ دوزخ سے کسی طرح کوئی فرار نہیں ہوسکے گا جیسا دنیا میں اکثر مجرم جیل توڑ کر فرار ہوجاتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی میں ایسا ہرگز ممکن نہیں ہوگا۔ جہنم میں ایک نہ دو پورے انیس فرشتے دربان کے فرائض انجام دے رہے ہوں گے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ جو کسی بھی طرح احکام الٰہی سے بغاوت وکفر کرتے ہوں گے قرآنِ حکیم اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک وشبہ کرتے ہوں گے انہیں فرشتے اپنی نگاہ میں رکھیں گے، قیامت کے بعد آخرت میں بھی ان پر پہرے لگائے جائیں گے بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگ الٰہی پہرے میں رہیں گے۔

ترجمہ:۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُس دوزخ کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لئے نہیں کیا گیا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (المدثر۔ ۳۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں کیسی کیسی اور کتنی مخلوقات پیدا کر رکھی ہیں اور ان کو کیسی طاقتیں بخش رکھی ہیں اور وہ ان سے کیسے کیسے کام لیتا ہے یا لے سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

انسان جو کچھ دیکھتا محسوس کرتا ہے دنیا یا مخلوقاتِ الٰہی صرف وہی نہیں ہیں اللہ کا کارخانہ قدرت تو بے حدوحساب وسیع ہے اور عظیم ترین ہے۔

اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے بے حدوحساب شفقت ومحبت فرماتا ہے وہ قرآنِ حکیم میں بار بار جگہ جگہ جہنم کے عذابوں اور جنت کی آسائشوں راحتوں کا ذکر صرف اس لئے فرماتا ہے کہ انسان اس پندونصیحت سے شاید سنبھل جائے اور اپنی مذموم حرکات وبغاوت سے باز آجائے اور عذاب کا مزا چکھنے سے پہلے ہی ہوش میں آجائے اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرلے۔ انسان پر انسان ہونے کے ناطے بڑی ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں کیونکہ انسان اس کائنات کے اشرف ترین' ممتاز ترین ذمہ داروں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ فطرت کے تحت ہر انسان کو کسی نہ کسی خاندان کی سربراہی بھی سونپی گئی ہے جس کی تعلیم وتربیت دیکھ ریکھ کی ذمے داری ایسی ذمہ داری کہ جس میں اس کے زیرکفالت افرادِ خاندان کی ایسی تربیت کرنا بھی شامل ہے جس سے وہ اللہ کے پسندیدہ انسان بن سکیں جیسا کہ سورہ التحریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر نہایت سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں' جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے' جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔ (التحریم۔٦)

آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان لوگوں کو ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاندان والوں' گھر والوں کی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم کا اہتمام کرے تاکہ وہ بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں ایسا نہ ہو کہ ہر شخص صرف اپنی فکر کرے اور اپنی راہ سیدھی کرنے میں لگا رہے' اسلام ایک معاشرتی نظام بھی ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (ترمذی۔ سنن ابی داؤد) تاکہ جب وہ سن شعور کو پہنچیں تو انہیں دینِ حق کا شعور بھی حاصل ہوچکا ہو۔ (ابن کثیر)

ایمان والوں سے کون لوگ اللہ کی مراد ہیں اور ایمان لانے سے کن کن چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ قرآن کریم میں ربّ کائنات نے پوری طرح کھول کھول کر بیان کردیا ہے۔ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے وجود کو ماننا کہ وہی ہمارا معبودِ حقیقی ہے اور کوئی اس کا کسی بھی طرح شریک نہیں ہے۔ وہی تمام عبادت وبندگی کا اصل مستحق ہے۔ وہی ہماری نگہداشت وپرورش کرنے والا ہے' ہماری قسمت بنانے بگاڑنے کا پورا اختیار اسی کے پاس ہے۔ تمام حاجات کے لئے اُسی سے دعا مانگنا اور اسی پر توکل کرنا۔ اُس کے ہر حکم کو بالکل اسی طرح ماننا جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ اس کی مکمل اطاعت کرے جس چیز سے روک دیا اُس سے رک جائے جسے کرنے کا حکم دیا اُسے کرے۔ اُس کے کام وافعال تو دور کی بات ہے اس کی سوچ ونیت سے بھی اللہ تعالیٰ بخوبی واقف رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیمات کو ماننا کہ وہ سب اللہ کی ہی طرف سے دی گئی ہے اس لئے برحق اور واجب التسلیم ہے۔ اسی ایمان بالرسالت



میں ملائکہ' انبیاء' اور کتب الٰہیہ پر اور خود قرآنِ حکیم پر ایمان وعمل ضروری ہے۔

یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے خوب کھول کھول کر بیان فرمادی ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے بلکہ اس زندگی کے بعد یعنی مرنے کے بعد سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔ اس وقت سب کو اپنے ان اعمال کا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کئے ہوں گے کو اللہ ذوالجلال کے سامنے پیش ہوکر حساب دینا ہوگا۔ اس روز آخر جو لوگ نیک قرار پاجائیں گے یعنی جنہوں نے دنیا میں اپنی زندگی اللہ دیگر رسولوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق بسر کی ہوگی انہیں جزا سے نوازا جائے گا اور جنہوں نے احکامِ الٰہی سے انکار کیا ہوگا انحراف کیا ہوگا بغاوت کی ہوگی کفر کیا ہوگا انہیں اس روز سزا ملے گی جو جیسا بوئے گا وہ ویسا ہی اُس روز پائے گا۔

ایمان' اخلاق' سیرت وکردار کے لئے انسان کو مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صرف اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ ایمان پر قائم ہوکر رات ودن بس عبادت کرتا رہے اور احکامِ الٰہی پر عمل کرتا رہے یعنی روزہ رکھے' نماز پڑھے' حج کرے جہاد کرے اور سارا وقت ان ہی عبادات واعمال میں صرف کرے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں جو ادا کرنا ضروری ہیں۔ نیک کاموں پر عمل ہر وہ کام جسے کرنے کا حکم الٰہی دیا گیا ہے وہ نیک کام ہے اسے اسی طرح ادا کرنا بھی عبادت ہے اور جسے نہ کرنے کا حکم ہے جس سے روک دیا گیا ہے اسے نہ کرنا اس سے رُکے رہنا بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ غرض زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کرے اور قرآن کی رہنمائی میں زندگی بسر کرے کیونکہ قرآن حکیم ایک بہت وسیع اور جامع ہدایت نامہ ہے جس میں ہر عمل قول وفعل کے بارے میں ہدایات دی گئیں ہیں ان ہی ہدایات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تاکید فرمائی ہے غور کرنے فکر کرنے اور تدبیر کی اس کے لیے مسلمانمعاشرے کا ہر فرد ذمے دار ہے کہ اسلامی معاشرے اور طرزِ زندگی کو رائج کرے' ہر فرد پر لازم ہے کہ نہ صرف خود حق پرستی' راست بازی' عدل وانصاف پر قائم رہے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو اس طرزِ عمل کی نصیحت کرے اور اس میں ان کی مدد بھی کرے۔

اسلام ایک مذہب ایک دین ہی نہیں ہے یہ ایک تہذیب ایک سچے صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل بھی کرتا ہے لوگوں کو دنیا کی زندگی گزارنے کے اخلاق وعادات بھی مہیا کرتا ہے اجتماعی زندگی کو فروغ دیتا ہے۔ اسلام صرف نماز روزہ اور عبادت کا نام نہیں ہے اسلام تو بڑے وسیع معنوں پر محیط لفظ ہے جو ایک صالح معاشرے کی عکاسی ہی نہیں بلکہ دنیا کی اس زندگی کے بعد آنے والی دائمی زندگی جس کا آغاز روزِ آخرت ہونا ہے اس کی مکمل تیاری کا ضامن بھی ہے روزِ آخرت دنیا کی زندگی کا آخری دن ہوگا لیکن نئی آنے والی دائمی زندگی جس میں کبھی کسی کو موت نہیں آئے گی دائمی زندگی کے آغاز کا پہلا دن ہوگا۔ آخرت کے اس پہلے اور دنیا کے آخری دن کے نقصان وخسارے سے بچنے اور محفوظ رہنے کے سب طور طریقے اللہ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر قوموں کے انبیاء اکرام علیہ السلام کے ذریعے بتادیئے سکھادیئے اس کے بعد یہ ذمہ داری انسان کی ہے کہ وہ کیسے اور کس طرح احکامِ الٰہی کو تسلیم کرتا ہے اور اپنے

آپ کوآخرت کے خسارے سے بچاتا ہے یارد کرتا ہےاور کفر میں پڑ جاتا ہے۔

آخرت میں عدل کی تمام شرائط پوری کرنے کے بعد ہی مجرموں کوسزادی جائے گی‘ وہاں لوگوں کے اعمال کی پوری پوری جانچ پڑتال ہوگی‘ وہاں برے انجام سے نہ مال بچاسکتا ہے نہ اولاد نہ باپ دادا کا کوئی عمل‘ وہاں ظالم کی اگر نیکیاں ہوئیں تو وہ مظلوم کودے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں ظالم کے پاس نہیں ہوں گی تو مظلوم کی غلطیاں اور گناہ ظالم کودے دیئے جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں لوگوں کو چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ذریعے متنبہ کرتا ہے تاکہ انسان آخرت کی تیاری کرلے۔ آخرت کی سزا سے انسان بچ نہیں سکتا۔ میدانِ حشر میں مومن‘ نیکوکار متقی لوگوں کی مغفرت ہوگی انہیں عزت نصیب ہوگی جب کہ منکرین منافقین کفار کوعذاب ملے گااور ذلت ملے گی۔

روزِآخرت میدانِ حشر میں جب سب کا فیصلہ صادر کردیا جائے گا تو اہلِ جہنم اپنے دائمی ٹھکانے جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے اور اہلِ ایمان متقی پرہیز گار لوگوں کو جنت نصیب ہوگی وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ روزِ محشر حساب کتاب ہونے کے بعد جوزندگی شروع ہوگی وہ دائمی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہوگی یہی اللہ کا حکم اور مشیت ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دونوں دائمی حیات کے ٹھکانوں کے بارے میں بھی قرآن کریم کے ارشادات کودیکھ لیااور سمجھ لیا جائے کہ جہنم کیا ہے؟ اور جنت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیراور قضاء میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور اس روز اللہ جنت وجہنم کوانسانوں اور جنوں سے بھردے گا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں گیں‘ جنت نے کہا کیا بات ہے کہ میرے اندروہی لوگ آئیں گے جوکمزوراور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا۔ ’’میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا۔ ’’تو میری رحمت کی مظہر ہے تیرے ذریعے میں جس پر چاہوں اپنا رحم کروں اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میرے عذاب کی مظہر ہے تیرے ذریعے میں جس کو چاہوں سزادوں‘ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھردے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا‘ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی اور جہنم جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ھل من مزید کا نعرہ بلند کرے گی‘ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی‘ بس‘ بس‘ تیری عزت وجلال کی قسم۔ (صحیح بخاری‘ مسلم)

(جاری ہے)





# نصرت جبیں

ملیحہ احمد

میرا نام نصرت جبیں ملک ہے‘ 5 جون کی ایک صبح تھل کے ٹیلوں سے گھرے ایک گاؤں رنگپور ضلع خوشاب میں پیدا ہوئی‘ ددھیال اور ننھیال میں پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے سب کا پیار اور محبتیں ملیں‘ والد ایک اچھی پوسٹ پر تھے اس لیے ان کے ہمراہ کئی علاقوں میں رہائش اختیار کرنے سے وہاں کی تہذیب‘ زبان اور دیگر رسومات سے آگاہی ہوئی جن میں ڈیرہ غازی خان‘ ملتان‘ خانیوال اور میانوالی شامل ہیں۔ لکھنے کا آغاز نوائے وقت میں بچوں کے صفحے ’’پھول اور کلیاں‘‘ سے کیا پھر ’’پھول‘‘ میں بھی بچپن کی تخلیقی صلاحیتوں کوآزمایا۔ کالم نگاری کا آغاز ڈیلی جناح سے کیا اور بطورِ پاکستانی شہری سیاسی اور سماجی امور پر خوب دل کی بھڑاس نکالی لیکن پھر بائے ری قسمت کہ ڈبل ایم اے اور ایم ایڈ سیکنڈری‘ اسپیشل ایجوکیشن کی ڈگریاں ہاتھ آئیں تو سرکاری نوکری نے دامن پکڑلیا اور پیڈا ایکٹ کے تحت لکھنے پر (سیاسی امور پر) پابندی لگ گئی تو یہ مزا کرکرا ہوگیا اور عافیت اسی میں سمجھی کہ ضلع خوشاب کے ہر دل عزیز اخبار نوائے جوہر میں ہی معاشرتی مسائل پر لکھا جائے‘ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بھی برکت ڈالی اور میرا کام اخبار کی ضرورت بن گیا تو ساتھ سوچا کہ افسانہ نویسی کے شوق کو پھر سے جلا بخشی جائے تو نازنین میں دو عدد افسانے بھیجے جو قدرے انتظار کے بعد شائع ہوگئے۔ اب پاکیزہ اور آنچل کی راہوں پر بھی قدموں کو ڈال دیا ہے‘ میرا خدا یہاں بھی میری مدد کرے۔ اب کچھ بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی میری خوبی یہ ہے کہ غصہ آئے تو فوراً چند لمحوں میں ختم ہوجاتا ہے‘ خوش اخلاق ہوں اور غرور نام کو نہیں اور خامیاں یہ ہیں کہ حساس ہوں‘ جلد اعتبار کرلیتی ہوں‘ اس وجہ سے نقصان بھی اٹھائے ہیں۔ اصول پسند ہوں‘ اس وجہ سے بطور ہیڈ مسٹریس کچھ سخت فیصلے کرکے دشمنیاں بھی مول لی ہیں۔ 5 دسمبر 2010ء کو کزن سے شادی ہوئی جو خوش گوار انداز سے گزر رہی ہے‘ دن کے اوقات میں سے ڈھلتی شام کا منظر اچھا لگتا ہے کہ جب سورج آنکھوں سے اوجھل ہونے کے قریب ہوتا ہے اور پرندے گھونسلوں میں پلٹ رہے ہوتے ہیں میں اداس تب ہوتی ہوں جب خراب ملکی حالات اور خصوصاً اپنے تھل کے علاقے کو مسائل میں گھرا پاتی ہوں‘ یہاں کے لوگوں کے دکھ مسائل اور زندگی کے تلخ وشیریں واقعات‘ حالات کا عکس میرے اکثر افسانوں اور کالموں میں بھی نظر آتا ہے۔ میری نظر میں دنیا کا سب سے خوب صورت رشتہ ماں کا ہے اور اس دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبت بھی اپنی ماں سے ہے‘ رات کو سوتے وقت دوسری بہت سی دعاؤں کے ہمراہ یہ دعا بھی کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی میں میری ماں کو ہمیشہ سلامت رکھے‘ آمین۔ آخر میں چھوٹا سا پیغام‘ بہتر زندگی وہ ہوتی ہے جو آپ اپنے لیے گزارتے ہیں اور بہترین وہ جو دوسروں کے لیے لہٰذا زندگی بہترین گزارنی چاہیے۔‘‘

## ماریہ چوہدری

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور میری پیاری بہنوں کو مابدولت کا پیار بھرا سلام قبول ہو' مابدولت کو ماریہ چوہدری کہتے ہیں لیکن میری فرینڈز مجھے ماریہ مسکراہٹ کہہ کر بلاتی ہیں۔ آنچل سے میرا ساتھ 9th کلاس سے شروع ہوا تھا اور اب تک میں نے اسے پیار سے تھاما ہوا ہے۔ مابدولت نے 4 جون 1996ء کو اس دنیا میں آ کر دنیا کے حسن کو دوبالا کردیا۔ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں ہم چھ بہنیں اور ماشاء اللہ سے چار بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے پہلے نمبر پر بھائی شوکت دوسرے نمبر پر باجی عذرا' تیسرے نمبر پر باجی بلقیس' چوتھے نمبر پر طاہر بھائی' پانچویں نمبر پر باجی شاہدہ' چھٹے نمبر پر بھائی صفدر' ساتویں نمبر پر ارشد بھائی' آٹھویں نمبر پر شازیہ' نویں نمبر پر نازیہ اور آخری نمبر پر مابدولت ماریہ چوہدری۔ ہماری کاسٹ راجپوت ہے اور ہماری زبان پنجابی ہے' آنچل سے میری وابستگی جس طرح ہوئی ہے نا میں جب بھی یاد کرتی ہوں خود بخود مسکرانے لگتی ہوں۔ آپ بھی سنیے میرا احوال! میرے 9th کے ایگزامز ہو رہے تھے' ان دنوں پیپروں کی تیاری خوب چل رہی تھی' ایک دن میں کمرے میں بیٹھی انگلش کے پیپر کی تیاری کررہی تھی کہ میرے پاس آنچل ڈائجسٹ پڑا ہوا تھا اس وقت مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت بالکل نہیں تھی تو میں نے موقع غنیمت سمجھ کر انگلش کی کتاب بند کردی اور چوری چوری ڈائجسٹ پڑھنے لگی۔ میرا خیال ہے ان دنوں (جان جاں جو تو کہے) سلسلے وار ناول چل رہا تھا۔ یقین مانیے اس دن میں نے ڈائجسٹ کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جو میں نے چھوڑا ہو' گھر والے سمجھتے تھے کہ ماریہ اندر بیٹھی پیپرز کی تیاری کررہی ہے اس لیے کوئی اس کمرے میں نہیں آتا تھا۔ میرے دماغ میں یہ ہوتا تھا کہ ماریہ جتنا پڑھنا ہے پڑھ لے' پیپروں کے بعد تمہیں موقع نہیں ملنے والا ویسے 9th میں میرے نمبر اچھے آئے تھے' فرسٹ ڈویژن لی تھی میں نے (آہم)۔ اب آپ کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاؤں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر بات کو عام لیتی ہوں سرسری۔ بات کی گہرائی میں نہیں جاتی اس لیے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جذباتی جلد ہوجاتی ہوں اور خوبی یہ ہے کہ حسد نہیں کرتی' کسی کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتی اور ماشاء اللہ سے دوستی کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہوئی ہوں' سب دوست اللہ کا شکر ہے مخلص ملی ہیں۔ لباس میں شلوار قمیص' کھانے میں میٹھا بہت پسند ہے اور سبزی جو بھی بنے شوق سے کھا لیتی ہوں۔ خوشبو میں ریمبو بہت پسند ہے فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد' ماہا ملک۔ ماہا ملک کا ناول ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' پڑھ کر تو میں بہت روئی تھی' اس کا اینڈ تو رلا گیا تھا مجھے اور عمیرہ احمد کا ناول پیر کامل کیا ہی بات ہے ویسے آپ دونوں رائٹرز سے بہت متاثر ہوں۔ سیڈ سونگز اچھے لگتے ہیں' جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں اور ہاں ہیئر کیچ بھی۔ ایکٹریس میں مجھے فضاء علی' صبا قمر اور ایکٹر احسن خان پسند ہیں۔ آخر میں میرا پیغام آپ سب بہنوں کے لیے' کبھی کسی پر اعتبار مت کیجیے گا' اب دنیا پہلے جیسی نہیں رہی۔ لوگ اپنا مقصد نکالنے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دے جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہم جس کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہم پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ کبھی کسی کا اعتماد مت توڑیئے گا پلیز جب دل ٹوٹتا ہے تو بے شک آواز نہیں ہوتی پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے بہنو! مجھے اپنی رائے کے بارے میں ضرور آگاہ کیجیے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا' اچھا کہ سو سو۔ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

## پروا غان

ٹھک' ٹھک بھئی دروازہ تو کھولیے آنچل کی شہزادی پُروا کرن تشریف لارہی ہیں 20 نومبر 1988ء کی کہر آلود صبح کو مابدولت نے اس دنیا میں قدم رنجہ فرمایا میرا اسٹار اسکارپیو ہے' ایم ایڈ کررہی ہوں اور شادی شدہ ہوں۔ میری دو پیاری سی پرنسز ہیں۔ میرا تعلق کوٹ چھٹہ سے ہے اور شادی راجن پور میں ہوئی' ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ ذیشان (بھائی) الیکٹریکل انجینئر کررہا ہے' اللہ سے دعا ہے کہ میرے بھائی کو اس کے حصول تعلیم اور اس کے مقصد میں کامیاب کرے اور اس کی ہر تکلیف کو دور فرمادے' آمین۔ میری دونوں بیٹیوں کی ذیشان اور عبد الرحمن میں جان ہے' ہر انسان کو اپنی ماں دنیا کی بیسٹ ماں لگتی ہے یہ سچ ہے مگر میری امی بے مثال ہیں جن کی تعریف ہر بندہ کرتا ہے۔ ہماری ہر خواہش بن کہے پوری کی ہے' آئی لو یو امی جان! فالسے اور انار مجھے جنون کی حد تک پسند ہیں' راجستھانی ساڑھی بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ فراک پہننے کا بہت شوق ہے' میرے پاس ہر اسٹائل و ڈیزائن کے ڈریسز ہیں کیونکہ میری امی ڈریس ڈیزائنر ہیں جو نیا ڈیزائن و فیشن اِن ہوتا ہے وہ سب سے پہلے میرا اور رمشاء (بہن) کا بنتا ہے۔ کھانوں میں مجھے کھڑے مسالے کا گوشت' نرگسی کوفتے' بریانی بے حد پسند ہے۔ کلرز میں بلیک' پنک اور پرپل اچھا لگتا ہے۔ پھولوں میں وائٹ روز پسند ہے' حد سے زیادہ حساس ہوں اور منافقت مجھے بالکل پسند نہیں جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی میری زبان پر۔ بہت زیادہ خوش اخلاق ہوں اور خوش مزاج بالکل بھی نہیں۔ میری فرینڈز کی لسٹ بے حد طویل ہے شادی سے پہلے بہت فرینڈز بناتی تھی مگر اب اتنا ٹائم ہی نہیں ملتا کہ دوستیاں نبھا سکوں۔ ثمرین حبیب' ثوبیہ' نادیہ جہانگیر' ثناء' امبر گل' کرن وفا' فوزیہ ثمر بٹ' نوشین اقبال' شمع مسکان اور بیسٹ از بیسٹ فرینڈ زفرح خان ہے' مجھے رومینٹک شاعری بے حد پسند ہے' وصی شاہ میرے فیورٹ شاعر ہیں۔ میک اپ' جیولری میں ائر رنگز اور کنگن کا کریز ہے۔ آئس کریم میں پستہ فلیور اور کارنیٹو کی میں دیوانی ہوں۔ بہت زیادہ بور لڑکی ہوں' اس لیے کوئی بھی میری کمپنی کو پسند نہیں کرتا' بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے بے تحاشا ڈر لگتا ہے' بہتے ہوئے جھرنیں اور سرسبز و شاداب وادیاں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ جھیل سیف الملوک دیکھنے کا بہت جنون ہے' میں نے کبھی بھی کسی کا بُرا نہیں چاہا اپنے کام سے کام رکھنے والی ہوں۔ میری فرینڈز کے میرے بارے میں کچھ کمنٹس ہیں نادیہ جمیل کہتی ہے ''پُروا! تم بہت پیاری

ہو۔'' نادیہ جہانگیر کہتی ہے ''پُروا تم بہت معصوم، کیوٹ ہو، تمہیں لوگوں کو پرکھنا نہیں آتا جس کی وجہ سے تم بہت جلد دھوکا کھا جاتی ہو۔'' نبیلہ عزیز کہتی ہے ''پروا! تمہارا نام معصومہ یا گڑیا ہونا چاہیے۔ درثمن کہتی ہے ''تم پروا کی طرح نرم و نازک سی لگتی ہو، اللہ تمہیں ہر دکھ و تکلیف سے بچائے' آمین۔ شادی سے پہلے ان سب فرینڈز سے رابطہ تھا مگر اب نہیں ہے، مجھے اپنی یہ پرخلوص اور مخلص فرینڈز بے حد یاد آتی ہیں۔ مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم بے حد پسند ہے' کزنز کی نوک جھونک' ہنسی مذاق سب اچھا لگتا ہے۔ کسی شادی یا فنکشن میں جائیں تو سب مل کر جاتے ہیں' ایک دوسرے کا انتظار کرنا پھر اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی پر فلم یا ڈرامہ دیکھنا اور ان پر کمنٹس پاس کرنا' واہ کیا دن تھے؟ میرا میکہ جوائنٹ فیملی ہے اور سسرال میں ایسا نہیں ہے۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور ڈیئر قارئین کو میرا دل سے سلام قبول ہو۔ جی تو جناب میرا نام

نمرہ افتخار' میری تاریخ پیدائش 5 اپریل ہے اور میرا اسٹار Arise ہے' اسٹار پر یقین کرتی ہوں کیونکہ جو خوبیاں یا خامیاں اسٹار میں بتائی گئی ہیں وہ تقریباً مجھ میں موجود ہیں۔ ہم چار بہن بھائی ہیں' دو بھائی بڑے ہیں اور سب سے چھوٹی میں ہوں' سبھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اپنی فیملی میں سب سے زیادہ پیار ابو اور آپی سے ہے۔ مجھے بے شمار دوستیں پسند نہیں کیونکہ مخلص دوست ایک ہی کافی ہوتا ہے' میری بیسٹ فرینڈ اقراء تبسم اور ارم جبکہ اقراء رشید' سمیعہ' ام کلثوم بھی میری دوستیں ہیں۔ اقراء مجھے بہت اچھے سے سمجھتی ہے۔ بلیک اور پنک کلر پسند ہیں اور زیادہ لائٹ کلر پسند کرتی ہوں۔ لباس میں شلوار قمیص اور فراک پسند ہے' جیولری بھی لائٹ پسند ہے۔ لمبے بال پسند ہے' جو بات ہو وہ کہہ دیتی ہوں۔ میری خامی یہ ہے کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے اور غصے میں کچھ بھی بول دیتی ہوں چاہے سامنے کوئی بھی ہو اور خوبی یہ کہ میں حساس ہوں' دوسروں کی تکلیف دیکھ کر خود بھی دکھی ہو جاتی ہوں۔ نازیہ کنول نازی اچھی رائٹر ہیں۔ میں جیسی بھی ہوں اپنے لیے ہوں اس لیے میرے بارے میں کوئی جیسا بھی سوچے مجھے فرق نہیں پڑتا اور مجھے کام میں کسی کا بھی انٹرفیئر پسند نہیں۔ فارغ وقت میں میوزک سننا اور پینٹنگ کرنا پسند ہے۔ کھانے میں زیادہ شوق سے اپنی پسند کی چیزیں کھانا پسند کرتی ہوں' اگر کوئی میرے ساتھ ایک بار جھوٹ بولے تو مجھے اس پر دوبارہ کبھی بھی یقین نہیں ہوتا اگر وہ سچ بھی کہے تو میں جھوٹ ہی سمجھتی ہوں۔ اب ایک نصیحت کے ساتھ اجازت چاہوں گی ''کبھی بھی کسی پر زیادہ بھروسہ مت کرو کیونکہ جب بھروسہ ٹوٹتا ہے تو درد بھی بھروسے کی طرح زیادہ ہوتا ہے'' اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

# بھیگا دسمبر، نکھرا سال

ادارہ

۱:۔ آپ کے نزدیک ''دسمبر استعارہ ہے'' خوشی کا یا غم کا اگر دونوں کا تو کیونکر؟
۲:۔ گزشتہ سال آپ کے لیے کون سی خوشگوار و ناگوار تبدیلیاں لانے کا سبب بنا؟
۳:۔ اس سال آپ کی ذات میں رونما ہونے والی کوئی اچھی بات یا آپ کی دیرینہ خواہش جو رواں سال پوری ہوئی؟
۴:۔ اس نئے سال میں آپ خود کو کہاں دیکھتی ہیں؟
۵:۔ اپنے وطن عزیز کے لیے نئے سال میں کیا سوچ رکھتی ہیں؟
۶:۔ نئے سال کو کس طرح خوش آمدید کہیں گی؟
۷:۔ نئے سال میں آپ ماہنامہ آنچل میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

## ارم کمال...... فیصل آباد

(۱) خوشی اور غم انسانی زندگی کا لازمی جزو ہیں' جس مہینے کوئی خوشی ملے ضروری تو نہیں کہ وہ خوشی کا استعارہ ہو اسی طرح جس مہینے میں کوئی غم ملے تو یہ ٹیگ نہیں لگا سکتے کہ یہ غم کا استعارہ ہے بلکہ بات اصل میں یہ ہے کہ زندگی استعارہ ہے' خوشی اور غم کا ویسے اکثر یہ بھیگا سا دسمبر اداسی کی بارات ساتھ لے کر ہمارے آنگن میں اترتا ہے میرے لیے تو دسمبر خوشی کا استعارہ ہے کیونکہ اس مہینے کی 21 تاریخ کو مجھے میرے ساجن ملے۔

(۲) وطن عزیز کے حوالے سے دیکھا جائے تو گزشتہ سال بھی ملک میں مہنگائی' کرپشن' امن وامان کی غیر یقینی صورت حال' بے روزگاری اور مزید ستم تھر میں معصوم بچوں کی ہلاکت' غذائی قلت اوپر سے حکمرانوں کی بے حسی نے دل و دماغ کو افسردگی کا شکار بنا دیا' دھرنے' جلسے اور ریلیوں نے زندگی سے رنگ' خوشی اور امنگ نچوڑ کر رکھ دی۔

(۳) ویسے تو زندگی گزرتی جا رہی ہے لیکن گزشتہ سال سے میں نے اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کی خصوصی کوششیں کیں' عمومی رویوں کو روشن خیالی کی عینک لگا کر دیکھا۔ گھر کے چھوٹے بڑے وہ کام پورے کیے جو مہنگائی نے کرنے مشکل کر دیئے تھے۔ ہم عورتیں اسی طرح اپنی دیرینہ خواہشوں کو پوری کرتی ہیں۔ انفرادی طور پر پچھلے سال میری بیٹی کرن نے ایف اے کلیئر کر لیا ہے یہ میرے لیے بہت خوشی کی بات بنی۔

(۴) اس نئے سال میں، میں اپنے آپ کو اپنے گھر' شوہر اور بچوں کے ساتھ ہی دیکھتی ہوں۔

(۵) اپنے وطن عزیز کے لیے نیا سال امن و سلامتی کی فضا میں لے کر طلوع ہو' بے روزگاری نہ ہو' عوام کو بنیادی سہولیات بلاتفریق ملے۔ رشوت' کرپشن' بے ایمانی اور جھوٹ جیسے ناسوروں سے ملک کو نجات مل جائے تا کہ ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہو۔

(۶) میں نئے سال کو ہمیشہ دو نفل نماز شکرانہ پڑھ کر خوش آمدید کہتی ہوں' اس دن میٹھا بنا کر بانٹتی ہوں اور میاں صاحب اگر خوشگوار موڈ میں ہوں جو اکثر ہوتے ہیں تو لانگ ڈرائیو پر جاتی ہوں۔

(۷) ہمارا آنچل ماشاء اللہ سے ایک بھرپور ڈائجسٹ ہے' میں نئے سال میں اس کو اسی طرح دیکھنا چاہوں گی کیونکہ اس میں وہ سب کچھ ہے جو کسی اور میں نہیں اور جو ہم سب پڑھنا چاہتے ہیں۔

## فاخرہ ایوب...... باغ' آزاد کشمیر

(۱) میرے نزدیک تو دسمبر اداسی کا دوسرا نام ہے' چار سو اداسی کی چادر تنی ہوتی ہے اس ماہ میں۔ دسمبر کی آمد کا سوچ کر ہی طبیعت پر عجیب بوجھل پن سا چھا جاتا ہے۔

(۲) اس سوال کے لیے جب ماہ و سال کو کھنگالنے بیٹھی تو بے حد شرمندگی ہوئی کہ آخر پورے سال میں ایک قابل ذکر کام بھی تو نہ کر سکی' محض وقت کو گزرتے دیکھتی رہی۔ دن ہفتوں اور پھر سال مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے اور زندگی ایک ہی جگہ رکی رہی' عمر رواں کا ایک اور قیمتی سال پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔

(۳) اس پر کیا لکھوں کہ ''ہر خواہش پر دم نکلے'' مقصد...... مقصد حیات کی طرف تو قدم ہمیشہ سست روی کا شکار رہتے ہیں البتہ خواہش اور کوشش یہی رہتی ہے تزکیہ نفس جاری رہے۔

(۴) زندگی تو شاذ و نادر ہی حسب خواہش کسی کی گزرتی ہو لیکن پلاننگ تو ہمیشہ کی جاتی ہے' ہر سال بہت کچھ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ قرآن

پاک مع تفسیر پڑھنا اللہ کرے میرے ایڈمیشن کے لیے راہیں آسان ہوجائیں آمین۔

(۵) دعا ہی دعا ہے کہ اللہ پاک آنے والا سال وطن عزیز کے لیے خوشیاں لائے ملک کے کسی حصے میں بھی تھرپارکر جیسے حالات نہ ہوں نہ دہشت گردی نہ ہو بس امن ہی امن ہو خوشحالی ہی خوشحالی ہو۔

(۶) گزشتہ سال کی تمام رہ جانے والی خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خوش دلی سے اس سال میں داخل ہونا ہے نئے سال میں تشنہ تکمیل کاموں کو انجام تک پہنچانا ہے ان شاءاللہ۔

(۷) کوئی خاص نہیں سوائے اس کے کہ سلسلہ وار ناول کم ہوں اور کم اقساط پر مشتمل ہوں، مکمل ناول زیادہ ہوں اور آپ کی شخصیت کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔

## فاطمہ خالق فاتی...... چك نمبر 209

(۱) میرے نزدیک تو دسمبر غم کا استعارہ ہی ہے پہلے میں بھی اس بات سے اختلاف رکھتی تھی کہ لوگ خوامخواہ ہی دسمبر کو ایسے کہتے ہیں مگر پتہ تب پتا چلتا ہے جب خود پر بیتتی ہے۔ بہت سی دوستیں دسمبر نے مجھ سے چھین لیں، بہت سے پیاروں کی دوری بھی اسی موسم میں سہنی پڑی اور بہت سے پیارے اسی ماہ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

(۲) گزشتہ سال میں میں نے اپنی پڑھائی کو دوبارہ جاری کیا اور مجھے دعا چوہدری (نمرہ) جیسی مخلص دوست ملی۔

(۳) میں نے زندگی کا اصل مقصد پالیا، نظریں جھکانا سیکھ لیں۔

(۴) نئے سال میں میں خود کو آگے کی بجائے پیچھے جاتا ہوا دیکھ رہی ہوں پتا نہیں اب آگے...... غیب کا علم تو رب جانتا ہے۔

(۵) نئے سال میں وطن عزیز کے لیے دعا ہی کرسکتی ہوں کہ اللہ رب العزت ہمارے ملک کی حفاظت کرے اس کے رہنے والوں کو زندگی کا اصل مقصد ملے اور ملک امن کا گہوارہ بن جائے۔ صرف حکمران ہی نہیں بلکہ عوام کا بھی یہ حق ہے کہ وہ انفرادی طور پر اپنے آپ کو سدھاریں۔

(۶) نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے سب دوستوں کو کارڈز اور دعاؤں کا تحفہ بھیجوں گی۔

(۷) آنچل پہلے ہی پرفیکٹ ہے اس میں کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہورہی۔

## دعا ھاشمی...... فیصل آباد

(۱) میرے پاس دسمبر کے حوالے سے کوئی خاص یاد نہیں کہ میں اس کا خصوصی ذکر کروں مگر دسمبر کی یخ بستہ صبحیں دھندآلود شامیں اور کہر میں ڈوبی ٹھٹھرتی طویل راتیں پیروں تلے اپنے روندے جانے کا ماتم کرتے ہوئے زرد پتے بےلباسی کا غم مناتے ٹنڈ منڈ درخت اور ان سب میں دعا ہاشمی کے جیسی بقول صنوبر منیر کے بلیدموں اداس روح ہو تم...... دسمبر خوشی کا استعارہ تو نہیں ہوسکتا اور مجھے تو ویسے بھی بقول صنوبر کے اداس رہنے کا شوق ہے۔

(۲) 12 نومبر 2013ء کو میری چھوٹی خالہ اس دارفانی سے کوچ کرگئیں جاتا سال انہیں لے گیا اور 17 نومبر 2014ء کو میرے نانا ابو کی وفات ہوگئی۔ یعنی نئے سال کا سورج بھی اداسیاں لے کر طلوع ہوا۔ 28 فروری کو مما کی ہیلتھ رپورٹس ملیں تو ایک پل کو تو جان نکلتی محسوس ہوئی۔ 28 جولائی کو مما ہمیں تنہا کرگئیں اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین اور اس واقعہ نے مجھے سرتاپا بدل دیا۔ اس سال کی واحد خوشخبری انا احب کے ہاں بیٹی کی پیدائش انا باجی کی شادی کے بعد میں غیر محسوس طریقے سے مما سے بہت اٹیچ ہوگئی تھی بس ان کی کمی برداشت نہیں ہوپاتی۔

(۳) میرے بہت چھوٹے چھوٹے اور بہت بےضرر سے خواب ہیں۔ ارسل اسود کو بہت سارا پڑھانا اسامہ کو کامیاب دیکھنا یمنیٰ رجا کو مدرسہ (دینی) تعلیم دلوانا انا باجی کو ہمیشہ خوش دیکھنا بابا کو ہمیشہ مسکراتے دیکھنا اور لالہ سے ڈھیروں لاڈ اٹھوانا۔

(۴) میں نے مما کی بیماری اور اسپتال کے قیام کے دوران زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے زندگی کی حقیقت صحیح معنوں میں پہچانی ہے۔ رضائے الٰہی پر سر کو جھکانا سیکھا ہے صبر کرنا سیکھ لیا اور سب کی خوشی کے لیے اپنی اداسی چھپا کر مسکرانا سیکھ لیا۔

(۵) میری کولیگز مجھے فاطمہ جناح کی کاپی کہا کرتی تھیں تمام نیک تمناؤں کو وطن عزیز کے نام کروں گی اور دعا کرتی ہوں کہ پاکستان مہنگائی کی عفریت سے نجات پالے۔ وطن عزیز پر سایہ فگن بربریت کے بادل چھٹ جائیں اور انسانیت کا نیا سورج طلوع ہو۔ پاکستانی صحیح معنوں میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتے پاکستان کو امریکہ کے چنگل سے آزاد کروائیں۔

(۶) ایک وقت تھا کہ جب میں بارہ بجے ناریل اور کھوپرے کے لڈو کھا کر سال کا آغاز کرتی تھی مگر اب تو وہ سب بہت پرانی بات لگتی ہے۔ عرصہ ہوا میں نے سال کا آغاز بلیک کافی کی تلخیاں محسوس کرتے ہوئے کرنا شروع کردیا۔ سب سے پہلے تو شکرانے کے نفل ادا کرتی ہوں کہ ایک سال بخیر وعافیت گزرا اور ہمارے رحمٰن ورحیم مالک نے ہمیں ہماری بساط سے زیادہ آزمائش میں مبتلا نہیں کیا پھر کافی بنا کر اور موبائل لے کر صحن یا چھت پر چلی جاتی ہوں اور ماموں خالاؤں چاچوؤں چچیوں کزنز صنوبر انا باجی شاہ لالہ اور سب کو نیا سال وش کرتی ہوں۔



(۷) جب میں نے آنچل پڑھنا شروع کیا تھا تو میں 6th یا 7th کلاس میں تھی اور آنچل کا معیار ایسا تھا کہ ایک دس گیارہ سالہ بچی بھی پڑھ سکتی تھی۔ میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے مگر اب دن بہ دن اس کا معیار نیچے کی طرف آرہا ہے لہٰذا میں آنچل کو پھر اسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں کہ اگر کم عمر بچیاں بھی پڑھیں تو کوئی اچھا سبق لے کر اٹھیں۔

## نادیہ بنت یٰسین...... ساھیوال

(۱) میرا ذاتی خیال ہے کہ دسمبر غم کا استعارہ ہے حالانکہ خوشی وغمی کو کسی ایک ماہ سے منسوب نہیں کرسکتے یہ تو اپنے اپنے مقدر کی بات ہوتی ہے پر یہ بات تو واقعی ماننی پڑے گی کہ کوئی غم نہ ہو کوئی پریشانی نہ ہو پھر بھی دسمبر کی شامیں اداس کرجاتی ہیں پتا نہیں کیوں۔

(۲) زندگی میں ہونے والے بہت سے واقعات آپ پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہوئے بہت سی تبدیلیاں لانے کا سبب بنتے ہیں گزشتہ سال میں ہونے والے واقعات نے مجھ میں بھی تبدیلیاں کی ہیں خوشگوار یا ناخوشگوار شاید دونوں ہی۔

(۳) دیرینہ خواہش تو خیر کوئی پوری نہیں ہوئی جس میں سرفہرست عمرہ کرنا اپنے محبوب آقا دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگری میں جانا ہے پر امید ہے اور اللہ پر پورا یقین ہے کہ وہ دن جلد ہی آئے گا زندگی میں اس کے علاوہ ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر خوش ہونے والے ہیں اور اللہ کا کرم ہے کہ وہ نوازتا رہتا ہے۔

(۴) اس سال کے لیے بہت سے خواب ہیں خود کو ایک ایسے رستے پر دیکھتی ہوں جس کے اینڈ میں میری منزل ہے سیدھا اور صاف رستہ ہے بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ کامیاب کرے۔

(۵) وطن عزیز کے لیے تو بہت سی دعائیں ہیں کہ اللہ ہمارے سیاستدانوں کو ہدایت دے اور وہ اپنے مفادات کو چھوڑ کر غریب عوام کے بارے میں سوچیں۔

(۶) نئے سال کو بہت سی دعاؤں نئے عزم وہمت سے ویلکم کروں گی۔

(۷) کوئی بھی تبدیلی نہیں جی کیونکہ آپ کی کی جانے والی تبدیلیاں ہمیں پسند آئی ہیں۔

## ھما ایوب...... عارف والا

(۱) میرے نزدیک دسمبر غم کا استعارہ ہے گزرتے سال کا ڈوبتا ہوا سورج ہمیں ملال میں مبتلا کرتا ہے کہ دیکھو یہ سال بھی گزر گیا اور ہم اپنے یہ مقاصد پورے نہ کرپائے۔ وہ ہمارے اپنے جو پچھلے سال ہمارے ساتھ تھے اس سال وہ صرف یاد بن کر رہ گئے ہیں۔

(۲) گزشتہ سال میں خوشیاں بھی ملیں اور غم بھی سب سے بڑی خوشی میری بھانجی دعا کی برتھ ڈے ہے۔ ہمارے گھر کی کنسٹرکشن میرا لینگویج کا ڈپلومہ ملنا یہ سب وہ خوشیاں ہیں جو مجھے 2014ء میں ملیں۔ غموں کا تذکرہ کیا جائے تو سب سے بڑا ڈسٹ الرجی ہے جس نے مجھے تنگ بلکہ عاجز کرکے رکھ دیا ہے کچھ اچھی دوستیں جو جب تک ساتھ رہیں اچھی رہیں مگر جیسے ہی الگ ہوئیں ان سے رابطہ نہیں ہوسکا۔

(۳) بہت سوچنا پڑے گا کہ 2014ء میں مجھ میں کون سی اچھی عادت پیدا ہوئی ہاں البتہ بری بات کے لیے سوچنا نہیں پڑے گا۔ اس سال بےحد مصروفیت کے سبب اللہ تعالیٰ سے رابطہ کمزور ہوگیا جس کا مجھے بےحد افسوس ہے اللہ کرے کہ نئے سال میں یہ رابطہ پھر سے مضبوط ہوجائے۔ اچھی بات کون سی ہوگی (بہن سے پوچھ کر) اب میں چائے اچھی بنانے لگی ہوں (ہاہاہا) بھئی یہ مشکل سوال ہے۔

(۴) وطن عزیز کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باسیوں میں شعور اور اپنی آزادی کی فکر پیدا کرے کیونکہ جیسی عوام ویسے حکمران اللہ تعالیٰ ہمارے عمل اچھے کردے تاکہ ہمارے حکمران بھی اچھے ہوں اور پاکستان ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوسکے اور توانائی کا بحران اور غربت جیسے مسائل ختم ہوسکیں۔

(۵) نئے سال میں خود کو کہاں دیکھتی ہوں؟ آگے پہلے سے بہتر کامیاب اور پرامید۔

(۶) نئے سال کی آمد پر شکرانے کے نوافل پڑھوں گی سب کے لیے دعائے خیر کروں گی اور نیا سوٹ پہنوں گی اور ہوسکتا ہے کہ کچھ میٹھا باہر سے ہی منگوالیں گے اور بس...... ہاں سب فرینڈز اور رشتے داروں کو میسج کروں گی۔

(۷) آنچل کے لیے دعا ہے کہ اس کا معیار مزید بہتر ہو اور اس کے ضخامت میں اضافہ ہوجائے۔

## خدیجتہ الکبریٰ...... کھڈیاں قصور

(۱) میرے نزدیک دسمبر استعارہ ہے خوشی کا کیونکہ مجھے ٹھنڈی شامیں اچھی لگتی ہیں اور پیڑ کے آگے بیٹھ کر کہانیاں بنتا رضائی میں منہ کرکے کتابیں پڑھنا یہ سب دسمبر میں ہوتا ہے اسی لیے مجھے دسمبر اچھا لگتا ہے۔

(۲) گزشتہ سال مجھ میں بہت سی خوشگوار تبدیلیاں آئی۔

(۳)ذات میں تو کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی البتہ دیرینہ خواہش پوری ہوگئی وہ تھی میرا نام کسی بھی ادبی پرچے میں آجائے۔ اللہ کا کرم ہے اس سال میری تحریریں آنچل میں جگمگاتی رہیں۔

(۵)وطن عزیز کے لیے بہت زیادہ سوچیں رکھتی ہوں کہ میرے پیارے وطن سے دہشت گردی بالکل ختم ہوجائے' کوئی ناحق پھانسی نہ چڑھایا جائے۔ میرے پیارے وطن سے گداگری ختم ہوجائے' کوئی بھوکا نہ سوئے۔ کراچی دوبارہ سے روشنیوں کا شہر بن جائے۔ ضرب عضب آپریشن کو فتح نصیب ہو'پاک وطن کے فوجی اخلاص کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کریں۔

(۶) نئے سال کو اپنے ربّ سے دعا کروں گی کہ پچھلے سال کی کوتاہیوں کو معاف کردے نئے سال میں کوئی پریشانی نہ آئے۔ اپنے پیاروں کی لمبی زندگی کی دعا مانگتے ہوئے نئے سال کو خوش آمدید کہوں گی۔

(۷) آنچل میں تبدیلی تو کوئی نہیں دیکھنا چاہتی لیکن یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ افسانوں کی طرح ناول اور ناولٹ بھی سبق آموز ہو۔ ماڈل گرل کے سر پر دوپٹہ اوڑھا دیا جائے۔

## بنت حوا...... چوک سرور شہید

(۱) ویسے تو میں خوشگوار نا خوشگوار سال یا ماہ پر یقین نہیں کرتی تھی مگر گزشتہ کچھ عرصے سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بس...... زندگی میں غم اور خوشیاں برابر کے شریک ہیں سو میں اسے کسی ایک لفظ میں واضح نہیں کرسکتی۔ یہ تو انسان کے اندر کا موسم ہوتا ہے جو اسے باہر کا موسم بھی خوشگوار یا ناخوشگوار محسوس ہوتا ہے۔

(۲)2014ء بہت عجیب گزرا ہے وقت اتنی جلدی گزرتا جارہا ہے کہ کچھ خبر نہیں' اس سال بہاولپور' اسلام آباد اور پنڈی جانے کا اتفاق ہوا پہلی بار بہاولپور' انکل سے ملنے اور اسلام آباد ٹیسٹ دینے۔ سیکنڈ ائیر کے ایگزامز دیئے مگر رزلٹ اچھا نہ رہا' پہلے انٹری ٹیسٹ کی پرمیشن ملی' انجینئر نگ نہیں کرنے دی۔ Lums اور Bzu ملتان میں نام آجانے کے باوجود جانے نہ دیا گیا۔ اچھا یہ ہوا کہ ہمارے شہر میں ڈگری کالج کا آغاز ہوا اور میں نے اسی میں داخلہ لے لیا۔ یہ سال خوشی وغمی کا امتزاج رہا اور میں نے اپنے قلم کی ہمت کو پکارا ہے۔

(۳)اس سال میں نے ایک سبق سیکھا' برداشت کرنے کا۔ والدین کا اعتماد کا پاس رکھنا' اپنی ہر بات اللہ سے کہنا' اللہ کی رضا میں راضی ہونا۔ اپنے ہر معاملے میں فیئر رہو' ضمیر نا مطمئن رہے گا اپنے ہر لمحے کو آخری لمحہ سمجھ کر اسے بہترین بناؤ۔ میرا قلمی رابطہ شروع ہوا' اللہ سے دعا ہے کہ میرا نام بھی اچھی مصنفات کی فہرست میں آئے۔

(۴) آنے والا وقت' مستقبل' غیب کی باتیں تو صرف اللہ ہی جانتا ہے مگر ہم لڑکیاں بہت سے خواب دیکھتی ہیں مگر میں نے اب خواب دیکھنا چھوڑ دیئے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ میرا اگلا لمحہ کیسا ہوگا' ہوگا بھی یا نہیں؟ اگر اللہ نے مجھے مزید زندگی دی تو بس ایسی ہو کہ اللہ مجھ سے راضی ہو اور میں سچ پر رہوں۔ سچ بیان کروں' سچ لکھوں۔

(۵)وطن عزیز کے بارے میں جیسے ہی سوچتی ہوں دل میں آہیں اٹھتی ہیں' اس کی مہنگائی' دہشت گردی' سیاست سے خوف زدہ ہوں پھر اس کے امن' کامیابی اور عادل حکمران کے لیے دعا کرتی ہوں۔

(۶) اے اللہ! اس دنیا کا ایک اور سال گزر گیا' دنیا کے قائم رہنے میں ایک اور سال کم ہوگیا ہے۔ بس اسے ہمارے لیے رحمت کا ذریعہ بنادے دنیا سے ظالموں' بے انصافوں' منافقوں کا خاتمہ کردے۔

(۷) میری آنچل سے وابستگی 2005ء سے ہے مگر اب اس کی کہانیوں میں تسلسل آگیا ہے' بس ہر جگہ محبت' انا' ضد' غصہ' انتقام اور کہیں کہیں حب الوطنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ انفرادیت کو اپنائیں' مختلف موضوع چنیں اور پلیز رومینس کم دیا کریں کیونکہ آنچل صرف شادی شدہ خواتین نہیں بلکہ اکثر نوعمر لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں تو...... پلیز کچھ خیال کریں۔ نازیہ کنول نازی کو میری طرف سے سیلوٹ' فیس بک میں استعمال نہیں کرتی ورنہ آپ سے رابطہ کرتی۔ نازی آپ کے ناول اور نظمیں پڑھ کر رو پڑتی ہوں آپ پردے کے بارے میں کچھ لکھیں۔

## عائشہ صدیقہ...... چکوال

(۱) دسمبر بذات خود مجھے بہت پسند ہے' اس ماہ نہ صرف میں پیدا ہوئی بلکہ اپنی طرح مجھے دسمبر بھی اداس دل گرفتہ لگتا ہے۔ کہر زدہ شامیں' لمبی راتیں اداس اور تنہا لوگوں کے سنگ بسر ہوتی رہتی ہیں۔ غم اور خوشی کا ویسے تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دسمبر محض غم کا استعارہ ہے تو بے جا ہوگا کیونکہ غم اور خوشی زندگی کے دو اجزاء ہیں اور ضروری نہیں کہ سارے لوگوں کے لیے دسمبر اداسی اور غم کا ہی پیامبر ہو' مگر انفرادی طور پر اپنی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گی کہ دسمبر استعارہ ہے غم کا۔

(۲) زندگی تغیر وتبدل کا مجموعہ ہے' تبدیلیاں خوشگواریت اور غیر خوشگواریت پر مبنی ہوتی ہیں اگر تبدیلیوں کی بات کی جائے تو سب سے بڑی



ناخوشگوار تبدیلی انٹر کے امتحانات کے بعد ہمارے کالج کے گروپ کا بکھر جانا' میری ساری دوستیں مجھ سے دور ہیں (مگر میرے دل میں بھی موجود ہیں) اور بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں' نئے کالج میں بی ایس سی کے لیے ایڈمیشن لینا' پہلی بار میں شاہ (دوست) کے بغیر اکیلی کالج جارہی ہوں' اس لیے میری ناخوشگوار تبدیلیاں یہی ہیں۔ تھوڑی بہت خوشگوار بھی ہیں اگر ذکر کرنے بیٹھی تو بات طویل ہوجائے گی۔

(۳) گزشتہ سال نومبر کے شمارے میں بہنوں کی عدالت میں عزیز جان رائٹر نازیہ کنول نازی سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا لیکن خواتین کے ساتھ تبلیغی دورے میں شامل ہونے کا شوق اور خواہش تاحال پوری نہیں ہوئی۔

(۴) سب سے مشکل سوال......! خود کو جج کرنا سب کے سامنے بلکہ پہلے اپنی ضمیر کی عدالت میں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کافی مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ انسان چاہے کتنا پڑھ لکھ جائے' کتنی ڈگریاں حاصل کرلے جب تک وہ اپنے اصل کو پہچان نہیں سکتا نہ تو بندگی کا حق ادا کرسکتا ہے نہ انسانیت کا عروج۔ دین اور دنیا کے کچھ اسرار ورموز کو سمجھنا' عمل کی اپنی سی کوشش کی' اب مصروف ہوکر ایک بار پھر ترک کردی۔ میں ابھی تک وہیں کھڑی ہوں' جہاں صرف منصوبے اور دعوے کیے جاتے ہیں عمل نہیں کیا جاتا ہے (منصوبوں سے مراد دین پر عمل کرنے کا لائحہ عمل) کیونکہ آخرت کی تیاری ہی ہمارا اصل مقصد ومقام ہے۔

(۵) بہت اچھا سوال ہے' کچھ لوگ اس وطن پر محض تنقید ہی کرتے ہیں' خدارا کبھی تعریف بھی کردیا کریں۔ ہم جیسے لوگوں کو جو اپنی زمین پر بوجھ ہیں تنقید کرنے کا حق نہیں ہے۔ جیسے اعمال کرتے ہیں ایسے حکمران ملتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ رشوت' سفارش' لوٹ مار' فرقہ پرستی' غیبت' بہتان بازی' خون خرابہ کرنے جیسے برے اعمال کرکے ہمیں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے حکمران مل جائیں تو یہ ہماری خوش فہمی ہے' وطن کے حوالے سے سب سے بڑی خواہش اور امن کی دعا ہے۔

(۶) سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے اہمیت عیسوی سال کی بجائے اسلامی سال کی ہونی چاہیے۔ اتنے خاموشی سے اسلامی سال شروع ہو جاتا ہے مگر کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی اور عیسوی سال کے آغاز پر خوش ہوکر ہنگامے اور تقریبات کرنے کی بجائے یہ غور کرنا چاہیے کہ اس سال میں نے اپنی کتنی اصلاح کی' کیا پایا کیا کھویا کیونکہ ہماری زندگی کا ایک سال کم ہورہا ہوتا ہے۔ سب بہنوں کو سلام' اللہ اس نئے سال کو ہمارے لیے خوشیوں کا پیامبر بنائے اور اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان میں امن کے جھنڈے لہرائے' آمین' اللہ حافظ۔

(۷) کچھ نہیں۔

## سائرہ حبیب اڈو...... عبد الحکیم

(۱) دسمبر جاتے جاتے اداس کرجاتا ہے' جہاں اس بات کی خوشی کہ نیا سال شروع ہونے والا ہے' وہیں یہ دکھ کہ ہم عمل کے اعتبار سے کہاں کھڑے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ کس بات کی خوشی مناؤں' نئے سال کی یا موت کی طرف ایک قدم مزید بڑھنے پر۔ ہر گزرتا سال ہمیں ہمارے انجام کے قریب تر کرتا جارہا ہے مگر ہم بے خبر ہیں' اسی بات کا دکھ ہے بس۔

(۲) خاصا مشکل سوال ہے' میرے خیال میں نہ کوئی اچھی نہ بری' کوئی بھی تبدیلی نہیں آئی۔

(۳) میری ذات میں تبدیلی آئی اور بہت بڑی تبدیلی' گزرا سال مجھے زندگی جینے کا ڈھنگ سکھا گیا۔ میں نے اپنے ربّ کو پایا' اللہ تعالیٰ میرا دوست' میرا اہم راز بنا۔ 2013ء جاتے جاتے ایک بہت بڑا خسارہ میرے دامن میں ڈال گیا لیکن اللہ نے مجھے تھام لیا' بکھرنے نہیں دیا الحمدللہ میں خوش ہوں بہت زیادہ۔

(۴) مزے کا سوال...... میں خود کو رائٹر کے روپ میں بہت اچھا دیکھتی ہوں' ارادہ ہے اپنی کتاب لکھنے کا۔ علامہ اقبال کی طرح شاعرہ بننا چاہتی ہوں۔ ان شاءاللہ عزم مضبوط ہو تو منزلیں خود بخود آسان ہوجاتی ہیں۔

(۵) یہ سوال...... یہ سوال جس نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا' میرے بس میں اگر ہوتا تو میں اس کے دشمنوں کو دنیا سے مٹا دیتی' جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے چھپالیتی ہے' دشمنوں سے محفوظ کرلیتی ہے ایسے ہی میں اس دھرتی کو چھپالوں کہیں کہ کوئی میلی نظر ڈالنے کی جرأت بھی نہ کرسکے۔ خدارا میں کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں عمر بن الخطاب جیسے حکمران' میں کہاں ڈھونڈوں عمر بن عبدالعزیز جیسے لوگ...... یا اللہ کیا کوئی بھی ایسا بندہ نہیں جو اس ملک کو اپنا سمجھے' اس کی خاطر کٹ مرے

"دل مردہ دل نہیں اسے زندہ کر دوبارہ<br>
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

بس یہی التجا ہے ہم وطنوں سے کہ دل کو زندہ کریں' دل میں اس دھرتی کی محبت کو بیدار کریں۔

(۶) خزاں رکھے گی درختوں کو بے ثمر کب تک
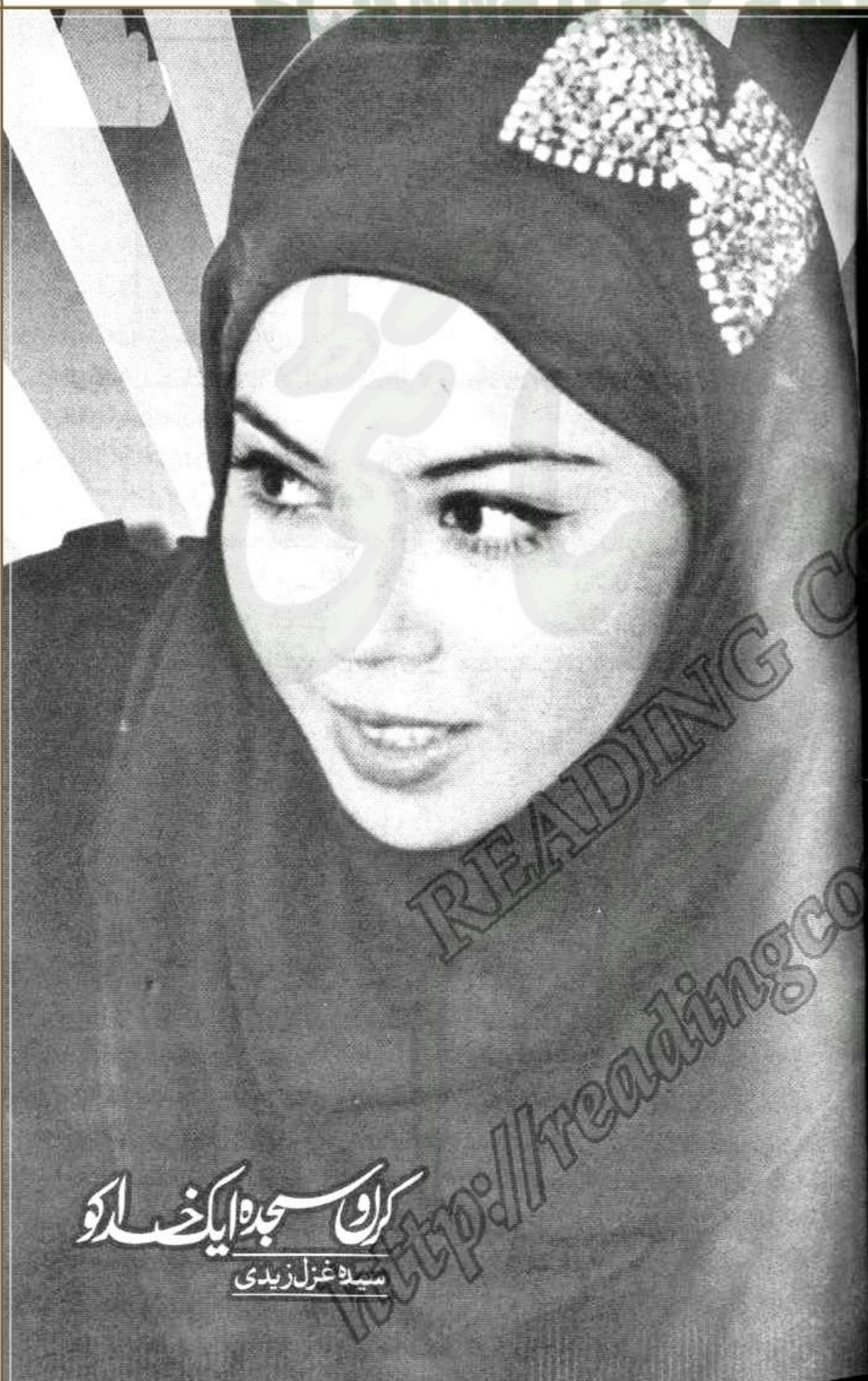
گزر جائے گی یہ رُت بھی ذرا حوصلہ رکھنا

اس امید کے ساتھ کہ آنے والا سال گزشتہ سالوں سے بہترین ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ پاکستان کو محفوظ رکھے آمین۔

(۷) اچھا سوال...... مکمل ناول زیادہ سے زیادہ ہوں اور افسانے کم' اس کے علاوہ کوئی تبدیلی نہیں چاہیے ہمیں۔ پاکستان زندہ باد' اس کے ساتھ اجازت دیں' سب بہنوں کو سلام۔

## طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

(۱) میرے نزدیک دسمبر' دکھ' غم' اداسی' یادوں کا استعارہ ہے۔

(۲) میری ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی یہ ہوئی کہ جاتے ہوئے سال میں اللہ کا شکر ہے پانچ وقت کی نماز کی عادی بن گئی۔

(۳) نئے سال میں جو بھی نئے ارادے بنائے اور جو بھی سوچا وہ پورے ہوئے۔

(۴) اس حوالے سے خود کو بہت اعلیٰ مقام پر دیکھتی ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے انسان تو بس سوچ سکتا ہے۔

(۵) اپنے پیارے وطن کے لیے دعا ہی کرسکتی ہوں کیونکہ وطن میں بدنظمی پیدا کرنے والے خود پاکستانی ہی ہیں اللہ ان سب کو ہدایت دے اور پاکستان کو پہلے جیسا بنادے۔

(۶) نئے سال کو بہت سی دعاؤں سے خوش آمدید کہوں گی۔

(۷) آنچل تو بیسٹ ہے کوئی تبدیلی نہیں چاہیے۔ اللہ آنچل کے اسٹاف کو ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رکھے اور آنچل دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

## سامعہ ملک پرویز...... خان پور

(۱) دسمبر استعارہ ہے خوشی وغم دونوں کا کیونکہ دسمبر کے اختتام کے ساتھ ہی جہاں سال نو نئی امیدیں' نیا ولولہ اور نئے جذبوں کے دیپ ہمارے خیالوں میں روشن کرتا ہے۔ وہی دوسری جانب گزشتہ سال کے بچھڑ جانے کا دکھ بھی ہوتا ہے' بہت پیارے رشتوں کا بچھڑنا' دلفریب یادوں کی دوریوں میں اضافہ یہ سب دسمبر کی ہی تو میراث ہے۔

(۲) گزشتہ سال میرے لیے بہت سی خوشگوار تبدیلیاں لانے کا موجب بنا۔ مجھے بہت کچھ ملا جو کچھ چاہا اللہ رب العزت کا شکر ہے مگر جہاں خوشگواریت ہو وہاں ناخوشگواریت کے عناصر بھی اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں جہاں انسان اپنا بچپن گزارتا ہے زندگی کی ہر منزل پر کامیابی اس کا مقدر بنتی ہے جہاں غیروں میں رہتے ہوئے بھی سب اپنوں کا احساس دلاتے ہیں جہاں زندگی حقیقی معنوں میں زندگی محسوس ہوتی ہے ایسی جگہ کو چھوڑنے کا کبھی دل نہیں کرتا مگر بابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہمیں اپنے آبائی گاؤں واپس آنا پڑا مگر میری سوچیں' میرے خواب سب وہی کے ہیں' مس یو مائی اولڈ ہوم...... اور اس کے علاوہ میرے بھائی کا نومبر میں ایکسیڈنٹ ہوا جب تک اس کی آواز اپنے کانوں سے نہیں سنی مجھے خود میں زندگی کی کوئی رمق دکھائی نہ دی۔

(۳) اس سال مجھ میں رونما ہونے والی اچھی بات...... کیا مطلب ہے آپ کا' کیا میں پہلے اچھی نہیں تھی؟ میں تو آل ریڈی اچھی ہوں بلکہ بہت زیادہ اچھی ہوں ہاہاہا۔ خیر اس بات کا اندازہ نہیں لگا پائی' جہاں تک بات ہے دیرینہ خواہش کی تکمیل کی تو' تو بہت سی خواہش پوری ہوئیں لیکن اپنے گھر شفٹنگ اور لیکچررشپ کا خواب اس سال پورا ہوا۔

(۴) اس نئے سال میں بہت سی خواہشیں ہیں جو ان گنت ہیں' کامیابیوں کی عروج پر چمکتے تارے کی صورت میں خود کو دیکھنا چاہتی ہوں۔

(۵) وطن عزیز کی موجودہ صورتحال کا المیہ جب نگاہوں کے سامنے گھومتا ہے تو سوچیں بھی منتشر ہونے لگتی ہیں مگر دعائے بارگاہ الٰہی ہے کہ ہمیں عقل وشعور اور آگاہی عطا فرمائے اور ملکی باگ دوڑ ایماندار اور متقی افراد کے ہاتھوں میں تھمادے آمین۔

(۶) نئے سال کو کیسے خوش آمدید کہوں گی ہم م م...... ہمیشہ کی طرح آنے والے سال کو اپنی دعاؤں کے حصار میں خوش آمدید کہتی ہوں جی......

(۷) نئے سال میں ماہنامہ آنچل میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہوں گی' ماہنامہ آنچل اپنے وسیع دامن میں فہم وفراست' فصاحت وبلاغت' شعور و آگاہی' سوچ وتدبر' قاعد واصول زندگی' حقیقی رشتوں کی پہچان اور محبتوں کے جہان کے خوب صورت موتیوں کو سمیٹے ہوئے ہے' جس کی بدولت زندگی کی تلخ حقیقی بسا اوقات شیریں محسوس ہوتی ہیں آنچل ہر لحاظ سے نہایت دلفریب وخوشنما ہے اگر میری رائے پوچھی جارہی ہے تو میں کہوں گی کہ آنچل میں نئے لکھاری لوگوں کے لیے موضوعی مقابلے کا اہتمام کیا جائے چاہے وہ دو صفحات پر مشتمل ہو مگر ہو ضرور' لکھنے والوں کو آپ کی حوصلہ افزائی سے آگے بڑھنے اور اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل میں خاطر خواہ مدد فراہم ہوگی' اجازت' والسلام۔

مانا کہ زندگی سے ہمیں کچھ ملا بھی ہے
اس زندگی کو ہم نے بہت کچھ دیا بھی ہے
ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج
آنکھیں بھی ہیں، چراغ بھی ہے، آئینہ بھی ہے

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر!" اس نے بچے کو ہاتھ میں لیتے ہی پہلے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور پھر اس کے کان میں اذان دی اور مخاطب ہوا۔

"تم مسلمان ہو میرے بیٹے! تم نے مسلمان گھر میں آنکھیں کھولی ہیں۔ تمہارے باپ کا اختتام بھی ایمان پر ہوگا ان شاء اللہ اور میری دعا ہے تمہارے لیے کہ تم بھی اپنی زندگی ایمان کی راہ پر سفر کرتے ہوئے گزارو۔ میں تمہیں اسلام کی تعلیم کرتا ہوں' اسلام سب سے بہتر دین ہے' اس پر عمل پیرا ہونے والے لوگ دنیا کے بہترین لوگ ہیں اس لیے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ کچھ بھی ہوجائے اپنی حقیقت مت بھولنا' میں رہوں نہ رہوں حق کا راستہ مت چھوڑنا۔ ہم سب کا رب ایک ہی ہے اللہ عزوجل اور وہی عبادت کے حقوق کا وارث ہے۔ اس کا حق مت مارنا' کبھی بھی اس کی محبت کو اپنے دل سے محروم مت ہونے دینا' ایمان قائم رکھنا' ایمان قائم رکھنا۔ میں تمہارا نام اذان رکھتا ہوں۔ "اذان" اللہ کی طرف سے بلاوا ہے اس کے مومن بندوں کے لیے اور میں تمہیں ان مومنوں میں سے ایک دیکھنا چاہوں گا اذان۔" اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو بچے کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

"میں نے اپنے دین کو چھوڑ کر جو کبیرہ گناہ کیا تھا اس کی سزا میں نے یہاں تو نہیں پائی لیکن وہاں مجھے اس گناہ کی سزا ضرور ملے گی اگر تم نیک اور صالح بنے اذان تو میری بخشش ممکن ہوجائے گی۔ اب میری اُخروی زندگی کی رہائی تمہارے عمل پر ہے بیٹے!" اس نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کا بوسہ لیا۔

"سر آپ کی بیوی کو ہوش آ گیا ہے۔" نرس نے بتایا تو وہ سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا' بچے کو گود میں اٹھائے وہ روم میں آ گیا۔ جینی اسپتال کے بیڈ پر لیٹی مسکرا رہی تھی۔ وہ بیڈ کے نزدیک رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا اور اذان کو جینی کے برابر لٹاتے ہوئے اس نے مسکرا کر جینی کو دیکھا۔ جینی یاد کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ دانیال نے کتنے وقت بعد اسے مسکرا کر دیکھا تھا' مگر وہ اندازہ نہیں کر پائی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں' بہت زیادہ۔ تمہیں پتا ہے میں نے اپنے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟ اذان رکھا ہے۔" اس نے خود ہی سوال کیا اور پھر خود ہی جواب بھی دے دیا۔ جینی کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

"جینی میں تم سے ایک بار پھر مسلمان ہونے کی درخواست کرتا ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"دیکھو دانی! تم نے دوبارہ اپنا مذہب اختیار کیا' میں نے تمہیں نہیں روکا' تم نے ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود مجھے بالکل تنہا کردیا' میرے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' ہنسا بولنا' بات کرنا سب ترک کردیا' میں نے پھر بھی شکوہ نہیں کیا اور آج میری مرضی کے بغیر تم نے میرے بیٹے کو مسلمان بنادیا میں پھر بھی تم سے شکوہ نہیں کررہی لیکن میں اسلام قبول کرلوں یہ ناممکن ہے دانی! تمہاری اس دین سے محبت مجھے اس دین سے نفرت بڑھاتی جاتی ہے۔" جینی نے حد درجہ نفرت سے کہا اور اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا' جب کہ دانیال اس کی باتوں کو نظر انداز کرتا اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁



"آج اذان پورے ایک ماہ کا ہوچکا تھا جینی اسی لیے میں تم سے یہ بات بہت واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ تم اسلام قبول کرلو ورنہ......" وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔ جینی اس وقت گارڈن میں اذان کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی۔

"ورنہ کیا دانیال؟" جینی نے غیر یقینی انداز میں اسے دیکھا۔

"ورنہ مجھے تمہیں چھوڑنا پڑے گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا ایک مشرک کی گود میں پرورش پائے۔" اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور جینی اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی' اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کیا یہ وہی دانیال ہے جس نے اس کے لیے سب کچھ چھوڑا تھا' وہ ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کتنی ہی دیر روتی رہی تھی وہ۔ اسے زندگی میں پہلی بار دانیال سے شدید نفرت محسوس ہورہی تھی' اس نے آنسو صاف کرکے سامنے راہداری میں بنے کمرے کی طرف دیکھا جس کے کھلے دروازے میں سے اسے دانیال نظر آرہا تھا وہ اذان کو ہاتھوں میں اٹھائے اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔

"کیا باتیں کرتا رہتا ہے یہ میرے بیٹے سے دن رات۔ کہیں میرے بیٹے کو اپنی طرح پکا مسلمان نہ بنالے۔" اس کے دل میں عجب وسوسے آنے لگے۔

"نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی لیکن میں کیا کروں او جیز ز!" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"بی بی جی! آپ کے گھر والے آئے ہیں آپ سے ملنے۔" ایک ملازمہ نے اندر داخل ہوکر کہا اور جینی بجلی کی رفتار سے کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁
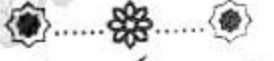
دور تک پھیلا صحرا دھوپ کی تیزی کے سبب جل رہا تھا۔ انسان تو بہت دور کی بات کسی حیوان کے وہاں ہونے کا اور وہ بھی زندہ سلامت' تصور ہی ناممکن تھا مگر اچانک ہی بہت دور ریت کے اونچے ٹیلے پر سیاہ نقطہ سا ابھرتا اور پھر دھیرے دھیرے بڑھنے لگتا ہے...... وہ ایک زندہ انسان تھا۔ سرتاپیر سیاہ چادر میں ملبوس انسان۔ اس کا چہرہ اس چادر میں کہیں گم تھا' ننگے پاؤں اس تپتی ریت پر چلتے ہوئے اس کے پاؤں زخمی ہوگئے تھے اور اس حد تک سرخ ہوگئے تھے کہ ان سے خون رسنے کا گمان ہورہا تھا۔ وہ کون ذی روح تھا جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس تپتے صحرا میں آ گیا تھا' اب نقاب ہٹنے لگا تھا پہلے ہونٹ نمایاں ہوئے تھے' ہونٹوں کی رنگت پپڑیاں جمنے کے سبب سیاہ ہورہی تھی ایسے جیسے بہت مدت سے پانی کی ایک بوند بھی ان ہونٹوں کو نہ چھوئی ہو۔ نقاب مزید اوپر ہوا اور ناک کے نتھنوں کے درمیان ایک بڑی سی بالی لٹکی نظر آنے لگی تھی۔ جو پرانے دور میں غلاموں کو پہنائی جاتی تھی۔ نقاب مزید اٹھا تو یک دم فضا میں بھونچال سا آ گیا' وہ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ایک بار اس کے روبرو تھیں مگر آج ان میں وہ نور نہیں تھا' وہ بہت اجاڑ ویران سی محسوس ہورہی تھیں۔ ان سے بہنے والے آنسو بہت زیادہ مجبوری اور بے بسی کا تاثر لیے ہوئے تھے یک دم ہی صحرا میں ایک طوفان اٹھنے لگا تھا اور ریت کے بگولے اسے اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے اور پھر سب کچھ گہرے اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھی۔

اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں' اس کا دل بہت بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔ اس کا وجود شدید ٹھنڈ کے باوجود پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے اردگرد کا جائزہ لیا تو وہ صحرا نہیں بلکہ وہ نہر تھی جس کے کنارے وہ بیٹھا تھا اپنی خالہ کے گھر سے واپسی پر۔ وہ جب بھی اپنی مما کے ساتھ ان کے قصبے آتا تو اپنی خالہ کے گھر ضرور جایا کرتا تھا گو کہ اس کی مما اور نانا نانی' خالہ سے نہیں ملا کرتے مگر وہ پھر بھی جاتا تھا ان کے منع کرنے کے باوجود بھی اور آج بھی گیا تھا ہمیشہ کی طرح واپسی پر وہ نہر کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھا تو گہری نیند کی آغوش میں اس نے عبیرہ کو دیکھا اور وہ بھی اتنی بری حالت میں۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس نے ایسا خواب کیوں دیکھا' اس نے نہر کا ٹھنڈا پانی چہرے پر ڈالا تو اس کی حالت کسی حد تک بہتر ہوئی تھی اور دماغ کچھ

سوچنے کے قابل ہوا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ عیرہ کسی پرابلم میں ہو۔" اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ خیال آیا اور اس نے فوراً موبائل نکال کر عدیل کا نمبر ڈائل کیا مگر جان کی قسمت آج اس کے ساتھ نہیں تھی بار ہا ملانے کے باوجود بھی عدیل کا نمبر نہیں مل رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس علاقے میں سگنلز نہیں آرہیں۔ اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ درخت پر مارا اور اس کے ہاتھ سے خون رسنا شروع ہوگیا۔ اس نے بہتے خون کو دیکھا۔

"اگر انسان کو لگے کہ اس پر یا اس کے کسی اپنے پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں اپنی یا اس شخص کی طرف سے صدقہ کرنے سے وہ مشکل یا تو ٹل جائے گی یا پھر کسی حد تک کم ہوجائے گی۔ صدقہ وخیرات کی کوئی بھی صورت ہوسکتی ہے جیسے غریب اور مسکین کو کھانا کھلانا' آبی مخلوق کو کھلانا یعنی فش فوڈ دینا۔ چرند پرند کو دانہ وغیرہ ڈالنا بھی صدقہ وخیرات کی قسمیں ہیں۔" وہ تیزی سے کار کی جانب بڑھا پھر رومال سے خون صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے ذہن میں اگلے چند گھنٹے ترتیب دیئے اسے صدقہ دینا ہے عیرہ کی طرف سے ان تینوں طریقوں سے جو عیرہ نے صدقہ وخیرات والے لیکچر میں بتائے تھے۔

❁......❁......❁

ٹھنڈی ہوا اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھی وہ دریچے میں بچھی بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کا دل کسی حد تک مطمئن ہوا تھا' وہ صدقہ کرچکا تھا عیرہ کی طرف سے اور اب آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھتے ہوئے وہ اس ہستی سے مخاطب تھا جس پر عیرہ ہر ہستی سے زیادہ یقین رکھتی تھی۔

"میں نے عیرہ کی طرف سے صدقہ کیا ہے تیری راہ میں سچے دل سے۔ اسے قبول فرما اور عیرہ کو ٹھیک رکھ وہ بہت بھروسا کرتی ہے تجھ پر' اس کا یقین' ایمان اس کا دین ہے تُو۔" جان نے اپنے دل میں ایک سکون سا محسوس کیا تھا۔

"جان کہاں گئے ہوئے تھے میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی؟" اس کی مما نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے جھنجوڑا اور اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"مما! کیا ہم ابھی گھر چل سکتے ہیں؟" جان نے کہا۔

"کیوں...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انہوں نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں مام! بس مجھے اپنے پیپرز کی ٹینشن ہورہی ہے اور ویسے بھی اب تو نانا جی کی طبیعت بھی ٹھیک ہے اور بابا کی برسی بھی ہوگئی ہے۔" جان نے توجیہہ پیش کی۔

"پیپرز کی وجہ سے تم نے کب سے پریشان ہونا شروع کردیا۔" انہوں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"مام پلیز! میں گھر جانا چاہتا ہوں اور بس۔" اسے الجھن ہورہی تھی ان کے سوالات سے۔

"اوکے چلو' میں پیکنگ کرتی ہوں۔" انہوں نے محسوس کیا کہ جان کو ان کے سوالات سے الجھن ہورہی ہے اسی لیے انہوں نے کوئی مزید سوال نہیں کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ قصبے کی حدود سے نکل رہے تھے انہوں نے محسوس کیا تھا کہ جان کار بہت تیز چلا رہا تھا اور گھر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے عدیل کو کال کی تھی پہلی ہی بار میں کال ریسیو ہوگئی تھی۔

"تم کہاں ہو جان اس وقت؟" رسمی علیک سلیک کے بعد عدیل نے اس سے سب سے پہلا سوال کیا تھا۔

"گھر پر ہوں۔" جان نے خود کو بہت نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"ویسے وہاں سب خیریت ہے نا...... میرا مطلب ہے عیرہ......" جان اپنا جملہ مکمل نہیں کرپایا تھا اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا' وہ عدیل سے عیرہ کے بارے میں کیسے پوچھے یک دم دونوں طرف ہی خاموشی چھا گئی تھی بالآخر جان نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھا' یہاں تک کہ عدیل کے خفا ہونے کو بھی۔

"عدیل! عیرہ کیسی ہے؟ مجھے نہیں پتا لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔



"میں خود بھی نہیں سمجھ پارہا تھا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں' میں نے خود ہی تمہیں عیرہ سے دور رہنے کا کہا تھا اب اس کی اتنی پرابلم میں تمہیں کیسے شامل کروں؟" عدیل کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"کیا ہوا عدیل! عیرہ کو...... وہ ٹھیک تو ہے نا؟" جان کے ذہن میں اس کی خواب والی حالت ابھر آئی اور اس کا دل اس کے حلق میں آگیا تھا۔

"وہ جیل میں ہے۔" عدیل کا یہ جملہ جان کو سُن کرگیا۔

"کیا......؟" اس کی آواز ڈوبتی چلی گئی تھی۔

"اس پر سنیتا نام کی لڑکی کے اغواء کا الزام ہے' ہم لوگ جیل ہی میں آئے ہوئے ہیں مگر کچھ ہو نہیں پارہا۔ احمد کی بھی کوئی سفارش کام نہیں آرہی' سخت مشکل میں مبتلا ہیں جان! پلیز تم کچھ کرو جان! ہم علاقائی پولیس اسٹیشن میں ہیں۔" عدیل کا لہجہ ملتجی تھا۔

"میں آرہا ہوں۔" جان نے اتنا کہہ کر کال منقطع کردی' وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا' بہت تیزی سے اس نے اپنا رخ مما کے کمرے کی جانب کیا' وہ جانتا تھا صرف وہی واحد تھیں جو عیرہ کو جیل کے اندھیروں سے باہر لاسکتی تھیں۔

❁......❁......❁

علاقائی اسٹیشن میں ڈی آئی جی کو داخل ہوتا دیکھ کر سب ہی یک دم چاق و چوبند ہوگئے تھے۔ ڈی آئی جی کے ساتھ جان کو دیکھ کر عدیل کی جان میں جان آئی تھی' جان نے بھی ان تینوں کو دیکھا تھا۔ عدیل اور احمد کے ساتھ ایک ضعیف العمر شخص تھا ان کا چہرہ نورانی تھا' سفید داڑھی اور سر پر سفید عمامہ تھا۔ اس نے ایک نظر میں جائزہ لیا تھا یقیناً وہ عیرہ کے فادر تھے۔ ڈی آئی جی کی آمد پر انسپکٹر' سب انسپکٹر سب ہی حاضر ہوگئے تھے' انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ڈی آئی جی سے ہاتھ ملایا تھا۔

"سر آپ یہاں...... سب خیریت تو ہے؟" اس نے جان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک پرسنل کیس کے سلسلے میں آیا ہوں' تم نے

عیرہ عباد کو سنیتا کے اغواء کے الزام میں گرفتار کیا ہے اسے فی الحال چھوڑ دو آگے کے معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔‘‘ انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

’’لیکن سر اس پر کشور مہرا کی بیٹی کے اغواء کا الزام ہے اور آپ جانتے ہیں نا انہیں......‘‘ اس نے ذو معنی انداز میں کہا۔

’’میں نے کہا نا میں خود سنبھال لوں گا۔‘‘ اب کی بار ان کا لہجہ تھوڑا تیز تھا۔

’’اوکے سر۔‘‘ اس نے مزید کوئی بات نہیں کی اور انہیں ساتھ لیے ایک طرف بڑھنے لگا۔

’’چلیں جان!‘‘ انہوں نے جان کو مخاطب کیا تو وہ ان تینوں سے مل چکا تھا۔ عیرہ کے فادر اس کے بہت مشکور تھے مگر احمد کے چہرے کے تاثرات بہت ناگوار تھے۔ وہ مزید کوئی بات کیے بغیر ڈی آئی جی کے پیچھے چل پڑا وہ اب تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے اس نے دیکھا وہاں بہت اندھیرا تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا بلب تھا جو دو طرفہ بنی کال کوٹھڑیوں کے وسط میں تھا‘ جان کا دل ڈوبنے لگا اس کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے یا پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

’’وہ یہاں ہے ان درندہ صفت لوگوں کے درمیان‘ کیوں؟ اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عیرہ جیسی پاکیزہ لڑکی کیوں ان ناپاک لوگوں کے درمیان ہے...... کیوں؟ وہ تو اپنے ربّ سے بہت محبت کرتی ہے پھر اس نے کیوں اسے یہاں ان اندھیروں میں لا چھوڑا؟ اس نے آج تک کوئی گناہ نہیں کیا‘ کوئی غلط کام نہیں پھر کیوں دی جا رہی ہی اسے یہ سزا...... کیوں؟‘‘ اس کا ذہن بری طرح سے انتشار کا شکار تھا۔ ڈی آئی جی اور انسپکٹر کے قدم رکے اور ساتھ ہی جان کو اپنی دھڑکن تھمتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھڑکن محسوس کرنا چاہی تھی مگر وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔

’’نہیں عیرہ! میں آپ کو قبول نہیں کرسکتا‘ ہرگز نہیں۔ ان میلی نگاہوں کے درمیان میں تصور بھی نہیں کرسکتا آپ کا۔‘‘ وہ سر جھکائے خود سے ہم کلام تھا۔

’’آپ میرے ساتھ آئیے سر۔‘‘ انسپکٹر نے اسے مخاطب کیا اور اس نے نہ سمجھنے والی نگاہوں سے ڈی آئی جی کو دیکھا۔

’’جان! وہ اندر کی طرف ہے لیڈیز پورشن میں۔‘‘ اور وہ گردن ہلاتا ایک بار پھر انسپکٹر کے پیچھے چل پڑا‘ اندھیری راہداری میں چلتے ہوئے انسپکٹر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

’’بڑی پکی سفارش لائے ہو آپ تو‘ اس لڑکی کے لیے۔ ورنہ اس کا چھوٹنا تو بہت مشکل تھا۔ آپ کو پتا ہے اس نے کشور مہرا کی بیٹی کو اغواء کروایا ہے شہر کے چند نامور تاجروں میں سے ایک ہیں۔‘‘ جان کے قدم یک دم رک گئے تھے اس جملے پر۔

’’کیا ہوا سر! آپ رک کیوں گئے؟‘‘ اس نے پلٹ کر پوچھا مگر وہ بنا جواب دیئے چل پڑا اور انسپکٹر پھر اس سے مخاطب ہوا۔

’’ویسے رشتا کیا ہے آپ کا اس لڑکی سے جو آپ اس کے لیے اتنی بڑی سفارش لائے ہیں؟ کچھ تو خاص ہوگا آپ دونوں کے بیچ؟‘‘ اس کا لہجہ بہت ذو معنی اور انداز بہت ہی گھٹیا تھا۔ جان کا دل چاہا کہ وہ اس کا سر پکڑ کر ان سلاخوں میں دے مارے مگر اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی کوئی بھی حرکت عیرہ کو ان سلاخوں کے پیچھے ہمیشہ کے لیے مقید کرسکتی ہے۔

’’اور کتنی دور ہے؟‘‘ اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

’’لیجیے بس پہنچ گئے۔‘‘ اس نے چند قدم آگے بڑھ کر تالا کھولتے ہوئے کہا اس نے دیکھا سر سے پیر تک سفید چادر میں ملبوس‘ دعا میں ہاتھ اٹھائے وہ آنکھ بند کیے بیٹھی تھی۔ اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور انسپکٹر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہیں جان پر آرکیں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔

’’آجاؤ تمہاری ضمانت ہوگئی ہے۔‘‘ انسپکٹر نے کرخت لہجے میں کہا۔



’’آپ ٹھیک تو ہیں نا عیرہ!‘‘ جان نے اس کے باہر نکلتے ہی پوچھا۔

’’میں...... میں ٹھیک ہوں۔‘‘ اس کا لہجہ بہت نم تھا غالباً وہ بہت دیر سے رو رہی تھی۔

’’مجھے گھر لے چلیں جان پلیز! مجھے یہاں بہت ڈر لگ رہا ہے۔‘‘ آنسو اب بھی بہت تیزی سے بہہ رہے تھے۔ انسپکٹر نے کھنکار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

’’چلیں سر! ڈی آئی جی صاحب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔‘‘ انسپکٹر نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

’’چلیں!‘‘ اس نے عیرہ سے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل پڑے تھے تبھی پیچھے سے آتا ہوا انسپکٹر عیرہ کے برابر چلنا شروع ہوگیا۔ عیرہ نے خفیف سی نگاہوں سے جان کو دیکھا اور جان نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا‘ وہ چند قدم آگے بڑھا اور اس طرح لڑکھڑایا جیسے اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرایا ہو انسپکٹر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے پکڑا اور اس دوران عیرہ کو اپنی جگہ چینج کرنے کا موقع مل گیا وہ پہلے جان کے بائیں طرف چل رہی تھی اب دائیں طرف آگئی تھی۔

’’میں ٹھیک ہوں۔‘‘ جان نے اپنے بازو سے انسپکٹر کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور سر جھکا کر چلنا شروع کردیا اگر وہ عیرہ کی جانب دیکھتا تو وہ دیکھ پاتا وہ اس کی کتنی مشکور تھی۔

❀......❀......❀

اس کی نگاہیں ایک بار پھر بیک ویو مرر پر اٹھی تھیں۔ وہ اب بھی اپنے بابا کے سینے پر سر ٹکائے رو رہی تھی‘ اس کے آنسو بھی اس کے کردار کی طرح شفاف اور چمک دار تھے۔ اس نے دیکھا احمد ایک بار پھر اسے گھور رہا تھا عیرہ کو دیکھنے پر۔ اس نے اپنی نگاہیں ایک بار پھر ونڈ اسکرین سے باہر روڈ پر جما دی تھیں مگر تھوڑی دیر بعد پھر اس کی نگاہیں بیک ویو مرر پر اٹھی تھیں۔ عیرہ کی آنکھوں سے بہتا ہوا ایک ایک آنسو اسے اپنے دل پر گرتا ہوا اور دل پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اب کی بار اس نے احمد کی جانب نہیں دیکھا وہ جانتا تھا احمد اسے دیکھ رہا ہے اور احمد کو وہ اپنی دلی کیفیت بتانے اور سمجھانے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کار عدیل کے گھر کے آگے روکی‘ وہ سب کار سے اترے تھے۔ عباد صاحب نے ایک بار پھر جان کا شکریہ ادا کیا‘ عیرہ کے آنسو اب تھم گئے تھے مگر وہ بالکل نڈھال ہوچکی تھی اور عباد صاحب کے سینے پر سر ٹکائے کھڑی تھی۔

وہ تینوں اب گھر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ عدیل نے جان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نفی میں سر ہلایا تھا تبھی ان دونوں نے ایک ساتھ عباد صاحب کے گھر کی جانب دیکھا اور اسی وقت عیرہ نے بھی پلٹ کر مشکور نگاہوں سے جان کی جانب دیکھا تھا مگر احمد یک دم درمیان میں حائل ہوگیا تھا اور وہ لوگ گھر میں داخل ہوگئے تھے۔ عدیل جان کے گلے لگا اور پھر شکریہ کہتے ہوئے گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جان نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا تھا۔

’’انسان کو ہمیشہ زندگی میں مشکل فیصلے کیوں لینے پڑتے ہیں‘ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا مگر آج سمجھ گیا ہوں۔ حقیقتاً کوئی بھی فیصلہ مشکل نہیں ہوتا بلکہ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے پیاروں کی خوشیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اپنے پیاروں کی خوشیاں مقدم رکھتے ہیں اپنی زندگی پر اور میں نے بھی آج یہی کیا ہے عیرہ عباد۔‘‘

❀......❀......❀

پانچ سال بعد وہ اس سرزمین پر قدم رکھ رہا تھا‘ حدِ نگاہ تک پھیلے ائرپورٹ کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا جب وہ پانچ سال پہلے یہاں سے گیا تھا تو بہت ناامید اور بے زار تھا اور آج وہ لوٹ کر آیا ہے تو کس قدر پُرامید...... وہ تو ساری کشتیاں جلا کر گیا تھا پھر کیوں لوٹا‘ انہی فضاؤں میں۔ جن میں صرف رنج و غم کی آگ کا دھواں تھا۔ صرف آنسو‘ صرف آہیں تھیں۔ اس نے گہرا ایک سانس لیا۔

’’اس کا جواب تمہارے پاس نہیں ہے کاشان فریدی! اور نہ ہوسکتا ہے۔‘‘ وہ اس وقت اسلام آباد ائرپورٹ پر کھڑا تھا۔ پانچ سال قبل پاکستان سے جاتے وقت اس کا ارادہ واپس لوٹ کر آنے کا نہیں تھا مگر وہ آج بنا ارادے ہی آ گیا

تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے گھر کا ایڈریس سمجھایا اور گھر کے باہر اترتے ہوئے اس نے ایک نگاہ گھر کے داخلی دروازے پر ڈالی پھر پلٹ کر ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور اپنا سامان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر دروازہ کھول دیا تھا' سب کچھ ویسا ہی تھا آج بھی سرخ چھوٹے سائز کی اینٹوں سے بنی راہداری جس کے دونوں طرف گارڈ تھا۔ جس میں انواع و اقسام کے پھول لگے تھے' جو مالک کے اعلیٰ ذوق کی ترجمانی کررہے تھے اور وہ جانتا تھا وہ مالک کون ہے؟ اس کی نانو بی...... سفید ماربلز سے بنی عمارت شام کے سائے میں دل کش منظر پیش کررہی تھی' وہ کار پورچ سے گزر کر براؤن لکڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے میں بلڈ پریشر کی مریض ہوں' کھانے میں نمک تھوڑا ہولے ہاتھ سے ڈالا کرو مگر مجال ہے جو تم میری ایک بھی سن لو۔" وہ غالباً کسی ملازم کو ڈانٹ رہی تھیں' وہ دبے پاؤں ان کے پیچھے آیا اور ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا' اس نے ان کی گلاسز لگی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"ارے یہ کون ہے؟" وہ ایک لمحے کے لیے بوکھلا گئی تھیں مگر کاشان کے ہاتھ رکھتے ہی انہیں فوراً پتا چل گیا۔

"کاشان! تم آگئے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

اس نے ان کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے' انہوں نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا' اس کے ماتھے کا بوسہ لیتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے گلے لگا لیا۔ بہت دیر تک وہ اس سے شکوے کرتی رہی اور وہ مسکرا کر سنتا رہا اور جب ان کے شکوے ختم ہوئے تو وہ ان سے مخاطب ہوا۔

"اچھا بابا سوری! اب آپ کو تنگ نہیں کروں گا' کہیں نہیں جاؤں گا' مگر اذان کے پاس تو جانے کی اجازت ہے نا مجھے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن زیادہ دن کے لیے نہیں اور ہاں اب تم آگئے ہو تو میں تمہیں کسی نہ کسی کھونٹے سے باندھ ہی دوں گی تاکہ تم یہاں سے جا ہی نہ سکو۔" انہوں نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں آج ڈنر باہر کریں گے نانو بی...... اوکے۔" اس نے ان کی بات نظر انداز کردی تھی۔

"تم نے سنا میں نے کیا کہا؟" انہوں نے ایک بار پھر اسے متوجہ کیا۔

"نانو بی! اگر آپ مجھے کسی کھونٹے سے باندھنے کی کوشش کریں گی تو میں اسی دنیا میں گم ہوجاؤں گا۔ جس سے میں واپس آیا ہوں' فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں...... جس طرح پانچ سال قبل میرے ہاتھ میں تھا۔" اس کا لہجہ سلگا ہوا تھا' وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھیں' وہ باغی نہیں تھا مگر خفا تھا۔

❁......❁......❁

"خوش آمدید مسٹر کاشان فریدی!" اذان سمیت اس کے تمام اسٹاف نے کاشان کا بہت خوش دلی سے استقبال کیا تھا۔

"کیسے ہو؟" وہ دونوں اب اذان کے آفس میں موجود تھے۔

"بالکل ٹھیک ہوں' آپ سنائیں کیا حال ہیں؟" کاشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"یہاں بھی الحمدللہ ٹھیک ہی ہیں۔ تم بتاؤ پاکستان سے دور زندگی کیسی گزری؟ دوسرے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ کیسا تھا؟" اذان نے انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کافی اور بسکٹ کا آرڈر دیا۔

"تجربہ تو بہت اچھا تھا لیکن دل کہیں نہیں لگا کیونکہ وہ تو یہیں رہ گیا تھا آپ کے پاس۔" کاشان مسکرایا اور اذان اس کے جملے پر ہنس دیا۔

"چلو اب تھوڑی بہت سنجیدہ گفتگو ہوجائے' میرے پراجیکٹ کے بارے میں کیا سوچا' کرو گے اس پر کام میرے ساتھ؟" اذان اب بالکل سنجیدہ تھا۔

"آپ جانتے ہیں اذان! میں صرف آپ کے پراجیکٹ کی وجہ سے پاکستان آیا ہوں ورنہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا تو پھر میں آپ کے پراجیکٹ پر کیسے کام نہیں



کروں گا۔" کاشان نے بہت نارمل انداز میں کہا۔

"مجھے پتا ہے کاشان!" اذان نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ کے ساتھ کام کرکے بہت سکون ملتا ہے اذان اور جو عروج میں نے آپ کے ساتھ کام کرکے پایا وہ کسی اور کے ساتھ کام کرکے نہیں پایا۔ میں آپ سے بہت دور ہوکر بھی کبھی آپ کی باتوں کو نہیں بھولا' ہر مشکل وقت میں نے وہی کیا جو میں نے ہمیشہ آپ کو کرتے ہوئے پایا۔" کاشان بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"عروج اور زوال سب اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے' وہ جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو کون جانتا ہے' کون تھا اذان؟ کیا تھی اس کی حقیقت؟ اور اب کون ہے وہ؟ اس دنیا میں لوگ اسی کی مانتے ہیں جو اللہ کی مانتا ہے۔ جو وہ دے اسے خوشی سے قبول کرلو پھر چاہے اس میں بظاہر آپ کی ہار ہو۔" اذان نے ہمیشہ کی طرح پھر اسے الجھایا' وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کرتا تھا جس سے کاشان یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا تھا کہ اذان کی زندگی میں کوئی بہت بڑا تغیر آیا ہے لیکن کیا؟ یہ وہ آج تک نہیں سمجھ پایا تھا۔

"آپ خود کو اتنا کم تر کیوں سمجھتے ہیں اذان! میری نگاہ سے دیکھیں آپ ایک مکمل انسان ہیں' ایک مکمل مومن مسلمان۔ جسے بہت سے لوگ آئیڈیلائز کرتے ہیں مجھ سمیت۔" کاشان نے بہت اطمینان سے کہا۔

"تم جانتے ہو میں خود کو......" کاشان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے پتا ہے آپ خود کو دوسروں کو آئیڈیل بننے کے لائق نہیں سمجھتے کیونکہ آپ کے مطابق صرف نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک مسلمان کا آئیڈیل ہونے چاہئیں۔" کاشان نے دیکھا تھا اذان کے لب ہل رہے تھے وہ درود شریف پڑھ رہا تھا۔

"کیا میں غلط کہتا ہوں؟" اب اذان اس سے مخاطب تھا۔

"نہیں' آپ غلط نہیں مگر انہیں آئیڈیلائز کرنے کے لیے ہمیں آپ کے جیسا مومن بندہ بننا پڑے گا جو کہ بہت مشکل کام ہے۔" کاشان نے مسکراتے ہوئے کہا جب کہ اذان بالکل سنجیدہ تھا۔

"کاشان! مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا مت کرو' میرے اعمال کے بارے میں تم جانتے کیا ہو؟ کسی کے موجودہ حالات کو دیکھ کر ہم اس کے مومن ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے کاشان! جب تک ہم اس کی زندگی کا پورا جائزہ نہ لیں۔" وہ ایک سانس میں کہتا چلا گیا اور یہ جملے کہتے ہوئے بھی وہ کاشان کو مومنوں کی صف میں نظر آیا تھا جو ہر نیک کام کرتے ہیں پھر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں اور اپنے آپ کو نیک نہیں کہتے۔

"سر! آپ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔" اس کے پی اے نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟" اس نے پرسوچ لہجے میں پوچھا۔

"عالیانہ عباد!" یہ نام سن کر وہ اپنی جگہ منجمد ہوگیا۔

❁......❁......❁

وہ اپنے کمرے کے سامنے بنے والان میں کھڑا تھا' ٹھنڈی ہوائیں اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھیں' اس کے پی سی پر بیک اسٹریٹ بوائز کا گانا بلند آواز میں چل رہا تھا۔ اس کی پلکیں نم تھیں۔

"جان! تمہیں پتا ہے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہوا ہے یہاں تمہاری اور ریٹا کی منگنی ہوئی اور ادھر عبیرہ اور احمد کا نکاح ہوگیا۔" عدیل کے یہ جملے اس نے پچھلے چند گھنٹوں میں کتنی بار سوچے تھے اور ہر بار کتنی تکلیف محسوس کی تھی اس کا اندازہ خود اسے بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ریٹا کی پہنائی ہوئی رنگ کو دیکھا۔

"جان! اگر تم چاہتے ہو کہ میں عبیرہ کو جیل سے باہر نکلواؤں تو تم ریٹا سے شادی کے لیے تیار ہوجاؤ۔" اسے ماما کے لہجے کی سفاکی یاد آئی تھی۔ مشکل فیصلے بھلے ہی کتنے مشکل کیوں نہ ہوں' انہیں لینے میں پلک جھپکنے کا ٹائم بھی نہیں لگتا۔

"اگر تم مسلمان ہوتے جان تو میرے نزدیک عبیرہ

کے لیے تم سے بہتر کوئی نہیں تھا مگر یہ تمہاری سب سے بڑی بد قسمتی ہے کہ تم ایک نان مسلم ہو اور عیرہ ایک پکی مسلمان۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے ہوئے اس نے آسمان کی جانب دیکھا تھا۔

''کیا مذہب ایک مسلمان کی زندگی میں اتنا اہم ہوتا ہے کہ ہر سچا جذبہ اس کے سامنے بے معنی ہو جاتا ہے؟'' اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے اس نے گردن جھکاتے ہوئے ہاتھ گھاس پر رکھ دیئے تھے۔

''کیا میرے لیے میرا مذہب اتنا اہم ہے؟'' اس نے اپنے دل کو ٹٹولا اور اس کے جواب پر اسے حیرت ہوئی تھی' اس کا جواب منفی تھا۔

''ہاں عیرہ! آپ میری زندگی میں اتنی اہم ہیں کہ میں آپ کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں' اگر آپ زندگی بھر میرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کرتیں تو میں مسلمان ہو جاتا عیرہ! آپ کے لیے۔ مگر اب اس سوچ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اب آپ میری زندگی کا حصہ کبھی نہیں بن سکتیں۔'' اس کی آنکھ سے آنسو گرا اور ہری گھاس پر شبنم کے قطرے میں مل گیا۔ منفی سوچیں آج اس پر اس حد تک حاوی تھیں کہ وہ عیرہ کا پڑھایا ہوا ہر سبق بھول گیا تھا۔

''اسلام وہ مذہب نہیں جو مشکلوں اور الجھنوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے اختیار کیا جائے یا کسی زور زبردستی سے یا پھر کسی انسان کے لیے اختیار کیا جائے۔ یہ ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والے انسان کا مذہب ہے' جسے انسان صرف اللہ کی محبت' اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے حصول کے لیے اختیار کرتا ہے۔'' یہ جملے فضاؤں میں کہیں گردش کر رہے تھے مگر وہ آج سن نہیں پایا تھا اگر سن لیتا تو جان جاتا کہ اس نے مجازی محبت کو حقیقی محبت پر فوقیت دی ہے اور اس کی یہ محبت خود اس کے اور عیرہ کے لیے کتنا بڑا امتحان ہو سکتی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔

❀......❀......❀
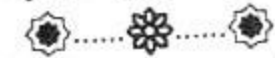
اے عشقِ نبی میرے دل میں بھی سما جاتا
مجھ کو بھی محمدؐ کا دیوانہ بنا جاتا
قدرت کی نگاہیں بھی جس چہرے کو تکتی تھیں
اس چہرۂ انور کا دیدار کرا جاتا
جس خواب میں ہو جائے دیدارِ نبیؐ حاصل
اے عشق کبھی مجھ کو نیند ایسی سلا جاتا
دیدار محمدؐ کی حسرت تو رہے باقی
جز اس کے ہر اک حسرت اس دل سے مٹا جاتا

اپنی نعت مکمل کر کے وہ اسٹیج پر ہی اپنی ہی جگہ پر آ بیٹھا تھا۔ آج 12 ربیع الاول کا دن تھا اور ہر سال کی طرح اس نے آج بھی محفلِ میلاد میں حصہ لیا تھا۔ اس کے نعت پڑھتے ہی پورا ماحول سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا تھا' بہت بڑے پیمانے پر ہونے والے اس میلاد میں ملک بھر سے میڈیا کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر اسٹیج پر بیٹھے رہنے کے بعد وہ نیچے آ گیا اور تبھی کسی نے اس کی انگلی پکڑ کر اسے روکا تھا۔ وہ ایک سات آٹھ سال کا بچہ تھا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاب اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے دیکھا وہ بہت گول مٹول سا بچہ تھا۔ وائٹ شلوار بلیک قمیص' پشاوری چپل' سر پر بلیک ٹوپی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موتی لگے ہوئے تھے' اسے بے اختیار اس بچے پر پیار آیا تھا۔ وہ بچہ شرما گیا۔

''ہوں...... آپ تو بہت سویٹ ہیں' نام کیا ہے آپ کا؟'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ بچے کی گردن کے گرد حمائل کیے تھے' بہت پیار سے پوچھتے ہوئے۔

''میرا نام عبداللہ عبدالرحمٰن ہے اور آپ نعت بہت اچھی پڑھتے ہیں اور بہت سویٹ بھی ہیں۔'' وہ بچہ بہت معصوم انداز میں بولا تھا۔

''بہت بہت شکریہ میری نعت پسند کرنے کے لیے۔ ویسے آپ کا نام صرف عبداللہ ہے یا عبدالرحمٰن بھی ہے؟'' اسے بہت اچھا لگ رہا تھا اس بچے سے بات کرنا۔

''یہ پورا نام میرا ہی ہے' میری مما کہتی ہیں کہ مجھے عبداللہ نام بہت پسند تھا اور تمہارے بابا کو عبدالرحمٰن اس لیے ہم نے تمہارے دونوں ہی نام رکھ دیئے کیونکہ اللہ

تعالیٰ کوتو یہ دونوں نام بہت پسند ہیں۔" اس کی باتیں بہت دلچسپ تھیں وہ محظوظ ہونے لگا تھا۔

"ویسے آپ کا کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے؟" اس کے لہجے میں اب تھوڑی شرارت تھی۔

"نہیں لیکن کیوں انکل؟" اس بچے نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

"ویری سمپل! آپ کے والدین کو دو نام پسند ہیں ایک آپ کا رکھ لیتے اور دوسرا آپ کے بھائی کا۔" اس نے بہت مزے سے کہا اور اس بچے نے شرم کے سبب دانتوں میں انگلی دبائی تھی۔

"آپ ہمارے ساتھ آئسکریم کھائیں گے؟" اس نے عبداللہ کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن مما منع کرتی ہیں نا' ٹھنڈ لگ جائے گی' بخار ہوجائے گا پھر مما روئیں گی' بابا پریشان ہوں گے۔" عبداللہ نے آئس کریم کھانے کی خواہش کے باوجود نہ کھانے کی ہزار ہا وجوہات بیان کیں۔

"کوئی بات نہیں' ابھی تو ماما یہاں نہیں ہیں' انہیں کیسے پتا چلے گا۔ ہم تھوڑی سی کھائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور چلنا شروع کردیا۔

"لیکن مما بابا دونوں آئے ہوئے ہیں۔" عبداللہ اب بھی اپنی مجبوری ظاہر کررہا تھا۔

"کوئی بات نہیں' میں مما کو کہہ دوں گا کہ میں نے خود کھلائی ہے' اب خوش۔" عبداللہ اب مطمئن ہوگیا تھا' آئس کریم لے کر اس نے عبداللہ کو کار کے بونٹ پر بٹھایا اور آئس کریم کا کپ عبداللہ کو پکڑا دیا۔

"انکل! آپ کو پتا ہے میری مما آپ کو جانتی ہیں۔" عبداللہ نے آئس کریم کھاتے ہوئے اچانک کہا' اس نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا کیونکہ اس کا پروفیشن ایسا تھا بہت سے لوگ اسے جانتے تھے۔

"انہوں نے مجھے آپ کا نام بتایا اور وہ آپ کو نعت پڑھتے دیکھ کر بہت خوش ہورہی تھیں۔" وہ اب بھی اطمینان سے آئس کریم کھا رہا تھا۔ "آپ کا نام جان ہے ناں؟"

عبداللہ نے بہت بے فکری سے کہا اور اس کا ہاتھ یک دم رک گیا تقریباً دس سوا دس سال بعد کسی نے اسے اس نام سے پکارا تھا اور وہ بھی ایک بچے نے اور ایک ایسے شہر میں جو اس کا آبائی شہر نہیں تھا۔

"کک...... کیا کہا آپ نے؟" وہ بری طرح ہکلایا۔

"یہی کہ آپ کا نام جان ہے اور میری مما آپ کو جانتی ہیں۔" عبداللہ آئس کریم ختم کرچکا تھا۔

"آپ کی مما مجھے کیسے جانتی ہیں؟" اس کی تشویش میں اضافہ ہوا اور ساتھ ہی دھڑکن بھی تیز ہوئی تھی۔

"وہ تو انہوں نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" عبداللہ نے حد درجہ بے بسی سے کہا۔

"آ...... آ...... آپ کی مما کا نام کیا ہے؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔ اس کے تخیل میں ایک ہی چہرہ ابھر رہا تھا۔ اسی کا چہرہ جسے وہ دس سال میں ایک بار بھی نہیں بھولا تھا' عمیرہ عباد کا چہرہ۔ عبداللہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے پیچھے کی طرف دیکھا۔

"مما!" وہ کہتا ہوا کار کے بونٹ سے اترا اور اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پلٹ کے دیکھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

❁......❁......❁

اس نے ایک نگاہ اس دس منزلہ عمارت کو دیکھا وہ آج یہاں دوسری بار آئی تھی۔

"زندگی بھی کتنی عجیب ہے ہر لمحہ نئی پھر بھی وہی۔ کتنے رنگ سمیٹے ہوئے ہیں اس نے اپنے اندر۔ ہر موڑ ایک نیا چہرہ ایک نئی پہچان۔ کیا ہے میری اصل پہچان؟ کون ہوں میں؟ کن حالات میں میری پہچان مجھ سے کھوگئی اور کیوں؟" بے ترتیب سوالات اس کے ذہن میں آرہے تھے۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازے سے اندر داخل ہوئی اور کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔

"کیا میں اذان سے مل سکتی ہوں؟"

"سوری میم! آج سر چھٹی پر ہیں۔" اسے ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔



"اوکے۔" وہ پلٹ کر احرام کو دیکھنے لگی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گیا تھا۔

"ہوسکتا ہے وہ باہر میرا انتظار کررہا ہو۔ میری وجہ سے وہ بھی کتنا پریشان رہنے لگا ہے۔" اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

"مس عالین! اذان کا سیل آف ہے' آپ لینڈ لائن ڈائل کریں کہ وہ آج کیوں نہیں آیا۔" اس آواز نے اس کے ذہن میں سوچوں کے سلسلے کو روک دیا تھا۔ اسے وہم نہیں ہوا تھا یہ اسی انسان کی آواز تھی جسے وہ لاکھوں میں تو کیا کروڑوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ بھی پلٹتے ہوئے اسے دیکھ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہیں کچھ منظر' کچھ آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔

"طوبیٰ آپ میری زندگی میں دھڑکن کی مانند ہیں لیکن میری نانو بی میری زندگی میں سانسوں کی مانند ہیں۔ میری زندگی کا تصور آپ دونوں کے بنا ہی ناممکن ہے مگر جب مجھے آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چننے کا موقع ملا تو میں انہیں ہی چنوں گا اور میں انہیں ہی چنا ہے۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی نہیں کرسکتا آپ مجھے بھول جائیں۔"

"کاشان فریدی!" اس کے منہ سے غیر یقینی انداز میں نکلا۔ اس دن کے بعد طوبیٰ نے کبھی بھی اس کے روبرو نہ آنے کی دعائیں مانگی تھیں مگر آج وہ اس کے روبرو آ ہی گیا تھا۔ وہ الٹے قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی تبھی احرام اندر داخل ہوا۔ طوبیٰ نے اس کا ہاتھ تھاما اور جلدی سے اسے وہاں سے چلنے کو کہا۔ کاشان دیکھ رہا تھا طوبیٰ کی زندگی میں آنے والا چینج' وہ لڑکا کون تھا وہ یہ تو نہیں جانتا تھا مگر ان کا رشتا کس نوعیت کا ہوسکتا ہے یہ اندازہ اسے ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

"احمد بیٹا! رات کے تین بج رہے ہیں اب تک سوئے نہیں' طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اس کے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر وہ اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وہ بے سدھ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا' ان کی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"نیند نہیں آرہی تھی اماں!" اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" انہوں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا' اس نے دیکھا تو اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"کیوں دے رہے ہو خود کو یہ سزا اور کب تک دو گے۔" ان کے لہجے میں درد تھا۔

"کوئی سزا نہیں دے رہا ہوں میں خود کو اماں......" وہ مزید کچھ کہتا اس سے پہلے وہ گویا ہوئیں۔

"یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے۔ اپنی حالت دیکھو تم' بھول کیوں نہیں جاتے اسے۔" وہ تڑپ کر بولی تو وہ چند لمحے خاموش رہا پھر دھیمے لہجے میں مخاطب ہوا۔

"کیا کوئی انسان سانس لینا بھول سکتا ہے؟" وہ گنگ رہ گئی تھیں۔ اس نے اب ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ "نہیں ناں!" اس نے تصدیق بھی کردی تھی پھر اٹھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی نیند کی گولی کھائی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

"شب بخیر اماں!" وہ بنا جواب دیئے ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

"آخر کب ختم ہوگی میرے بیٹے کی سزا میرے مالک! کب تک وہ ایک ابنارمل زندگی جیے گا۔" ان کی پلکیں نم ہونے لگی تھیں۔

"کون کہہ سکتا ہے کہ دن کی روشنیوں میں لوگوں کے درمیان خوشیاں بانٹنے والا انسان رات کے اندھیروں میں اس طرح سسکتا ہے۔" وہ بل کھاتی راہداری کے اختتام پر سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھیں۔

"مجھے کہتی ہیں کہ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے اور خود اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈے ماربلز پر بیٹھی ہیں۔" احمد کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"چلیے اٹھیے یہاں سے......" اس نے اپنا ہاتھ ان کی

طرف بڑھایا اور انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ”میں نے کہا ناں آپ سے میں بالکل ٹھیک ہوں‘ آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔“ ان کا ہاتھ تھامے وہ ان کے کمرے کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔

”تمہیں کیا پتا کہ ایک ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے جب اس کا بیٹا بظاہر بہت نارمل ہونے کے باوجود بھی ایک ابنارمل زندگی گزار رہا ہو‘ نیند کی گولی کھائے بغیر نہ سوتا ہو۔“ وہ دونوں اب کمرے تک پہنچ گئے تھے‘ انہیں بیڈ پر لٹا کر اس نے کمبل ڈال دیا۔

”شب بخیر اماں!“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ان کے کمرے سے نکل کر وہ سیڑھیوں پر ہی آ بیٹھا تھا جہاں کچھ دیر پہلے اس کی اماں تھیں۔ ایک ٹرینکولائزر کھا کر بھی اس کی آنکھوں میں نیند کہیں نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہے مگر وہ ڈپریشن کیوں تھا سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ اس کی اماں بھی نہیں۔

❁......❀......❁

”آپا نکاح کے ڈریس میں کتنی پیاری لگ رہی تھیں میں کیا بتاؤں۔“ عالی نے اپنے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت صحن میں تخت پر دھوپ میں بیٹھی سبزیاں کاٹ رہی تھی۔

”احمد بھائی بھی بہت ہینڈسم لگ رہے تھے آپ دونوں کی جوڑی خوب رہے گی۔“ اس کا لہجہ بہت پُرشوخ تھا۔

”اچھا اب بس کرو‘ کل رات سے ہزار ہا بار یہ جملے کہہ چکی ہو۔“ عبیرہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

”عالی ادھر آؤ‘ چلو کمرے کی صفائی کرو۔“ اندر سے اماں نے آواز لگائی۔

”آپا اماں آپ سے بھی اتنا ہی کام کرواتی تھیں جب آپ میرے جتنی تھیں۔“ عالی نے منہ بسورتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو لگتا ہے کہ آپ بہت چھوٹی ہیں ابھی؟“ عبیرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو ابھی میری عمر ہی کیا ہے‘ صرف سولہ سال۔“ اس نے لہرا کر کہا۔

”عالی!“ اماں نے کرخت لہجے میں کہا اور وہ اندر کی طرف دوڑی۔

”اف خدایا! اس لڑکی نے تو میرا دماغ خراب کر دیا ہے‘ اتنی بڑی ہوگئی ہے مگر مجال ہے جو بچپنا گیا ہو اس کا۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی تخت پر ہی آ بیٹھیں اور سبزیاں کٹوانے لگیں۔

”اماں ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی‘ فرسٹ ائیر میں تو ایڈمیشن ہوا ہے اس کا۔ آپ بھی اس کے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں۔“ عبیرہ نے خفگی سے کہا۔

”یہ تمہارا ہی لاڈ پیار ہے جس نے اسے اتنا بگاڑا ہے‘ تم نے مجھے کبھی اتنا نہیں ستایا جتنا اس لڑکی نے ستا مارا ہے۔“ انہوں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

”اماں آپ بھی نا بس۔“ عبیرہ ان کے خفا ہونے پر ہنسی۔

”ویسے عبیرہ! وہ لڑکا کون ہے جس نے تمہیں پرسوں رات جیل سے چھڑوایا تھا؟“ انہوں نے تفتیشی انداز میں کہا۔ ”تمہارے بابا جان بتا رہے تھے کہ وہ تمہیں جانتا ہے جب کہ وہ عدیل کا دوست ہے۔“ ان کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

”وہ جان ہے اماں! سنیتا کی طرح اسلام کو جاننے کی جستجو رکھتا ہے اور میں دینِ اسلام سے متعلق اس کی غلط فہمیاں دور کرتی ہوں۔“ عبیرہ نے بہت مطمئن لہجے میں کہا۔

”کیوں دوبارہ جیل جانے کا ارادہ ہے کیا جو اَب دوسرے غیر مسلم کو مسلمان کرنے چل دی ہو۔ ایک کو مسلمان کرا کے تم نے ہمیں کم ذلیل کرایا ہے لیکن اس سب کی تم اکیلی ذمہ دار کہاں ہو‘ یہ سب تو تمہارے اس پروفیسر خالد عباسی کا کیا دھرا ہے جس نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر تمہیں سکھائی۔ اسی نے یہ خناس بھرا ہے تمہارے دماغ میں۔ خود کا تو کچھ نہیں گیا میری بیٹی کا



نام بدنام کر دیا۔ دیکھا تھا ناں کل محلے سے کوئی بھی نہیں آیا تمہارے نکاح میں وہ تو بھلا ہو احمد کا اپنے ماں باپ کی مرضی نہ ہونے کے باوجود اس نے یہ نکاح کیا ورنہ اگر وہ انکار کر دیتا تو کون کرتا تم سے شادی؟“ انہوں نے بہت چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور عبیرہ حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”آپ کو لگتا ہے کہ میں نے لوگوں کو اللہ کے حکم سے راہِ ہدایت دکھائی تو غلط کیا؟“ حیرت اور غم کے سبب اس کے منہ سے لفظ بہت مشکل سے ادا ہوئے تھے۔

”ہاں غلط کیا تم نے‘ تم یہ کیسے بھول سکتی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو۔“ ان کا لہجہ اب بھی تیکھا تھا۔

”آپ کو لگتا ہے کہ اشاعتِ اسلام غلط ہے؟“ وہ اب تصدیق چاہ رہی تھی۔

”نہیں‘ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے۔ تم اسلام پر عمل پیرا ہو‘ اس کی اشاعت کرتی ہو یہ تو ہم دونوں کے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے لیکن اس میں اس حد تک انوالو ہو جانا کہ خود کو نقصان ہو یہ غلط ہے۔“ انہوں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو یک دم گھر کا دروازہ بہت زور سے بجا اور وہ دونوں ہی ڈر گئی تھیں۔ عبیرہ کی اماں نے اٹھ کر دروازہ کھولا‘ دروازے پر عباد صاحب تھے ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

”ہائے اللہ...... یہ کیا ہو گیا آپ...... کس نے کر دی آپ کی یہ حالت۔“ انہوں نے جلدی سے عباد صاحب کا بازو تھاما اور دروازہ بند کرتے ہوئے عبیرہ اور عالی کو آواز لگائی۔ دونوں ہی دوڑی آئی تھیں‘ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان دونوں کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

”عالی! تم بابا کو پانی دو‘ میں اسپرٹ لاتی ہوں۔“ اس نے اندر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ عالی نے پانی پلایا اتنے میں عبیرہ اسپرٹ اور روئی لے آئی تھی۔ عباد صاحب دھیمے دھیمے کچھ بول رہے تھے‘ اس کے قریب پہنچتے ہی عبیرہ کی اماں نے پوری قوت سے اسے تھپڑ مارا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”دیکھو......! آج تیری وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔“ اماں نے شدید غصے سے کہا۔ ”آج تک جن آوارہ لڑکوں کو تیرے بابا کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی انہوں نے پتھر مارے انہیں یہ کہہ کر کہ ہم تو آوارہ تھے مگر کبھی جیل نہیں گئے تمہاری بیٹی تو پاکباز تھی وہ کیسے جیل چلی گئی۔“ عبیرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے پڑے۔

”عبیرہ کو کچھ نہ کہیں‘ میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں۔“ اس کے بابا نے کمزور لہجے میں کہا۔ عبیرہ آنسو صاف کرتی ان کے برابر آ بیٹھی تھی اور اسپرٹ سے ان کا زخم صاف کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں‘ اماں کا مارا ہوا تھپڑ اس کے چہرے پر پانچوں انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا تھا۔

❁......❀......❁

سورج دھیمے دھیمے غروب کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گارڈن میں بیٹھا پیپر کی تیاری کر رہا تھا‘ دو تین کتابیں اس کے سامنے سینٹرل ٹیبل پر پڑی تھیں۔ ساتھ ہی کافی کا خالی کپ بھی رکھا تھا۔ ٹیبل کے گرد چار چیئرز تھیں جن میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا دوسری پر اپنے پاؤں رکھے ہوئے تھے اور باقی دو چیئرز خالی تھیں۔

”تمہیں پتا ہے جان! مسٹر مہرا بہت ناراض ہوئے جب انہیں پتا چلا کہ عبیرہ کی ضمانت ہم نے کروائی ہے۔“ اس کی مما نے ان خالی چیئرز میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جان نے کتاب بند کر کے ٹیبل پر رکھی اور سیدھا ہو بیٹھا۔

”تمہاری منگنی پر بھی اسی لیے نہیں آئے وہ۔“ انہوں نے افسوس سے کہا۔

”موم! مجھے ان کا الزام بالکل بے بنیاد لگ رہا ہے۔ بھلا عبیرہ کو کیا ضرورت ہے سنیتا کو اغوا کرانے کی اور سنیتا بھی کوئی بچی تو نہیں ہے جو اسے اغوا کرنا آسان ہے۔“ جان نے عبیرہ کی وکالت کی۔

”مسٹر مہرا بتا رہے تھے کہ اس نے مسلسل سنیتا کو بہکایا اور اپنے دین پر لے آئی پھر نہ جانے اسے کہاں غائب کرا دیا وہ تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ سنیتا نے کسی مسلمان

لڑکے سے شادی بھی کرلی ہے۔" انہوں نے اپنے طور پر اسے عیرہ کی حقیقت بتانی چاہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں ہے۔" جان نے بہت اطمینان سے کہا۔

"لیکن مجھے کیا کرنا ہے اب تمہاری مثال لے لو یہ اسی کا بہکاوا ہے کہ میرا بیٹا جو میرے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا اب میرے فیصلوں کو رد کرنے لگا ہے۔" ان کے لہجے میں کڑواہٹ ابھر آئی تھی۔

"یہ آپ کی سوچ ہے ماما! عیرہ کسی کو نہیں بہکاتی' وہ صرف سچ بولتی ہے۔ انسان کی اصلیت اس پر کھول کر رکھ دیتی ہے اس کے دلائل عقلی ہوتے ہیں وہ ہماری طرح ہر چیز پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کرتی۔ وہ آپ کی یا فادر جوزف کی طرح یہ نہیں کہتی کہ صرف اپنے دین کا علم حاصل کرو اگر کسی دوسرے دین کو جانو گے تو اپنے دین سے باہر ہوجاؤ گے۔ میں نے بچپن سے آپ کو اور فادر جوزف کو اسلام کے خلاف زہر اگلتے دیکھا' مسلمانوں کے نبی اور ان کی کتاب کو غلط کہتے سنا حالانکہ عیرہ نے کبھی کسی کو غلط نہیں کہا اور نہ بُرا برتاؤ کیا یہ اس کا حُسن اخلاق ہے جو لوگوں کو اس کے دین کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ سنیتا کو بھی اس کے رویے نے ہی اپنے طرف کھینچا ہوگا' جیسے مجھے۔ وہ زبردستی کسی کو اسلام قبول کرنے کا نہیں کہتی وہ صرف حق کی راہ دکھاتی ہے جو چاہے اس پر چلے اور جو نہ چاہے وہ نہ چلے۔" جان ایک تسلسل سے کہتا چلا گیا اور اس کی مما اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جان کہ اس کی محبت میں تم اسلام کے حمایتی ہورہے ہو؟" انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے موم کہ آپ ضرورت سے زیادہ مجھ پر شک کرنے لگی ہیں؟" جان نے بھی ان کے انداز میں کہا۔

"کیونکہ تم نے خود اپنی حرکتوں کی وجہ سے اپنا کردار میری نظروں میں مشکوک کرلیا ہے۔" انہوں نے چڑ کر کہا۔

"نہیں ماما! میری حرکتوں نے نہیں بلکہ اپنے دین کے لیے آپ کے حد سے زیادہ پوزیسو ہونے نے آپ کو مجھ پر شک کرنے پر مجبور کیا ہے۔" جان جھنجلا گیا اس بے معنی بحث سے۔

"اگر کوئی اپنے دین کے بارے میں پوزیسو ہے تو اس میں کیا برائی ہے' کیا عیرہ نہیں ہے؟" انہوں نے ایک بار پھر طنز کیا۔ جان نے اب کی بار ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنی کتابیں اٹھائیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ نے انہیں اداس کردیا تھا۔

"کہاں جارہے ہو؟" انہوں نے تڑپ کر پوچھا۔

"مام مجھے لگتا ہے کہ عیرہ کا ذکر کرنا مجھ سے زیادہ آپ کو پسند ہے۔" وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں' مجھے جو لڑکی پسند نہیں بھلا اس کا ذکر کرنا مجھے کیوں کر پسند ہوگا۔" انہوں نے بہت ناگواریت سے کہا۔

"خدا کے واسطے مام! عیرہ کوئی دین نہیں ہے' ایک جیتی جاگتی انسان ہے۔ آپ کی اس کے دین سے نفرت آپ کو اس سے نفرت پر اکسا رہی ہے۔" جان نے بہت بلند آواز میں کہا۔

"تم بات کو خوامخواہ طول دے رہے ہو' میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر تم مجھے پوزیسو کہہ رہے ہو تو پھر عیرہ کو کیا کہو گے؟" انہوں نے اب بھی اپنی بات پر ڈٹے رہتے ہوئے کہا۔

"وہ پوزیسو نہیں ہے ماما! کیونکہ پوزیسو ہمیشہ ان چیزوں کے لیے ہوا جاتا ہے جن کے کھو جانے کا ڈر ہو اور عیرہ کو ایسا کوئی ڈر نہیں کیونکہ وہ جانتی ہے جو اس کے پاس ہے' وہ مکمل ہے۔" جان نے بہت مضبوط لہجے میں کہا اور پھر گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم میں اسلام کے جرثومے کہاں سے آگئے ہیں جان! تمہاری اس بیماری کی وجہ عیرہ ہے یا پھر......" ان کے تخیل میں ایک چہرہ ابھرا تھا۔



"نہیں ہرگز نہیں...... اتنا بڑا انتقام یہ نہیں ہوسکتا۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔" وہ خفیف سے لہجے میں کہتی چلی گئی تھیں۔

❀......❀......❀

آج اس کا پہلا پیپر تھا اور ہمیشہ کی طرح بہت اچھا بھی رہا تھا۔ اگلا پیپر اگلے ہفتے کی کسی تاریخ کا تھا' جب وہ نہا کر نکلا تو اس کا سیل بج رہا تھا۔ اٹینڈ کرنے پر دوسری طرف ماما تھیں۔

"جان! میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جارہی ہوں اپنی فیکٹری کے لیے مال کی بکنگ کرانی ہے۔ کرسمس آنے والی ہے اور اس کے لیے میں نے انٹریئر ڈیکوریٹر سے بات کی ہے۔ ہمیشہ تو میں ڈیکوریشن اپنی پسند سے کرایتی ہوں مگر اس دفعہ تم دیکھ لینا' اوکے۔" انہوں نے بہت تفصیلی طور پر اسے بتایا۔

"اوکے۔" جان نے یک لفظی جواب دے کر کال ڈس کنیکٹ کردی تھی۔

آج تین دن ہوچکے تھے ڈیکوریشن کا کام تقریباً مکمل ہوچکا تھا۔ آج اس کا کمرہ ڈیکوریٹ ہونا تھا۔ وہ ڈیکوریٹر کو ہدایت دے کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

بل کھاتی راہ داری میں مڑتے ہوئے اس کی نگاہ غیر محسوس طور پر راہ داری کے اختتام پر بنے کمرے پر جاٹھہری تھی۔ یہ اس کے بابا کا اسٹڈی روم تھا۔ اس نے کبھی بھی اس روم کو کھلا ہوا نہیں دیکھا تھا اور آج بھی وہ روم بند ہی تھا۔ اس نے ایک ورکر کو روک کو پوچھا۔

"آپ نے یہ روم کیوں نہیں کھولا' اس کی ڈیکوریشن چینج نہیں کرنی؟" اس کا انداز تفتیشی تھا۔

"نہیں سر کیونکہ میم نے ہمیں ہمیشہ اس کمرے کو نہ کھولنے کی ہدایت کی ہے۔" وہ ورکر اپنی بات مکمل کرکے چلا گیا جب کہ جان اس کمرے کے سامنے آکھڑا ہوا۔ لکڑی کے دروازے پر سفید پینٹ کیا ہوا تھا اور کنڈی لگا کر بڑا سا تالا ڈالا گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے بہت حسرت سے دروازے پر ہاتھ رکھا' اس نے ہمیشہ اپنے بابا کے قصے سنے تھے۔ کبھی ان کی تصویر بھی نہ دیکھی تھی' دل بوجھل ہونے لگا تھا ایک عجیب سی کشش تھی اس نے اپنا سر دروازے کے ساتھ ٹکایا اور آنکھیں بند کرلیں کچھ لمحات بعد ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے دروازے کے دوسری طرف کوئی موجود ہو' کوئی کچھ بول رہا ہو وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور حیرت سے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

"مجھے وہم تو نہیں ہوا۔" اس نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہوگیا' مگر اب کی بار پھر اسے وہی سرگوشی نما آواز سنائی دی وہ پیچھے نہیں ہٹا بلکہ آواز گو کہ مدھم تھی مگر سنائی دے رہی تھی۔

"کتنے سالوں سے یہ کمرا بند ہے پھر یہ آواز کس کی ہے؟" وہ سوچتا رہا۔ "کیا اندر کوئی ہے؟" اس نے دروازے کو دھیمے سے بجاتے ہوئے پوچھا مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا اندر سے۔

"جان بابا!" ملازمہ نے اسے پکارا اور وہ ہڑبڑا کر پلٹا۔ "آپ یہاں کیا کررہے ہیں' بیگم صاحبہ نے سختی سے اس کمرے سے دور رہنے کو کہا ہے۔" اس نے جان کو مطلع کیا۔

"کیوں؟ کس لیے' کیا یہ کمرا اس گھر کا حصہ نہیں ہے؟" اس نے ضعیف العمر ملازمہ کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" ملازمہ سر جھکا کر بولی۔ اس سے پہلے کہ جان مزید کچھ کہتا موبائل بجا اس نے نمبر دیکھا عدیل کا تھا۔

"ہیلو! سب خیریت تو ہے ناں؟" کال ریسیو کرتے ہی اس نے پوچھا تھا کیونکہ گزشتہ چند دنوں میں عدیل کی کالز سے اسے کچھ خاص خوشی کی خبر نہیں ملی تھی ہر روز عیرہ اور اس کی فیملی کے ساتھ محلے میں ہونے والی بدسلوکی کے بارے میں بتاتا تھا۔

"جان! بہت بڑی پرابلم ہوگئی ہے عیرہ دو تین دن سے لاپتا ہے۔" عدیل کا یہ جملہ اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح لگا تھا۔

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے عدیل؟" شاک کے سبب اس کے منہ سے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔

"پرسوں پیپر دینے یونی ورسٹی گئی تھی اور لوٹ کر واپس نہیں آئی۔ پولیس اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کر رہی ان کا کہنا ہے کہ اس پر اغوا کا الزام ہے اور شاید اسی سے بچنے کے لیے وہ اپنے طور پر کہیں غائب ہوگئی ہے۔" عدیل کہہ رہا تھا اور جان شدید غصے میں آ گیا تھا۔

"احمد نہیں چاہتا تھا کہ میں تمہیں اس معاملے میں شامل کروں اور اب بھی میں نے اسے بغیر بتائے تمہیں انفارم کیا ہے۔" عدیل نے حد درجہ مجبور لہجے میں کہا اور جان ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"عباد انکل کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے تم ڈی آئی جی سے بات کرو وہ عیرہ کو ڈھونڈنے کی کوشش تو کریں۔" عدیل نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"اوکے۔" جان نے اتنا کہہ کر کال ڈس کنیکٹ کردی۔

"کہاں جا سکتی ہے عیرہ......؟ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو بدنامی کے ڈر سے چھپ جائیں تو پھر آخر وہ گئی کہاں؟" اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا اور یک دم ہی ایک خیال اس کے پورے وجود کو جھنجوڑ گیا۔

"او مائی گاڈ۔" اس کے منہ سے خوف کے سبب نکلا تھا۔

❁......❁......❁

کمرے کے وسط میں رکھے صوفوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا سر جھکائے بہت سی الجھنوں کا شکار تبھی بھاری قدموں کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھایا تو کمرے کے داخلی دروازے سے ایک دراز قد آدمی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کا ڈیل ڈول اچھا تھا اور سر کے بال درمیان سے غائب تھے وہ مسٹر مہرا تھے انہیں دیکھتے ہی جان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو جان!" انہوں نے ہاتھ ملا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "آج ہمارے گھر کیسے آنا ہوا؟" مسٹر مہرا نے طنز کا تیر چلایا۔

"آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں میں یہاں کیوں آیا ہوں؟" جان نے تحمل سے کہا۔

"نہیں میں تو نہیں جانتا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟" انہوں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"عیرہ کہاں ہے؟" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"میرے مطابق تو اسے جیل میں ہونا چاہیے تھا مگر آپ نے اس کی ضمانت کرادی تھی تو یقیناً اب وہ اپنے گھر پر ہوگی۔" انہوں نے بھی اسی اطمینان سے کہا۔

"وہ ہوتی اپنے گھر پر اگر آپ نے اسے اغوا نہ کرایا ہوتا۔" جان نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"تم میرے گھر، میری چھت کے نیچے بیٹھ کر مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔" انہوں نے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں الزام نہیں لگا رہا سچ کہہ رہا ہوں۔" جان نے بنا ڈرے کہا۔ مسٹر مہرا چند ثانیے اسے دیکھتے رہے پھر مخاطب ہوئے۔

"چلو مان لیا کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے تو پھر......؟" ان کا انداز طنزیہ تھا۔

"تو پھر یہ کہ آپ اسے چھوڑیں، میں سنیتا کو ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کروں گا۔ میں عیرہ سے اس کا پتا معلوم کرکے آپ کو بتاؤں گا۔" جان نے صلح جو انداز میں کہا۔ ایک بار پھر چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

"عیرہ سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟" انہوں نے ذومعنی انداز میں پوچھا۔ جان کو دھچکا نہیں لگا کیونکہ یہ تجربہ وہ ایک بار پہلے بھی کر چکا تھا۔

"اصل مسئلہ میرا اور عیرہ کا رشتہ نہیں آپ کی بیٹی کا ڈھونڈنا اور عیرہ کو رہا ہونا ہے۔ آپ عیرہ کو چھوڑ دیجیے میں سنیتا کو دس دن کے اندر ڈھونڈ کر لاؤں گا۔" جان نے بہت تحمل سے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر تمہاری بات پر یقین کیسے کروں میں؟" انہوں نے جانچنے والے انداز میں کہا۔



"تو میں آپ کی پہنچ سے دور نہیں ہوں، عیرہ کے ساتھ آپ مجھے بھی قید میں ڈال سکتے ہیں۔" جان نے اپنے مطابق سزا کا انتخاب بھی کردیا تھا۔

"ہوں...... تمہارے ماں باپ سے میرے تعلقات اس طرح کے ہیں کہ تمہاری بات پر بے اعتباری میں نہیں کرسکتا۔" عیرہ میری قید میں ہی ہے، میں ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو واپس لانا چاہتا ہوں مگر نہ جانے کیا بات ہے اس لڑکی میں کہ کسی میں اب تک اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ جس کوٹھڑی میں قید ہے اس میں کسی کو داخل ہونے کی ہمت ہی نہیں ہوسکی۔ میں خود بھی گیا تھا مگر مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ الٹے قدموں واپس آ گیا۔ میں اپنے ایک آدمی سے کہتا ہوں کہ وہ تمہیں وہاں تک چھوڑ آئے۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں یہ سب کہہ دیا اور جان نے سکون کا سانس لیا۔

کوٹھڑی میں نیم تاریکی تھی۔ وہ ایک کونے میں سجدہ ریز تھی، وہ بلند آواز میں کچھ پڑھ رہی تھی۔

ترجمہ: اے ہمارے رب بے شک ہم تیرا ہی مال ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

یہ کیا لفظ تھے، کون سی زبان تھی یہ؟ یہ وہی زبان لگی اسے جو وہ خواب میں سنتا رہا تھا۔ وہ الجھنے لگا۔

"عیرہ!" اس نے باوقار اور بلند آواز میں پکارا تو عیرہ یک دم خاموش ہوگئی تھی وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔ یہ جان کی آواز ہی تھی وہ بلاشبہ اس کی زندگی کی دوسری بڑی مصیبت میں بھی اس کی نجات کا راستہ بن گیا تھا۔ عیرہ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا، وہاں سے نکلتے ہی مسٹر مہرا کے آدمی انہیں اسی کمرے میں لے آئے جہاں مسٹر مہرا اور جان کچھ دیر پہلے بیٹھے تھے۔

"آیئے آیئے جناب!" مسٹر مہرا کے انداز میں اسے کچھ شاطرانہ پن محسوس ہوا تھا۔

"سب کچھ طے ہوچکا ہے تو پھر کیوں بلوایا ہے؟" جان نے ترش لہجے میں کہا۔

"بیٹھو۔" انہوں نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ جان انہیں گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"آپ بھی بیٹھ جایئے استانی صاحبہ!" انہوں نے طنز کیا عیرہ پر۔ عیرہ بحالت مجبوری بیٹھ گئی۔ آج سے پہلے وہ کبھی کسی نامحرم کے برابر نہیں بیٹھی تھی مگر حیران کن طور پر جان کے برابر بیٹھی وہ خود کو بہت زیادہ محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا جان شاید مسٹر مہرا کو جانتا تھا بلکہ یقیناً جانتا تھا۔

"میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ تمہیں تمہارے وعدے کی یاد دہانی کرادوں۔ تمہارے پاس صرف دس دن ہیں میری بیٹی کو ڈھونڈنے کے لیے لیکن اگر تم اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہے تو میں عیرہ کو قید میں نہیں ڈالوں گا اور تم جانتے ہو تمہیں قید میں نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں صرف ایک ہی کام کروں گا......" وہ ایک لمحے کے لیے رکے اور عیرہ کی جانب دیکھا ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بہت شاطرانہ تھی۔ جان کو کسی ان دیکھے خطرے کا احساس ہوا۔ "میں اس لڑکی کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کردوں گا اور پھر تمہیں قید میں ڈالنے یا قتل کرنے کی مجھے ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس کے مرتے ہی تمہاری زندگی خود بخود ختم ہوجائے گی۔ آخر تم اس سے اتنی......" جان کا رنگ فق ہوگیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عیرہ کا تو حیرت سے برا حال تھا۔ اس ادھورے جملے سے جو معنی نکل رہے تھے انہوں نے عیرہ کو کسی اندھے کنویں میں دھکیل دیا تھا۔ اس نے جان کے بارے میں کیا سوچا تھا وہ کیا نکلا تھا۔ جان نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے اس نے جان کی تقلید کی تھی۔

"ارے ہاں ایک اور بات۔" مسٹر مہرا ایک بار پھر ان کے سامنے آ کھڑے ہوگئے۔ باری باری ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے جان سے مخاطب ہوئے۔ "اپنی ماما کو میری طرف سے اپنی منگنی کی مبارک باد ضرور دے دینا۔"

"کیا اب ہم جا سکتے ہیں؟" جان نے غصیلے لہجے میں کہا اور مسٹر مہرا راستے سے ہٹ گئے۔

⁂

پانچ منٹ گزر گئے تھے اسے ڈرائیو کرتے ہوئے۔ اس دوران نہ تو عبیرہ نے اسے مخاطب کیا اور نہ خود اس نے عبیرہ کو۔ وہ بے تحاشا شرمندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے چور نگاہوں سے عبیرہ کو دیکھا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کیا سوچ رہی تھی اس کے بارے میں اس کا اندازہ اسے بہت اچھی طرح ہو رہا تھا۔ عبیرہ کے دماغ میں عالیہ کے جملے گردش کر رہے تھے۔

"مجھے نہیں لگتا عبیرہ کہ اسے دینِ اسلام میں کوئی دلچسپی ہے اس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ پتا نہیں تم کیوں دھوکا کھا رہی ہو۔" اس نے افسوس سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"اس نے کتنا صحیح پہچانا تھا جان کو۔ اسے اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ صرف مجھے بے وقوف بنا رہا تھا۔ میں نے آج تک انسانوں کو پہچاننے میں کبھی بھی غلطی نہیں کی پھر جان کے معاملے میں مجھ سے اتنی بڑی چوک کیسے ہوگئی۔ کیسے نہیں دیکھ پائی میں وہ جو عالیہ کو دکھ گیا؟" عبیرہ کو خود پر جان سے زیادہ غصہ آرہا تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"کیوں میں اس کی اصلیت نہیں دیکھ پائی' اسے آپ کی جستجو نہیں تھی اللہ پاک تو پھر کیوں آپ نے میرے دل میں اس کے لیے اتنی غیر محسوس نرمی پیدا کی؟ کیوں آخر کیوں؟" عبیرہ بری طرح تلملا رہی تھی۔ جان اس کے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ اس وقت کس سے مخاطب ہے یقیناً اپنے ربّ سے۔

"سب تمہاری غلطی ہے جان! سراسر تمہاری۔ عبیرہ اب کبھی تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہے گی۔" اس نے ونڈ اسکرین سے باہر راستے پر نظریں جمائے سوچا۔

"غلطی میری ہی ہے میں نے ہی شاید اسے اتنا موقع دیا کہ وہ میرے بارے میں اس حد تک سوچے۔ مجھے پہلے ہی دن اس سے برا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔" عبیرہ نے تاسف بھرے انداز میں سوچا۔

"اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں' تم نے کبھی نہ چاہا تھا کہ عبیرہ یہ بات جانے اگر آج اسے یہ پتا چلا ہے تو یہ قسمت میں تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم نے کوئی غلطی' کوئی گناہ نہیں کیا' محبت گناہ نہیں۔" اس کے اندر سے ایک آواز ابھری اور اسے ہمت سی ملی تھی۔ اس نے روڈ پر نظریں جمائے عبیرہ کو مخاطب کیا۔

"سنیتا کہاں ہے عبیرہ!" اس طویل خاموشی کو جان نے خود توڑا تھا۔ عبیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا' اس نے گردن گھما کر عبیرہ کی جانب دیکھا اور پھر پوچھا۔ مگر اس نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ سگنل پر کار روکتے ہوئے اس نے پھر پوچھا اور اب کی بار عبیرہ نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ شرمندہ ہوگیا۔

"میں جانتا ہوں آپ اس وقت بہت غصے میں ہیں عبیرہ! اور آپ کا غصہ کرنا جائز بھی ہے مگر میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں آپ کے بارے میں نہ سوچوں نہ چاہوں آپ کو۔" اس کا یہ جملہ عبیرہ کے غصے میں مزید اضافہ کرگیا تھا۔ "مگر جذبات پر کسی کا کنٹرول نہیں ہوتا' میرا بھی نہیں ہے۔" جان نے بہت بے بس لہجے میں کہا گرین سگنل پر اس نے کار کا اسٹیئرنگ گھمایا۔

"گاڑی روکیں۔" عبیرہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر بہت تیز لہجے میں کہا وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔

"میں کہہ رہی ہوں گاڑی روکیں۔" اب کی بار عبیرہ کا لہجہ بہت زیادہ تلخ تھا۔ اس نے کار سڑک کے کنارے روک دی تو عبیرہ نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی مگر نہیں کھلا۔

"دروازہ لاکڈ ہے۔" جان نے اسے مطلع کیا۔

"دروازہ کھولیں۔" جان نے عبیرہ کی بات نظر انداز کرکے کار اسٹارٹ کردی تھی۔ "میں نے کچھ کہا ہے جان!" عبیرہ کو مزید غصہ آنے لگا تھا اس پر۔

"شاید آپ کی یہ پہلی بات ہے جسے میں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔" اس کے چہرے پر شرمندگی نہیں تھی۔

"اسے شرمندہ ہونا چاہیے۔" عیبرہ نے سوچا۔

"سنیتا کہاں ہے عیبرہ! میرا اسے دس دن کے اندر ڈھونڈنا بہت ضروری ہے ورنہ......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"ورنہ کیا......؟ مسٹر مہرا مجھے قتل کردیں گے تو کردیں، مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ موت برحق ہے اور وہ سب کو آئے گی ایک دن۔" عیبرہ نے بہت ترش لہجے میں کہہ کر اپنا رخ پھیرلیا۔

"انسان کی عزتِ نفس اس کی بڑی طاقت ہوتی ہے اور اگر اس کا قتل کردیا جائے تو پھر انسان کبھی سر اٹھا کر چلنے کے لائق نہیں رہتا مس عیبرہ عباد!" جان کے اس جملے میں ایک ایسا فہم تھا، عیبرہ اپنی جگہ گنگ رہ گئی تھی۔ اب کی بار اسے جان پر غصہ نہیں آیا تھا۔

"آپ مسٹر مہرا کو نہیں جانتیں وہ کتنا گھٹیا آدمی ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں کرسکتیں۔" جان اس کی جانب دیکھے بنا ہی کہتا رہا تھا۔ "آپ نے آج تک انسان کا اچھا روپ دیکھا ہے کیونکہ آپ نے خود کبھی کسی سے برا سلوک نہیں کیا مگر مسٹر مہرا جیسے لوگوں کے لیے اچھے بُرے لوگ سب ایک ہی لسٹ میں آتے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ ایک ہی طرح پیش آتے ہیں۔ تین دن آپ ان کی قید میں رہیں، کیا ہوسکتا تھا آپ کے ساتھ آپ یہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ مگر آپ کے ربّ نے آپ پر کرم کیا لیکن یہ لازمی تو نہیں عیبرہ کہ آپ ہمیشہ ہی ان کے ہاتھوں سے بچ جائیں۔" عیبرہ کا سر جھک گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ آج میں آپ کی نگاہ میں ایک بہت بُرا انسان بن گیا ہوں، اسی لیے آپ کو میرے ساتھ سفر کرنا بھی گوارا نہیں لیکن آپ کا ربّ جو سب کچھ دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کو پاک باز نگاہوں سے دیکھا ہے، آپ میری نگاہ میں اس دنیا کی سب سے پاکیزہ لڑکی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ میں نے ہمیشہ آپ کی بہت عزت کی ہے اور ہمیشہ کروں گا۔" وہ خاموش ہوگیا تھا اتنا کہہ کر مگر اس کا دل اب بھی مخاطب تھا۔

"اور میں نے دل کی گہرائیوں سے آپ سے محبت کی ہے اور ہمیشہ کروں گا دن رات، صبح شام۔ ماہ و سال، وقت کی کوئی قید اس محبت کو ختم نہیں کرسکتی، کبھی بھی نہیں، ہرگز نہیں۔" اس نے ایک نگاہ عیبرہ کے چہرے پر ڈالی۔ جہاں اب غصے کے کوئی تاثرات نہیں تھے غالباً اسے جان کی بات سمجھ آ گئی تھی۔ کار عیبرہ کے گھر کے باہر روکتے ہوئے وہ ایک بار پھر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"پلیز عیبرہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ سنیتا کا پتا دیجیے، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے نقصان پہنچنے نہیں دوں گا۔" جان کا لہجہ بہت زیادہ ملتجی تھا، وہ عیبرہ کو سمجھا نہیں سکتا تھا کہ مسٹر مہرا کی بات نے اسے کتنا زیادہ خوف زدہ کردیا تھا۔

"سنیتا مسلمان ہوچکی ہے اس کا نام ایمان ہے اور اسے اخلاقی طور پر سپورٹ کرنے کے لیے میں نے اپنے پھوپی زاد کزن عبدالمعیز سے اس کا نکاح کروادیا ہے۔" عیبرہ نے بہت دھیمے لہجے میں اسے بتایا۔

"اور وہ دونوں اب کہاں ہیں؟" جان کی سانس میں سانس آئی۔

"وہ میں آپ کو نہیں بتاسکتی۔" عیبرہ نے بضد کہا۔

"کیوں آپ کو یقین نہیں ہے مجھ پر؟" جان تشویش کا شکار ہوا۔

"نہیں۔" عیبرہ نے یک لفظی جواب دیا۔

"آپ بہت ضدی ہیں عیبرہ اور اس ضد میں آپ صرف اپنا نقصان کررہی ہیں۔" جان نے بہت افسوس سے کہا اور سائیڈ پر لگا ایک بٹن پریس کیا تھا جس سے کار کا دروازہ کھل گیا۔

"شکریہ آپ نے میری بہت مدد کی، مگر مجھے امید ہے کہ اب ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔" عیبرہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

"نہ ملتے اگر آپ مجھے سنیتا کا پتا بتادیتیں۔" جان نے اسی کے انداز میں کہتے ہوئے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھا۔ احمد عیبرہ کے گھر سے باہر نکل رہا تھا، وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔



عیبرہ کار سے اتری اور احمد کے برابر سے گزر کر گھر میں داخل ہوگئی۔ احمد کار کے قریب پہنچ کر کھڑکی پر جھکا تھا۔

"کہاں لے گئے تھے میری بیوی کو، تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے لے جانے کی۔" احمد نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بہت کم ظرف نکلے آپ تو مسٹر احمد! تین دن بعد آپ کی بیوی گھر آئی ہے اور آپ اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بجائے یہاں کھڑے ہوکر ایک فضول بات پر بحث کررہے ہیں۔" جان نے تلملا کر کہا وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے الٹا اس پر شک کررہا تھا۔

"اس کا حال احوال تو میں دریافت کرہی لوں گا پہلے تمہاری خیریت تو معلوم کرلوں۔" اس نے اچانک ہی کار کا دروازہ کھولا اور جان کو گریبان سے پکڑ کر کار سے باہر نکال لیا۔

"چھوڑو مجھے۔" جان نے اپنا گریبان چھڑانا چاہا۔

"بتاؤ کہاں تھے تم دونوں؟ ہم یہاں اتنے پریشان تھے اور تم مزے کررہے تھے۔ آج نہیں چھوڑوں گا تمہیں، اس دن تو عدیل نے بچا لیا تھا۔" اس نے گریبان سے پکڑ کر جان کو بُری طرح جھنجوڑ ڈالا تھا اور پھر پوری قوت سے ایک مکا جان کے منہ پر مارا تھا اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے دوسری بار ہاتھ اٹھایا مگر اب کی بار جان نے اس کا ہاتھ مروڑ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"بہت ہی گری ہوئی اور گھٹیا سوچ ہے آپ کی۔ عیبرہ تین دن سے لاپتا تھی اور آپ اس کے صحیح سلامت واپس آجانے پر شکریہ ادا کرنے کے بجائے ناشکری کررہے ہیں۔ آپ بہت بے قدرے ہیں۔" جان نے بہت تیز لہجے میں کہا اردگرد کے لوگ اب ان کے پاس جمع ہوگئے تھے۔

"تو تم کرلو اس کی قدر اور کرلو...... کیا کرتو لی ہوگی آخر تین دن تم دونوں نے ساتھ جو گزارے ہیں۔" احمد نے چبا چبا کر کہا اور اس کے اس جملے کے ساتھ ہی اردگرد کے لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئی تھیں۔

"جان اگر تم نے اس بات کی تردید نہیں کی تو عیبرہ تمہاری وجہ سے......" یک دم ہی کسی نے اندر سے اسے جھنجوڑا تھا۔

"تم بغیر جانے بوجھے عیبرہ پر الزام لگا رہے ہو احمد! عیبرہ میرے ساتھ کہیں نہیں گئی تھی بلکہ اسے اغوا کرلیا گیا تھا انہی لوگوں نے اسے اغوا کیا جنہوں نے اسے جیل بھیجا۔" جان نے بہت بلند آواز میں کہا تھا تاکہ اردگرد کے لوگوں کے منہ بند ہوں اور ایسا ہی ہوا تھا۔

"اس نے ایک ہندو لڑکی کو مسلمان کیا ہے اسی لیے یہ سب پرابلمز فیس کرنی پڑرہی ہیں۔" اس نے مزید کہا اب لوگوں کا رش چھٹنے لگا تھا کچھ لوگ احمد کو سمجھانے لگے۔ احمد مسلسل اسے گھورتا رہا، جان پلٹ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اس نے سکون کا سانس لیا کہ عیبرہ کے بارے میں کوئی بھی افواہ پھیلنے سے پہلے ہی اس نے بات کلیئر کردی۔ احمد ایک بار پھر اس کی طرف بڑھ آیا تھا۔

"تم دونوں سب کو بے وقوف بناسکتے ہو مجھے نہیں۔ تم کو کیا لگتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ تم ہی کیوں اس کی مدد کو پہنچتے ہو؟" احمد نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ بات تو مجھے خود آج تک سمجھ نہیں آئی کہ ہمیشہ میں ہی کیوں عیبرہ کی مدد کے لیے منتخب کیا جاتا ہوں لیکن آج میں ایک بات ضرور سمجھ گیا ہوں۔" جان نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"تم ایک بہت تنگ ذہن انسان ہو احمد! میں عیبرہ کی بہت عزت کرتا ہوں مگر تم یہ بات نہیں سمجھوگے کیونکہ تم وہ انسان ہو جسے عزت راس نہیں آتی۔" جان کا لہجہ اب بھی ٹھنڈا تھا، اس نے کار کو پیچھے لیا اور رخ مین روڈ کی طرف کردیا جب کہ احمد پلٹ کر عیبرہ کے گھر میں داخل ہوگیا۔

❁......❁......❁

آفس کی گلاس وال سے حدِ نگاہ تک پھیلے شہر کی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسی شہر کی ایک گلی میں اندھیری رات میں وہ ہمیشہ کے لیے اس سے

بچھڑ گئی تھی اور تب اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ اسے آخری بار دیکھ رہا ہے۔

"عبدالمعیز آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے عیرہ کو اس رات آپ کے گھر کے باہر ہی چھوڑا تھا اور اس کے بعد جب میں دوبارہ وہاں گیا تو گھر پر تالا تھا۔ میں پچھلے دس سال سے اسی امید پر بیٹھا ہوں کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہے اور آپ دونوں کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کو کبھی ملی ہی نہیں اگر وہ آپ دونوں کے ساتھ بھی نہیں ہے تو پھر وہ کہاں گئی اس رات؟" اس کے ذہن میں وہ دن گھوم رہا تھا جب عبداللہ عبدالرحمٰن کی بدولت وہ ایمان اور عبدالمعیز سے ملا تھا۔ ان سے مل کر اسے خوشی ہوئی تھی کہ اب وہ عیرہ تک پہنچ جائے گا مگر اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی تھی۔

"اذان!" کاشان نے اسے آواز دی تو اس نے پلٹ کر دیکھا اسے۔ اس کی آنکھوں کا انداز اتنا ابنارمل تھا کہ کاشان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ کاشان کی یہ حالت دیکھ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں اور رخ پھیرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"کاشان مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔ کسی سے بھی نہیں۔" اس نے بہت بے زار لہجے میں کہا۔

"اوکے۔" کاشان بنا کوئی سوال کیے باہر نکل آیا مگر اس کے دماغ میں کھلبلی سی مچ گئی تھی وہ پچھلے دو ہفتوں سے اذان کو اسی حالت میں دیکھ رہا تھا' وہ میٹنگ میں ہوتا اور کوئی رائے پوچھ لی جاتی تو ایسے چونک پڑتا جیسے کہ وہاں موجود نہیں ہو۔ موبائل زیادہ تر سوئچ آف رہنے لگا تھا' گھر پر فون کرنے پر گھر پر موجود نہ ہوتا اور موجود ہوتا تو بات نہ کرتا۔ ہر ایک سے بے زار نظر آنے لگا تھا۔

"کیا وجہ ہوسکتی ہے اذان کی اس حالت کی۔" کاشان کوئی معنی اخذ نہیں کر پا رہا تھا۔

❁......❁......❁

آئی سی یو کے باہر لگی چیئرز میں سے ایک کی بیک سے ٹیک لگائے وہ بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر کو باہر نکلتا دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھیے محترمہ اٹیک بہت شدید تھا۔ ہم نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے آگے اللہ مالک ہے۔ آپ آئی سی یو اور میڈیسنز کے بل کاؤنٹر پر ادا کردیں۔" ڈاکٹر اپنی بات مکمل کرکے چلا گیا تھا۔

"یااللہ پلیز بابا جانی کو ٹھیک کردیجیے' پلیز اللہ پاک۔" اس نے ملتجی دل سے دعا کی تھی۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے پہلے گھر کال کی پھر اس کے بعد بل دیکھا' بل بہت زیادہ تھا۔ اتنے پیسے تو اس کے پاس تھے بھی نہیں' فی الفور اس کا ذہن ماؤف ہوگیا تھا۔ اس نے ریسیور دوبارہ اٹھایا اور احمد کا نمبر ڈائل کیا' کال ریسیو ہونے پر احمد کی حد درجہ بے زار آواز ابھری تھی۔

"ہیلو! کون؟"

"میں...... میں عیرہ بات کررہی ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا نام بتایا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے فون کرنے کی۔ میں تم جیسی لڑکی سے بات کرنا نہیں چاہتا۔" احمد نے بہت ترش لہجے میں کہا۔

"احمد پلیز میری بات تو سنیں۔ بابا کی طبیعت بہت خراب ہے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" وہ گڑگڑائی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اللہ کے سوا کسی انسان کے سامنے۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا باپ۔" احمد نے زہر بار لہجے میں کہا۔ وہ مزید کچھ کہتا مگر کسی نے عیرہ کے ہاتھ سے ریسیور لے کر فون بند کردیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ جان تھا ساتھ ہی عدیل بھی کھڑا تھا۔ اس نے عیرہ کی جانب دیکھے بنا بل ادا کیا اور پھر پلٹ کر ایک سمت میں قدم بڑھا دیئے۔

"عدیل بھائی! جان کو آپ نے بتایا؟" عیرہ نے نم پلکوں سے اس سے پوچھا۔

"وہ پریشان تھا تمہارے لیے' احمد نے جس طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا اسے اندازہ تھا وہ تم سے کس طرح پیش



آئے گا اور ایک بات اور عیرہ! میں معذرت چاہتا ہوں جس وقت تم آئی تھیں گھر عباد انکل کو اسپتال لانے کے لیے میں تمہارے ساتھ نہیں آسکا کیونکہ ابا نے مجھے منع کردیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ غلط ہیں' اسی لیے میں آ گیا ہوں۔ پلیز مجھے معاف کردینا۔" عدیل نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"پلیز آپ معافی مت مانگیں عدیل بھائی!" عیرہ نے نم لہجے میں کہا تبھی انہوں نے جان کو اپنی طرف واپس آتے دیکھا۔

"میں نے ڈاکٹرز سے بات کی ہے' انکل کو روم میں شفٹ کیا جارہا ہے۔ عیرہ آپ کو بھی پرابلم نہیں ہوگی رہنے میں۔ ہم لوگ یہیں ہوں گے آپ پریشان مت ہوئیے گا۔" جان نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ عیرہ سر جھکائے سنتی رہی۔ اس میں سر اٹھانے کی ہمت تھی بھی نہیں۔ کچھ گھنٹوں پہلے اس نے بہت وثوق سے اسی انسان سے زندگی میں کبھی نہ ملنے کا کہا تھا اور چند گھنٹوں میں ہی اس کی یہ بات رد کردی گئی تھی۔

"احمد نے بہت غلط کیا' اسے عیرہ کو کچھ کہنے کا موقع دینا چاہیے تھا۔" عباد صاحب کو روم میں شفٹ کردیا تھا' عیرہ ان کے پاس ہی تھی البتہ عدیل اور جان روم کے باہر لگی چیئرز پر بیٹھے تھے۔ عدیل بہت دیر سے کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا مگر جان خاموشی سے سن رہا تھا کچھ بول نہیں رہا تھا۔

"کیا بات ہے جان! تم اتنے خاموش کیوں ہو۔" بالآخر عدیل نے پوچھ ہی لیا۔

"کچھ نہیں عدیل! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ عیرہ کے ساتھ جو ہوا اس کا ذمہ دار کہیں میں تو نہیں۔" جان نے سرد آہ بھری تھی۔

"نہیں جان! تم نے تو اپنے طور پر سب کلیئر کیا تھا ناں۔ اب یہ احمد کی کم ظرفی تھی کہ حقیقت جان لینے کے بعد بھی اس نے اتنی گری ہوئی حرکت کی۔ اس نے طلاق دے دی عیرہ کو۔" عدیل نے پُرافسوس لہجے میں کہا۔

"عیرہ کے ساتھ بہت غلط ہوا۔ وہ اس کی حق دار نہیں پھر کیوں ہو رہا ہے اس کے ساتھ یہ سب۔ اس نے تو ایک نیک کام کیا ہے' کیا تمہارا ربّ نیکی کرنے کی بھی سزا دیتا ہے؟" جان نے پُرشکوہ لہجے میں کہا۔

"ربّ نے نہیں دی سزا اس کے بندوں نے دی ہے۔" یہ آواز عیرہ کی تھی' ان دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ کب روم سے باہر آئی تھی انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔

"میں ایک ضروری کام سے باہر جارہی ہوں' آپ دونوں بابا کے پاس بیٹھ جائیں۔" وہ اپنی بات کہہ کر مڑ گئی تھی۔

"کہاں جارہی ہیں آپ عیرہ!" جان نے جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میں آنے کے بعد بتاؤں گی۔" اس نے بنا مڑے جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ دونوں حیرت سے اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے تھے۔

❁......❁......❁

"چلو فائنلی تم مسکرائیں تو مجھے لگا تھا کہ اب تمہاری مسکراہٹ دیکھنے کے لیے بھی ٹکٹ لگے گا۔" اس نے دل کھول کے تبصرہ کیا۔

"احرام!" طوبیٰ نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ اس وقت ایک مارٹ میں تھے کار پیٹرول فلنگ کے لیے پارک کرکے وہ دونوں مارٹ میں آگئے تھے۔ وہ اکثر ہی اس طرح شاپنگ کرتے تھے۔ طوبیٰ کو مٹی کے برتن ہمیشہ سے بہت پسند تھے اور آج بھی انہیں دیکھ کر ہی وہاں آ گئی تھی۔

"دیکھو احرام! یہ کتنا خوب صورت ہے۔" طوبیٰ نے ایک مٹی کا گلدان اٹھا کر اسے دکھایا تھا جس پر نفیس اور رنگین نقش نگاری کی گئی تھی۔

"ہاں لیکن میرے پاس اس سے بھی زیادہ کچھ خوب صورت ہے تمہارے لیے۔" احرام نے سسپنس پیدا کیا۔

"کیا......؟" طوبیٰ نے وہ مٹی کا برتن رکھتے ہوئے متجسس لہجے میں پوچھا۔ احرام نے مسکراتے ہوئے بیک سے اپنا ہاتھ سامنے کیا' اس کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا بکے تھا۔ طوبیٰ نے فوراً وہ بکے لیا اور گلابوں کی

مہک کوناک کے قریب لاکر محسوس کیا۔

”یہ بہت خوب صورت ہے۔“ طوبیٰ نے کہا۔

”شکریہ۔“ احرام نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسی خوش گوار موڈ میں وہ دونوں باہر نکل آئے۔

”آج ہم ساحل سمندر چلیں گے احرام!“ طوبیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ضرور...... نیکی اور وہ بھی پوچھ پوچھ۔ میں چیک کرتا ہوں پیٹرول فل ہوا یا نہیں۔“ احرام مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”تم کتنے اچھے ہو احرام! تمہارے جذبوں میں کہیں دکھاوا نہیں، کوئی مجبوری نہیں۔ زندگی کے اس عجیب دور میں بھی تم میرے ساتھ کھڑے ہو جب اپنی پہچان کھو بیٹھی ہوں، میں طوبیٰ یامین سے......“ یک دم بہت تیز ہارن کی آواز نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا۔ وہ بے دھیانی میں چلتی روڈ پر کار کے سامنے آ گئی تھی۔ کار کے ٹائرز سے اچانک بریک لگنے کے سبب بہت تیز آواز نکلی تھی کہ پیٹرول پمپ پر موجود تقریباً سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ طوبیٰ کے ہاتھ سے پھول چھوٹ کر زمین پر بکھر گئے تھے، وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

”مس طوبیٰ! آپ ٹھیک تو ہیں؟“ یہ آواز اذان کی تھی، اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے...... غالباً وہ کار اذان کی تھی۔

”آئی ایم رئیلی ویری سوری۔“ اذان نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”نہیں اس میں آپ کی غلطی نہیں ہے۔ مجھے پتا ہی......“ یک دم اذان کی بیک سے ابھرنے والے چہرے کو دیکھ کر اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی تھی۔ اذان نے پلٹ کر کاشان کو دیکھا اور حیرت کا شکار ہوا۔ تب تک احرام بھی ان تک پہنچ گیا تھا۔

”طوبیٰ تم ٹھیک تو ہو؟“ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ طوبیٰ کے بجائے اذان مخاطب تھا۔

”آئی ایم سوری احرام! پتا نہیں اچانک طوبیٰ کیسے میری گاڑی کے سامنے آ گئیں۔“ اذان نے دیکھا کاشان کو دیکھ کر احرام کے تاثرات بھی ویسے ہی تھے جیسے طوبیٰ کے۔

”اٹس اوکے۔“ احرام نے مختصراً کہا۔

”چلو طوبیٰ!“ اس نے طوبیٰ کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے لے گیا۔

”آخر ان دونوں کا ردعمل کاشان کو دیکھ کر ایسا کیوں تھا؟“ اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچا۔ کاشان کچھ دیر پہلے کی نسبت اب بالکل خاموش تھا۔

”طوبیٰ یامین اور احرام بہت اچھا کپل ہے ناں۔“ اس نے اندھیرے میں تیر چلایا اور کاشان کے چہرے کے تاثرات نے اسے مکمل داستان سنا دی، وہ ہنسا تھا۔

محبت جیت ہوتی ہے
مگر یہ ہار جاتی ہے
کبھی دل سوز لمحوں سے
کبھی تقدیر والوں سے
کبھی مجبور قسمتوں سے
مگر یہ ہار جاتی ہے

اذان کو بلند آواز میں یہ نظم پڑھتا دیکھ کر کاشان حیرت زدہ رہ گیا۔

”تمہیں پتا ہے آج طوبیٰ کا میری کار سے یہ دوسرا ایکسیڈنٹ تھا۔ پہلا ایکسیڈنٹ اس کی شادی والے دن ہوا تھا۔“ اس نے دیکھا کاشان کی رنگت بالکل پھیکی پڑ گئی تھی۔

”لیکن احرام واقعی قابل تعریف ہے۔“

”شادی کے دن لڑکی کا گھر سے چلے جانا، تم سمجھتے ہو لوگ کتنی باتیں بناتے ہیں مگر اس نے طوبیٰ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک اس رشتے کو تھامے ہوئے ہے۔“ اذان نے اسے سراہتے لہجے میں کہا اور کاشان نے آنکھیں بند کرلیں۔

❁......❁......❁
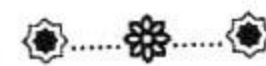


آج ایک بار پھر وہ اس کی ٹیبل پر سفید لفافہ رکھ کر سیدھا کھڑا ہوا تھا۔

”مستعفی؟“ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ کاشان نے یک لفظی جواب دیا۔

”پھر؟“ اذان کا انداز اب بھی سوالیہ تھا۔

”ٹرانسفر ریکوئسٹ۔“ اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔ اذان کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”کس سے بھاگ رہے ہو طوبیٰ یامین سے؟“ اذان نے بلاتوقف کہا۔ کاشان نے چونک کر اسے دیکھا۔

”طوبیٰ یامین ہی وجہ تھی ناں پانچ سال پہلے بھی پاکستان چھوڑ کر جانے کی؟“ اذان اب بھی تسلسل سے بول رہا تھا۔ کاشان ہار جانے والے انداز میں اپنے پیچھے رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اذان! طوبیٰ یامین میری زندگی کا ایک ایسا باب ہے جسے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا لیکن یہ زندگی اسے ایک بار پھر میرے سامنے لے آئی ہے۔ میں بھول جانا چاہتا ہوں اسے اور اسے بھی جو میں نے اس کے ساتھ کیا، وہ دھوکا، وعدہ خلافی سب کچھ۔“ اذان نے اس کے لہجے میں ایک خلش ایک تڑپ محسوس کی تھی۔

”کہانی کیا ہے؟“ اذان نے مدہم لہجے میں پوچھا اور کاشان کی نظروں میں کچھ منظر ابھرنے لگے۔

”آج سے چھ سال پہلے میری ملاقات طوبیٰ سے ایک آرٹ نمائش میں ہوئی تھی۔ وہ پورٹریٹ کی نمائندگی کررہی تھی پہلی نظر کے بعد میں اس پر سے نگاہ ہٹا نہیں پایا۔ میرے قدم خود بخود اس کی جانب اٹھتے چلے گئے۔ وہ کچھ لوگوں کو اپنی پورٹریٹ کا سینٹرل آئیڈیا بتا رہی تھی مجھے دیکھ کر وہ میری طرف بھی متوجہ ہوگئی۔ بہت سمجھانے کے باوجود بھی میں نے اسے یہی کہا مجھے سمجھ نہیں آیا بالآخر اس نے تنگ آ کر مجھے کہا۔

جرنلسٹ تو بہت تیز دماغ ہوتے ہیں مگر آپ تو بہت کند ذہن ہیں۔ میں ہنس پڑا تبھی اس کی ایک دوست نے اس کا نام پکارا تھا ”طوبیٰ“ وہ وہاں سے چلی گئی البتہ میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ میں نے بہت جلد ہی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں۔ وہ شہر کے ایک مشہور بزنس مین یامین اسحاق کی اکلوتی بیٹی تھی اور ایک پرائیوٹ یونیورسٹی میں آرٹ اور ڈیزائن کی اسٹوڈنٹ تھی۔ میں اس کے ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو مجھے دیکھ کر اس نے کتاب کے پیچھے منہ چھپا لیا غالباً میں اسے یاد تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر اسے ہیلو کہا تو وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی کہ وہ اجنبیوں سے بات نہیں کرتی مگر...... مگر میں نے ہار نہیں مانی۔ دن رات، صبح شام اس کے روبرو آتا رہا یہاں تک اسے میری بات سمجھ آ گئی۔ میری محبت پر یقین آ گیا لیکن میری قسمت شاید میرے ساتھ نہیں تھی۔ نہ جانے نانو بی کو طوبیٰ میں کیا کمی نظر آئی کہ انہوں نے اس رد کردیا۔ مجھے اپنی پرورش کا واسطہ دیا اور میں مجبور ہوگیا۔ میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا جب میں نے طوبیٰ کا محبت سے بھرا دل توڑا تھا۔ اس دن بہت تیز بارش تھی، وہ کیفے ٹیریا میں میرا انتظار کررہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک مانوس مسکراہٹ ابھری تھی۔“

”اتنی دیر کہاں لگادی کاشان! میں ایک گھنٹے سے آپ کا انتظار کررہی ہوں۔ خیر چھوڑیں، مجھے آپ کو ایک نیوز بتانی ہے مما بابا مان گئے ہیں، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں کل۔ آپ آئیں گے ناں؟“ اس نے خوش کن لہجے میں کہا تھا۔

”میں نہیں آؤں گا“ آپ کو یا آپ کے والدین کو میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے بہت روکھے لہجے میں کہا اور الٹے قدموں پلٹ گیا تھا۔

”کاشان! کیا بات ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ کیا کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے؟“ وہ میرے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

”نہیں طوبیٰ! غلطی آپ سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں آپ کی زندگی سے کھیلتا۔“ ہم کیفے ٹیریا سے باہر آ گئے تھے بارش اور بھی تیز ہوگئی تھی۔

"کاشان آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" طوبیٰ کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"دیکھیں طوبیٰ......! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے لیکن میں اپنی نانو بی سے بھی بہت محبت کرتا ہوں۔ طوبیٰ! آپ میری زندگی میں دھڑکن کی طرح ہیں لیکن میری نانو میری زندگی میں میری سانسوں کی مانند ہیں۔ میری زندگی کا تصور آپ دونوں کے بنا ہی ناممکن ہے مگر مجھے جب آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چننے کا موقع ملا تو میں ان ہی کو چنوں گا اور میں نے انہیں ہی چنا ہے۔ میں ان کی مرضی کے خلاف آپ سے شادی نہیں کرسکتا' آپ مجھے بھول جائیں۔" میں اپنی بات مکمل کرکے مڑنے لگا تھا مگر طوبیٰ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکا تھا۔

"آپ مذاق کررہے ہیں ناں کاشان! مجھے پتا ہے آپ مذاق کررہے ہیں۔" طوبیٰ کا لہجہ غیر یقینی تھا۔ میں نے طوبیٰ کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں مذاق نہیں کررہا طوبیٰ! اس حقیقت کو آپ جتنی جلدی سمجھ لیں آپ کے لیے بہتر ہوگا۔" میں نے حتمی انداز میں کہا اور مڑ گیا۔

"کاشان!" طوبیٰ نے ڈوبتے دل اور ڈبڈبائی آنکھوں سے صدا لگائی تھی مگر میں رکا نہیں تھا۔

اتنا سب سنانے کے بعد کاشان کی برداشت جواب دے گئی تھی' اس نے ٹیبل پر سر ٹکا دیا جب کہ اذان اب ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

❀......❀......❀

دو دن بعد عباد صاحب کو ہوش آیا تھا مگر طبیعت بہتر نہیں تھی۔ ڈاکٹر انہیں چیک کرکے گیا تھا جان بھی ڈاکٹر کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔

"ہم اپنی پوری کوشش کررہے ہیں مسٹر چوہان! اب آگے اللہ مالک ہے۔" جان نے صرف سر ہلایا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا یہاں کوئی چیریٹی بوکس وغیرہ ہے؟" جان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا اور ڈاکٹر نے اسے راستا سمجھا دیا تھا۔

"جان میں اسپتال کی ہر ادائیگی خود کرنا چاہتی ہوں اگر میں ایسا نہ کرپائی تو میں کبھی سر اٹھا کر نہ چل سکوں گی۔ آپ ہی نے کہا تھا ناں کہ جب ایک انسان کی عزتِ نفس کو قتل کردیا جائے تو وہ سر اٹھا کر چلنے کے لائق نہیں رہتا۔ میں ایک خوددار باپ کی بیٹی ہوں۔ میں یہ ہرگز گوارہ نہیں کرسکتی کہ اپنے بابا جانی کی بیماری کے اخراجات کسی اور سے اٹھواؤں۔ آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں یہ ایک احسان اور کردیجیے' یہ پیسے واپس لیجیے۔" چیریٹی بوکس تک پہنچتے ہوئے اس کے ذہن میں عبیرہ کے جملے گونج رہے تھے۔ وہ اس رات جب واپس آئی تھی تو اس کے پاس کچھ پیسے تھے جو اس نے جان کو واپس کیے تھے۔ جان دو دن تک یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ وہ ان پیسوں کا کیا کرے؟ کیونکہ انہیں استعمال وہ نہیں کرسکتا تھا مگر پھر اسے چیریٹی کا خیال آیا اور عبیرہ کی طرف سے اس نے وہ پیسے چیریٹی کردیے تھے۔

"شاید ان کا سب سے صحیح استعمال یہی ہوسکتا ہے۔" اس نے گہری سانس لی اور پلٹ گیا۔ شام تک عباد صاحب کی طبیعت میں کافی بہتری آ گئی تھی۔ عبیرہ کے کہنے پر وہ گھر آ گیا تھا مگر دماغ وہیں اٹکا ہوا تھا۔

❀......❀......❀

"مجھے نہیں پتا' مجھے یہ کہنا چاہیے یا نہیں لیکن مجھے لگتا ہے آپ کو مسٹر مہرا کو سنیتا کا پتا بتا دینا چاہیے عبیرہ!" وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔ اسے اسپتال سے اطلاع ملی تھی کہ صبح پانچ بجے کے قریب عباد صاحب کی طبیعت ایک بار پھر خراب ہوگئی تھی۔

"اتنی پریشانی کا سامنا کرنے کے بعد یہ بات تو آپ کی سمجھ میں بھی آ گئی ہوگی۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جو مجھے سمجھ میں آیا ہے وہ کبھی آپ کو سمجھ آ ہی نہیں سکتا۔ آپ کے لیے بھی ہر پریشانی' پریشانی ہے اور ہر مصیبت' مصیبت لیکن میرے لیے ایسا نہیں ہے۔" وہ



اسٹول پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں عباد صاحب کا ہاتھ تھا وہ دھیمے لہجے میں مخاطب تھی۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے کبھی زندگی میں ایسی پریشانیوں کا سامنا نہیں کیا اور نہ ہی ایسی بے اعتباری کا لیکن پریشانیاں اس لیے نہیں آتیں کہ انسان پریشان ہوکر روئے۔ اللہ سے شکوہ کرے اور کبھی کبھی اللہ کے ساتھ کفر بھی کر بیٹھے۔" وہ چند ثانیوں کے لیے رکی تھی اور جان کو محسوس ہوا تھا کہ وہ ایک بار پھر اسی کلاس روم میں تھا جہاں عبیرہ لیکچر دیا کرتی تھی۔

"پریشانیاں انسان کی زندگی میں اس کا ایمان جانچنے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ جو لوگ کچے ایمان کے مالک ہوتے ہیں وہ جلد پریشان ہوکر ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کو یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے دن میں کتنی بار اس کی عبادت کی۔ کتنی بار اس کی یاد میں سجدے کیے' کتنی نمازیں پڑھیں' کتنی زکوٰۃ دی' کتنی خیرات دی مگر خود یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ پاک نے کتنی بار ان پر احسان کیا' ان کے کتنے گناہوں کو معاف کیا' ان کی کتنی گستاخیوں کو نظر انداز کیا۔ ایسے لوگ حقیقتاً ناشکرے ہوتے ہیں لیکن اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان مشکلات اور پریشانیوں سے گھبرا کر ناشکری کرنے کے بجائے اپنے ربّ سے ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں اس سے ہر پل اس کی پناہ چاہتے ہیں کہ وہ انہیں شیطان کے بہکاوے سے بچائے۔ صبر کرتے ہیں اور ہر ممکن طور پر شکر کرتے ہیں' زیادہ سے زیادہ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے ربّ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جائیں۔ میں شامل تو ہوسکتی ہوں' بس یہی بات' اس کی پاک ذات کو راضی کرنے کی جستجو مجھے ایمان کو تحفظ دینے کی ہمت عطا کرتی ہے اس نے مجھے اس زمین پر اگر کسی کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا ہے تو یہ میرے لیے بہت بڑی خوش نصیبی تھی اور آپ چاہتے ہیں جان میں اس خوش نصیبی سے ہاتھ دھو بیٹھوں' ناراض کردوں اس ربّ العزت کو جس کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ وہ ربّ جو رات سونے اور دن کو اٹھنے سے پہلے میرے رزق کو طے کردیتا ہے۔ وہ ربّ جو میری ہر آتی جاتی سانس کا مالک ہے جو میری غلطیوں پر میری سانسوں کے اس سلسلے کو توڑ نہیں دیتا' جو اپنے کسی احسان کا مجھ سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میں نے اس سے بے حد اور بے لوث محبت کی ہے اور میں اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرسکتی ہوں یہاں تک کہ اپنی جان بھی۔" جان دم سادھے سن رہا تھا۔

"بے شک یہ میرا ربّ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس دنیا میں کس کو کس کام کے لیے بھیجا ہے' مجھے بھی نہیں علم تھا کہ میں بھی کسی کے لیے ذریعۂ ہدایت بنوں گی۔" وہ چند ثانیے کے لیے رکی تھی "اور شاید آپ کو بھی کبھی اندازہ نہیں تھا کہ کبھی آپ کسی مسلمان لڑکی کی اس طرح اور اس حد تک مدد کریں گے کیونکہ نہ یہ آپ کی خواہش ہے اور نہ میری۔ یہ اس کی مرضی اس کی سوچ ہے' جس کی سوچ تک کبھی کسی کی پہنچ ممکن ہی نہیں۔ میں اور آپ اور ہم جیسے بہت سے صرف کردار ہیں جو اس کے تخلیق کیے ہوئے ہیں اور اسی کے محتاج ہیں اور وہ ہمیں اپنا محتاج رکھے' آمین۔" عبیرہ خاموش ہوگئی۔

چند لمحے ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ راہداری میں چلتے ہوئے اس کے ذہن میں عبیرہ کے جملے گردش کرنے لگے تھے' وہ لڑکھڑایا پھر سنبھلا دیوار کے ساتھ لگی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں پچھلے تمام واقعات گھومنے لگے تھے' وہ پہلی بار عبیرہ کا اس کے روبرو آنا اور پہلی ہی بار میں اس کے دل میں عبیرہ کے لیے ان چاہی نرمی پیدا ہونا' اسے دیکھ کر ہر شے سے بے گانگی محسوس ہونا' وہ سب کچھ جان کے ذہن میں فلم کی مانند چل پڑا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ خواب گھومنے لگے تھے جو عبیرہ سے ملنے کے بعد اس نے دیکھے تھے۔

"سب کچھ کس طرح خود بخود ہوتا چلا گیا تھا' کتنی تابعداری' کتنی فرماں برداری' کیوں؟ کس لیے' کون ہے وہ عبیرہ کا ربّ جس نے مجھے جان ویراج چوہان کو ایک مسلمان کے لیے اتنا نرم دل بنادیا' میں جو مسلمانوں سے

اتنا بے زار تھا‘ اس کے دل میں اتنی محبت بھر دی ایک مسلمان لڑکی کے لیے کون ہے وہ جسے اتنا اختیار ہے؟ کون ہے وہ ربّ؟ عبیرہ جس سے اتنی محبت کرتی ہے‘ اتنی محبت کہ وہ اپنا سب کچھ اپنی جان بھی اس کے لیے قربان کردینا چاہتی ہے۔ کیا میں بھی اسی ربّ کا بندہ ہوں؟ کیا میرا اور عبیرہ کا ربّ ایک ہے؟ کیا عبیرہ جیمز کے علاوہ کسی اور کو ربّ مانتی ہے؟ کیوں میرے پاس اپنے ہی سوالوں کا جواب نہیں؟ کیوں میں اپنے دین سے جڑی غلط فہمیوں کو دور نہیں کرسکتا؟ اور عبیرہ کیسے اپنے دین ہی نہیں ہر دین پر جامع گفتگو کرسکتی ہے؟“ اس کا ذہن بُری طرح منتشر تھا۔ ہمیشہ کی طرح عبیرہ کے آخری جملے اسے بُری طرح ہلا گئے تھے تبھی اس کا موبائل بجا اٹھا‘ اس نے نام دیکھا لکی کی کال تھی جو اس کا کلاس میٹ تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہیلو جان! کہاں ہو یار! پیپر اسٹارٹ ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے‘ سب لوگ آگئے ہیں آج تم اتنے لیٹ کیسے ہوگئے؟“ اس نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

”پیپر......؟“ جان نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں آج پبلک ریلیشن کا پیپر ہے تم بھول گئے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ مزید حیرت کا شکار ہوا۔

”لیکن مجھے تو یاد ہی نہیں رہا‘ میں آرہا ہوں پندرہ منٹ میں۔“ اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور کال ڈس کنیکٹ کردی۔

”بے شک میرا ربّ ہی جانتا ہے اس نے اس دنیا میں کس کو کس کام کے لیے بھیجا ہے۔“ لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک بار پھر عبیرہ کے جملے گونجے تھے۔

”حقیقتاً اگر لکی نے مجھے کال نہ کی ہوتی تو میں آج کے پیپر میں غیر حاضر ہوجاتا۔ آج تک چار سالوں میں مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوئی مگر آج...... آخری سال کے آخری سمسٹر میں‘ میں اتنی بڑی غلطی کر بیٹھا۔ پر مجھے بچالیا‘ کس نے......؟ عبیرہ کے ربّ نے؟ میرے ربّ نے؟ یا ہم دونوں کے ربّ نے؟“ اس کا ذہن ایک بار پھر منتشر ہوا تھا مگر اب کی بار اس نے ان سوچوں کو جھٹک دیا تھا۔

❁......✿......❁

کمرے میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کسی کے تھوڑے تھوڑے وقفے بعد کھانسنے کی آواز کمرے میں پھیلے سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ یک دم ہی کھانسی کا دورہ شدید ہوا تھا۔ پل بھر کو ایسا محسوس ہوا کہ کھانسنے والے کا دم نکل گیا ہو مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔

”صغرا...... صغرا......“ کھانستے ہوئے بہت لاغر آواز میں کسی ملازمہ کو آواز لگائی تھی‘ کچھ ثانیوں بعد ملازمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور جلدی سے لائٹ کھولتے ہوئے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اپنی مالکن کو دیا‘ پانی سے کچھ افاقہ ہوا پھر انہوں نے لڑکھڑاتی زبان سے بولنا شروع کیا۔

”صغرا...... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... تم...... تم...... میرے بیٹے کو بلادو اس سے کہو...... آخری...... آخری بار مجھ سے ملنے آجائے بس ایک بار...... صرف......“ یک دم سے کھانسی پھر شروع ہوگئی تھی۔ ملازمہ نے ساتھ رکھے فون سے ایک نمبر ڈائل کیا تھا‘ بیل جارہی تھی۔

❁......✿......❁
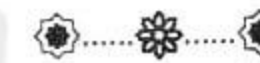
”عبیرہ!“ اس کے کانوں سے عباد صاحب کی آواز ٹکرائی۔ وہ بیڈ پر ان کے ہاتھ کے قریب سر رکھے بیٹھی تھی‘ ان کی آواز پر اس نے جلدی سے سر اٹھایا۔

”بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔“ اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”ہوں‘ میں ٹھیک ہوں۔“ انہوں نے بہت لاغر لہجے میں کہا۔

”میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔“ وہ مڑتے ہوئے بولی۔

اس کو جاتا دیکھ کر عباد صاحب کے ذہن میں ایک ہی بات چلنے لگی تھی کہ ان کی بیٹی نے کیا قسمت پائی تھی۔ انہیں

وہ لمحے یاد آنے لگے تھے جب احمد نے عیرہ پر الزامات لگائے تھے خود ان سے بھی کتنی بدتمیزی کی تھی اور اسی بات کو برداشت نہ کرتے ہوئے ان کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔

"کاش کہ میں نے عیرہ کو اس نکاح کے لیے راضی نہ کیا ہوتا۔ کاش میں بھی احمد کی اس حقیقت کو دیکھ پاتا جسے عیرہ نے دیکھا۔ کاش...... کاش...... مگر اس ربّ کے آگے سب مجبور ہیں' وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہی اس کے بندوں کے حق میں بہتر ہوتا ہے مگر اس رشتے کے ختم ہونے میں عیرہ کے لیے کیا بہتری ہوسکتی ہے؟ کیا سوچ رکھا ہے میرے ربّ نے عیرہ کے لیے؟ کیا احمد سے بہتر ہے جسے میرے ربّ نے عیرہ کے لیے منتخب کیا ہے؟" تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور عیرہ کے ساتھ ڈاکٹر اور نرس داخل ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں چیک کیا اور نرس نے انہیں انجکشن لگایا۔

"یہ اب بہتر ہیں۔" ڈاکٹر نے عیرہ کو مخاطب کیا اور پھر چلا گیا۔ عیرہ اسٹول پر بیٹھ گئی اور عباد صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"میں نے آپ کو بہت پریشان کیا ہے ناں بابا جانی!" عیرہ نے نم لہجے میں کہا۔

"آپ تو میری سب سے پیاری بیٹی ہیں عیرہ! آپ کو دیکھ کر میرے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے آپ میرے لیے پریشانی کا سبب کبھی بھی نہیں ہوسکتیں۔ بس غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ آپ کے انکار کے باوجود میں نے آپ کی زندگی ایک غلط انسان کے ہاتھوں میں سونپ دی۔ مجھے معاف کردیجیے گا عیرہ! زندگی کا کوئی بھروسا نہیں......" عیرہ نے انہیں بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

"آپ ایسی باتیں نہ کریں بابا جانی! آپ نے کوئی غلطی نہیں کی جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اب آپ زیادہ باتیں نہ کریں اور آرام کریں۔" عیرہ کی اس بات پر وہ مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرگئے جب کہ عیرہ بنا آواز کے رو رہی تھی' اس نے زندگی میں کبھی اپنے بابا جانی کو اتنا بیمار نہیں دیکھا تھا اور اسی لیے اس کی ہمت ٹوٹ گئی تھی' اس کا دل ایک ان دیکھے خوف کا شکار تھا۔ وہ اپنے بابا جانی سے بے حد محبت کرتی تھی اور کسی بھی قیمت پر ان سے دور جانا نہیں چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

"آپ کا پروجیکٹ تو بہت کامیاب ہے اس میں کوئی شک نہیں اذان لیکن اگر آپ اپنا یہ انسٹیٹیوٹ شہر میں قائم کریں گے تو زیادہ کامیابی ہوگی۔" کاشان نے مشورہ دیا۔ وہ دونوں اس وقت اذان کے پروجیکٹ سائٹ سے واپس آرہے تھے۔

"دیکھو کاشان! شہروں میں اسلامک سینٹرز کی کمی نہیں اور شہر میں لوگ پڑھے لکھے ہیں' اسلام کے بارے میں پڑھتے ہیں اور اسے سمجھتے بھی ہیں مگر ہم کسی گاؤں میں چلے جائیں' اسلام کے حوالے سے لوگوں میں بالکل ہی معلومات کا فقدان پایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اسلام کے دوسرے ارکان کے بارے میں معلومات تو درکنار' وہ اسلام کی بنیاد' اسلام کا سب سے بڑا عقیدہ' کلمہ طیبہ وہ لوگ اس سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اگر دیکھا جائے تو وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ جس کامل دین کا وہ لوگ حصہ ہیں' وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں۔ دین سے دوری کا مطلب ہے اپنے ربّ سے دوری اور ربّ سے دوری انسان کو گمراہی اور جہالت کے ان اندھیروں میں پہنچا دیتی ہے جہاں وہ نیکی اور گناہ کے ہر فرق سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور ہر کبیرہ صغیرہ گناہ بھی ایک نارمل روٹین کی طرح کرتا ہے یہاں تک کہ شرک بھی۔" اذان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"ہوں...... میں نے اس زاویے سے تو سوچا ہی نہیں تھا' یہ تو آپ نے ٹھیک کہا اذان! لیکن پھر اسلامک سینٹر میں ہی آپ مہارت تعمیر کلاسز بھی پلان کررہے ہیں' کیوں؟" کاشان کا انداز ایک بار پھر نہ سمجھنے والا تھا۔

"اچھا سوال ہے۔" اذان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ دینی علم آجانے سے ان کے پاس روزی کا ذریعہ نہیں آجائے گا۔ اس لیے دین کی بیداری کے ساتھ ضروری ہے کہ ان کی پاس کوئی ایسا ہنر ضرور ہو جو ان کی روزی کا ذریعہ بن سکے اگر ہم کوئی اسکول قائم کرتے ہیں تو پہلی بات تو یہ کہ اسکول میں پڑھنے والے بچے ہوں گے اور فیملیز کو سپورٹ کرنے کے لیے انہیں اگلے کئی سال چاہیے ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ پڑھ لکھ کر انہیں نوکری کے لیے شہر ہی آنا پڑے گا اور میں شہر میں شہر والوں کے لیے تو نوکریاں ہیں نہیں انہیں کہاں سے ملیں گی۔ اسی لیے میں نے یہ کلاسز کی ہیں' یہ کلاسز ہر عمر کے انسان کے لیے ہیں۔ ان مہارت کو سیکھ کر یہ لوگ اپنی فیملیز کو بھی سپورٹ کرسکیں گے اور اپنے بچوں کو بہترین تعلیم بھی دلاسکیں گے اور پھر تم نے یہ محاورہ تو سنا ہی ہوگا' ہنر بادشاہ ہے۔" اذان نے آخری جملہ کہہ کر اپنی بات پر مہر لگادی۔

"بہت اچھا خیال ہے۔ میں تو یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتا۔" کاشان نے معترف ہوتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اذان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ بات شاید کسی کو معلوم نہیں کہ اتنی بہترین سوچ رکھنے والا انسان بھی اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں ابنارمل ہے یا رہ چکا ہے ہے ناں اذان......" کاشان نے مسکراتے ہوئے جانچنے والے انداز میں کہا۔ اذان کے لبوں پر ایک بے بس مسکراہٹ ابھری تھی۔

"موجودہ دور میں ہر انسان کسی نہ کسی حد تک ابنارمل ہے اس کی وجہ یا تو اس کا آج ہے یا پھر گزرا ہوا کل۔" اذان نے نارمل انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کا بھی کوئی گزرا ہوا کل کوئی ماضی ہے اذان؟" کاشان کا انداز اب متجسس تھا۔ اذان اب کی بار ہنسا تھا۔

"میں صرف مذاق کررہا تھا تم تو سیریس ہوگئے۔" کاشان نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

"اگر آپ مذاق کررہے تھے تو پھر مجھے یہ بتائیں کہ آپ پچھلے پندرہ دن سے اتنے ڈپریس کیوں تھے؟" کاشان بضد ہوا۔

"یہ کیا منطق ہے کاشان! کیا لازمی ہے کہ ڈپریس ہونے کے لیے ہماری زندگی میں کوئی ماضی ضرور ہو۔" اذان نے اب کی بار جھنجلانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں یہ لازمی نہیں مگر جو لوگ ہمارے دل کے بہت قریب ہوں اگر وہ ہماری زندگی میں شریک سفر ہیں تو ہم زندگی میں آنے والی بڑی سے بڑی پریشانی کو بھی ہنس کے سہہ لیتے ہیں لیکن اگر وہی لوگ ہم سے بچھڑ جائیں' کہیں کھو جائیں تو زندگی بے معنی ہوجاتی ہے اور میں نے اس دن آپ کی آنکھوں میں بے معنی ہوتی زندگی کا عکس دیکھا تھا۔" کاشان بہت جذب سے کہہ رہا تھا اور اذان کے چہرے پر سنجیدگی چھاتی جارہی تھی۔ اذان کے ذہن میں یک دم ایمان کے لفظوں کی بازگشت شروع ہوگئی تھی۔

"اذان ہمارے نکاح والے دن عیرہ ہمارے ساتھ تھی' اس کے بعد وہ ہم سے کبھی نہیں ملی۔ ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور وہ ہم سے رابطہ کر بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ ہم گھر چھوڑ کر جاچکے ہیں۔ عبدالمعیز کی اماں ہمیں اپنے گاؤں لے گئی تھیں' ہم دو سال وہیں رہے پھر عبدالمعیز نے یہاں آکر اپنی جاب تلاش کرلی اور تقریباً ڈھائی سال بعد میں اور اماں بھی شہر آگئے۔ ہم نے عیرہ سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہمیں نہیں ملی۔"

"اذان ادھر دیکھو......" کاشان پوری قوت سے چیخا تھا وہ گہری نیند سے جاگا تھا جیسے ایک ٹرک بہت تیزی سے ان کی کار کی سمت میں ہی آرہا تھا۔ اذان نے فوراً اسٹیئرنگ گھمایا اور کار کچے میں اتر گئی تھی۔ کار رکتے ہی کاشان مخاطب ہوا۔

"کب سے کہہ رہا ہوں اذان دیکھو سامنے سے ٹرک آرہا ہے مگر نہ جانے کن خیالوں میں گم ہو۔" اذان بنا کوئی جواب دیئے کار سے اتر گیا تھا' کاشان بھی اتر آیا۔ مغرب میں سورج ڈوب رہا تھا' کار سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ کاشان سے مخاطب ہوا۔

"آئی ایم سوری کاشان! آج میری وجہ سے تمہاری زندگی...... آئی ایم سوری۔" اس کے لہجے میں

شرمندگی تھی۔

"صرف میری نہیں تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔" کاشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دل جوئی کی۔

"بے معنی اور بے مقصد زندگی اگر ختم بھی ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کاشان! جب اپنی زندگی صرف ایک مقصد کے حصول میں صرف کردی جائے اور ایک طویل مدت بعد پتا چلے کہ وہ مقصد وہ منزل نصیب نہیں تو انسان کی زندگی حقیقتاً اندھیروں میں گھر جاتی ہے تب اسے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ ایک لمبے وقت سے بے معنی زندگی جی رہا تھا۔ لاحاصل کی تمنا کررہا تھا۔" اذان کا لہجہ بہت بے بس تھا' کاشان اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

"کیا بات ہے احمد! آج بہت خاموش ہیں۔ سب ٹھیک تو ہے ناں۔" مسجد سے نکلتے ہوئے بالآخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"یس سر! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں آپ کو ایسا کیوں لگا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آج تم نے لیکچر کے دوران بھی کوئی سوال نہیں پوچھا اور نہ مسجد میں زیادہ دیر ٹھہرنے کا کہا۔" انہوں نے اسے اس کی مخصوص عادتیں یاد دلائیں تو وہ مسکرا دیا۔

"سوال تو تھا میرے ذہن میں لیکن آج پوچھنے کا دل نہیں کیا۔" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں نہیں پوچھا۔" وہ بضد ہوا۔

"چلیں اب پوچھ لیتا ہوں۔" اس نے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔

"کیا حقیقی محبت یعنی حُب اللہ ہر انسان کے لیے ہے یا صرف کچھ خاص لوگوں کے لیے اور اگر یہ عام ہے تو پھر اس کا حصول کیسے ممکن ہے؟" اس نے بہت پرسکون لہجے میں کہا وہ کچھ ثانیے اس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے۔

"آپ نے کبھی دل کی بناوٹ پر غور کیا ہے احمد؟" ان کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی احمد خاموش رہا۔

"اللہ پاک نے دل کے چار حصے بنائے ہیں' دو وہ جن سے صاف خون جسم کے تمام حصوں کو پہنچتا ہے جب کہ بقیہ دو حصے جسم سے تمام گندا خون لے کر انہیں پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ ظاہری طور پر دل یہی کام کرتا ہے مگر حقیقتاً اس کے علاوہ بھی کچھ کام ہیں جو اللہ پاک نے دل کے ذمہ لگائے ہیں۔ دل کے دو خانوں میں جہاں آکسیجنڈ خون آتا ہے ان میں سچ اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ دو حصے جن میں ڈی آکسیجنڈ خون آتا ہے ان میں جھوٹ اور نفرت جیسے منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ محبت سے انسان میں وفا' ہمدردی' رحم دلی وغیرہ پیدا ہوتی ہے جب کہ سچ سے خلوص' دیانت' نیک نیتی' اعتبار وغیرہ۔ اسی طرح نفرت سے کینہ' حسد' دشمنی' لالچ وغیرہ پیدا ہوتی ہے جب کہ جھوٹ سے مکر' فریب' ریاکاری' مکاری' بدنیتی وغیرہ جنم لیتی ہیں۔ جس طرح آکسیجنڈ خون انسان کو تندرست و توانا رکھتا ہے اسی طرح سچ و محبت انسان کے نفس' ضمیر اور اس کی روح کو مطمئن رکھتے ہیں لیکن اگر ہمارے جسم میں ڈی آکسیجنڈ خون بڑھ جائے تو انسان علیل ہوجائے گا یا پھر مرجائے گا بالکل اسی طرح جب انسان میں منفی جذبے جھوٹ و نفرت بڑھ جائے تو اس کا نفس امارہ اس پر حاوی ہوجاتا ہے یعنی وہ نفس جو انسان کو ہر غلط کام کے لیے اکساتا ہے اور ضمیر و روح کی موت واقع ہوجاتی ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکے تھے۔

"لیکن اس سب میں میرے سوال کا تو کہیں جواب نہیں۔" احمد نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بے صبروں کے ہاتھ کبھی کچھ نہیں آتا' ہمیشہ صبر کرنے والا ہی اپنی منزل پر پہنچتا ہے۔" ان کے اس جملے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر شرمندہ ہوکر نظریں جھکا دیں۔

"جس دل میں محبت کا جذبہ حاوی ہوتا ہے وہ دل ہر شر سے پاک ہوجاتا ہے اور جب دل میں شر نہ ہو تو پھر اس



میں صرف ایک اور واحد ہستی کی جستجو بیدار ہوتی ہے اور وہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اب آتے ہیں تمہارے سوال کی طرف۔ اللہ پاک نے بنیادی طور پر ہر انسان کو نیک و پاک روح کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی ہر انسان بنیادی طور پر اللہ کی محبت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے مگر دنیا میں آنے کے بعد اس دارُالغرور کے حالات اور واقعات انسان کے دل میں منفی جذبات کو پروان چڑھا دیتے ہیں اور یوں ایک اچھا انسان برا بن جاتا ہے لیکن جو دل ہر حالت میں اپنے ربّ کی سچی محبت کو غالب رکھتا ہے تو اس کا ربّ اپنے اس بندے پر اپنی محبت کے تمام دروازے کھول دیتا ہے۔ جب بندہ سچے دل سے اپنے ربّ پر اعتبار اور یقین کرتا ہے تو اللہ پاک اس کا بھی نہ ختم ہونے والا ایمان بن جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ ہر دل میں ہے جو دل اسے پہچان لے وہ خاص اور جو نہ پہچان پائے وہ عام۔ یہ تھا تمہارے آدھے سوال کا جواب' اب رہا حب اللہ کا حصول تو وہ بھی ممکن ہے بس اسے تلاشنے کی ضرورت ہے۔ اپنے ربّ کی محبت چاہتے ہو تو صلہ رحمی کرو۔ جیسے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یا ہمیشہ انہوں نے اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کیا تاکہ ان کا ربّ ان سے راضی رہے' اپنے اردگرد اور سب سے بہتر اپنے گھر والوں سے شفقت' محبت سے پیش آؤ' تم اپنے ربّ کی محبت کو اپنے اندر قوی پاؤ گے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنی بات ختم کردی۔

"آپ کے لفظوں میں بہت تاثیر ہے سر! حقیقتاً آپ نے بہت صحیح کہا صلہ رحمی اگر ہر انسان اختیار کرلے تو ہر انسان اللہ والا ہوجائے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیجیے آپ کا گھر بھی آ گیا۔" وہ ان کے دروازے پر رکتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

"ہر انسان کو ایک دن اپنی منزل پر پہنچنا ہے جلد یا بدیر مگر پہنچنا ہے۔ میری بات یاد رکھنا۔" انہوں نے تاکیداً کہا' تبھی احمد کا موبائل بجا۔ اسکرین پر چمکتا نمبر دونوں نے ہی دیکھا احمد نے کال ڈس کنیکٹ کردی۔

"صلہ رحمی احمد! تم بھول گئے۔" انہوں نے یاد دلایا تبھی موبائل دوبارہ بجا۔ "کال اٹینڈ کرو احمد!" انہوں نے پھر کہا اور اب کی بار اس نے اٹینڈ کرلی۔

"ہیلو! کیوں فون کیا ہے مجھے؟" اس کا لہجہ یک دم روڈ ہوگیا۔ "طبیعت خراب ہے تو میڈیسن دو مجھے فون کرکے تنگ مت کیا کرو کتنی بار کہا ہے۔ جب میرے پاس ٹائم ہوگا میں آ جاؤں گا ان سے کہو۔" اتنا کہہ کر اس نے کال ڈس کنیکٹ کردی۔

"احمد تمہیں جانا چاہیے میرے مطابق۔" انہوں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ تو سب جانتے ہیں سر! پھر بھی آپ یہ کہہ رہے ہیں' میری پوری زندگی خراب کردی انہوں نے اور آپ توقع کرتے ہیں کہ میں صلہ رحمی کروں ان کے ساتھ۔" اس کا لہجہ بہت کڑوا تھا۔

"ہاں احمد! میں ایسی توقع رکھتا ہوں کیونکہ اسلام یہی کہتا ہے کہ اگر ماں باپ غلطی پر ہوں تو انہیں صلہ رحمی سے شفقت سے صحیح راستے پر لے آؤ اور اس وقت تمہارا یہ فرض ہے کہ تم ان سے ملنے جاؤ کیونکہ تمہاری ماں ہیں احمد!" انہوں نے بہت نرمی سے اسے سمجھایا اور اس نے سر جھکا دیا۔ وہ ان کی بات کبھی نہیں ٹالتا تھا اور آج بھی ٹالنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

❁ ❁ ❁

"بہترین...... بہت خوب' مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے بیٹے کی پسند اتنی اچھی ہے۔" انہوں نے سراہتے ہوئے لہجے میں جان سے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

"گھر کا ہر کونا بہت حسین لگ رہا ہے' بس اب صرف کرسمس کی تیاری باقی رہ گئی ہے۔ میں ایک دو دن میں فارغ ہوجاؤں تو پھر چلیں' کچھ فرینڈز کے لیے گفٹس بھی لینے ہیں اور ہاں تم یاد سے ریٹا کے لیے گفٹ لے لینا۔" ان کے آخری جملے پر اس کی تیوریوں پر بل ابھرنے لگے تھے مگر وہ خاموش رہا۔

''ارے تمہارے پیپرز کیسے رہے؟'' انہیں اچانک یاد آیا۔

''اچھے رہے مگر ابھی صرف دو ہوئے ہیں۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''مما ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' اس نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا۔

''ہاں کہو۔'' وہ اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

''ڈیکوریشن کے دوران مجھے پتا چلا کہ بابا کا اسٹڈی روم آپ نے کبھی کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ مجھے اس کی وجہ سمجھ نہیں' وہ بھی تو اسی گھر کا حصہ ہے۔'' جان کے لہجے میں الجھن تھی۔

''اس کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ وہ کمرا کسی کے استعمال میں نہیں اور دوسرا اس کمرے سے تمہارے بابا کی یادیں جڑی ہیں۔ تمہارے بابا کے جانے کے بعد جب بھی اس کمرے میں گئی تو شدید ڈپریشن کے دورے کا شکار ہوئی۔ اسی لیے پھر میں نے خود وہ کمرا بند کروا دیا کیونکہ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو پھر تمہیں کون سنبھالتا۔'' ان کا لہجہ دکھ سے بھرپور تھا اور آنکھوں میں بھی ہلکی ہلکی نمی نظر آنے لگی تھی۔

جان کو لگا تھا کہ اس نے غلطی کی ان سے سوال پوچھ کر۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری ماما! میرا ارادہ آپ کو دکھی کرنے کا نہیں تھا۔'' وہ ان کے گلے لگ گیا اور اس کی ماما کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی تھی جب کہ دور کہیں نگاہیں یہ منظر دیکھ کر برسنے لگی تھیں۔

''کیا حقیقت کبھی سامنے نہیں آئے گی میرے مالک! کیا اس چہرے سے کبھی نقاب نہیں اٹھے گا؟'' مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

❁......❁......❁

آج عباد صاحب کو اسپتال میں پانچ دن ہو گئے تھے گزشتہ دنوں کے مقابلے میں آج ان کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ خود سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔ ڈاکٹر بھی حیران تھے کہ ایک دم اتنی بہتری آ گئی تھی طبیعت میں۔ عدیل کچھ دیر پہلے ہی گھر گیا تھا مگر جان ابھی بھی بیٹھا تھا جان نے کئی بار یہ بات نوٹ کی تھی کہ عباد صاحب بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''جان بیٹا! ایک بات کہوں آپ سے؟'' بالآخر وہ مخاطب ہو ہی گئے۔

''جی انکل پلیز۔'' جان نے بہت تابعداری سے کہا جب کہ عبیرہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''آپ کے ہر انداز میں' چہرے کے خدوخال میں میرے کزن کی شبیہ آتی ہے۔'' انہوں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

''اچھا انکل پھر تو میں ان سے ضرور ملنا چاہوں گا۔'' جان نے بہت خوش مزاجی سے کہا۔

''تم اس سے مل نہیں سکتے کیونکہ وہ تقریباً تمہاری ہی عمر کا تھا جب اس کی وفات ہو گئی تھی۔'' انہوں نے بہت افسوس سے کہا۔

''اوہ......! یہ سن کر دکھ ہوا۔'' جان نے افسوس سے کہا تبھی کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا اور پھر آہستگی سے کھول دیا گیا۔ جان نے دیکھا دروازے سے داخل ہوتا ہوا شخص تقریباً پچاس کے لگ بھگ تھا۔ چہرے پر گھنی داڑھی تھی' سفید شلوار قمیص میں ملبوس ان کی شخصیت بہت پُروقار لگ رہی تھی۔ جان نے خود کو ایک عجیب سحر' ایک عجیب محویت کا شکار محسوس کیا تھا۔ ان کے ماتھے پر ویسا ہی گہرا سیاہ نشان تھا' جیسے اس نے عباد صاحب کے ماتھے پر دیکھا تھا۔ عبیرہ ان سے بہت ادب سے مخاطب تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اس کی بات کا جواب دے رہے تھے' ان کی آواز بہت میٹھی اور دل کو گرویدہ کر لینے والی تھی' ان کے لبوں پر وہی پُرسکون مسکراہٹ تھی جیسی اس نے ہمیشہ عبیرہ کے چہرے پر بکھری دیکھی تھی۔ عبیرہ سے بات کرتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ جان پر ڈالی تھی۔ جان کا پورا وجود تھرتھرا گیا تھا' اس نے نگاہیں جھکا دی تھیں۔

''سر! ان سے ملیں یہ جان ہیں' انٹرن شپ کے دوران میرے طالب علم رہ چکے ہیں۔'' جان نے دیکھا عبیرہ اس کا تعارف کروا رہی تھی اس شخص سے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ جان کی طرف بڑھایا تو جان نے بحالت مجبوری ہاتھ ان

کی طرف بڑھاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ میرے پروفیسر ہیں جان! پروفیسر خالد عباسی۔" عیبرہ نے اب جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جان......؟ حیرت انگیز! پہلی نظر میں کوئی یہ اندازہ کر ہی نہیں سکتا کہ آپ ایک نان مسلم ہیں؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی مگر جان کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔

"کوئی بات نہیں مسٹر عباسی! انسان کو اکثر ایسی غلط فہمیاں ہوجاتی ہیں۔ میں ابھی جلدی میں ہوں ورنہ اچھی گفتگو ہوتی۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" جان نے جلدی جلدی سپاٹ لہجے میں کہا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں سے نکال لیا۔

"یقیناً اللہ نے چاہا تو ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔" انہوں نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بہت پُرسکون لہجے میں کہا۔ جان نے الجھی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر کارڈ پکڑتے ہوئے عیبرہ سے مخاطب ہوا۔

"اوکے عیبرہ! میں چلتا ہوں پھر آؤں گا اور عدیل کو بھی یاد کرادوں گا کہ وہ آپ کی ماما اور بہن کو لے آئے اسپتال۔"

عباسی صاحب بہت غور سے دیکھ رہے تھے اسے عیبرہ سے بات کرتے ہوئے۔ وہ وہیں سے مڑا اور دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ عباسی صاحب نے ایک نگاہ غور سے اب عیبرہ کو دیکھا اور پھر مسکرادیے۔

"کیا ہوا سر!" عیبرہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"کچھ نہیں، مجھے لگتا ہے کہ تمہارا طالب علم مجھ سے ڈر گیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور عیبرہ بھی مسکرادی۔

⁂
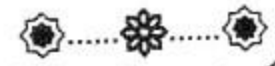
"اذان! آخر کون آرہا ہے جس کا تم اتنی بے صبری سے انتظار کررہے ہو؟" کاشان بہت دیر سے نوٹ کررہا تھا کہ وہ ائرپورٹ لاؤنج میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا اور بار بار گھڑی بھی دیکھ رہا تھا۔

"میرا بہترین دوست، میری جان، میرا عدیل! کویت سے واپس آرہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے زندگی لوٹ رہی ہے میری طرف۔ میں بہت خوش ہوں کاشان!" اس کے ہر جملے میں خوشی کا رنگ بھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی کاشان اس شخص سے بھی مل لیا تھا جس کا انتظار اذان اس قدر بے صبری سے کررہا تھا وہ ایک درمیانے قد کا لڑکا تھا، سیاہ بال، گندمی رنگت، خوش مزاج۔ اذان بڑی گرم جوشی سے اس سے گلے ملا اور پھر کاشان کا تعارف کرایا اس سے۔ عدیل سے مل کر کاشان کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں محسوس ہوا تھا کہ وہ اس سے پہلی بار مل رہا ہے۔

"تمہاری پی ایچ ڈی کیسی رہی؟" اذان نے بیک ویو مرر میں عدیل کو مخاطب کیا۔

"وہ اندازہ تو تمہیں میری دماغی حالت سے ہوگا جب تمہیں صحیح اندازہ ہوگا کہ میری پی ایچ ڈی کیسی رہی۔" عدیل نے بالکل سنجیدہ لہجے میں کہا اور وہ دونوں ہنس پڑے اس کی بات پر۔

"مجھے لگا تھا کچھ سدھار آجائے گا تم میں لیکن وہ عدیل ہی کیا جو بدل جائے۔" اذان نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ معاملہ صرف میرے ہی نہیں تمہارے ساتھ بھی ہے محترم! بدلے تو تم بھی نہیں ہو تمہارے دل تک رسائی ہے مجھے۔" عدیل نے دعویٰ کیا اور اس بات پر اذان نے نگاہیں چرائی تھیں جب کہ کاشان کے دل کو لگی تھی یہ بات۔

"اذان کا بہترین دوست وہ تو اذان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوگا۔" کاشان کا دماغ ایک دم ہی بے دار ہوگیا تھا۔ اذان نے موضوع بدل دیا کار اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

⁂

"عدیل آج انکل کو ڈسچارج کیا جارہا ہے۔ تم عیبرہ کے ساتھ انہیں گھر لے جانا۔ میں کراچی کے لیے نکل رہا ہوں، تم نے جو ایڈریس دیا ہے عیبرہ کی پھوپو کا میں ایک بار وہاں جاکر دیکھنا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے کام بن جائے۔" جان نے اسپتال سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں تو تمہارا جانا بے کار ہے کیونکہ یہ ایڈریس پرانے گھر کا ہے۔" عدیل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہاں جاکر ہوسکتا ہے مجھے نئے گھر کا ایڈریس مل ہی جائے۔ امید پر دنیا قائم ہے عدیل! اور پھر مسٹر مہرا سے کسی رحم کی توقع نہیں ہے۔" جان بہت جذب سے کہتا چلا گیا اور عدیل نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

⁂

"اماں! ڈاکٹر نے کہا ہے کہ بابا جانی کو اب کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچنا چاہیے، بہت مشکل سے ان کی حالت سنبھلی ہے اس لیے ہمیں اب بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔" عیبرہ نے بہت دھیمے لہجے میں کہا وہ دونوں اس وقت عباد صاحب کے کمرے کے باہر کھڑی تھیں، عیبرہ کچھ دیر پہلے ہی انہیں لے کر گھر آ گئی تھی۔

"ہاں ہمیں بہت احتیاط کرنی ہوگی۔" انہوں نے عیبرہ کی تائید کی۔

"یہ عالی کہاں ہے اماں؟" اچانک ہی عیبرہ کو اس کا دھیان آیا۔

"وہ ٹیوشن گئی ہے بڑی مشکل سے چھوڑ کر آئی ہوں۔ تمہیں تو پتا ہے ناں پڑھائی میں تو اس کا دماغ لگتا ہے نہیں، بس پورا دن تصویریں بنوالو اس سے۔" وہ خفا ہونے لگی تھیں جب کہ عیبرہ مسکراتی ہوئی اندر کی طرف آ گئی۔

کپڑے چینج کرکے اس نے شکرانے کے نفل ادا کیے اور پھر بستر پر آ لیٹی تھی۔ درود شریف پڑھتے ہوئے اس کے ذہن میں وہ دن گھوم گیا جب اسپتال میں ادائیگی کرنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور جان نے ادائیگی کی تھی۔ اس دن عیبرہ کو جس قدر شرمندگی کا سامنا ہوا تھا شاید اس کا اندازہ خود اس کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا، اسی لیے اس نے اس شرمندگی کو مٹانے کے لیے اپنی سونے کی بالیاں اور سیٹ جو اس کی اماں نے شادی کے لیے بنوایا تھا، بیچ دیا تھا۔

"آج جان صبح کے بعد واپس نہیں آیا ورنہ وہ تو دن میں دوبار ضرور آتا ہے۔" اس نے لیٹے لیٹے سوچا۔

"خیر جو بھی ہوا اللہ پاک اس نے ہمیشہ میری بہت مدد کی ہے تُو اسے اس کا اجر ضرور دینا اور اس کا سب سے بڑا اجر تو یہ ہوگا کہ تو اسے اپنی محبت عطا کرے، اپنی جستجو عطا کردے، اپنی سب سے بڑی نعمت، اپنے دین سے اسے سرفراز فرما آمین۔" عیبرہ نے ہمیشہ کی طرح اپنے ربّ کو صدق دل اور بہت سچائی سے پکارا تھا۔ مگر خود اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے معصوم دل کی دعا جان کے لیے کتنی بڑی مصیبت کتنا طویل امتحان بنے گی۔

⁂

صبح صادق کا وقت تھا، ہلکی خنک سی ہوا تھی۔ چاروں طرف بہت تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ حطیم (خانۂ کعبہ کے سامنے کچھ فاصلے پر بنی سنگِ مرمر کی چھوٹی سی آدھی گول دیوار) کے اندر خانہ کعبہ کے روبرو سجدہ ریز تھی۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے ہر شے اپنے پاک و بلند بزرگی اور صاحب قدرت ربّ کی حمد و ثنا میں مصروف ہو۔ ہر نظارہ منور محسوس ہورہا تھا تبھی ایک بہت صاف اور خوش الحان آواز سنائی دی تھی شاید مسجدِ حرام (خانۂ کعبہ کے گرد جتنے حصے میں نماز پڑھی جاتی ہے اسے مسجد حرام یعنی حرمت والی مسجد کہا جاتا ہے) میں کوئی اذان دے رہا تھا، آواز اتنی میٹھی تھی کہ وہ سجدے سے سر اٹھانے پر مجبور ہوگئی اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہیں آیا بالآخر وہ اٹھ کر حطیم سے باہر نکل آئی۔ آواز خانۂ کعبہ کے دوسری طرف سے آرہی تھی وہ آگے بڑھی تو بہت تیز روشنی اس کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ مزید آگے بڑھی تو آواز اور روشنی دونوں ہی مدھم ہوگئی تھیں اور وہاں پہنچنے پر اسے آواز اب اگلی طرف سے آنے لگی، وہ گول چکر لگا کر اگلی طرف آئی تو پچھلی طرف سے آنے لگی تھی۔ اس طرح تقریباً سات بار ہوا تھا اور اس نے سات بار خانۂ کعبہ کے چکر لگائے تھے لیکن جب ساتویں بار وہ خانۂ کعبہ کے روبرو آئی تو اس نے وہاں کسی کو احرام باندھے سجدے کی حالت میں پایا پھر وہ شخص سجدے

سے اٹھ کر اس کی جانب پلٹا پُر نور چہرہ پُر نور نگاہیں اور لبوں پر پھیلی مانوس مسکراہٹ۔ وہ اس کے روبرو تھا۔

"عبیرہ...... اٹھو۔" اماں نے اسے جھنجوڑا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"یہ...... یہ کیا خواب تھا۔" اس کا دماغ اب بھی خواب میں الجھا ہوا تھا۔

"عبیرہ! میں تم سے بات کر رہی ہوں تم مجھے سن بھی رہی ہو۔" اس کی اماں نے ایک بار پھر اسے ہلایا۔

"کک...... کیا ہوا اماں۔" وہ اب ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"عالی اب تک گھر نہیں آئی ہے عبیرہ! میرا تو دل ڈوبا جارہا ہے۔" انہوں نے روتے ہوئے کہا اور عبیرہ کا دماغ گھومنے لگا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" اس نے تیزی سے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی' گیلری میں رکھے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے اس نے عالی کے سینٹر کا نمبر ڈائل کیا کئی بار بیل جانے کے باوجود بھی کال ریسیو نہیں ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ سینٹر بند ہو چکا ہے۔ اس نے کال ڈس کنیکٹ کی اور پھر ایک ایک کر کے عالی کی دوستوں کو فون کیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ سینٹر سے ساتھ نکلے تھے اور عالی گھر کی طرف ہی آ گئی تھی۔

"کسی کو بھی کچھ نہیں پتا اماں۔" اس نے افسردگی سے فون کا ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"عبیرہ...... عبیرہ۔" عباد صاحب کی آواز پر ان دونوں نے پریشان کن نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اماں آپ بابا کے پاس جائیں' میں اب کسی اسپتال میں جا کر چیک کرتی ہوں' ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوگئی ہو۔" عبیرہ نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔ "آپ بابا کو کچھ نہ بتایئے گا۔" اس نے اندر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور وہ میکانکی انداز میں عباد صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اندھی سڑک پر چلتے ہوئے اسے بہت شدید خوف محسوس ہو رہا تھا۔ سردیوں کی رات تھی' سڑکیں ویران تھیں۔ وہ رات کے اس وقت کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی تھی مگر آج قسمت نے اسے یہ دن بھی دکھایا تھا۔ وہ عدیل کے گھر گئی مگر اس کی بہن نے عبیرہ کی شکل دیکھتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ عبیرہ کو بہت دکھ ہوا اس کے رویے پر۔ کل تک یہی لوگ خلوص و اخلاق اور محبت و وفا کے پیکر تھے اور آج بے حسی اور بے مروتی کی مجسم حقیقت بن گئے تھے۔

"زندگی ہر پل بدلتی ہے' کبھی ہم کامیابی کی انتہاؤں کو چھوتے اور کبھی زوال کی پستیوں میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ کبھی ہمیں زندگی کی شاہراہ پر سفر کرنے کے لیے روشن راہیں فراہم کی جاتی ہیں اور کبھی ہر راہ تاریک کر دی جاتی ہے۔ روشن راہوں پر چلنے کے لیے ہمیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں پڑتی مگر تاریک راستے پر چلنے کے لیے ہمیں ضرورت ہوتی ہے ایک مضبوط سہارے کی اور آپ کو پتا ہے کہ وہ مضبوط سہارا کیا ہے عبیرہ؟ وہ مضبوط سہارا انسان کا اپنے ربّ پر توکل' اپنے ربّ پر ایمان ہے۔ صرف ایک اللہ ہی تو ہے جو انسان کے ہر اچھے اور بُرے وقت میں اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لیے میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ ہر حال میں اپنے ربّ کو یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے۔" اس اندھیرے راستے پر چلتے ہوئے عبیرہ کو پروفیسر عباسی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے' بس مجھے ہر حال میں ثابت قدم رکھ۔ یہ مشکلات وقتی ہیں مگر تیرا ساتھ کسی بھی انسان کے لیے وقتی نہیں ہے۔" وہ اب مین روڈ پر آ چکی تھی۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے ایک رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور قریب آنے پر اسپتال چلنے کا کہا۔

(آخری حصہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

## قسط نمبر 6

میں خیال ہوں کسی اور کا، مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ میرا عکس ہے پسِ آئینہ کوئی اور ہے
میں کسی کے دستِ طلب میں ہوں تو کسی کے حرفِ دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

## گزشتہ قسط کا خلاصہ

شرمین خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ چار سال پہلے اس کی زندگی میں صبیح احمد آیا تھا اور اتنا ہی عرصہ ان دونوں کی محبت پروان چڑھی پھر صبیح تعلیم مکمل کر کے واپس کراچی اپنے گھر چلا گیا اور شرمین سے وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبیح احمد کی ماں شرمین راضی نہیں ہوتیں اور صبیح کی شادی فریحہ سے کر دیتی ہے۔

شرمین ایک فرم میں جاب کر رہی ہے شرمین کے آفس میں مرزا صاحب شرمین سے جھوٹی محبت کا دم بھرتے ہیں جس سے پریشان ہو کر شرمین صبیح احمد کو خط لکھ کر کراچی آنے کا بتاتی ہے۔

صبیح احمد پہلی فلائٹ سے شرمین سے ملنے چلا آتا ہے اور اسے اپنی شادی کا بتاتا ہے شرمین اس کی شادی کا سن کر ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کی کزن زینت آپا کا بیٹا بوبی شرمین سے عمر میں چھوٹا ہونے کے باجود اس سے محبت کرنے لگا ہے جس کا اظہار وہ شرمین سے برملا کرتا ہے شرمین اسے سمجھاتی ہے مگر بوبی بعض نہیں آتا۔

عارض ایک بزنس مین ہے عارض کی شرمین سے پہلی ملاقات سڑک کنارے ہوتی ہے۔ جس سے عارض اس کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اظہار محبت کرنے گھر پہنچ جاتا ہے۔

شرمین کو لفظ محبت سے چڑ ہو جاتی ہے اور اب بوبی کے ساتھ مرزا صاحب اور عارض بھی اس کے حسن کے پرستار ٹھہرے تھے۔

عارض صفدر کو شرمین کے بارے میں بتا کر محبت کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ جس پر صفدر کو حیرت ہوتی ہے کہ کہاں عارض لڑکیوں کو وقت گزاری کا سبب سمجھتا تھا اور اب اسے شرمین سے محبت ہو گئی ہے۔

صفدر شرمین سے مل کر اسے عارض کی محبت کا یقین دلاتا ہے۔ شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے منگنی کر لیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس منگنی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

بوبی بھی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس منگنی کی غرض سے آتا ہے۔ لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے تو بوبی کو دکھ پہنچتا ہے اور وہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے لیکن بروقت زینت آپا اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہیں اور پھر زینت آپا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بوبی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ کینیڈا جا کر بوبی وہاں کی رنگینیوں میں کھو کر ماں کو بھول جاتا ہے۔

صفدر کی شادی زیبا کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے زیبا جہاں آرا بیگم کی پسند ہے۔ صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے تمام ارمانوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب صفدر کو زیبا اپنی کہانی سناتی ہے صفدر کا



ارمانوں کا محل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیماں کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکا آتا ہے اور وہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی اماں کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ زینت آپا بھی بوبی کو کینیڈا چھوڑ کر شرمین کے پاس آ گئی ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی جھوٹی محبت کے اظہار سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔

صفدر کو زیبا سے نفرت ہو گئی لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے زیبا کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نا ہی اپنی ماں کو زیبا کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

زیبا کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس طرح اپنے گناہ کی تلافی کرے اور صفدر کی نظروں میں اپنا مقام حاصل کرے۔

جہاں آراء کو زیبا کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث لگتی ہے۔ وہ صفدر سے زیبا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ ٹال جاتا ہے اور خود ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس جا پہنچتا ہے۔ جہاں آراء اس کے بازو اور سر پر پٹی بندھی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی اماں خالق حقیقی سے جا ملی ہیں۔ وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہوئے غم کی تصویر بن کر رہ گئی ہے صفدر اور زینت آپا اس کی دلجوئی کر رہے ہیں امریکہ سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔

دو دن کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آفس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری اور کام کی زیادتی بتا کر شرمین کو اپنی پرسنل سیکرٹری کی نوکری کی پیش کش کرتے ہیں۔ جس پر شرمین اپنا استعفیٰ دے دیتی ہے۔

زیبا کو اپنے اندر ہونے والی تبدیلی خوش آئند لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن جب دوسرے دن وہ آفس سے واپسی پر میڈیکل اسٹور سے زیبا کی دوا لیتا ہے تب اسے زیبا کی مسکراہٹ سمجھ آتی ہے اور وہ گھر آ کر زیبا کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے اس کے سامنے شرط رکھ دیتا ہے۔

زینت آپا شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ زینت آپا بوبی کو بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں اس کی ابھی بھی وہی ضد ہے کہ اگر شرمین اس کی محبت کو قبول کر لے تو وہ واپس آ جائے گا اب زینت آپا ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر شرمین کو بوبی کا ساتھ قبول کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔

بوبی بھی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلدی واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے۔ شرمین بوبی کے گھر آ کر پریشان ہو گئی ہے جبکہ زینت آپا نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔ مرزا صاحب بھی شرمین کو منانے گھر پہنچ گئے ہیں۔ عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آنا چاہتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اپنی بے انتہا محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی الجھن کی وجہ سے عارض کو ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے وہ مایوس ہو جاتا ہے اور واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں مصروف ہو جاتا ہے۔ زیبا صفدر کی شرط مانتے ہوئے گھر سے نکل جاتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی سہیلی نغمی سے ہوتی ہے جو ایک عرصے سے سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉

❀......❀......❀

"یار تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" عارض نے جھنجلا کر پوچھا۔

"زیبا...... زیبا میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔" صفدر نے پہلی مرتبہ بڑے برے انداز میں اظہار کیا۔

"کیسا مسئلہ؟" عارض نے دہرایا۔

"یار تم چھوڑو پہلے ہی امی نے میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے کہ ابھی جاؤ۔"

"فی الحال تم امی کا کہنا مان لو آپس کا جھگڑا بیٹھ کر حل کرو۔"

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ جھگڑا کیا ہے؟" اس نے لمبی سانس بھری۔

"دیکھو! بہت سی خامیوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ تم جاؤ جا کر بھابی کو لے آؤ۔" عارض نے سمجھایا۔

"نہیں ویسے بھی وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔"

"میں شرمین سے کہتا ہوں کہ وہ بھابی سے مل کر انہیں سمجھائے۔" عارض نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔"

"یار! تم چاہتے کیا ہو؟" عارض کو غصہ آ گیا۔

"زیبا کا جرم سنو گے تو نفرت سے تھوکو گے۔" صفدر کو بھی غصہ آ گیا۔

"کہیں کسی اور میں تو......" عارض نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"صرف انوالو ہی نہیں......" وہ بولا۔

"اوہ ویری سوری۔" عارض کے دل کو دھچکا لگا۔

"میرا ضبط ہے کہ میں نے اسے برداشت کیا۔"

"تو پھر اپنے بچے کا سوچو۔"

"اس سے مجھے بچہ نہیں چاہیے بچے کے لیے اس کی کوکھ پسند نہیں کرتا۔"

"مگر یار! بچہ تو تمہارا ہے۔"

"ہنہ لیکن محض جذباتی اتفاق۔"

"تو اس میں بچے کا کیا قصور؟"

"میرا بچہ ایسی عورت کے وجود سے پیدا نہیں ہوگا تم بتاؤ کیا تم اپنی بیوی کے کالے کرتوت برداشت کر لو گے؟" صفدر نے سوال کیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو میں بھی یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یعنی تمہیں بچہ نہیں چاہیے یہ تو زیادتی ہوگی۔"

"کہہ سکتے ہو ابھی امی کو کچھ پتا نہیں وہ بچہ کی ضد چھوڑ دے تو میرے گھر میں پڑی رہے۔" صفدر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت عجیب فیصلہ ہے۔"

"شاید۔"

"تو پھر علیحدگی بہتر ہے۔"



"بچہ تو پھر بھی میرا وہ نہیں رکھ سکتی۔"

"اچھا فی الحال تم غور کرو اور ابھی بھابی سے ملنے جاؤ امی کو صدمہ نہ پہنچاؤ۔" عارض نے سمجھایا۔

"امی کی وجہ سے ہی تو اب تک قبول کیا ہوا ہے۔"

"اور باقی سب تو خیریت ہے نا میرا مطلب ہے شرمین۔"

"ٹھیک ہیں بس اپنی ٹینشن سے نجات نہیں ملتی...... تم نے فون نہیں کیا۔"

"کیا تھا بس اب تو ڈاکٹر سے چلنے پھرنے کی یا سفر کرنے کی اجازت کا انتظار ہے۔"

"بابا ٹھیک ہیں۔"

"ہنہ اے ون ابھی مارکیٹ گئے ہیں۔"

"چلو میرا سلام کہنا۔"

"او کے لیکن تم سمجھداری سے کام لینا امی کی خاطر ہی سہی۔"

"او کے اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

فون بند کر کے وہ بیڈ پر گر گیا۔ عارض کے فون سے کافی دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ کافی ڈپریشن میں تھا...... اب کافی سوچ بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ ضرور کیا تھا کہ ایک بار وہ زیبا کے گھر چلا جائے ماں کے حکم کی تعمیل کرے اور پھر زیبا سے دو ٹوک بات کرے...... مگر اس وقت جانا مناسب نہیں تھا لہٰذا صبح کا ارادہ کر کے سو گیا۔

❀......❀......❀

دروازے پر لگاتار دستک ہو رہی تھی۔

کوئی آٹھویں دسویں دستک پر حاجرہ نے دروازہ کھولا تو صفدر کو تنہا دیکھ کر وہ کچھ تذبذب کا شکار ہوئیں مگر اس نے سلام کیا تو مسکرا دیں۔

"آؤ خیریت صبح صبح......" انہوں نے اندر آنے کی دعوت میں اپنی فکر کو اجاگر کیا۔

"وہ بس......" وہ یکسر ٹالتے ہوئے اندر آ گیا۔

"زیبا تو ٹھیک ہے نا۔" حاجرہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"جی...... وہ......" وہ ٹھیک سے ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔

"کیسے آنا ہوا؟ زیبا کو بھی لے آتے اس کے ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔" حاجرہ نے گویا یہ سب کہہ کر اس کی مشکل حل کر دی۔

"جی ضرور...... میں یہاں سے گزر رہا تھا۔" وہ ہکلایا۔

"چائے ناشتہ۔"

"نہیں بس میں چلتا ہوں۔"

"اپنے انکل سے نہیں ملو گے؟" اسے ایک دم کھڑا دیکھ کر حاجرہ نے کہا۔

"جی زیبا کے ساتھ آؤں گا۔" وہ سخت ذہنی الجھن کا شکار ہونے کے باعث ایک پل بھی یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ حاجرہ نے خاموشی اختیار کی وہ سلام کر کے تیزی سے باہر نکل آیا۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا کہ زیبا پھر کہاں گئی...... رات بھر وہ کہاں رہی......؟ اس سوال نے اسے اپنے حصار میں لے لیا...... جوں جوں سوچ رہا تھا زیبا سے بدظن اور بدگمان ہوتا

جارہا تھا۔ غم وغصہ اور نفرت سے اس کا انگ انگ سلگ رہا تھا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔" گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے اس نے سوچا مگر اگلے ہی لمحے امی جان کا سوچ کر خود بخود گاڑی کی اسپیڈ کم ہوتی چلی گئی۔

"اب امی جان کو کیا بتاؤں کہ ان کی لاڈلی بہو گھر نہیں گئیں...... رات بھر جانے کہاں رنگ رلیاں مناتی رہیں؟ لیکن جانتا ہوں امی نے ہزار باتیں مجھے ہی سنانی ہیں انہوں نے میری کسی بات پر یقین نہیں کرنا...... اور میں زیبا کو کہاں سے لا کر ان کے سامنے پیش کروں۔"

"یا خدا!" اس نے بے بسی سے کہا...... آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی' گھر میں جہاں آراء کو سوتا چھوڑ کر نکلا تھا۔ ان کے پیروں پر آبلے پڑ گئے تھے وہ ناشتہ نہیں بنا سکتی تھیں...... ان کا خیال آتے ہی اس نے گاڑی گھر کی طرف دوڑائی' ماں کے خیال سے ہر الجھن اس کے ذہن سے نکل گئی۔ اس نے سوچ لیا کہ زیبا سے متعلق کچھ بھی کہہ دے گا...... فی الحال امی کو ہر دکھ اور صدمے سے دور رکھنا ہے' باقی بعد کی بعد میں دیکھیں گے...... کچھ نہ کچھ تو اس کہانی کا انجام ہوگا...... کچھ بھی تھا' وہ زیبا کے لیے پہلے کیا کم متنفر تھا جو اس نے یوں گھر چھوڑ کر مزید اسے اشتعال دلایا...... اب اسے ڈھونڈنا کس قدر دشوار تھا...... من چاہی چیز تلاش کرنے کے لیے انسان جنون کی حدوں سے گزر جاتا ہے' مگر جسے دل نہ چاہے اس کے لیے جنون تو دور کی بات کوئی ہلکی سی تحریک بھی نہیں ہوتی...... یہی حال اس کے دل کا تھا' زیبا کا جانا سکون کا باعث تھا' اسے تلاش کرنے کی آرزو بھی نہیں تھی' صرف مجبوری تھی' زمانے کی نظروں میں قانوناً شرعاً وہ اس کی بیوی تھی...... بلکہ اب تو اس کی کوکھ میں اس کے وجود کا احساس بھی پیدا ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی جہاں آرا نے پہلا سوال یہی کیا۔

"کیا لے آئے ہو زیبا کو؟"

"وہ...... وہ آرہی ہے آجائے گی۔" وہ ہکلایا۔

"ہیں...... ارے وہ کیسے آجائے گی؟" وہ تقریباً غصے سے بولیں۔

"جیسے گئی تھیں......" اس نے بھی غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تو مجبوری تھی' مگر اب تو تم گئے تھے۔"

"کوئی مجبوری نہیں تھی آپ پریشان نہ ہوں' میں ناشتہ بناتا ہوں۔"

"صفدر! صاف صاف بتاؤ اس نے کیا کہا؟" انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"امی! آپ لعنت بھیجیں آنا ہوگا آجائے گی۔" وہ جھنجلا گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ شرم نہیں آتی بیوی پر لعنت بھیجتے ہوئے۔"

"آپ جو ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتی ہیں......" وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"لڑائی کس بات کی ہے؟"

"اس نے سرے سے اس گھر کو قبول ہی نہیں کیا......؟" مجبوراً اسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

"کیا مطلب؟ ایسا کب کہا اس نے؟" وہ متعجب ہو کر بولیں۔

"سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"وہ تو بہت اچھی ہے۔"



"میں نے کب برا کہا' نصیب تو میرا برا ہے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

"صفدر! ضرور کوئی بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے' وہ آجائے گی۔"

"کب......؟"

"اس کے والد صاحب کی طبیعت خراب ہے آجائے گی۔" اسے مزید جھوٹ بولنا پڑا۔

"کیا ہوا؟"

"وہ طویل عرصے سے بیمار ہیں' بڑھاپا ہے۔" وہ ان پر بیزاری ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے نرمی سے بولا۔ وہ چپ ہو گئیں۔ تو وہ پھر بولا۔

"اب میں ناشتہ بنانے جاؤں' مجھے آفس بھی جانا ہے۔"

"ہنہ' بس مجھے ایک ٹوسٹ اور دودھ کا کپ دے دو۔" امی نے کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر کچن کی طرف آگیا' لیکن ایک دم ہی ایسا لگنے لگا کہ اس کا دھیان' صرف اور صرف اس جھوٹ کی طرف ہے جو کچھ دیر پہلے ماں سے بولا ہے۔ انڈے' بریڈ' دودھ سب نظروں کے سامنے تھا' مگر وہ بے جا ہاتھ مار رہا تھا' سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کچن میں کس مقصد سے کس کام کے لیے آیا تھا؟

"صفدر! یہ تمہاری زندگی کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی...... کیا ہونے والا ہے؟ کب تک ماں سے جھوٹ بولو گے' اگر زیبا گھر نہ گئی تو اس کے ماں باپ کو کیا جواب دو گے؟ ذہن میں سوال کلبلائے تو وہ اور زیادہ مضطرب ہو گیا...... جیب میں موبائل فون بجا تو وہ چونکا' جلدی سے فون نمبر دیکھا' مگر نامعلوم نمبر بند ہو چکا تھا' اسے ناشتہ بنانے کا خیال آیا' جلدی جلدی امی کے لیے اور اپنے لیے انڈے فرائی کیے' سلائس سینکے' دودھ گرم کر کے گلاسوں میں ڈالا اور کچن سے باہر نکل آیا۔

❁......❁......❁

وہ گہری سوچ میں غلطاں تھی۔ نبھی نے ناشتہ میز پر لگایا اور بولی۔

"اوہ! بھئی تم کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

"کتنا بے حس ہے وہ شخص' فون نہیں سنا۔" زیبا بہت افسردہ تھی۔

"یار! کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے' تمہارے آنے سے جانے وہ کتنے پریشان ہوں......" نبھی نے اس کے لیے سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے کہا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے' جانے کیا ہونے والا ہے؟"

"دیکھو! دو ہی باتیں ہیں' ایک یہ کہ تم گھر چلی جاؤ' یا پھر دل مضبوط رکھو۔"

"اور اماں' ابا وہ تو صدمے سے مر جائیں گے۔ صفدر ان کو بتائے گا۔"

"خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ صفدر کو تمہاری پروا نہیں ہے۔"

"تو پھر' فکر چھوڑ و آرام سے ناشتہ کرو۔" نبھی نے کہا۔

"سوچتی ہوں کہ اماں ابا نے اگر مجھے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی' تو کیا ہوگا؟"

"یہ گھر ہے نا' کیوں فکر مند ہوتی ہو' ابھی گرد چھٹے گی' صفدر بھائی تمہارا خیال کریں گے' وہ بھلا کب تک اپنی امی سے جھوٹ بولیں گے۔" نبھی نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"مگر صفدر مجھے وہاں دیکھنا ہی نہیں چاہتے' اب وہ بچے کے درپے تھے تو میں نے گھر چھوڑا۔"

”حیرت ہے کوئی اپنے بچے کے بھی درپے ہوسکتا ہے۔“

”انہیں مجھ سے اپنا بچہ نہیں چاہیے۔“ وہ افسردہ سی بولی تو نھی کو اشتعال آ گیا۔

”ہنہ! انہیں یہ سب پہلے سوچنا تھا۔“

”میرے ساتھ یہی ہونا تھا‘ میں نے محبت میں دھوکا کھایا‘ اگر کوئی مجھ سے سبق لے تو میں محبت سے دور رہنے کو کہوں۔“

”اب کف افسوس ملنے سے کیا حاصل؟ تم اپنے بچے کے ساتھ آرام سے زندگی گزارو۔“

”ہاں! مجھے کسی صورت اپنے بچے سے الگ نہیں ہونا‘ یہ بچہ تو میری آبرو ہے‘ مجھے صفدر سے اس کے لیے نہیں ڈرنا...... صفدر کو میرا بچہ چھین لینے کا کوئی حق نہیں۔“ وہ کافی مضبوط ارادے کے ساتھ بولی۔

”چلیں۔“ نھی نے پوچھا۔

”ہاں! میں ذرا چادر لے آؤں۔“ وہ کہہ کر کمرے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ نھی کا موبائل بج اٹھا۔ نھی نے بغور نمبر دیکھتے ہوئے فون اٹینڈ کیا۔

”ہیلو! جی کون؟“ نھی نے کہا۔

”آپ نے میرا نمبر ملایا تھا جی۔“ دوسری طرف سے کچھ سنجیدہ اور جھجکتی آواز آئی۔

”آپ صفدر بھائی بول رہے ہیں۔“ نھی نے پوچھا‘ زیبا لپک کر اس کے قریب آ گئی۔

”ج......جی......آپ کون......؟“

”میں زیبا کی سہیلی ہوں نھی‘ میں نے ہی آپ کا نمبر ملایا تھا۔“

”کون؟ میرا مطلب ہے میرا نمبر آپ کے پاس......“

”زیبا نے دیا‘ یقیناً کبھی میرے بارے میں اس نے بتایا ہی نہیں ہوگا۔“

”ہمارے اتنے بے تکلفانہ مراسم نہیں تھے۔ خیر کہیے۔“

”آپ بیوی کے لیے نہیں جاننا چاہیں گے۔“ نھی نے کچھ سنجیدگی سے پوچھا۔

”بیویاں گھر سے نہیں بھاگتیں۔“ زہر میں بجھا لہجہ تھا۔

”وہ میرے پاس ہے‘ بھاگی تو نہیں۔“

”آپ کوئی بھی معنی پہنائیں‘ حقیقت یہ ہے کہ وہ گھر سے بنا بتائے گئی۔“

”حقیقت یہ بھی نہیں ہے‘ فون پر یہ بات نہیں ہوسکتی‘ اگر آپ مل بیٹھ کر بات کرلیں تو بہتر ہوگا۔“

”اسے کہیے کہ خاموشی سے گھر آ جائے‘ مگر میری شرط پر۔“

”مطلب......؟“

”مطلب اسے معلوم ہے۔“ فون دوسری طرف سے بند ہوگیا۔ نھی زیبا کو دیکھنے لگی‘ وہ غمزدہ سی صوفے پر گری گئی تھی۔ نھی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

”اللہ بہتر کرے گا‘ پریشان نہ ہو۔“ نھی نے سمجھایا تو وہ طویل سانس بھر کر رہ گئی۔

❀......❀......❀

”سترہ سو پچاس روپے دے دیجیے۔“ میڈیکل اسٹور کے سیلز مین نے میڈیسن کا بل بناتے ہوئے کہا۔ زیبا ایک دم پریشان سی ہوگئی‘ اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے نھی نے اپنے بیگ سے پیسے نکال کر دے دیے۔



”میں شرمندہ ہوں‘ کچھ پیسے ہیں میرے پاس۔“ زیبا نے میڈیکل اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے کہا تو نھی نے ہلکی سی خفگی بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

”ایسے کیوں کہا؟“

”زندگی کس موڑ پر لے آئی ہے؟“ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

”اچھا اب شکل ٹھیک کرو‘ تمہارے اماں ابا کیا سوچیں گے؟“ نھی نے کہا اور ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشہ رکوایا اور پتہ سمجھا کر دونوں بیٹھ گئیں۔ سارے راستے نھی اسے تسلیاں دیتی رہی...... اپنے گھر پہنچنے تک بچے کی خاطر وہ کافی مطمئن اور مضبوط سا خود کو محسوس کررہی تھی۔

اماں اسے اچانک دیکھ کر نہال ہوگئیں۔ نھی کو بھی انہوں نے خوب پیار کیا۔

”صفدر آیا تو......“

”وہ میں اپنا گھر سیٹ کررہی ہوں اس لیے زیبا کو لے آئی تھی۔“ نھی نے اماں کے بولتے ہی جلدی سے بات سنبھالی۔

”اچھا‘ تم پاکستان آ گئی ہو۔“

”جی خالہ‘ بس اپنا ملک ہی اصل گھر ہوتا ہے۔“

”اور بچے وغیرہ۔“

”کوئی نہیں ہے‘ میں اکیلی ہی آئی ہوں۔“

”اور میاں......؟“

”اماں‘ مجھے کچھ گھبراہٹ ہورہی ہے‘ ابا سے ملتے ہیں‘ تم کچھ ٹھنڈا بنادو۔“ زیبا نے اب کی بار اماں کو اس کی طرف سے ہٹایا۔

”خالہ! آپ نانی بننے والی ہیں‘ کچھ بھی اسے جلدی سے دے دیں۔“ نھی نے شرارت سے کہا تو حاجرہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

”سچ ارے اتنی بڑی خوشی کی خبر صفدر کیوں نہیں بتا کر گیا؟“ حاجرہ نے زیبا کو گلے لگایا‘ پیشانی چومی اور کہا۔

”وہ پہلے اور کیا بتاتے ہیں......؟“ زیبا بڑبڑائی۔

”تم دونوں اندر چلو‘ میں کچھ لاتی ہوں۔“ حاجرہ نے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ اور وہ دونوں وہیں ایک دوسرے کو کچھ دیر دیکھتی رہیں۔

”کتنا دکھ ہوگا اماں کو اگر صفدر کا فیصلہ سن لیں تو۔“

”کچھ بتانے کی فی الحال ضرورت نہیں ہے‘ میں صفدر بھائی سے مل لوں پھر......“ نھی نے دھیرے سے کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔

مگر ابا کے سینے پر سر رکھتے ہی سسکیوں سے رونے لگی۔ کتنے دنوں کا دکھ آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا...... ان کی بوڑھی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔

”اچھا کیا‘ تم آ گئیں‘ میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے‘ زیبا......“ وہ اکھڑی سانس کے ساتھ مشکل سے بولے۔ تو وہ شدت سے رودی۔

”ابا ایسے نہ کہیں‘ میرا اور اماں کا کون ہے؟“

’’زیبا! انکل کی طبیعت خراب ہے تم اور خراب کررہی ہو۔‘‘ ننھی نے اسے سیدھا کرکے کرسی پر بٹھایا۔
’’انکل! آپ ٹھیک ہوجائیں گے۔‘‘ ننھی کے دلاسے پر ابا کو یقین نہیں آیا کرب سے مسکرادیے۔
زیبا کا دل اس کرب سے گھائل ہونے لگا۔ وہ بظاہر ابا کے کندھے دباتی رہی لیکن اندر بیکل کردینے والا دکھ طغیانی پر تھا...... ہر طرف سے مصائب اور مشکلات نے گھیرا ہوا تھا شوہر سے لڑی جانے والی خفیہ جنگ میں دور دور تک اس کے لیے بے آب وگیاں میدان تھا جانے جیت کس کی تھی اور مات کس کو ہونی ہے...... وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان تھی۔
ننھی کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی...... اماں نے اسے روک لیا...... وہ انکار نہ کرسکی طبیعت بھی خراب تھی...... اپنے پلنگ پر دراز ہوئی تو ہوش نہ رہا۔

❀......❀......❀

اس نے ضروری فائلوں کو دیکھنے کے بعد دستخط کیے اور چند لمحے کے لیے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں...... مگر اگلے ہی لمحے فون بجنے لگا۔
’’جی......‘‘
’’میم آپ کی کال ہے۔‘‘ سکریٹری نے کہہ کر لائن تھرو کردی۔
’’ہیلو۔‘‘
’’ویلڈن سوئٹ ہارٹ۔‘‘ بوبی کی آواز آئی تو وہ سنبھلی۔
’’کیسے ہو......؟‘‘
’’فائن۔‘‘
’’کیسے یاد کیا؟‘‘
’’یاد اسے کرتے ہیں جسے بھولتے ہوں۔‘‘ وہ شوخ ہوا۔
’’بوبی! باہر رہ کر بہت شارپ ہوگئے ہو۔‘‘
’’تمہارے لیے تو میں ویسا ہی ہوں۔‘‘
’’مجھے ضروری کام کرنے ہیں باقی پھر سہی۔‘‘ اس نے ٹالا۔
’’میں تمہیں دیکھ رہا ہوں بہت خوشی ہورہی ہے آج اس آفس میں مس شرمین ہیں کل مسز بابر ہوں گی...... جب میں آجاؤں گا......‘‘ بہت خمار آلود لہجہ اور جملہ تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی۔
’’بوبی! پلیز۔‘‘
’’ماما کی ضد ہے میں آجاؤں تم چاہتی ہو نا آؤں۔‘‘
’’نہیں میں نے کب منع کیا؟‘‘ وہ ہکلائی۔
’’آؤں گا تو ایک ہی شرط ہے۔‘‘
’’پلیز بیکار باتیں سننے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔‘‘ اس نے جھنجلا کر فون بند کردیا۔
’’یا اللہ! میں کیا کروں؟‘‘ وہ بڑبڑائی...... ذہن عارض کی طرف گیا تو مزید پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔ عارض تو وہیں کا ہوکے رہ گیا تھا۔
’’اگر آجائے تو کچھ مسئلہ حل ہوجائے۔‘‘ اس نے سوچا۔
’’لیکن کیسے؟ بوبی کا آنا ضروری ہے اس کی ضد برقرار ہے زینت آپا کی بیماری ہے...... کچھ بھی تو اپنی جگہ پر نہیں

زینت آپا کے احسانات کا بدلہ یہ تو نہیں کہ انہیں چھوڑ چھاڑ کر عارض سے شادی کرلی جائے...... اس صورت میں بوبی پاکستان نہیں آئے گا' اور یوں زینت آپا کے کاروبار کا کیا ہوگا......؟" یہ باتیں اس کے دماغ میں فلم کی طرح چل رہی تھیں...... ایسی فلم کی طرح جس کا انجام اسے قطعی معلوم نہیں تھا۔ زندگی گرداب میں پھنس چکی تھی۔ کاش! صبیح احمد تم نے مجھے وقت اور حالات کے سامنے بے بس نہ کیا ہوتا؟ میری منزل پر کھڑے ہو کر تم نے کس بے رحمی سے مجھے واپس لوٹنے کا حکم سنایا' میری محبت' میرے خلوص کو دھتکارا تھا کہ میں اب تک منزل پر نہیں پہنچی؟ عارض کی صورت جو زندگی میں نے منتخب کی ہے اس کے بارے میں سوچ کر دل مضطرب سا ہو جاتا ہے' جانے سکون اور اطمینان کیوں نہیں حاصل' محبت کی شکلیں کیوں بدلتی رہتی ہیں......؟" وہ آنکھیں موندے سوچ رہی تھی کہ موبائل فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ عارض کا فون تھا۔

"ہیلو' بڑی عمر ہے آپ کی......" وہ کچھ خوش ہو کر بولی۔

"جتنی بھی ہے' بس بسر تمہارے ساتھ ہو۔" عارض کی شوخ آواز نے اسے گدگدایا۔

"اچھا...... اچھا کیسے ہو...... کب آؤ گے؟"

"بہت بہتر' ڈاکٹرز نے مجھے اجازت دے دی ہے' میں چل سکتا ہوں' بس ذرا گھوم پھر کے' جلد واپسی ہے...... پھر دو ماہ بعد چیک اپ کے لیے آنا ہوگا۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"شکر ہے اللہ کا۔"

"میں نے بابا سے کہہ دیا ہے کہ چیک اپ کے لیے آؤں گا تو شرمین کو ساتھ لاؤں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے زینت آپا کا آفس ٹیک اوور کیا ہے' وہ بیمار بھی زیادہ ہیں۔"

"اچھا...... اچھا' میں نے اپنے لیے تم سے منگنی کی ہے۔" وہ صاف لہجے میں بولا۔

"میں نے کب انکار کیا ہے......؟"

"تو بس اگلی بار میرے ساتھ آنا ہے۔"

"اچھا' ہنوز دلی دور است۔" وہ بولی تو وہ چلایا۔

"آسان سا جواب پلیز۔" اسے ہنسی آ گئی۔

"اچھا' دیکھیں گے۔" مگر عارض کے اطمینان کے لیے یہ نامکمل سا جواب تھا۔

"میں کچھ نہیں سنوں گا۔"

"اب کوئی اور بات بھی کرلو۔"

"صفدر کا فون آف جا رہا ہے' کئی روز سے بات ہی نہیں ہوئی۔"

"اچھا...... مجھے بھی کافی دن ہو گئے' آج چکر لگاتی ہوں۔"

"گڈ!"

"بس یہاں آفس کا نظام کافی ڈسٹرب ہے' اسے ٹھیک کرنے میں بہت وقت لگے گا۔" اس نے اپنی دانست میں ویسے ہی بتایا' مگر وہ چڑ گیا' کہ شاید اسے سنایا جا رہا ہے۔

"ٹھیک ہے اس آفس سے ہی شادی کرلو۔" فون کھٹ سے بند ہو گیا' شرمین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں' فون دیکھتے ہوئے صدمے سے دل بھر آیا...... کچھ دیر نارمل ہونے میں لگے...... پھر یہ سوچ کر تسکین و تسلی خود کو دی کہ عارض کو اس سے شدید محبت تو ہے...... یہ احساس بھی بہت خوش آئند تھا۔ روتے روتے مسکراہٹ لبوں پر مچل گئی۔



❀......❀......❀

تیری یادیں کانچ کے ٹکڑے

اور میرا دل

ننگے پاؤں!!

بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے وہ کافی دیر سے اپنے اور زیبا کے تعلق پر غور کر رہا تھا۔ کمرے میں اس کی مہک قائم تھی' صوفے پر اس کا سبز دوپٹہ پڑا تھا' بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر بال باندھنے والا ریشمی رومال پڑا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر کانوں کی بالیاں موجود تھیں۔ واش روم کے باہر سیاہ سلیپر رکھے تھے۔ وہ سب سے نظریں چرانے کی ناکام کوشش میں صرف اپنے اعصاب کو تھکا رہا تھا۔ اسے نہ یہ یقین تھا کہ زیبا لوٹ کر آئے گی یا ہمیشہ کے لیے چلی گئی...... اسے زچ کردے گی یا خاموشی سے بات مان لے گی...... مگر ہر صورت میں گھر تو بکھر جائے گا...... اور ایسے میں وہ ماں کو اور باہر جان پہچان والوں کو کیا بتائے گا؟ وہ جانے کہاں رہ کر کس کس کو کیا کچھ بتا رہی ہوگی' میرے بچے کے حوالے سے الزامات کی بارش مجھ پر برسا رہی ہوگی' سب مجھے سفاک اور ہرجائی سمجھیں گے' کوئی یہ نہیں یقین کرے گا کہ مجھے وہ بچہ کیوں نہیں چاہیے؟ اس سے میرا خونی تعلق ہے مگر روحانی نہیں...... میرا دماغ' میرا دل اس کو تسلیم نہیں کر رہے......" اتنا کچھ سوچنے کے بعد اسی طرح کچھ تکیے پر جھکا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور شرمین کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر فوراً سیدھا ہو گیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام آپ اس وقت خیریت۔" صفدر نے کہا۔

"آپ جو اتنے دنوں سے آئے نہیں' کوئی خیر خبر نہیں تھی' اس لیے خود آ گئی۔" شرمین نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بس شرمین بہن آفس کی مصروفیت بہت ہے آج کل۔" وہ بمشکل ٹال سکا۔

"بھابی نظر نہیں آ رہی۔"

"ہاں وہ چلی گئی ہیں۔" وہ ایکدم کہہ گیا۔

"کہاں؟"

"وہ اپنے گھر گئی ہیں۔" وہ ہکلایا۔

"اسی لیے آپ اداس بیٹھے ہیں۔" شرمین نے مسکرا کر کہا۔

"آپ سناؤ' عارض کی سناؤ۔" وہ بے ربط سی باتیں کر رہا تھا۔ شرمین کو صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"صفدر بھائی آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"ارے نہیں' ایسی کوئی بات نہیں' بس تھکا ہوا ہوں۔" وہ کمال ہوشیاری سے ٹال گیا۔

"اچھا' عارض نے کہا کہ آپ سے کئی روز سے بات نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے' کرلوں گا' ذرا مصروفیت کم ہو جائے۔"

"اچھا ہوا بیٹی تم آ گئیں' اب تم ہی صفدر کو سمجھاؤ۔" اسی اثنا میں جہاں آرا چائے لے آئیں اور براہ راست شرمین سے مخاطب ہوئیں۔

"جی بتائیے۔" شرمین نے پوری توجہ سے پوچھا۔

"بیٹا اسے سمجھاؤ میری بہو کو لے آئے۔" انہوں نے برملا کہا۔

"امی وہ اپنے گھر گئی ہے' خود آ جائے گی۔" صفدر جھنجلا کر بولا۔

"کیوں خود آ جائے گی' تم جا کر لے آؤ۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"اچھا' اچھا لے آئیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔" شرمین نے جلدی سے کہا۔

صفدر اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تو شرمین نے اندازہ لگایا کہ کوئی مسئلہ ہے؟

"یہ صفدر جانے کیوں زیبا کو لانا نہیں چاہتا' وہ اس کی وجہ سے گئی ہے۔"

"کیا وجہ ہوگی؟ سب ٹھیک ہو جائے گا' میں پوچھوں گی۔" شرمین ان کی نم آلود آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے لگتا ہے صفدر کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے۔" وہ رقت آمیز لہجے میں بولیں۔

"ارے نہیں...... نہیں' صفدر بھائی ایسے نہیں ہیں۔" اسے ہنسی آ گئی۔

"یہ موئی محبت بری بلا ہے۔"

"ہا...... ہا...... ہا......" انہوں نے اس طرح کہا کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میرا آنگن تو سونا ہی رہ گیا نا۔"

اللہ نہ کرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے تسلی دی اور انہیں بازوؤں میں بھر کے پیار کیا۔

❁......❁......❁

وہ ٹی وی لاؤنج میں زینت آپا کی عدم موجودگی کے باعث سمجھ گئی کہ وہ شاید سو گئی ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک ہو...... یہ سوچ کر پہلے اپنے کمرے میں آ گئی' فوراً ہی عادل بابا آ گئے۔

"کھانا لگاؤں چھوٹی بی بی۔"

"ہنہ...... لیکن زینت آپا......" اس نے پوچھا۔

"وہ بوبی بابا سے فون پر بات کر رہی ہیں' کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گی۔"

"اچھا' طبیعت کیسی ہے ان کی۔"

"بس ویسی ہی ہے' اب کچھ خوش تھیں۔" بابا نے بتایا۔

"آپ کھانا ان کے کمرے میں لے آئیں' ہم وہیں کھائیں گے۔" وہ کہہ کر واش روم میں گھس گئی اور فریش ہو کر زینت آپا کے کمرے میں پہنچی تو وہ واقعی خوش نظر آئیں۔

"شرمین! میری بیٹی آؤ میرے قریب۔" زینت آپا نے محبت سے بانہیں پھیلائیں تو وہ ان میں سما گئی۔

"کیا بات ہے' بہت خوش ہیں؟"

"بات ہی ایسی ہے' شرمین۔"

"تو جلدی سے بتائیں۔"

"بوبی آ رہا ہے۔"

"اچھا' یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔"

"شرمین! وہ ضد پر تو قائم ہے لیکن سمجھ جائے گا۔" انہوں نے دل بہلانے کی خاطر بڑی نرمی سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"آپا! مجھے پھر یہاں سے جانا ہوگا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں' کیوں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ مجھ پر بھروسہ نہیں؟" انہوں نے اسے سینے سے لگایا۔

"آپا! بات بھروسے کی نہیں ہے' اصول کی ہے' بوبی کو اپنا بزنس سنبھالنا ہے' وہ اسی کی جگہ ہے۔" اس نے ان کا ہاتھ



اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا تو وہ اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے بولیں۔

"تمہارا اپنا مقام ہے اور بوبی کا اپنا۔ وہ تو ابھی نادانی کے سفر میں ہے۔"

"اس کی نادانی ہی تو خوفزدہ کرتی ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"امید ہے کہ وہ اب سمجھ سکے گا۔" زینت آپا کے لہجے میں خوف کی سی بے یقینی موجود تھی۔ شرمین نے ان کی تسلی کے لیے کہا۔

"آپ مجھے جانے دیں' پھر یہ خوف آپ کو بھی پریشان نہیں کرے گا۔"

"ہرگز نہیں' پرسکون ہو جاؤ' اللہ بہتر کرے گا' میری طبیعت مستقل خراب رہتی ہے۔" زینت آپا نے نمناک آنکھوں سے دیکھا۔

"اچھا' آپ پریشان نہ ہوں' فی الحال تو اٹھیں اور میرے ساتھ کھانا کھائیں۔" ان کی دلجوئی کی خاطر وہ مسکرا کر بولی تو وہ بھی مسکرا دیں۔ مگر دونوں اپنی اپنی جگہ شاید متفکر سی تھیں۔ ایک دوسرے سے چھپانے کے لیے پرسکون نظر آنے کی اداکاری کر رہی تھیں۔ زینت آپا کی فکر اور پریشانی شرمین سے مختلف اور جدا نہیں تھی' فرق اتنا تھا کہ شرمین بوبی کی ضدی فطرت اور اڑیل طبیعت سے واقف تھی اسے سمجھانا بہت دشوار تھا' وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تو زینت آپا نے ہولے سے پکارا۔

"شرمین! وہم نہ کرو۔"

"آپا! بوبی کی سوچ بالکل بھی نہیں بدلی۔"

"اسے بدلنا پڑے گی بس تم فکر نہ کرو۔" انہوں نے بہت یقین سے کہا تو اسے ان کی خاطر یقین سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر سجانی پڑی' مگر دل وسوسوں سے بھرا رہا' ایسے میں عارض کا خیال آیا...... وہی منزل تھی اب تو...... مگر حالات کا اونٹ جانے کس کروٹ بیٹھے' یہ بھی تو ایک مشکل سوال تھا...... کیونکہ انسان چاہتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔

کمرے میں ہلکی سی زرد روشنی پھیلی تھی...... مگر وہ بالکنی میں کھڑی چاند تاروں کی سفید روشنی میں دور تک اپنی منزل کا نشاں ڈھونڈ رہی تھی جو کہ اب تک اس کی نظروں کے سامنے آ کر ہمیشہ اوجھل ہوتا رہا۔ پہلی پسند' پہلا جنون' منزل کی شکل دھارنے کے بعد ختم ہو گیا۔ دوسری محبت ملی بھی تو جانے کیوں بے یقینی کی سی کیفیت نے دل کو مٹھی میں لے رکھا تھا' قسمت نے ہمیشہ اس کے ساتھ انوکھا کھیل ہی کھیلا' محبت کے معنی اور مفہوم ہی بدل کے رکھ دیئے...... فکر اب یہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے' بوبی کی آمد سے دل و دماغ مضطرب ہو گئے تھے۔

"شرمین! تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا' تمہیں یہاں سے جانا ہوگا' بوبی زینت آپا کی اکلوتی اولاد ہے' اس نے تو یہاں رہنا ہے' زینت آپا کی بیماری بیٹے کی موجودگی میں کم ہو جائے گی' ایسے میں تمہارے رہنے سے ماحول خراب ہوگا۔" دماغ میں سوالات اٹھے تو وہ بیکل سی ہو گئی۔

"ہاں! مجھے جانا ہی ہوگا' مگر کہاں کس کے پاس؟ عارض تو پردیس میں ہی جیسے آباد ہو گیا ہے اور زینت آپا کو کیسے راضی کروں' وہ تو قطعاً نہیں جانے دیں گی۔" خود کلامی کرتے ہوئے کمرے میں آ کر ٹہلنے لگی۔ تو فون کی گونج نے چونکا دیا۔ اسکرین پر بوبی کا نام دیکھتے ہی جھٹکا لگا' مگر پھر کچھ سوچ کر ہمیشہ کی طرح اس نے بردباری کا مظاہرہ کیا۔

"ہائے بوبی۔"

"ہائے ڈارلنگ!" حسب معمول اس کی شوخ آواز آئی۔ شرمین کے ماتھے پر سلوٹیں بنیں' مگر وہ ضبط کر گئی۔

"ہاں بولو۔"

"ہر پل، ہر گھڑی یاد کرتا ہوں، اس وقت بہت یاد آئی تو فون کرلیا۔"
"او! شکریہ، کیسے ہو؟" وہ یکسر ٹال گئی۔
"شرمین!" اس نے مخمور لہجے میں پکارا۔
"جی بولو۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔
"مجھے محسوس کرو۔"
"مطلب؟" سمجھنے کے باوجود انجان بن کر پوچھا۔
اپنے سے بہت قریب، بہت اپنا جان کر وہ بہکتے ہوئے اور سفر طے کرتا اگر وہ سیخ پا ہو کر چلا نہ اٹھتی۔
"بوبی! حد میں رہو۔"
"شرمین! تم ہی تو میری محبت کی حد ہو، سرتاپا میری محبت کی جائز حد۔"
"اوہ...... افسوس تم بڑے نہ ہو سکے۔" اس نے کہہ کر غصے سے فون بند کر کے بیڈ پر اچھال دیا اور خود لمبے لمبے سانس بھر کے نارمل ہونے کی کوشش کرنے لگی لیکن فون کی آواز نے پھر سے مشتعل کر دیا، غصے میں فون اٹھایا اور چلائی۔
"بوبی مجھے تمہاری وجہ سے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔"
"ارے ارے، کیا کر دیا بوبی نے؟" دوسری طرف سے عارض کی آواز ابھری تو وہ چونکی۔
"عا...... عارض۔"
"بوبی پر اتنا غصہ سرکار۔"
"عارض! تم نے کب آنا ہے۔ میں بوبی کے آنے سے پہلے یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" وہ بولتی چلی گئی تو عارض کو کسی حد تک اندازہ ہوا۔
"یو مین، بوبی پرابلم ہے۔"
"ہنہ، میں اس کی بچکانہ فرمائش افورڈ نہیں کر سکتی۔"
"میں اس ماہ میں آ جاؤں گا، لیکن یار میں بوبی سے جیلس ہو رہا ہوں۔"
"عارض! پلیز، مجھے صرف زینت آپا کا خیال ہے ورنہ میں یہ گھر کب کا چھوڑ دوں۔"
"تو چھوڑ دو۔ صفدر کی طرف شفٹ ہو جاؤ۔"
"نہیں، صفدر بھائی کے اپنے فیملی ایشوز ہیں اور پھر زینت آپا کی شوگر شوٹ کر جاتی ہے، بلڈ پریشر کا پتا نہیں چلتا۔" وہ بولی۔
"تو پھر صبر کرو، میں آ جاؤں گا سب مسائل حل ہو جائیں گے۔"
"مگر میں سخت الجھن کا شکار ہو گئی ہوں۔"
"ویسے وہ ہے بہت مستقل مزاج۔" عارض نے ذرا شرارت سے کہا۔
"ہنہ...... ابھی تک تو یہی لگتا ہے۔"
"بیوقوف ہے۔" عارض نے کہا۔
"شاید اس کی نظر میں محبت ایک لطیفہ ہے۔" شرمین نے کہا۔
"تو پھر انجوائے کرو، ہنسو کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔"
"بس کبھی کبھی خوف آنے لگتا ہے۔"



"اچھا، اب کوئی اور بات کرو۔"
"بس جلدی آ جاؤ۔"
"شرمین! تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو۔"
"بس اتنی جو حقیقت میں ہونی چاہیے۔"
"مطلب۔" وہ چونکا۔
"مجھے محبت کا ڈرامہ پسند نہیں، جتنا تم چاہتے ہو شاید اس سے کم۔" اس نے سادگی سے کہہ دیا اور اگلے ہی لمحے فون بند ہو گیا، وہ کچھ غیر یقینی سی کیفیت کے ساتھ فون کو گھورتی رہی، اور یہ سوچتی رہی کہ عارض نے فون خود بند کیا ہے یا لائن کٹ گئی...... ؟ پھر خود فون ملایا مگر دوسری طرف سے فون آف تھا۔

❀......❀......❀

بڑے عرصے بعد ہلکی پھلکی دھوپ پھیلی تھی تو وہ پردہ سرکا کے بند کھڑکی سے تھوڑا سا شیشہ بھی ہٹا کے باہر کا نظارہ کرنی لگی...... باہر چہل پہل تھی، لوگ بھاری گرم کپڑوں کا وزن کم کر کے باہر نکلے تھے...... اس نے بھی ارادہ بنایا اور کھڑکی سے پلٹ کر اپنے جوتے کسے اور کمرے سے باہر نکل آیا...... آغا جی کافی کے مگ لیے آ رہے تھے اسے دیکھ کر بولے۔
"ینگ مین، کدھر؟"
"بس ذرا بور ہو گیا ہوں باہر جا رہا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ٹھٹکے۔
"ہے...... ہے، یہ موڈ کو کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں، بس رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی۔"
"بیٹھو، کافی پیو۔" انہوں نے میز پر مگ رکھتے ہوئے کہا اور خود بھی سامنے بیٹھ گئے۔
"بابا، دل نہیں چاہ رہا۔"
"یار! رات...... رات میں کیا ہو گیا؟"
"بابا!" وہ ٹھٹکا۔
"مائی ڈیئر، بتاؤ، شاباش۔" انہوں نے کافی کی چسکی لی۔
"بس مجھے خود ابھی اندازہ نہیں، بٹ کوئی ڈسٹربنس ہے میرے اندر۔"
"تو اسے باہر نکالو، شیئر کرو، مجھ سے نہ سہی، صفدر سے یا پھر شرمین سے۔" انہوں نے کہا تو شرمین کے نام پر اس کے چہرے پر پھیکا سا تاثر ابھرا مگر کمال اداکاری سے وہ چھپا گیا۔
"کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں، صفدر خود بہت ڈسٹرب ہے۔"
"خیریت؟"
"اس کی مسز کا ایشو ہے۔"
"تو یار! حل کراؤ، گھر کا سکون مفاہمت میں ہوتا ہے۔"
"اور دل کا سکون؟" وہ بے دھیانی میں پوچھ بیٹھا۔
"محبت میں، اعتبار میں۔" وہ یہ کہہ کر رکے اور بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے دوبارہ بولے۔
"خیر تو ہے، یہ سوال کیوں پوچھا؟"

”ویسے ہی بابا۔“ بناوٹی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔
”خیر‘ ہم کب کی سیٹیں کرائیں۔“ انہوں نے کچھ سوچ کر اصرار نہیں کیا۔
”کرالیں گے جلدی کیا ہے؟“
”ہیں......؟“ آغا جی کو حیرت ہوئی۔
”میں باہر سے ہو کر آتا ہوں۔“ اس نے ٹالا۔
”مجھے بھی ساتھ لے چلو۔“
”شیور آئیے۔“
”اچھا آپ اکیلے جاؤ‘ مگر تیز قدم نہیں اٹھانے۔“
”آپ چلیں۔“
”نہیں‘ میں نے منیجر کو بلایا ہے‘ کچھ کام نپٹانے ہیں۔“
”اوکے! اللہ حافظ۔“ وہ کہہ کر باہر نکل آ گیا...... مگر باہر نکلتے ہی اس پر وہی کیفیت طاری ہوگئی‘ جس نے رات بھر اسے سونے نہیں دیا...... بلکہ جب سے فون پر بات کی تب سے یہی حال تھا کہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا‘ پاکستان جانے کی خوشی بھی جیسے کرکری ہوگئی تھی۔ بابا کے الفاظ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔
”محبت میں‘ اعتبار میں......“ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا مین مارکیٹ کی طرف نکل آیا‘ دائیں بائیں خوبصورت اسٹورز‘ دکانیں‘ اشیاء سے بھری اور سجی دعوت خرید دے رہی تھیں‘ مگر وہ بیزار سا سب پر نظریں ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا‘ اسے کچھ نہیں خریدنا تھا‘ کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
”عارض! کیا ہوگیا ہے تمہیں......؟ کس بات نے یوں ہر شے سے بیگانہ کردیا ہے؟“ ذہن میں یہ دو سوال ابھرے تو وہ بڑبڑایا۔
”شرمین! تم نے مجھے مٹادیا۔“ پھر اپنے ہی جملے کے زیر اثر وہ گھنٹوں سڑکیں ناپتا رہا۔

❁......❁......❁

تڑپتی رہی ہے آس کی کرنوں پہ زندگی
لمحے جدائیوں کے ماہ و سال ہوگئے

مسلسل دس پندرہ منٹ سے سلائس کا ٹکڑا انگلیوں میں دبائے وہ کسی سوچ میں غلطاں تھی۔ زینت آپا نے چائے کا کپ بھی خالی کر کے رکھ دیا مگر وہ کھوئی رہی‘ تو انہیں بولنا پڑا۔
”شرمین!“
”ہنہ‘ ہنہ‘ جی۔“ وہ چونکی۔
”پریشان ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔
”نہیں‘ بالکل نہیں۔“
”بالکل ہو‘ آنکھیں دیکھو‘ چہرہ دیکھو اور ہاتھ میں پکڑا سلائس کا ٹکڑا ہی دیکھ لو۔“
”آپا کچھ خاص نہیں‘ وہ آج ایک ٹینڈر بھرنا ہے‘ اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔“ وہ ٹال کر جلدی سے پلیٹ پر جھک گئی۔
”مجھے پریشانی کی وجہ معلوم ہے۔“



”بھلا کیا؟“ اس نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔
”بوبی...... اس کی وجہ سے۔“
”ارے نہیں‘ نہیں آپا آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں‘ کیا میں آپ کی خاطر بوبی کی باتیں نظر انداز نہیں کرسکتی۔“ اس نے محبت پاش نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وہ کھل اٹھیں‘ مگر پھر بھی اندر سے متفکر ضرور تھیں۔
”اس کی ضد انوکھی ہے‘ اس ناسمجھ بچے کی سی ہے جو آگ سے کھیلنا چاہے۔“
”چلیں چھوڑیں۔“
”شرمین! پلیز مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔“ ان کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔
”ارے آپا آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں‘ میرا کون ہے آپ کے سوا۔“ وہ تیزی سے اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔
”پھر پریشانی کیسی؟“
”پریشانی کی اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں۔“ اس نے کافی سنجیدگی سے کہا۔
”پھر بھی بتاؤ تو سہی۔“
”فی الحال دیر ہو رہی ہے‘ پھر بات کریں گے؟“
”شرمین! شام کو وقت نکال کر کچھ بیڈ شیٹس اور ٹاولز خرید لانا۔“
”جی بہتر‘ یقیناً بوبی کی وجہ سے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر مسکرا دیں۔
”اور آپ کے لیے کچھ لانا ہے کیا؟“
”نہیں‘ باقی فروٹس‘ سبزیاں وغیرہ تو شیر دل بابا لے آئیں گے۔“
”رات مجھے واپسی میں شاید دیر ہو جائے آپ کھانا کھا کر میڈیسن کھا لیجیے گا۔“
”خیریت۔“
”وہ ذرا صفدر بھائی کی طرف جاؤں گی۔“
”اچھا...... اچھا۔“
”اوکے اللہ حافظ۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی...... مگر زینت دیر تک اس کے متعلق سوچتی رہی...... کتنا غنیمت تھا اس کا وجود‘ اس کی موجودگی...... اگر وہ نہ ہوتی تو کتنی تنہائی اور کتنی پھیکی سی زندگی ہوتی‘ اتنے بڑے گھر میں رہنا مشکل ہو جاتا۔
”کچھ بھی ہو مجھے شرمین کی خوشی عزیز ہے۔“ انہوں نے سوچا اور مطمئن ہوگئیں۔
”بیگم صاحبہ! میں مارکیٹ جا رہا ہوں۔“
”ٹھیک ہے آڑو ضرور لائیے گا۔“
”جی شرمین بی بی نے لسٹ بنادی ہے۔“
”اچھی بات ہے‘ نصیبن سے کہو میرا کمرہ صاف کر کے باقی صفائی کرے۔“
”جی بہتر۔“ شیر دل بابا یہ کہہ کر اندر کی طرف چلے گئے۔

❁......❁......❁

خالی ذہن اور خالی آنکھوں کے ساتھ وہ کمرے کی چھت گھور رہی تھی کہ جھٹکے سے دروازہ کھلا اور صفدر اندر آ گیا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔
”میری زندگی کو جہنم بنا کر خود کتنے سکون سے آرام کر رہی ہو۔“ اس نے آتے ہی براہ راست حملہ کیا...... وہ زیبا کے

لیے خلاف توقع تھا..... وہ کچھ بول نہ سکی تو وہ خود ہی بولا۔

"بولو..... میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔"

"کیا بولوں؟ بچا ہی کیا ہے۔"

"کچھ نہیں بچانا مجھے..... جو کہا ہے اس کا جواب دو۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کون سا جواب؟"

"مجھے تم سے اپنا بچہ نہیں چاہیے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

"اور مجھے اپنا بچہ چاہیے۔" وہ برابر کھڑے ہو کر بولی۔

"تو پھر میرے گھر میں تمہاری جگہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے مجھے آزاد کردو۔" بہت بڑی بات بڑے اطمینان سے وہ کہہ گئی۔ صفدر بھونچکا رہ گیا۔

"بنا باپ کے نام کا بچہ.....؟" وہ بولا۔

"اللہ میرے بچے کے باپ کو سلامت رکھے۔" وہ مضبوط اور توانا لہجے میں بولی۔

"میری بھول کو کچھ اور نہ سمجھو تمہارے وجود سے مجھے گھن آتی ہے۔"

"تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا' اب مجھے آپ سے نہیں اپنے بچے سے دلچسپی ہے۔" وہ سینہ تان کر نظریں ملائے ہوئے بولی تو وہ سیخ پا ہو گیا۔

"مگر میں اپنا احساس تم سے نہیں چاہتا..... اور تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"آپ کے چاہنے نہ چاہنے کی مجھے طلب نہیں' آپ کا ظرف تنگ ہو گیا ہے اب' میری ممتا کا احساس نہیں۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔

"ہنہ..... آلودہ کوکھ سے ممتا کا احساس۔" وہ طنزیہ غرایا۔

"وہ گناہ ہو سکتا ہے' مگر یہ نہیں۔"

"یہ ضد ہے۔"

"نہیں میرا فیصلہ۔"

"میرے گھر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔"

"کر کیجیے' سفاک باپ بن جائیے' مگر میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔" وہ ڈٹ گئی۔

"سوچ لو۔"

"سوچ لیا۔"

"میں اپنا نام نہیں دینے دوں گا۔"

"حقیقت کو کون بدل سکتا ہے آپ لاکھ نہ دیں وہ ہے تو آپ کا....." وہ طنزیہ ہنسی۔

"میری بھول کو اپنی فتح سمجھ رہی ہو۔"

"افسوس! آپ اپنے حق کو بھول کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں اس بھول سے بھی منکر ہو جاؤں گا۔ پھر یہ بچہ لے کر ثابت کرتی رہنا کہ کس کا ہے.....؟" وہ تن کر بولا۔ زیبا کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ نفرت میں وہ اس حد تک جا سکتا ہے یہ اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔

"صفدر! آپ ایسا بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"ہنہ! اب ٹھنڈے دماغ سے سوچو میں آسانی سے اپنی ماں کو یہ بتا سکتا ہوں کہ اصلیت کیا ہے؟ اور یوں تم سے اور تمہاری ضد سے مستقل نجات مل جائے گی۔" وہ یہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا اور وہ چکرا کر بیٹھ گئی۔ حاجرہ چائے لے کر آئیں تو صفدر کی عدم موجودگی کے باعث بولیں۔

"صفدر کہاں گیا؟"

"اماں وہ چلے گئے۔"

"خیر ہے اتنی عجلت کیا تھی؟"

"ضروری کام یاد آ گیا تھا۔" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

"ساتھ لے جانے آیا تھا کیا؟"

"نہیں۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، بس ویسے ہی۔" وہ جھنجلا گئی۔

"چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" اماں نے ایک دم سنجیدگی سے کہا تو وہ بھڑک اٹھی۔

"بوجھ بن گئی ہوں، داماد لے جانا نہیں چاہتا اور آپ لے جانا چاہتی ہیں۔"

"کیوں نہیں لے جانا چاہتا یہی تو پوچھ رہی ہوں، بتاؤ۔"

"بس چھوڑ دیں اس بات کو۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی تو فکرمندی کے بہت سے در حاجرہ بیگم کے لیے کھل گئے۔ انہیں سب کچھ غلط سا لگنے لگا۔ صفدر کا آندھی طوفان کی طرح آنا اور جانا ہی کسی بڑی پریشانی سے کم نہیں تھا...... وہ بے دم سی ہو کر کچھ دیر وہیں بیٹھی رہیں، ڈھیر سارے وسوسوں نے گھیر لیا۔

❁......❁......❁

وہ کمپیوٹر پر آفس ورک کر رہا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ چونکا، جہاں آرا تو دستک دیتی نہیں تھیں، ان کے سوا اور گھر میں کوئی تھا نہیں، پھر کون ہو سکتا ہے؟

"کون......؟"

"صفدر بھائی، میں اندر آ جاؤں۔" شرمین نے پوچھا تو وہ تیزی سے کرسی سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

"شرمین بہن! خیریت اس طرح اچانک۔"

"کیوں میں نہیں آ سکتی کیا؟" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"آپ کا اپنا گھر ہے۔"

"آپ کی گھر والی کہاں ہیں؟" چاروں طرف نظر دوڑا کر زیبا کی عدم موجودگی کے متعلق پوچھا۔

"اپنے گھر۔"

"اچھا! اسی لیے کمپیوٹر میں مصروف تھے۔"

"آپ سناؤ کیسی ہیں؟" وہ یکسر ٹال گیا۔

"صفدر بھائی! عارض کی سنائیں۔" دل کی شدید تکلیف کا اس نے برملا اظہار کر دیا۔

"کیوں؟ کیا آپ سے رابطے میں نہیں ہے؟"



"اس کا فون مسلسل آف جا رہا ہے، بات ہوتے ہوتے بند ہوا اور اب تک بند ہے۔" وہ بتاتے ہوئے خاصی مضطرب ہو گئی تو صفدر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا، وہ بہت متفکر سی تھی۔

"تو پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"ہاں ٹھیک لیکن عارض نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا؟"

"اس کا فون واقعی آف ہے، مگر اس کی چھتیس ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں، فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، صفدر نے اسے کافی تسلی بخش لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی، مگر اسے نہ یقین آیا اور نہ وہ مطمئن ہوئی۔

"وہ امریکہ میں ہے صفدر بھائی، وہاں سے رابطہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔"

"خیر ہے آپ کچھ مضمحل سی ہیں۔"

"نہیں، بس زندگی میں ایسے حالات کو رخ بدلتے دیکھا ہے کہ طبیعت غیر مطمئن سی رہتی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

صفدر نے چند لمحے توقف کیا اور پھر بولا۔

"بدلتے حالات ہی کا نام زندگی ہے۔"

"مگر میں نے زندگی کو ہی ناقابل یقین پایا ہے، لمحوں میں صدیوں کی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے بولی۔

"عارض کے لیے اتنی فکرمندی تشویشناک ہے۔" صفدر نے ہلکی سی شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تشویش کی بات تو نہیں ہے لیکن عارض کی خاموشی بس عجیب سی ہے۔"

"نہ فکر کریں، کوئی وجہ ہوگی۔" صفدر نے کہا۔

"لو بیٹا! کھانا کھاؤ۔" جہاں آرا بیگم ٹرے اٹھائے آئیں تو گفتگو کا رخ بدل گیا۔

"آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟" شرمین نے اٹھ کر جلدی سے ٹرے پکڑی۔

"امی! میں خود لے آتا آپ کو کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی اور کیا خود لے آتے، بیوی کو میکے سے تو لا نہیں سکے۔" جہاں آرا بیگم یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئیں تو صفدر نے کچھ شرمساری سے شرمین کی طرف دیکھا۔ شرمین کے ذہن میں بھی تشویش سی بیدار ہوئی۔

"ویسے صفدر بھائی!" شرمین کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"زیبا اور میرے بیچ اختلاف چل رہا ہے، امی کو اس کا علم نہیں، ممکن ہے زیبا واپس نہ آ سکے۔" صفدر نے خود ہی اس کی زبان پر آئے سوال کا جواب دیا۔

"اللہ خیر! ایسا کیا مسئلہ ہو گیا؟" شرمین نے تاسف سے بے ساختہ کہا۔

"چھوڑیں پھر سہی، کھانا کھائیں۔" صفدر نے ٹال کر ٹرے میں سے پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"آپ مجھے بہن کہتے ہیں تو اعتبار بھی کر سکتے ہیں۔"

"بالکل! لیکن ابھی معاملہ کلیئر نہیں ہوا، بتا دوں گا۔" اس نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے کہا تو اس نے مزید نہیں کریدا۔ چپ چاپ کھانا شروع کر دیا۔

❁......❁......❁

یاد ماضی میں جو آنکھوں کو سزا دی جائے
اس سے بہتر ہے کہ ہر بات بھلا دی جائے

جس سے تھوڑی سی بھی امید زیادہ ہو کبھی
ایسی ہر شمع سر شام جلادی جائے
میں نے اپنوں کے رویوں سے یہ محسوس کیا
دل کے آنگن میں بھی دیوار اٹھادی جائے

الماری سے دراز کی ایک ایک چیز نکال کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال کے کچھ ذہنی سکون ملا مگر ننھی نے آ کر پھر سے ارتعاش پیدا کردیا۔

"یہ سبز باغ نہ دیکھے ہوتے تو یوں ان کی قبر پر سوگوار نہ بیٹھنا پڑتا۔"

"یہ قبر تو نہیں کوڑے کا ڈھیر ہے۔"

"پھر اٹھو اس کوڑے کے ڈھیر سے اپنا حلیہ دیکھو تمہارا بچنا محال ہے بچہ کیا خاک بچے گا۔" ننھی نے پھلوں کا شاپر اور جوس بسکٹ کا شاپر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں رہوں نہ رہوں میرا بچہ سلامت رہے گا صفدر کے ضمیر کو جھنجوڑنے کے لیے۔"

"اسے سلامت پیدا کرنے کے لیے تمہارا سلامت رہنا ضروری ہے اٹھو جلدی سے تیاری پکڑو ڈاکٹر سے ٹائم طے ہے۔" ننھی نے یاد دلایا تو اسے یاد آیا۔

"اوہ! میں بھول گئی دراصل ابا کی طبیعت بہت خراب ہے ان کے پاس ہم دونوں میں سے کسی کا رہنا بہت ضروری ہے۔" وہ پوری ہمت کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہسپتال داخل نہ کرادیں۔" ننھی نے کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا آخری اسٹیج ہے ہم ذہنی طور پر تیار ہیں۔"

"اوہ! میرے خدا۔" دکھ سے ننھی نے کہا۔

"کوئی ایک دکھ نہیں ہے۔"

"صفدر بھائی پھر نہیں آئے۔"

"نہیں۔"

"فون کیا؟"

"نہیں۔"

"میرا دل چاہتا ہے میں جا کر خوب کھری کھری سناؤں۔" ننھی ایک دم اشتعال میں آ گئی۔

"ضرورت نہیں۔ وہ سخت گیر مرد ہے۔"

"حد ہے بھئی اپنی اولاد کے لیے بھی۔"

"ہاں میری وجہ سے۔"

"چلو تمہیں نہ سہی اپنی اولاد کو تو قبول کریں۔"

"چھوڑو اس قصے کو۔ فیصلہ میں نے کیا ہے میں نہ اپنا بچہ کھونا چاہتی ہوں اور نہ صفدر کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"اور وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"جو تمہیں بتایا تھا۔"

"یعنی......" ننھی کی زبان پر اور کچھ نہ آیا۔



"ہاں! وقت فیصلہ کرے گا۔"

"اچھا جلدی تیار ہوجاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے الماری سے اپنا استری شدہ سوٹ نکالا اور باہر چلی گئی۔

"یہ بڑی قامت والے کس قدر چھوٹے ظرف کے مالک ہوتے ہیں بڑے بڑے دعوے کرکے چھوٹے کھوکھلے لفظوں سے مات کھا جاتے ہیں۔ کوئی ان کو یہ یاد نہیں دلاتا کہ مرد کی تنگ دلی اور چھوٹا ظرف اسے زیب نہیں دیتے۔ ایک لرزش کی اور کتنی بڑی سزا دینی ہے۔ یا خدا! میری سہیلی کو اس کرب ناک آزمائش سے نکال دے رحم ڈال دے صفدر بھائی کے دل میں۔" ننھی نے خلوص نیت کے ساتھ دعا کی اس کے اپنے مسائل کیا کم تھے جو سہیلی کا دکھ بھی دیکھنا پڑ رہا تھا۔ محبت کا کھیل کھیلنے والا تو جانے کس ڈگر کو گیا...... ان جھوٹے لفظوں پر اعتبار کرکے کتنا کٹھن سفر طے کرنا پڑ رہا ہے۔ ننھی کو خیالوں میں کھویا دیکھ کر زیبا نے کہا۔

"خیریت! کس بات پر سوچ رہی ہو؟"

"آں کچھ نہیں تیار ہو چلیں۔"

"ہاں چلو۔" زیبا نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور دونوں باہر آ گئیں۔

❁......❁......❁

عائشہ میٹرنٹی ہسپتال کے ساتھ ہی میڈیکل اسٹور سے اس نے زینت آپا کی میڈیسن خریدیں اور گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی کہ مرزا نوازش نے تیزی سے پاس پہنچ کر کہا۔

"ہم پر بھی نظر کرم ڈال لیا کرو۔" شرمین کی پیشانی پر سلوٹیں ابھریں مگر کچھ فاصلے پر کھڑے چند افراد کی وجہ سے نرمی اختیار کی۔

"خیریت آپ یہاں؟"

"ہم تو تمہارے راستے میں پڑے ہیں۔"

"نوازش صاحب آپ کس مٹی سے بنے ہیں۔" وہ دانت کچکچا کے بولی۔

"شرمین تمہارے ٹھاٹھ دیکھ کر رشک آتا ہے لیکن تنہا کب تک جوانی کا بوجھ اٹھاؤ گی۔" انہوں نے سیاہ چمکیلی گاڑی کی چھت پر اپنی ایک انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنی حد میں رہیں۔" وہ چلا ہی پڑی۔

"شرمین مجھے تم سے محبت ہے، جو مجھے ہر پل ہر لمحہ بیکل رکھتی ہے۔"

"پوچھ سکتی ہوں آپ میٹرنٹی ہسپتال میں کیا کرنے آئے تھے؟" اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"وہ......وہ کم بخت داخل ہے۔" وہ کڑوا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"کون سر......؟"

"میری منحوس بیوی۔"

"اچھا منحوس بیوی یقیناً میٹرنٹی ہاسپٹل میں بلاوجہ داخل نہیں ہوئی ہوں گی۔" وہ بھی بڑی تسلی سے کریدنے لگی تو وہ خاصے جز بز ہوئے۔

"بیٹی پیدا ہوئی ہے۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولے۔

"واہ! غالباً آپ کی چوتھی اولاد ہے۔ کیا نام رکھا ہے؟" شرمین نے دانستہ جلتی پر تیل چھڑکا۔

''ابھی نہیں رکھا۔''

''تو اس کا نام شرمین رکھ لیجیے۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو انہیں پتنگے لگ گئے۔

''شٹ اپ' وہ میری بیٹی ہے۔''

''تو......''

''میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''تو بیٹی سے بھی محبت کریں' اور اس کا پیدا ہونا ہی آپ کی محبت کی علامت ہے۔''

''نہیں۔''

''اپنی بکواس بند کریں' بیوی سے بچے پیدا کر کے جھوٹی محبت کی کہانیاں باہر سنانے والے مرد آپ جیسے ہوتے ہیں۔''

''یہ سچ ہے کہ......''

''ہٹیں میرے راستے سے مجھے کچھ نہیں سننا۔'' وہ غصے سے کہہ کر جھٹکے سے آگے بڑھی اور ڈرائیور کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی خود گاڑی میں بیٹھ گئی۔ نوازش علی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ شرمین نے کھڑکی کا شیشہ کھول کے مزید کہا۔

''اور ہاں' ہاسپٹل میں جائیں جا کر بیٹی کو پیار کریں۔''

''شرمین! یہ نشہ جلد اتر جائے گا۔'' وہ جل کر بولے مگر اس نے شیشہ اوپر کر کے ڈرائیور کو چلنے کو کہا۔ غصے سے نجات کے لیے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ کئی روز کے بعد کچھ ذہن ہلکا سا ہوا تھا وہ بھی نوازش صاحب کی خرافات کی نذر ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ زینت آپا کو لے کر کہیں باہر جائے گی کچھ ان کا دل بہلے گا' اسی لیے آفس سے کام نپٹا کر جلدی نکلی تھی...... مگر سارے موڈ کا ستیاناس ہو گیا تھا۔ سارے راستے وہ نوازش صاحب کو کوستی رہی' کافی غم و غصہ گھر تک پہنچتے پہنچتے کم ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زینت آپا کو اس کی کوئی فکر اور پریشانی نظر آئے وہ خوش رہیں' ان کی صحت بحال رہے وہ اس کی محسن ہیں' ان کی محبت اور احسان مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ انہیں خوش رکھے۔ ان کی صحت سب سے مقدم تھی اس کے نزدیک۔

❁......❁......❁

شاور لے کر واش روم سے باہر آئی تو زینت آپا کو کمرے میں دیکھ کر مسکرا دی' وہ اس کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''آج سیدھی کمرے میں آ گئیں۔'' زینت آپا نے پوچھا۔

''بس فریش ہو کر آپ کے پاس آنا چاہتی تھی۔'' وہ تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے بولی۔

''سب ذمہ داریوں سے لڑتے ہوئے تھک جاتی ہو گی' مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔'' وہ افسردہ ہوئیں تو وہ لپک کر ان سے لپٹ گئی' اور پھر وہ نوازش صاحب کی ملاقات والا سارا قصہ سنا دیا۔

''اب بتایئے کوفت اور بیزاری ہو گی کہ نہیں؟'' اس نے آخر میں سوال کیا۔

''ہونی بھی چاہیے لیکن نوازش صاحب کی بھی مجبوری ہے۔''

''کیسی مجبوری؟''

''محبت کرنا اور کروانا ہر آدمی چاہتا ہے۔''

''ہنہ' محبت کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔''

''اس کھیل میں بھی محبت شامل ہے' فرق اتنا ہے کہ سب کی محبت' ہمیں قبول نہیں ہوتی' مختلف شکلوں میں نظر آتی ہے' ہم جسے دیکھنا چاہتے ہیں وہی ہم دیکھتے ہیں۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔



''مجھے تو اتنا ہی پتا ہے کہ یہ سب لفظوں کا گورکھ دھندہ ہے' اس کی اہمیت صرف جھوٹ پر ہے۔'' اس نے اپنے تجربے کے حوالے سے کہا۔

''نہیں جھوٹ نہیں ہے' انسان کا ظرف جس قدر اعلیٰ ہوتا ہے یہ اسی قدر اس میں حلول کرتی ہے۔ میں ایک بات بتاؤں محبت بوبی کی بھی پوری طرح سچ ہے' مگر ہمارے پیمانے خود ساختہ ہیں' کہیں عمروں کا فرق' کہیں شادی شدہ ہونے کی وجہ' کہیں اسٹیٹس اور کہیں کوئی اور وجہ' ہم پرکھتے ہیں' اسی لیے اعتبار نہیں کرتے۔''

''ایک شادی شدہ مرد کو اپنی بیوی سے محبت کرنی چاہیے' نوازش صاحب کے ہاں چوتھے بچے کی ولادت ہوئی ہے' یہ کون سی نفرت ہے؟'' اس نے تلخی سے کہا۔

''یہ سمجھوتہ ہے ایک چھت تلے رہنے والوں کو مرتے دم تک ایک دوسرے سے محبت نہیں ہوتی' وہ سمجھوتے کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔''

''بہر کیف! نوازش صاحب کی فطرت گندی ہے' ان کی آنکھوں میں جو حیوانیت ہے اسے محبت نہیں کہتے۔''

''آپ نہیں کہتی ہو' مگر وہ تو یہی سمجھتے ہیں' فطرت کو الگ رکھو' محبت اپنا تعلق احساس سے جوڑتی ہے' فطرت انسان کی اچھی اور بری ہو سکتی ہے۔''

''آپا! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''اور مجھے بھی' چلو کھانا لگ چکا ہو گا۔'' زینت آپا نے بھی اس کی کیفیت کے مطابق گفتگو کا موضوع فوراً بدل دیا۔

''آپ نے میڈیسن وقت پر لی تھیں اور فروٹ کھایا۔''

''ہنہ' پھر خود اپنی واڈروب سیٹ کی' بوبی کی وارڈروب سیٹ کی۔'' وہ ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔

''اچھا' یعنی آرام نہیں کیا۔'' اس نے رک کر کہا۔

''آرام ہی تو کرتی رہتی ہوں آج ذرا طبیعت بہتر تھی اس لیے۔'' ڈائننگ ٹیبل تک پہنچ کر وہ بولیں۔

''بوبی نے آنے کا پروگرام بتا دیا ہے کیا؟''

''نہیں' بس یقین سا ہے کہ آنے کا کہا ہے تو ضرور آئے گا۔''

''ہاں' ان شاء اللہ۔'' وہ خوش ہو کر بولیں۔

''اس کا آفس بھی ٹھیک کرا دوں۔''

''آنے تو دو' عزائم سن کر فیصلہ ہو گا' بہت فرمانبردار اولاد نہیں ہے میری۔'' زینت آپا کا لہجہ ایک دم گلوگیر سا ہو گیا۔

''ایسا بھی نہیں ہے' اولاد تو ہے۔''

''شرمین وہ بہت ضدی اور بے پروا ہے مجھے خوف میں مبتلا کرتا ہے' پھر بھی اس کے بنا قرار نہیں۔'' ان کی آنکھیں بیٹے کی یاد سے بھر آئیں۔

''یہی اولاد کی محبت ہے' آپ کیوں دکھی ہو رہی ہیں' بوبی سمجھدار ہو کر آئے گا۔'' اس نے اٹھ کر ان کی پلیٹ میں خود سالن ڈالا اور محبت سے کہا۔

''ایسی ہوتی ہے محبت۔''

''ہنہ' آپ کی محبت پر تو مجھے شک نہیں۔''

''بوبی کی محبت پر مجھے بھی شک نہیں۔'' وہ بہت دھیرے سے انتہائی سنجیدگی سے بڑبڑائیں۔ شرمین نے سنا مگر خاموش رہی۔

”شرمین! بڑے دن سے اس لڑکے کا ذکر نہیں کیا۔“
”عارض کا۔“ اس نے دھیمے سے پوچھا۔
”ہنہ۔“
”اس کا فون آف ہے آج کل۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔
”خیریت۔“
”چھوڑیں اسے ضرورت ہوگی تو فون کرلے گا۔“ بڑا کھرا اور کڑوا جواب تھا۔
”مگر میرا خیال تھا کہ......“
”آپا! میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔“
”بونی کے آنے سے پہلے۔“
”بونی کو میں خود سمجھا دوں گی‘ مگر عارض کی منت کیوں کروں؟“ وہ یہ کہہ کر ٹیبل سے اٹھ گئی۔

......☆☆☆......

پاکستان نہ جانے کا فیصلہ سن کر آغا جی متحیر ہوکر بولے۔
”یار! حد ہے بھئی میں نے سیٹیں بھی کنفرم کرالیں اور......“
”بابا! آپ مجھ سے پوچھ کر کراتے۔“
”عارض! پہلے تمہیں جانے کی جلدی تھی۔“
”ہاں‘ مگر اب نہیں رہی۔“ وہ رسان سے بولا۔
”لیکن کیوں۔“
”فی الحال نہیں جانا چاہتا۔“
”یار عارض! کچھ تو ہے۔“ آغا جی نے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا۔
”ہوسکتا ہے۔“
”ہوسکتا ہے نہیں‘ ایسا ہے۔“ وہ پریقین انداز میں بولے۔
”تو پھر۔“
”تو پھر اپنے بابا کو نہیں بتاؤ گے۔“
”آپ پاکستان جائیں‘ بزنس دیکھیں‘ میں آجاؤں گا۔“ اس نے کہا۔
”شرمین سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟“
”شرمین کہاں سے آگئی؟“
”شرمین گئی کہاں تھی؟“ وہ مسکرائے۔
”بابا! پلیز آپ اپنی تیاری کیجیے۔“
”تو تم نہیں جاؤ گے۔“
”فی الحال نہیں۔“
”یار! میں تمہارے بغیر۔“
”بابا! بس مجھے کچھ وقت چاہیے پلیز۔“



”کس لیے؟“
”یہی تو فیصلہ کرنا ہے۔“
”کیسا فیصلہ؟“
”بتا دوں گا‘ مگر ابھی نہیں۔“ وہ جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکلنے لگا تو آغا جی بولے۔
”اب کہاں چل دیئے؟“
”ہوا خوری کے لیے......“
”میرے جگر گوشے ڈاکٹرز نے اتنی بھی کھلی چھٹی نہیں دی۔“
”بابا! میں بچہ تو نہیں۔“
”مگر ضدیں بچوں جیسی ہیں‘ شرمین کے لیے کتنی ضد کی تھی یاد ہے۔“ انہوں نے اس کے مضطرب دل کے تار چھیڑ دیئے۔ پتا نہیں کیوں آغا جی کو لگا کہ وہ بجھ سا گیا‘ شرمین کا نام سن کر کھلا نہیں۔
”میں شرمسار ہوں۔“ بڑا سنجیدہ جواب آیا تو وہ ٹھٹک کے اس کے برابر کھڑے ہوگئے۔
”ایسی کیا بات ہے میرے لعل‘ کیسی شرمساری‘ مجھے تمہاری ضد بھی پیاری ہے۔“ وہ نہیں سمجھ پائے کہ اس نے ایسا کیوں کہا؟ اور شاید وہ سمجھا بھی نہیں سکا۔ باہر نکل گیا‘ کتنے ہی بے دم سے لمحے ان کی مٹھی میں قید ہوکر سسکنے لگے۔ انہیں سو فیصد یقین آگیا کہ کوئی وجہ ضرور ہے‘ مگر کیا......؟ یہ وہ بڑی دیر خود سے پوچھتے رہے‘ پھر ایک ہی فیصلہ کیا کہ اس کا جواب شرمین سے لیا جائے‘ وہی شاید بتا سکے‘ ورنہ صفدر تو ہے ہی‘ تاہم یہ تو لازم ہے کہ عارض کسی مسئلے میں الجھا ہوا ضرور ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے اس کو اتنا ڈسٹرب نہیں دیکھا تھا۔ اب ٹھیک دو دن بعد فلائٹ تھی‘ نہ رہ سکتے تھے اور نہ پاکستان جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ یہ سوچتے سوچتے وہ کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے تو سڑک پر دھیرے دھیرے نپے تلے قدم اٹھاتے عارض کو دیکھ کر مزید پریشان ہوگئے۔

❁......❁......❁

رات کے ایک بجے فون کی گھنٹی بجتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ غیر متوقع کال آغا جی کا فون نمبر دیکھ کر دل گویا بیٹھنے لگا۔ الٰہی خیر! دھیرے سے دعا کی اور فون کان سے لگایا۔ مگر وہ خود ان کا سوال سن کر فکر مند ہوگئی۔
”بابا! میں کیا کہہ سکتی ہوں‘ اس نے کئی روز سے مجھے بھی فون نہیں کیا۔“ اس نے بتایا۔
”مطلب! وجہ کوئی یہیں کی ہے۔“
”جی آپ پوچھیے۔“
”ارے بیٹا! پوچھا ہے مگر وہ کچھ بتائے تو......“ وہ بولے۔
”آپ اسے بس واپس لے آئیں۔“ اس نے جلدی سے مشورہ دیا۔
”جی‘ ٹکٹیں لے کر بات کی مگر وہ فی الحال پاکستان آنے کو تیار نہیں۔“
”کیا......؟“ رات کے اس پہر حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی...... باہر تک آواز گئی۔
”جی بیٹا جی مجھے تنہا ہی آنا پڑے گا۔“
”عارض ایسا کیسے کرسکتا ہے‘ وہ تو آنے کو بے قرار تھا۔ پھر‘ پھر......“ اس کے گلے میں گولہ سا پھنس گیا۔
”لگتا ہے کسی گوری کے دام الفت میں پھنس گیا ہے۔“ آغا جی نے شرارت سے کہا‘ مگر اس کے دل پر پیچ گھونسا لگا۔

”تو رہنے دیں اسے وہاں۔“

”ہا...... ہا ارے یہ تو میرا مذاق ہے دل پر نہ لو۔“ وہ ہنستے ہنستے بولے۔

”دل کی بات دل پر ہی لگتی ہے۔“

”بھئی خدا لگتی تو یہ ہے کہ عارض میاں دل پھینک تو رہے ہیں فلرٹ میں ماہر۔“ انہوں نے مزید اسے تنگ کیا۔

”پھر تو یہی بات ہوگی۔“ اس نے ہمت کر کے کہا۔

”ارے نہیں تم پر تو وہ جان دیتا ہے میں مذاق کر رہا تھا۔“

”ٹھیک ہے بابا میں کیا کہہ سکتی ہوں؟“

”کچھ کہنا بھی نہیں۔“

”اس کا تو فون ہی آف ہے۔“

”اچھا کب سے......؟“ آغا جی کو خاصی حیرت ہوئی۔

”آپ کو نہیں معلوم؟“ اب کے حیرت زدہ ہونے کی باری شرمین کی تھی۔

”نہیں یہاں کا نمبر تو آن ہے اور ہم اسی نمبر پر بات کرتے ہیں۔“

”شاید اسی لیے آپ کو نہیں معلوم۔“

”میں پوچھتا ہوں اس سے اب تو میں بھی فکر مند ہوں فون آف ہے تو؟ صفدر کا بھی رابطہ نہیں ہوگا۔“

”بابا مجھے بھی بتایئے گا پلیز۔“

”اگر اس نے کچھ بتایا تو۔“

”اور......“

”سوری بیٹا آپ کو بے آرام کیا۔“

”ارے نہیں۔“

”پریشان نہیں ہونا۔“

”جی شکریہ۔“

فون بند ہو گیا تو اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ تشویش ہو رہی تھی۔ تجسس تھا مگر نہ مایوسی تھی اور نہ ناامیدی...... عارض کو کوئی مسئلہ درپیش ضرور ہے وہ کیا ہے؟ یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی۔ وہ دیر تک یہی سوچتی رہی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا...... پھر کچھ دیر بعد تھکن کے باعث اسے نیند آ گئی۔

❁......❁......❁

ڈور بیل تیسری بار بجی تو ننھی نپکن سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کچن سے نکلی۔

”کون......؟“ دروازے کے قریب جا کر اس نے پوچھا۔

”صفدر۔“ بڑا سنجیدہ اور مختصر جواب آیا۔

”اوہ آیئے۔“ اس نے خوش دلی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ صفدر نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”پلیز بیٹھیے۔“ ننھی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”شکریہ۔“ صفدر فلیٹ کے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے صوفے پر ٹک گیا۔



”آپ کو ایڈریس تلاش کرنے میں مشکل تو نہیں ہوئی۔“

”نہیں بس مجھے ذرا جلدی ہے۔“

”جی صفدر بھائی زیبا کا قصور معاف نہیں ہو سکتا کیا......؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟ اگر کوئی اپنی غلطی کی معافی مانگ لے تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔“

”مگر میں انسان ہوں عام سا انسان۔“

”اپنے لیے نہ سہی بچے کے لیے اپنی والدہ کے لیے۔“

”اوہ...... خوب یہ ایموشنل طریقہ اختیار کریں گی آپ۔“

”صفدر بھائی یہ بات نہیں ہے بچہ آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا۔“

”مگر مجھے زیبا سے اپنی اولاد نہیں چاہیے مجھے زیبا سے محبت ہی نہیں۔“

”اچھا آپ کو کسی اور سے......“ وہ رکی۔

”فی الحال تو نہیں۔ بہرکیف وقت تیزی سے گزر رہا ہے اسے کہیے کہ میرے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی...... واپسی ممکن ہے مگر بچے کے بغیر اور کچھ نہیں۔“

”بہت سفاک ہیں آپ۔“ ننھی نے طنزیہ کہا۔

”تھینکس فار کمپلیمنٹ۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”زیبا کسی صورت اپنا بچہ نہیں کھونا چاہتی۔“

”ٹھیک ہے تو پھر اپنی مرضی کرے۔“

”فار گاڈ سیک صفدر بھائی ذرا سوچیں ایک ماں کیسے اپنی اولاد کو اور پہلی اولاد کو کھو دے محض شوہر کے کہنے پر۔“

”وہ محض بھول تھی زیبا کو میں نے دل سے معاف کیا ہے نہ قبول کیا ہے۔“

”واہ! جس مرد نے زیبا کی زندگی برباد کی اس نے بھی اسے قبول نہیں کیا اور آپ......؟“

”نام نہ لو اس شخص کا وہ مجھے نظر آ جائے تو جان لے لوں اس کی۔“ وہ شدید اشتعال میں آ گیا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑیں اور جبڑوں کے سختی سے بھینچ جانے کے باعث خاص آواز پیدا ہوئی۔

”اس کا مطلب آپ کو زیبا کی مظلومیت پر یقین ہے۔“

”اس شخص سے شدید نفرت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے میری زندگی مسائل سے دوچار ہے۔“ اس نے واضح کیا۔

”لڑکی کا قصور ہو یا نہ ہو سزا اسی کو بھگتنی پڑتی ہے۔“ ننھی نے رنجیدہ خاطر ہو کر کہا۔

”ایسا ہی سمجھ لیجیے۔“

”اللہ اس کو برباد کر دے جس نے میری پیاری سہیلی کو محبت کے فریب سے دوچار کیا۔“ ننھی نے اسی کے انداز میں چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

”مجھے اجازت دیجیے اور اپنی سہیلی کو سمجھایئے۔“ وہ سپاٹ سے لہجے میں کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ ننھی نے لمبے چوڑے صفدر کے انداز سے بخوبی جان لیا کہ وہ اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹے گا...... زیبا کو ہی فیصلے پر نظرثانی کرنی ہوگی...... مگر کیا؟ ایک ماں کے لیے اولاد سب سے قیمتی ہوتی ہے۔

❁......❁......❁

تبدیلی موسم کے باعث اسے فلو ہوگیا تھا۔
سر میں جسم میں درد اور بخار کی ہلکی سی حرارت محسوس ہورہی تھی۔ دو روز وہ چاہ کر بھی زینت آپا کے حکم پر آفس نہ جاسکی...... درمیانے موسم کے کپڑوں پر ہلکی سی نرم شال ڈال کر اسے ڈرائنگ روم تک آنا پڑا...... بابا نے خاص طور پر ان کی آمد کی اطلاع دی تھی مگر دروازے پر ہی اس کے قدم جم سے گئے...... ناگواری اور بیزاری کے باعث سلوٹیں چہرے پر ظاہر ہوئیں...... مگر پھر کچھ سوچ کر ضبط کیا۔
”نوازش صاحب! آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“
”میں بہت مشکل میں یہاں آیا ہوں۔“ وہ بڑی سادگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
”ایسی کوئی نئی مشکل آ گئی تھی تو میرے آفس آ جاتے‘ مگر یہاں نہیں۔“ وہ بڑے کرخت لہجے میں بولی۔
”شرمین!“
”مس شرمین......“ اس نے جتایا۔
”مس شرمین! میری بیوی مرگئی ہے۔“
”اوہ! انا اللہ...... افسوس ہوا......“ اس نے کچھ نرمی سے کہا۔
”بچی کی ولادت کے وقت انفیکشن ہوگیا تھا سو وہ مجھے تنہا چھوڑ گئی۔“ انہوں نے بہت افسردگی طاری کی۔
”اللہ کی مرضی‘ مگر ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بھی میں تو آپ کے کسی کام نہیں آ سکتی۔“ اس نے لاتعلقی ظاہر کی۔
”آ سکتی ہو میری ہفتے بھر کی معصوم بچی کو اپنی گود میں چھپا سکتی ہو۔“ وہ فوراً بولے۔
”واہ! بہت خوب مطلب نیا ہتھیار ہاتھ آ گیا...... کیسے انسان ہیں آپ؟ بیوی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور آپ بچی کی آڑ میں شکار کھیلنے آ گئے۔“
”میری مجبوری ہے شرمین‘ بچوں کے لیے ایسا کرنا ہے مجھے‘ مگر میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“
”پلیز! فضول باتوں سے گریز کیجیے‘ مردوں کی آپ جیسی قسم سے مجھے نفرت ہے‘ جائیے بچوں کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیں۔“
”یہ سب آسائشیں اب میرے پاس بھی ہیں۔“ انہوں نے ڈرائنگ روم میں چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے کہا۔
”مجھے آسائشوں کی طلب نہیں۔“
”محبت کی ضرورت تو ہے۔“
”مرزا صاحب! پلیز جائیے‘ بلکہ فوراً جائیے۔“ اس نے خاصی برہمی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
”شرمین! وقت گزر رہا ہے‘ یہ میری مجبوری کا وقت ہے کل کوئی تمہاری زندگی میں شاید نہ آئے۔“
”تو بھی آپ کو نہیں آواز دوں گی۔ جائیے یہاں سے۔“ وہ پھٹ ہی پڑی‘ بابا اس کی آواز سن کر جلدی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مرزا نوازش کچھ جزبز سے ہوئے۔
”بابا! آئندہ یہ گیٹ سے اندر داخل نہ ہوں۔“ اس نے بابا کو مخاطب کیا۔
”مس شرمین! میں جارہا ہوں۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھے۔
”اور پھر کبھی اپنی محبت کا سرمایہ لے کر میرے سامنے نہ آئیے گا۔“
”ٹھیک ہے‘ جب یہاں سے نکلو تو آواز دے لینا۔“ وہ پلٹ کر بولے تو وہ غم و غصے سے چلا اٹھی۔



فرحانہ ناز کے خاندان کے لیے دعائے شفا و جزا

دانیال کا گھر ٹوٹ گیا
مولا دور جلد ملال کر
حفصہؑ عبداللہ کی زندگی
رحمت سے اپنی بحال کر
ازشفائے کریم و صبر عظیم
فرحانہ ناز کو ملے دوام
جگر گوشے اس کے مثال کر
ہو قبول دعا یہی خواہوں کی
عطا سایہ ذوالجلال کر
ہر حال ہو مولا تیری حمد
کچھ ایسے دل میں اجال کر
کوثر تو بھی ہاتھ اٹھائے
دعائے مقبول و کمال کر

کوثر خالد...... جڑانوالہ

”فار گاڈ سیک! اپنے بچوں کو سنبھالیے۔“
”بچوں کے لیے شادی تو مجھے کرنی ہے۔“
”ہزار شادیاں کریں‘ مگر مجھے دوبارہ اگر نظر آئے تو میں بھول جاؤں گی کہ آپ میرے افسر رہے ہیں۔“ وہ یہ کہہ کر پہلے خود باہر نکل گئی۔ بعد میں مرزا نوازش خفت بھری مسکراہٹ کے ساتھ بابا کے ہمراہ باہر نکل گئے۔

❀......❀......❀

جن راہوں پہ اک عمر تیرے ساتھ رہا ہوں
کچھ روز سے وہ راستے سنسان بہت ہیں
کمزور ہوں میں راہ میں طوفان بہت ہیں
اک ترک وفا میں اسے کیسے بھلا دوں
مجھ پر ابھی اس شخص کے احسان بہت ہیں

شدت غم سے اس نے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ زینت آپا نے اس کے سر پر محبت بھرا ہاتھ رکھ دیا‘ وہ اٹھ بیٹھی اور ہولے سے مسکرا دی...... آنکھوں میں چار سو پھیلا کرب اور پریشانی ان سے چھپ نہیں سکتی تھی۔
”بہتر تو یہی تھا کہ صبیح احمد کو معاف کر دیا جاتا۔“
”آپا! صبیح احمد کہاں سے آ گئے؟“ وہ حیرت زدہ رہ گئی‘ اتنے عرصے بعد زینت آپا کے اچانک کہنے پر اسے ایسا لگا کہ دل کے تہہ خانے سے تمام مقفل آہنی دروازے کھول کر صبیح احمد اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں۔
”شرمین! تم بتاؤ کہ صبیح احمد کہاں ہیں؟“
”مطلب؟“ وہ بولی۔

"شرمین! میں نے آج کے اس واقعے سے نہیں گزشتہ ہفتہ دس دن سے تمہیں خالی خالی اور مضطرب پایا ہے۔"
"دراصل آپا میں عارض کی طرف سے ڈسٹرب ہوں۔" اس نے بتایا۔
"شرمین سچ یہ نہیں ہے۔"
"تو پھر۔"
"عارض تو ویسے ہی درمیان میں آ گیا' تم صبیح احمد کے بنا ڈسٹرب ہو۔" زینت آپا نے کب اور کیسے یہ اندازہ لگا لیا وہ حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی...... لیکن پھر اس نے سنجیدگی سے ان کے خیال کو مسترد کر دیا۔
"آپا! اب عارض میرا حوالہ ہے' صبیح احمد جا چکے ہیں' اپنی دنیا میں مگن ہیں۔"
"تو پھر بے رنگ اور پھیکی پھیکی سی زندگی کیوں ہے؟"
"بتایا نا کہ عارض کی وجہ سے اس کا فون آف ہے' سو میں فکر مند ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔
"تو پھر عارض سے رابطہ کرو اور خوشیاں واپس لاؤ۔"
"ہنہ۔"
"بوبی کے آنے سے پہلے ہوتا تو بہتر تھا' مجھے اس کی طرف سے بھی الجھن ہے۔"
"آپ نہ ٹینشن لیں' میں اسے خود دیکھ لوں گی' آپ کی طبیعت ویسے بھی ٹھیک نہیں ہے' چلیں آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔"
"نہیں' کمرے میں بستر پر لیٹے لیٹے بھی اکتا گئی ہوں۔" وہ بولیں۔
"او کے! پھر باہر چلتے ہیں' کچھ سیر' کچھ شاپنگ اور پھر ڈنر۔"
"اور ڈنر میں پرہیز ہی پرہیز۔" وہ ہنس کر بولیں۔
"ہنہ پرہیز تو علاج سے بہتر ہوتا ہے۔"
"لیکن میرا علاج بوبی ہے' میں حد درجہ دلگرفتہ ہوں' جانے اب تک کیوں نہیں آیا؟" ان کی پلکیں بھیگ گئیں۔
"ارے! آ جائے گا آپ ہمت سے کام لیں۔" اس نے تسلی دی۔
"ہمت کہاں سے لاؤں؟ شوگر اندر ہی اندر چاٹ رہی ہے۔"
"پھر بھی بات آپ تو بہت بہادر ہیں۔"
"نہیں میں تمہاری طرح نہیں ہوں' جانے والے کو رخصت کر کے آنے والے کا صبر سے انتظار کر رہی ہو۔"
"اور کوئی علاج بھی تو نہیں۔"
"کسی بھی طرح اس سے دو ٹوک بات کرو۔"
"ہنہ آپ فکر نہ کریں۔"
"فکر تو ہے مگر اللہ سے اچھی امید ہے۔"
"جو اللہ کو منظور ہے۔"
"بیشک......" زینت آپا نے کہا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



کل راستے میں جس سے ملاقات ہو گئی
رہتا تھا دل کے پاس مگر اجنبی لگا
برسوں ہمارا عکس رہا جس کے روبرو
وہ آئینہ بھی پیش نظر اجنبی لگا

"وریشا باجی کچھ سنا تم نے......" انتہائی تیز رفتاری سے دروازہ کھول کر گڈو ہانپتا کانپتا پھولی سانسوں سمیت صوفے پر گرتے ہوئے بولا جب کہ کاؤچ پر نیم دراز اونگھتے ہوئے میگزین پڑھتی وریشا نے اسے انتہائی ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔
"ایسی کون سی افتاد آن پڑی ہے جو تم اس قدر بدحواس ہوئے جا رہے ہو۔" وہ انتہائی بے زاری سے بولی۔
"وریشا باجی جو خبر میں تمہیں دینے والا ہوں اسے سن کر تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔" گڈو ڈرامائی انداز میں بولا تو جواباً اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"بھٹی انکل کا بھوت بنگلہ کسی نے خرید لیا ہے اور آج وہ لوگ شفٹ بھی ہو گئے ہیں۔"
"کیا...... واقعی...... مگر وہ گھر کیسے فروخت ہو گیا وہاں تو جنات اور بھوتوں کا بسیرا ہے آخر وہ گھر کس نے خرید لیا؟" وریشا کی غنودگی بھک سے اڑ گئی۔ انتہائی حیران کن و غیر یقین لہجے میں بولتی وہ کاؤچ سے اٹھ بیٹھی۔
"نجانے کس قسمت کے مارے نے وہ گھر خرید لیا۔" گڈو بھی تائیدی انداز میں بولا تو وریشا کو اچانک کچھ یاد آیا۔
"تم نے کنزیٰ کو بتایا کہ وہ بھوت بنگلہ......"
"ارے مجھے نہ صرف معلوم ہو گیا ہے بلکہ اس بھوت...... میرا مطلب ہے اس گھر والے کو بھی دیکھ لیا۔" لاؤنج کا دروازہ کھول کر کنزیٰ اندر داخل ہوتے ہوئے وریشا کی بات درمیان میں اچک کر بولی جس کے چہرے پر گڈو کی طرح ہوائیاں برس رہی تھیں۔
"کیا مطلب گھر والے......" وریشا ناسمجھی والے انداز میں بولی۔
"ارے بھئی جنہوں نے گھر خریدا ہے' ویسے ہے وہ پورا فواد خان کی کاپی اور چال ڈھال تو پوری کی پوری سنجے دت جیسی ہے اور اسٹائل تو بالکل وحید مراد جیسے ہیں

البتہ ان کی اماں صاحبہ نیلسن منڈیلا کی مشابہہ لگیں، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے ان موصوف کو گود لیا ہے۔" کنزیٰ حسب معمول تفصیلاً بولی تو وریشا اور گڈو بُری طرح چڑ گئے۔

"اُف کنزیٰ! کبھی تو شوبز کی دنیا سے باہر آ جایا کرو تمہارے ذہن پر ہر وقت یہ ہیروز ہی کیوں سوار رہتے ہیں۔"

"ہاں وریشا باجی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کل جو سبزی والا گلی سے گزر رہا تھا اسے دیکھ کر مجھ سے کہنے لگیں بالکل شاہدہ منی کی فوٹو اسٹیٹ ہے۔" آخری جملہ گڈو کنزیٰ کی ٹون میں بولا تو وہ کھسیانی سی ہوگئی۔

"تم خاموش رہو دیکھ نہیں رہے جب دو بڑے باتیں کر رہے ہیں تو بیچ میں تم کیوں بول رہے ہو؟"

"ہائیں کون بڑے۔" گڈو اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"ہم بڑے......" کنزیٰ منہ بنا کر بولی۔

"اچھا مگر کہاں سے بڑے...... اچھا دانتوں سے بڑے ہی ہی ہی......" گڈو اس کے دانتوں پر چوٹ کرتے ہوئے بولا جو ذرا اوپر کو تھے اور جس پر اس نے تار لگوایا ہوا تھا۔

"گڈو میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی اگر تم نے میرے دانتوں کے بارے میں ایک لفظ بھی بولا تو......" کنزیٰ آستینیں چڑھا کر دانت کچکچا کر بولی وہ اس معاملے میں بہت حساس تھی۔

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ دانتوں میں بہت خودکفیل ہیں، مجھے باآسانی چبا سکتی ہیں۔ پتا ہے وریشا باجی! جب کنزیٰ باجی نے تار نہیں لگوایا تھا تو ان دنوں یہ جمیلہ آنٹی کی ساس کی قُل کی رسم میں گئیں وہاں جمیلہ آنٹی کی اماں ان کے کان میں کہنے لگیں "بیٹا! ساس میری بیٹی کی مری ہے اور دانت تم نکالے بیٹھی ہو کم از کم دنیا کے سامنے تو دانت مت نکالو۔" گڈو مزے لے کر بولا تو وریشا خوب ہنسنے لگی۔

"ہاں ہاں اڑا لو میرا مذاق...... ایک میں ہی ہوں نا جو تم دونوں کی محبت میں یہاں خود کو بے عزت کروانے کے لیے بھاگی بھاگی چلی آتی ہوں۔" کنزیٰ باقاعدہ رونے لگی تو دونوں جلدی سے اس کے پاس آ گئے۔

"افوہ کنزیٰ! اب تم شبنم مت بنو تمہیں معلوم ہے نا کہ یہ گڈو ہے ہی بے ڈھنگا۔"

"شبنم نہیں لوگ روتے ہوئے مجھے مینا کماری سے تشبیہ دیتے ہیں۔" کنزیٰ اپنی ناک دوپٹے کے پلو سے بُری طرح رگڑتے ہوئے بولی۔

"ہاں واقعی آپ تو مینا کماری سے بہت مل رہی ہیں۔" گڈو باقاعدہ قریب آ کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا تو کنزیٰ بے تحاشا خوش ہوگئی۔

"سچ...... اچھا ذرا میں اپنے موبائل سے اپنی تصویر کھینچ لیتی ہوں۔"

"ہوں اب آج سے مینا کماری کا نام ڈٹو کماری ہو گیا۔"

"گڈو کے بچے......" اپنے موبائل میں مگن کنزیٰ نے جوں ہی گڈو کا جملہ سنا وہ یکدم طیش میں آ گئی جب کہ گڈو "بچاؤ" کہتا ہوا باہر بھاگا پیچھے پیچھے کنزیٰ اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتی لپکی۔

"افوہ یہ کنزیٰ بھی نا...... نجانے اس بھوت بنگلے کے لوگوں کے بارے میں کیا بتانے والی تھی چھت پر جا کر ذرا کن سوئیاں لینے کی کوشش کرتی ہوں۔" وہ خود سے بولتی چھت کی جانب بڑھی۔

❁......❁......❁

"آنٹی لان تو آپ نے بہت جلدی سنوار دیا ارے گیندے کے پھول کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" آج وہ تینوں بن بلائے مہمان کی طرح اپنی ہمتیں مجتمع کر کے جا پہنچے تھے پچھلا پورا ہفتہ انہوں نے اس بنگلے میں تانک جھانک کر کے بڑی بے صبری سے گزارا تھا اور ان سات دنوں میں انہیں صرف یہ معلوم ہوا تھا کہ اس بنگلے میں کل تین مکین رہائش پذیر ہیں ایک پختہ عمر کی عورت ایک ادھیڑ



عمر کا بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی جس کے چہرے پر چیچک کے نشان تھے جبکہ آنکھوں میں عجیب سی وحشت و سرخی بھی تھی اور تیسرا تقریباً تیس بتیس سال کا خوش شکل جوان جو علی الصبح ہی گھر سے نکلتا اور رات گئے لوٹتا۔ ان خاتون نے ان تینوں کا استقبال کچھ خاص گرم جوشی سے نہیں کیا تھا۔

"وریشا! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تم دیکھ نہیں رہیں وہ عورت ہمیں کتنا گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔" دونوں کیاری کے قریب جا کر پھول دیکھنے لگیں جب ہی کنزیٰ نے سہمی ہوئی آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہاں اسے تمہارا آنا شاید پسند نہیں آیا اور تم نے ایک بات نوٹس کی یہ کیاری ایسی بنی ہوئی ہے جیسے کسی کی قبر اور گیندے کے پھول بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جیسے......"

"ک...... کیا...... قبر...... ہائے اللہ وریشا! مجھے قبروں سے بہت ڈر لگتا ہے ارے وہ دیکھو اگر بتیاں بھی ہیں۔" کنزیٰ آخر میں ایک جانب اشارہ کر کے سہم کر بولی۔

"ہیں...... کہاں ہیں افوہ وہ تو جھاڑو کے تنکے ہیں۔" وریشا قدرے ریلیکس ہو کر بولی جب ہی ان خاتون نے انہیں مخاطب کیا۔

"بچیوں آ جاؤ چائے پی لو۔"

"آنٹی! کیاری میں صرف گیندے کے پھول کیوں لگائے ہیں آپ لوگوں نے؟" وریشا لان میں رکھی کین کی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹا! سالار بیٹا کو گیندے کے پھول بہت پسند ہیں۔" وہ سہولت سے بولیں جب ہی گڈو کی گھگیائی ہوئی آواز ابھری۔

"وریشا باجی! مجھے چائے نہیں پینی پلیز گھر چلو۔" کنزیٰ اور وریشا نے گڈو کی جانب دیکھا جس کا چہرہ سرسوں کی مانند زرد ہو رہا تھا انہیں کسی گڑبڑ کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا وہ دونوں بھی فکر مند ہو گئیں۔

"آنٹی ہمیں بہت ضروری کام سے جانا ہے ہم چلتے ہیں پھر آئیں گے۔" یہ کہہ کر وریشا تیزی سے اٹھی جب کہ گڈو اور کنزیٰ تو جیسے بھاگنے پر آمادہ تھے۔

"ارے بچوں چائے تو پی لو۔" وہ خاتون کچھ گھبرا کر بولیں مگر تینوں یہ جا وہ جا۔

❁......❁......❁

"تمہیں ہی ملکہ بہادر یار جنگ اور جھانسی کی رانی بننے کا شوق چرا رہا تھا نجانے مجھے کس کی قبر کے سرہانے کھڑا کر دیا۔ ہائے اللہ وہ عورت نجانے کون تھی کہاں کی مخلوق تھی۔" کنزیٰ وریشا کو بُری طرح لتاڑتے ہوئے بولی جو سقراط بنی شہادت کی انگلی تھوڑی پر رکھے سوچے جا رہی تھی۔

"ہوں تو اس عورت نے اپنی عمر تمہیں ڈیڑھ سو سال بتائی تھی۔"

"افوہ باجی! کوئی ڈیڑھ سو مرتبہ تم یہ جملہ دہرا چکی ہو اب آگے کچھ بولو تو سہی ایک تو مجھے اس جنی کے پاس تنہا چھوڑ دیا اور خود جا کر گیندے کے پھولوں سے چپک گئیں۔" گڈو بُرا سا منہ بنا کر بولا تو کنزیٰ بڑے زور سے اچھلی۔

"وریشا کہیں گیندے کے پھولوں میں جناتی اثرات تو نہیں تھے۔"

"اُف کسی جن کی مجال نہیں جو تم پر چڑھے۔"

"مگر بھوت بھی تو ہو سکتے ہیں۔" وریشا کی بات پر کنزیٰ غائب دماغی سے بولی۔

"کنزیٰ باجی بھوت بہت بیوٹی کانشس ہوتے ہیں لمبے دانتوں والیوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں انہیں بالکل لفٹ نہیں کراتے۔" گڈو طنزیہ لہجے میں بولا اس سے پہلے کہ کنزیٰ تلملا کر اسے کھری کھری سناتی وریشا بڑے ڈرامائی انداز میں بولی۔

"تمام باتوں مشاہدات اور ثبوتوں کو دیکھتے ہوئے میں یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہاں انسان نہیں رہ رہے بلکہ جنات ہمارے پڑوسی بن گئے ہیں۔"

"وریشا پلیز خدا کے واسطے مجھے ڈراؤ نہیں ورنہ میں

یہیں فوت ہوجاؤں گی۔'' کنزئی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی جب کہ گڈو بھی سہم کر وریشا کے قریب کھسک آیا اور وریشا صاحبہ ایک بار پھر مراقبے میں چلی گئیں۔

❁......❁......❁

وریشا یونیورسٹی سے تھکی ہاری گھر آئی تو امی نے بتایا کہ چوکیدار کوئی لیٹر غلطی سے دے کر چلا گیا ہے جس پر کسی دوسرے بنگلے کا ایڈریس درج ہے۔''

''ہائے امی یہ لیٹر تو بھوت بنگلے کا ہے۔''

''کیا مطلب بھوت بنگلے کا......؟'' امی تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''مم......میرا مطلب ہے بھٹی صاحب کے بنگلے کا ایڈریس ہے مگر پوسٹ مین نے اتنی بڑی غلطی کیسے کردی۔'' وریشا کچھ چڑ کر بولی۔

''ارے بھئی ہمارے گھر کی نیم پلیٹ ٹوٹ گئی تھی نا اور ابھی تک دوسری نہیں لگی' وہ سمجھا ہوگا یہی ایڈریس ہے۔'' امی رسانیت سے بولیں تو وہ محض سر ہلا گئی۔

''تم کپڑے چینج کرلو میں جب تک کھانا لگادیتی ہوں۔'' امی کی بات پر وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب آگئی پھر لیٹر کو دیکھ کر کسی سوچ میں گم ہوگئی۔

شام کو وریشا دل مضبوط کرکے لیٹر ہاتھ میں لیے اسی بھوت بنگلے کے سامنے کھڑی تھی ایڈونچر کا شوق اور الٹے سیدھے کھیلوں میں کودنا اسے بچپن سے ہی پسند تھا۔ بھوت بنگلے کے مکینوں کے بارے میں جاننے کا تجسس کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جارہا تھا اور اپنے اس تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ لیٹر دینے کے بہانے اکیلی ہی یہاں چلی آئی تھی مگر اب اندر ہی اندر ڈر رہی تھی۔

''اُف یہ کنزئی کو آج ہی شاپنگ پر جانا تھا اور وہ گڈو کوچنگ سینٹر جاکر جیسے دھرنے میں بیٹھ گیا ہے مگر وہ دونوں ڈرپوک ہوتے بھی تو کبھی میرے ساتھ نہیں آتے' آخر ہیں نا کمزور دل۔'' خود سے باتیں کرتی ہوئے وریشا آخر میں منہ بنا کر بولی۔

''شاباش بہادر دلیر وریشا آفتاب! گھنٹی بجا۔'' وریشا خود سے بولی تھی مگر اسی پل اس کی نظر ادھ کھلے دروازے پر پڑی اس نے ہلکا سا دھکا دیا تو گیٹ کھلتا چلا گیا۔

''ارے یہ تو پہلے سے ہی کھلا ہوا ہے۔'' حیرت سے بولتی وریشا سہولت سے اندر داخل ہوگئی' پورے لان اور پورٹیکو میں گہری خاموشی اور جامد سناٹا تھا۔ ایک پل کو اس کا دل کپکپایا مگر پھر سر جھٹک کر وہ چھوٹے چھوٹے محتاط قدم اٹھاتی داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ شومئی قسمت وہ بھی کھلا مل گیا۔

''یہ سارے دروازے کھلے ہوئے کیوں ہیں؟'' لاؤنج میں داخل ہوکر وہ تھوڑا گھبرا کر خود سے بولی پھر ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی' لاؤنج کی سیٹنگ اسے بڑی عجیب و غریب لگی۔

''یہ......یہ بکرے کا منہ اور سینگ انہوں نے دیوار پر کیوں لٹکائے ہوئے ہیں۔'' وریشا اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیر کر سرگوشی میں بولی پھر سامنے موجود سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

''میرے خیال میں وریشا آج کے لیے اتنا کافی ہے ویسے بھی گڈو اور کنزئی میرے اتنے ہی کارنامے کے متعلق جان کر امپریس ہوجائیں گے۔'' وریشا نے خود سے کہا وہ ابھی مڑنے ہی والی تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔

''یا خدا......یہ لوڈشیڈنگ......لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا۔'' وہ گھبرا اٹھی معاً کسی کونے سے روشنی ابھری تھی۔

''میری جان تم آگئیں' میں پچھلی تین صدیوں سے تمہارا کتنی بے قراری سے انتظار کررہا تھا' میرے پاس آؤ میری جان۔'' روشنی کے سنگ ابھرتی اس اواز نے وریشا کو جیسے ہوا میں معلق کردیا۔

''تین صدیاں......'' وہ ہکلا کر بولی' لیٹر کب کا اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔

اس نے پلٹنا چاہا وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر جیسے وہ گوند کی طرح وہیں چپک کر رہ گئی' ہلکی روشنی اور ملگجے اندھیرے میں ابھرتا ہیولا بڑی تیزی سے اس کے پاس



آیا اور آن واحد میں انسان کا روپ دھار گیا۔

''بھو......ت......'' بمشکل اپنی زبان کو حرکت دے کر وہ فقط اتنا ہی بول پائی البتہ بے ہوش ہونے سے پہلے وریشا نے اس بھوت کو بڑی تیزی سے اپنے قریب آتے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

''ہاہاہا......'' وہ عورت اور بہت سے عجیب و غریب شکلوں والے لوگ بُری طرح قہقہے لگارہے تھے جبکہ وریشا ایک کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''آج کتنے دنوں بعد ہم کسی انسان کے کباب بنا کر کھائیں گے ہوہو......ہاہاہاہا......'' کوئی یہ بول کر قہقہہ لگا کر انتہائی ہیبت ناک طریقے سے ہنسا۔

''میں تو اس لڑکی کی ملائی بوٹی اور کڑاہی بنا کر کھاؤں گی۔'' وہ عورت زبان کا چٹخارہ لیتے ہوئے بولی۔

''اس کا تو کٹا کٹ بھی لذیز بنے گا۔'' کہیں سے یہ آواز ابھری اور پھر سب لوگ پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگے۔

''نہیں نہیں......خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوں' میری تو شادی بھی نہیں ہوئی اور تم لوگ میری ملائی بوٹی بنانے کے درپے ہو......نہیں نہیں......ہائیں یہ بارش کہاں سے ہونے لگی۔'' وریشا بے ہوشی کے عالم میں زور زور سے چلاتے ہوئے اچانک حیرت سے بولی۔

''محترمہ خدا کے واسطے اب تو ہوش میں آجائیں ورنہ میں پورا جگ آپ کے اوپر انڈیل دوں گا۔'' دلکش مردانہ آواز انتہائی قریب سے ابھری تو وریشا نے بے ساختہ اپنی آنکھوں کو کھولا' سامنے سفید شلوار کرتے میں رف سے حلیے میں یقیناً یہ وہی شخص تھا جو تین صدیوں سے اپنی محبوبہ کا انتظار کررہا تھا وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سرعت سے بستر سے اٹھی۔

''آ......آپ......''

''غالباً آپ مجھے بھوت سمجھ رہی ہیں حالانکہ لوگ تو

مجھے کافی ہینڈسم کہتے ہیں۔" وہ دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولا تو یکدم وریشا کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا وہ غالباً اسی کے کمرے میں بڑے مزے سے اس کے بیڈ پر قابض تھی۔

"آپ کے اس بے تکے مذاق پر مجھے ذرا ہنسی نہیں آئی۔" وریشا تیزی سے بستر سے اٹھ کر تنک کر بولی' دوپٹہ اچھی طرح اپنے وجود سے لپیٹ لیا۔

"اچھا مگر مجھے آپ کا یہ سنگین مذاق بہت اچھا لگا۔" وہ شوخی سے بولا۔

"کون سا سنگین مذاق......" وہ تیکھے چتونوں سے بولی' گلابی اور آف وائٹ کنٹراسٹ سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سالار نے اسے کئی بار دیکھا تھا کبھی چھت پر اپنے گھر میں تانک جھانک کرتے ہوئے تو کبھی قریبی بنے پارک میں واک کرتے ہوئے جو اکثر اپنی بہادری کے قصے اپنی سہیلی اور بھائی کو سنا رہی ہوتی تھی۔

"یہی کہ میں بھوت ہوں۔"

"آپ خود ہی تو اپنے منہ سے کہہ رہے تھے کہ میں تین صدیوں سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی تو سالار انتہائی گمبھیر لہجے میں بولا۔

"ہاں میری مایا میں پچھلے تین صدیوں سے تمہارا ہی تو انتظار کر رہا تھا۔ میرا بھوت جگہ جگہ بھٹک رہا تھا تمہاری تلاش میں۔" وریشا نے بے تحاشا چونک کر اسے دیکھا مگر آنکھوں میں ناچتی شرارت اور ہونٹوں پر مچلتی شوخ مسکراہٹ نے اسے شرمندہ کر دیا۔

"ہوں......وری فنی!" وہ چڑ کر بولتی وہاں سے تیزی سے نکلی البتہ عقب سے ابھرتے سالار کے جاندار قہقہے نے اسے بے تحاشا خفت میں مبتلا کر دیا۔

❁......❁......❁

دن اپنے مخصوص رفتار سے گزرتے گئے وریشا نے اس دن جو بھوت بنگلے میں ہوا اس کا تذکرہ کنزیٰ اور گڈو سے بالکل نہیں کیا ورنہ وہ اس کا مذاق اڑاتے۔ گڈو آج کل اپنے امتحان میں مصروف تھا اور کنزیٰ اپنی کمپیوٹر کلاسز میں لہٰذا دونوں کی توجہ فی الحال بھوت بنگلے سے ہٹی ہوئی تھی' وریشا کا دو تین بار سالار سے سامنا ہوا تھا ایک بار جب وہ چھت پر کسی کام سے گئی تو اپنے ٹیرس پر موبائل فون پر بات کرتے سالار نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا مگر اس نے انتہائی بے رخی سے منہ پھیر کر نیچے کی راہ لی تھی جب کہ دوبارہ گھر سے نکلتے اور آتے اس کی نگاہ سالار پر پڑی تھی جو اسے دیکھ کر ہمیشہ ایک میٹھی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتا جب کہ وریشا بُری طرح کلس کر رہ جاتی۔

"ہائے وریشا! ہم کتنا پاگل بنے نا' اس بھوت بنگلے کے لوگ کوئی جن بھوت نہیں بلکہ انسان ہیں اور اس دن کیسے خوف زدہ ہو کر ہم وہاں سے بھاگے تھے۔" وہ دونوں گھر کے قریبی بنے پارک کی بنچ پر بیٹھی تھیں تب ہی کنزیٰ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"اونہہ یہ پھلجڑی تم دونوں نے ہی چھوڑی تھی کہ وہ گھر آسیب زدہ ہے۔" وریشا چڑ کر بولی۔

"ہائے وریشا باجی! اب اتنا جھوٹ بھی نہ بولو تم' اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گی۔" گڈو بلبلا کر بولا۔

"تم میرے منہ کی فکر مت کرو سمجھے' چار سال تم سے بڑی ہوں ادب کرو میرا۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"چھوڑو گڈو یہ تو ہے ہی ہمیشہ کی طرح ایک ہی کمینی۔"

"اچھا میں کمینی اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ خوامخواہ آستینیں چڑھا کر بولی نجانے کس بات پر اسے اتنا غصہ آ رہا تھا۔

"میرا خیال تو بہت نیک ہے۔" کنزیٰ شرمگیں مسکراہٹ سمیت بولی تھی۔

"اوہ تو موصوفہ اتراہٹ میں مبتلا ہو گئی ہیں' تم خدا کے واسطے یہ میرا جیسی مصنوعی اور بھونڈی شرم نہ دکھاؤ۔"

"وریشا تم اپنی حد میں رہو میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اور میری شرم بالکل خالص اور حقیقی ہے۔" کنزیٰ بے

تحاشا بُرا مان کر بولی۔

"ویسے کنزیٰ باجی! یہ جو پوز ابھی آپ نے بقول شرم وحیا والا دیا ہے یہ کس خوشی میں تھا؟" گڈو نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"ارے بدھو تمہاری بہن کے ہاتھ پیلے ہونے والے ہیں۔" کنزیٰ اب باقاعدہ دوپٹے کا کونا اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے لجا کر بولی۔

"مگر مجھے تو آپ کی آنکھیں اور چہرہ بھی پیلا پیلا لگ رہا ہے ذرا دکھائیں تو سہی۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں گویا ہوا۔

"دھت شرارتی کہیں کا۔" وہ ہنوز انداز میں بولی وریشا کو تو جیسے چکر آنے لگے۔

"دنیا میں تم واحد لڑکی نہیں ہو جس کی شادی ہو رہی ہے اتراہٹ ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہی۔" وریشا نے تپ کر کہا۔

"اوہ تو کیا سلمان بھائی (کنزیٰ کا منگیتر) آسٹریلیا سے آ رہے ہیں بے چارے کنزیٰ باجی کو لینے۔" گڈو کچھ تاسف سے بولا۔

"ہوں اور سنو...... حد ہے چھچھورپن کی کہ بارات گھوڑی پر چڑھ کر لا رہے ہیں۔" وریشا استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی تو گڈو بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔

"وریشا باجی! سلمان بھائی اگر گھوڑی پر بیٹھیں گے تو وہ تو بے چاری ان کے وزن سے مکھی ہی بن جائے گی۔"

"ہاں یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وریشا ہنستے ہوئے بولی جب کہ کنزیٰ دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"ویسے وریشا باجی تمہیں دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ابھی تک کوئی معقول رشتہ تمہارے واسطے برآمد نہیں ہوا۔" گڈو یکدم سنجیدگی سے بولا۔

"تم تو جانتے ہو گڈو! آج کل ہر کوئی گورے رنگ پر مرتا ہے اور معاف کرنا تمہاری بہن تو پکی سانولی ہے۔" کنزیٰ طنزیہ انداز میں وریشا کے گندمی رنگ کو نشانہ بنا کر گویا ہوئی۔

"ہاں ہاں سلمان بھائی نے تمہاری گوری رنگت تو دیکھ لی مگر لمبے دانت نہیں دیکھے۔" وریشا بینچ سے اٹھ کر لڑاکا انداز میں بولی تو اس سے پہلے کنزیٰ کوئی جوابی حملہ کرتی مغرب کی اذان نے فی الحال سیز فائر کیا تو تینوں نے گھر کی راہ لی۔

❀......❀......❀

کوئی بارات نہ آئے رہے ہم آس لگائے
عمر یا بیتی جائے کوئی رشتہ نہ آئے

گھر کی ڈسٹنگ کرتے ہوئے وہ ہولے ہولے گنگنا رہی تھی جب کہ چہرے پر رنگ گورا کرنے کی غرض سے شہد اور بیسن کا لیپ لگا رکھا تھا۔

"ویسے وریشا باجی تم اس وقت بڑی ڈراؤنی لگ رہی ہو بھوتنی جیسی۔ شکر ہے کہ امی پاپا اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" ریموٹ پر چینل سرچ کرتے گڈو نے ٹکڑا لگایا۔

"سنو گڈو! کتنا مزا آ جائے کہ میری شادی اس کنزیٰ سے پہلے ہو جائے۔" وریشا ڈسٹنگ کا کپڑا چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس آ کر اشتیاق سے بولی۔

"وریشا باجی دلہا کوئی پزا یا برگر تو ہے نہیں کہ ایک فون کرو اور فوراً حاضر ہو جائے اس کام میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" آخر میں وہ دادی اماؤں کی طرح بولا۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔" وہ تائیداً بولی۔

"ارے یاد آیا۔" گڈو اپنی جگہ سے اچھل کر انتہائی جوش سے بولا۔

"کیا کوئی رشتہ ذہن میں آیا۔"

"ہاں وہ بھٹی صاحب کے سالے پچھلے ماہ ہی بیوہ...... میرا مطلب میل (مرد) بیوہ ہوئے ہیں وہ کل انکل اظہر سے کہہ رہے تھے کہ چالیسویں کے فوراً بعد میں عقد ثانی کرنا چاہتا ہوں۔" وریشا کے اس قدر اشتیاق بھرے انداز میں پوچھنے پر گڈو بڑے جوش سے بولا۔

"گڈو کے بچے۔" وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔



"ارے ایک اور رشتہ ہے خالدہ آنٹی کی نند کے شوہر کا کیوں کہ وہ اپنی بیوی سے انتہائی بے زار اور بے پناہ تنگ ہیں۔"

"وہ...... وہ ٹھرکی بڈھا...... بھینگا' لمبے منہ والا جس کے لمبے کان سوکھے کریلے جیسے ہیں اور اس کی ناک پچکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ اور چپٹی ہے۔"

"اُفوہ باجی تم نے تو خالدہ آنٹی کی نند کے شوہر کو تو سبزی کی دکان ہی بنا ڈالا۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"گڈو ابھی اور اسی وقت میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو جاؤ ورنہ......" انتہائی طیش کے عالم میں وہ مٹھیاں بھینچ کر فقط اتنا ہی بول سکی۔

"ہاں ہاں بھئی جا رہا ہوں تم پھولن دیوی کیوں بن رہی ہو۔" وہ گھبرا کر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا پھر ذرا پلٹ کر گویا ہوا۔

"یہ شہد اور بیسن کو منہ سے تو دھو لو...... ورنہ ایسا نہ ہو کہ سانولے رنگ سے بھی ہاتھ دھو لو۔" گڈو کی بات سیدھا اس کے دل میں لگی تھی سو وہ سب کچھ جھٹک کر واش بیسن کی جانب بھاگی۔

❀......❀......❀

"سالار بھائی بتا رہے تھے کہ ان کی پوری فیملی امریکہ میں شفٹ ہے مگر وہ اپنے ملک کے لوگوں کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ پتا ہے کنزیٰ باجی! وہ غریبوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔" گڈو کی سالار سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی جو ڈاکٹر تھا۔

"اونہہ...... مدر ٹریسا بننے کا شوق۔" بظاہر میگزین پڑھتی وریشا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"وہ بہت ہنس رہے تھے یہ سب سن کر کہ ہم ان کے گھر میں رہنے والوں کو بھوت سمجھ رہے ہیں۔" گڈو نے مزے سے کہا۔

"ہی ہی...... سچ ہم کتنا ڈر گئے تھے نا' گیندے کے پھول کی کیاری کو قبر سمجھ بیٹھے تھے وہ تو زرینہ آنٹی جو ان کے گھر کی دیکھ بھال کرنے پر مامور ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مالی کو وہاں گوڈی کرنی تھی اور تم گڈو! انہوں نے نجانے کس بات پر ڈیڑھ سو بولا تم نے ڈیڑھ سو سال کا اضافہ کر دیا۔" کنزیٰ محظوظ ہوتے ہوئے بولی تو وریشا کو وہ لمحے تمام تر جزئیات سمیت یاد آ گئے جب وہ سالار سے ملی تھی اور جن سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں وہ ہلکان ہو چکی تھی۔ اپنی حماقت و بے وقوفی پر اسے ہمیشہ کی طرح بے تحاشا غصہ آ گیا' وہ بے ساختہ زار و قطار رونے لگی۔

"ارے ارے وریشا...... کیا ہوا؟" دونوں گھبرا کر اپنی باتیں چھوڑ کر اس کی جانب لپکے جبکہ اس کے رونے میں اور زیادہ روانی آ گئی۔

"وریشا باجی آخر ایسا کیا پڑھ لیا آپ نے اس میگزین میں؟" گڈو میگزین کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے لگتا ہے گڈو! یہ میری رخصتی کا سوچ کر رو رہی ہے' مت رو میری بہن۔" کنزیٰ جذباتی ہو کر اس کے گلے لگ گئی جسے وریشا نے چڑ کر پرے دھکیلا

## نیلم راؤ

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کو نیلم راؤ کا چاہتوں اور محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ میرا تعلق ملتان کے چھوٹے سے قصبے جتوئی سے ہے' میری پیدائش 9 محرم کی ہے اور فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں۔ میرا پسندیدہ کلر وائٹ اور فیروزی ہے' میری سب سے اچھی اور قریبی دوست ام ہانی ہے۔ میں محبت پر یقین نہیں رکھتی' موسم میں زیادہ تر سردی پسند ہے۔ پڑھنا لکھنا اچھا لگتا ہے' زندگی کا صرف ایک ہی خواب...... کیپٹن بننا لیکن اس کے لیے دعاؤں کی ضرورت ہے' کہتے ہیں دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ مجھے سفر کرنے کا بہت شوق ہے لیکن کبھی کیا نہیں' غصہ بہت کم آتا ہے لیکن ناراض ہونا بہت آتا ہے شاید میری یہ عادت کسی کو بُری لگتی ہو۔ دوسروں کی فکر بہت زیادہ کرتی ہوں' کھانے میں چاول پسند ہیں۔ میری ایک خامی بھی ہے جو ہانی مجھے بتاتی ہے میں مایوس بہت جلد ہو جاتی ہوں' زیادہ لوگوں سے ملنے سے گھبراتی ہوں۔ ڈرتی بھی بہت ہوں' آنچل میں بیاض دل پڑھنا زیادہ پسند ہے۔ اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

تھا اسی دوران گھر کی گھنٹی بجی وہ تینوں لان کے ایک طرف بیٹھے تھے آتی ہوئی گلابی سردی میں سہہ پہر کے ان لمحوں میں لان میں بڑی نرم و ملائم سی دھوپ اور ٹھنڈی چھاؤں بھی تھی۔

''کنزیٰ میں......میں......''

''ہاں ہاں بولو میری بچی کیا میں......'' کنزیٰ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اگلوانے والے انداز میں بولی جب کہ گڈو گیٹ کی جانب جاچکا تھا۔

''میں......میں......''

''اُف اب میں میں سے آگے تو گاڑی بڑھاؤ۔'' کنزیٰ چڑ ہی گئی۔

''کنزیٰ مجھے بھوت سے......افوہ میرا مطلب ہے مجھے بھوت بنگلے سے محبت ہوگئی ہے۔''

''ہائیں......تو اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے؟'' کنزیٰ استعجابیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''اُف موٹی عقل...... مجھے بھوت بنگلے میں رہنے والے سے......''

''آ......آہ......'' وریشا نے چڑ کر بولتے ہوئے جونہی سامنے نگاہ اٹھا کر دیکھا ایک فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی جب کہ کنزیٰ بُری طرح سہم گئی۔

''یا وحشت وریشا! تم تو میرا ہارٹ فیل کردو گی۔'' کنزیٰ کو نظر انداز کیے وہ بڑی حیرت سے گڈو کے ساتھ کھڑے بلو جینز پر بلیک شرٹ پہنے چہرے پر تبسم سجائے سالار کو دیکھے ہی جارہی تھی جب کہ گڈو اسے یک ٹک سالار کو تکتے پاکر شرمندہ سا ہورہا تھا۔ گلا کھنکھار کر اس نے وریشا کی محویت کو توڑنا چاہا مگر وہ تو جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔

''وریشا! باقی بعد میں دیکھ لینا' یہ کون سا بھاگے جارہے ہیں۔'' کنزیٰ نے اس کے کان میں گھس کر تیز آواز میں سرگوشی کی تو وہ بُری طرح ہڑبڑا سی گئی۔

''میرے خیال میں یہ مجھے اب تک بھوت سمجھ رہی ہیں۔''

''آ......آپ یہاں کیسے آگئے؟'' وہ ہونق پن سے بولی۔

''کیا مطلب اپنی ٹانگوں سے چل کر آرہا ہوں۔'' سالار نے فوراً جواب داغا۔

''حد کرتی ہو تم بھی باجی! بھلا مہمان سے کوئی ایسے پوچھتا ہے۔'' گڈو خفت بھرے انداز میں گویا ہوا پھر اسے لے کر لان کے درمیانی حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں کین کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

''سالار بھائی مجھے دو دن سے محسوس ہورہا ہے جیسے مجھے چکر آرہے ہیں' کچھ کمزوری بھی ہورہی ہے آپ پلیز میرا چیک اپ کرلیں۔'' کنزیٰ بیگم مطلبی لہجے میں بولیں تو اس پل وریشا کا دل چاہا کہ اس کا سر توڑ دے جب کہ ان موصوف نے کنزیٰ کی نبض بھی ٹٹولنا شروع کردی۔

وریشا نے بے ساختہ کنزیٰ کا ہاتھ جھپٹ کر جھٹکا تھا۔

''تمہیں ہر ڈاکٹر کو دیکھ کر اپنی نامعلوم بیماریاں کیوں یاد آجاتی ہیں' یہ دماغ کے ڈاکٹر نہیں ہیں جو تمہارا دماغی خلل دور کرسکیں۔'' وریشا کلس کر دھیمی آواز میں کنزیٰ کے کان کے قریب آکر بولی تو کنزیٰ خوامخواہ کھسیانی ہوکر ہنسنے لگی پھر معاً کچھ یاد آیا تو وریشا سے پوچھنے لگی۔

''تم ان کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی نا۔''

''مم......میں......نہیں......میں کیا کہوں گی میں تو انہیں جانتی بھی نہیں ہوں۔''

''نہیں وریشا تم انہی کے بھوت بنگلے میں......میرا مطلب ہے ان کے گھر اور شاید اور ان کے بارے میں دھواں دھار روتے ہوئے کچھ بتانے والی تھیں۔'' وریشا کی ہکلاہٹ سے بھرپور وضاحت کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کنزیٰ شکی انداز میں بولی جب کہ سالار نے اسے پوری طرح اپنی نظروں کی گرفت میں لے رکھا تھا' سرخ و سیاہ امتزاج کے سوٹ میں روئی روئی آنکھوں سمیت وہ اس پل بہت نروس دکھائی دے رہی تھی۔

''ارے یاد آیا تمہیں اس بھوت بنگلے سے محبت ہوگئی ہے یہی کہہ رہی تھیں نا تم۔'' کنزیٰ جوش سے اچھل کر



جلدی سے بولی۔

''آ......ہاں ہاں میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ وہ گھر میرے خوابوں کے شہزادے جیسا ہے میرا آئیڈیل میری چاہت۔'' وریشا کچھ بھی سوچے سمجھے بنا جلدی جلدی بولے گئی۔

''ہوں وہ گھر......'' سالار ایک ہنکارا بھر کر بولا۔

''اور نہیں تو کیا......'' وہ فوراً گویا ہوئی۔

''لیکن وریشا باجی شاید وہ تم ہی تھیں نا جس نے سب سے پہلے پورے محلے میں یہ نعرہ لگایا تھا کہ اس گھر میں بھوتوں کا بسیرا ہے' جو تمہیں دو سو سال پرانا لگتا ہے۔ وہاں کے درخت ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جن پر جھولا ڈال کر یقیناً چنگیز خان کی بیویاں اور منگولیا کی بیٹیاں اور ان کی سہیلیاں ساون کے گیت گاتی ہوں گی۔'' گڈو بولتا ہی چلا گیا۔

''گڈو پہلے لگتا تھا مگر اب نہیں لگتا۔'' وریشا اپنی جگہ سے پہلو بدل کر بولی۔

''سالار بھائی میں نے گڈو سے آپ کے متعلق بہت سنا تھا آج ملاقات بھی ہوگئی' سچ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔'' کنزیٰ خلوص سے بولی وریشا تینوں کو باتیں کرتا دیکھ کر خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی۔

❁......❁......❁

وریشا ان دنوں بے حد پریشان تھی دسمبر کا بھیگا بھیگا موسم آچکا تھا نئے سال کی پہلی تاریخ کو کنزیٰ پیا دیس سدھارنے والی تھی جب کہ گڈو کا آدھے سے زیادہ دن کنزیٰ کے گھر میں ہی گزر رہا تھا جو پچھلی گلی میں واقع تھا۔ دونوں بچپن کی سہیلیاں اور پڑوسی تھیں وہ ایک دوسرے سے لڑتی جھگڑتی تو خوب تھیں مگر ایک دوسرے کے بنا انہیں چین بھی نہیں آتا تھا۔ وریشا سالار کی محبت میں گرفتار ہوچکی تھی مگر یہ اعتراف اس نے کسی سے آگے نہیں کیا تھا۔ سالار تو یہاں پردیسی تھا اس کے گھر والے امریکہ میں مقیم تھے' وہ کسی بھی وقت امریکہ جاسکتا تھا۔ سالار کی شوخی اس کی شرارت اور سحر انگیز آنکھوں کی محویت

**شمائلہ کوثر**

السلام علیکم! میرا نام شمائلہ کوثر ہے میں بی اے کی طالبہ ہوں اور مجھے پیار سے شمع بھی کہتے ہیں۔ ہم سات بہن بھائی ہیں' میری آپی نائلہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی ہیں' دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔ اس کے بعد میں سب سے بڑی ہوں پھر آپی نائلہ' اویس' مہوش' سمیر' نادیہ اور آخر میں سب سے چھوٹا علی رضا ہے۔ ہم سب پڑھ رہے ہیں اور امی جان بہت اچھی ماں بھی اور دوست بھی ہیں۔ ابو جان بہت ہی پیار کرنے والے ہیں' اب آجاتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو خامی پہلی تو یہ ہے کہ میں دوسروں پر جلد بھروسہ کرلیتی ہوں اور ہمیشہ نقصان اٹھاتی ہوں اس کے علاوہ بہت جلدی غصہ آجاتا ہے۔ غلط بات کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ خوبیاں...... بہت ہی نرم دل ہوں' کسی کا بھی دکھ برداشت نہیں ہوتا۔ اب اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

نے اسے اپنی محبت و چاہت کے طلسم میں بُری طرح جکڑ لیا تھا' وہ چاہ کر بھی خود کو اس طلسم سے آزاد نہیں کرپارہی تھی۔

آج کنزیٰ کی مہندی تھی وہ بجھے دل سے تیار ہوکر اس کے گھر آگئی تھی' وسیع و عریض گھر کے لان میں اس وقت خوب ہنگامہ برپا تھا۔ کنزیٰ کے گھر والوں اور سسرال والوں کے درمیان گانوں کا مقابلہ ہورہا تھا' وہ نسبتاً تنہا گوشے میں چلی آئی۔

''آپ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟'' کھدر کے بلیک شلوار سوٹ میں وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

''آپ کو اس سے کیا؟'' وہ حسب معمول تنک کر بولی۔

''آپ مجھ سے ہمہ وقت خفا خفا کیوں رہتی ہیں۔'' میرون رنگ کے فراک پاجامے کے سوٹ میں ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ بہت حسین لگ رہی تھی پھر وہ خود سے گویا ہوا۔

# سال نو مبارک

عالیہ حرا

"دراصل اس دن میں اپنے دوست کے پلّے کی ریہرسل کررہا تھا' وہ تھیٹر ڈرامے کرتا ہے اور زبردستی ایک بھوت کا رول اس نے مجھے دے دیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وریشا خفیف سی ہوگئی اور بناء کچھ کہے وہاں سے پلٹ آئی جب کہ سالار وہیں کھڑا دیر تک مسکراتا رہا۔

فنکشن کا اختتام ہوچکا تھا بارہ بجتے ہی پٹاخوں کی آوازوں سے ماحول گونج اٹھا تھا سب ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دے رہے تھے۔

"اللہ کرے اس سال میری بتو بھی دلہن بن کر پیا دیس سدھار جائے۔" کنزیٰ نے وریشا کو لپٹاتے ہوئے خلوص سے کہا تو وریشا کا ضبط جواب دے گیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی' بہت سارا رونے کے بعد جب وہ خود ہی خاموش ہوئی تو اسے کنزیٰ کی چپ کا احساس ہوا۔

"بے حس لڑکی میں رو رہی تھی اور تم مجھے چپ بھی نہیں کرا رہی تھیں۔" وریشا اپنے مخصوص انداز میں بولی تو کنزیٰ ہنسنے لگی۔

"تم کیا سمجھتی ہو میں تمہاری کیفیت سے انجان تھی' میری چندا میں اسی دن جان گئی تھی کہ دال میں کالا نہیں بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ جب تم نے اس بھوت بنگلے والے سے محبت کا اظہار کیا تھا۔" کنزیٰ مایوں کے پیلے جوڑے میں ملبوس مزے لے کر بولی تو وریشا نے اسے انتہائی حیرت سے دیکھا۔

"پھر سالار بھائی نے ہمیں اس دن والا واقعہ بھی سنا ڈالا' جب تم انہیں بھوت سمجھ کر بے ہوش ہوگئی تھیں اور......"

"اور کیا......؟" وہ بے ساختہ شرما کر بولی۔

"اُف اب تم میرا بن کر یہ مصنوعی شرم کی اداکاری مت کرو۔"

"میں کوئی میرا ویرا نہیں بن رہی۔" کنزیٰ کے چھیڑنے پر وہ کھسیانی ہوکر بولی۔

"پھر جب گڈو نے بتایا کہ تم چاہتی ہو کہ مجھ سے پہلے تمہاری شادی ہوجائے مگر کوئی رشتہ درکار نہیں ہے تو جھٹ سالار بھائی نے تمہیں اپنا رشتہ دے دیا۔"

"کیا...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو کنزیٰ! اب بس کرو یہ ڈرامہ۔" وریشا ناگواری سے بولی۔

"وریشا باجی یہ ڈرامہ نہیں حقیقت ہے وہ تو سالار بھائی کو آپ کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتانا تھا اور مجھے امی پاپا کو آپ دونوں کے بارے میں ورنہ یقیناً آپ کنزیٰ باجی سے پہلے دلہن بن جاتیں۔" عقب سے گڈو کی کھلکھلاتی آواز ابھری تو وریشا نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا جس کے سنگ کھڑا سالار اسے بے پناہ نروس کر گیا تھا۔

"بھئی ہم نے سوچا کہ تمہارے خوابوں کے شہزادے یعنی اس بھوت بنگلے سے تو تمہاری شادی نہیں ہوسکتی تو کیا ہی اچھا ہو کہ اس گھر کے مالک سے تمہارا بیاہ کردیں۔" کنزیٰ ہنستے ہوئے بولی۔

"مجھے نہیں کرنی ان سے شادی وادی......" وہ جھنجلا کر بولی' نجانے کہاں سے اتنی ڈھیر ساری شرم عود کر آئی تھی جب ہی گڈو کسی کی آواز پر وہاں سے پلٹا تھا اور کنزیٰ "میں ابھی آئی" کہہ کر وہاں سے کھسک گئی تھی تب ہی سالار چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔

"نیا سال ہماری زندگی کے نئے سفر کے ساتھ مبارک ہو۔" گمبھیر و دلکش آواز پر وریشا نے بمشکل نگاہ اٹھا کر حیا آلود لہجے میں کہا۔

"آپ کو بھی یہ نیا سال اور یہ سفر مبارک ہو۔" پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیئے جب کہ سیاہ آسمان پر ٹمٹماتے روشن ستارے ان کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوگئے دور صبح نو کا ستارہ انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

❀

> دیوانگی لے آئی ہے کس موڑ پہ ہم کو
> گھر لوٹ کے آئے ہیں تو گھر ڈھونڈ رہے ہیں
> اب حبس بڑھا ہے تو ہواؤں کی طلب ہے
> اب دھوپ بڑھی ہے تو شجر ڈھونڈ رہے ہیں

کینٹ کاؤنٹی سے ملحق یہ خوب صورت اور پُر فضا قصبہ اسے بے حد پسند آیا' اس علاقے میں سیبوں کی بہتات تھی' بینا آپی نے بتایا کہ یہ علاقہ سیبوں کی کاشت اور سرسبز و شاداب باغوں کی وجہ سے مشہور ہے اور لندن یہاں سے صرف ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔ ٹرین سے جاؤ تو آدھا گھنٹہ لگے گا' میں تمہیں لندن بھی دکھاؤں گی اور یہاں کی خوب صورت ٹرین بھی تمہیں ایسا لگے گا جیسے تم کسی خوابناک طلسم میں ہو یا پھر کسی پرستان میں۔

مگر یہاں سے جانا کس نے تھا اور کہاں جانا تھا' میں یہاں سے کہیں اور جانے کے لیے نہیں آئی تھی۔

مونا سارا دن اس برفیلے سرد موسم میں سفید چوکھٹوں والے دریچے کے یخ شیشے سے ٹیک لگائے باہر دیکھا کرتی' وسیع لان سرسبز فرشی قدرتی غالیچے پر برف کے پھول گرتے رہتے' آج کل برف باری بہت ہو رہی تھی۔ ابھی چند دن پہلے شبنم کے قطروں کی شکل میں اوس کی بوندوں کو برف کی صورت میں پھولوں کی پتیوں پر دیکھا تھا۔ اس کا دکھ سن کر لگتا تھا اوس کے قطرے ٹھٹک کر برفیلے اولے بن گئے ہیں' ننھے منے بے حد سرد......

"منے......" دھیرے سے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

میرے منے کا کیا حال ہوگا اور میری منی میری گڑیا گرم گلابی کمبل کی گرمی میں ماں کی آغوش' ماں کی گود ڈھونڈ رہی ہوگی اور نہ پا کر کیسے گلابی کمبل کے اندر بے چین و بے قرار ہوگی۔ منا کون سا بہلا ہوگا' بھوک میں شور مچاتا ہوگا' مچلتا ہوگا۔ سیراب تو ہو جاتے ہوں گے مگر بے چینی' بے قراری ہنوز برقرار رہتی ہوگی۔

دھیرے سے شیشے کی دیوار سے پیشانی ٹکا کر آنکھیں موند لیں' سکون کیسے مل سکتا ہے۔ جنم دینے والی ماں سات سمندر پار' قرار کیسے آتا ہوگا۔ پلکوں کے ستارے ٹھٹک کر برفیلے ہو رہے تھے' آنسوؤں کی گرمائی بھی وہاں اپنے بچوں کے پاس چھوڑ آئی تھی۔

سرد موسم' بارش اور برف...... باہر بھی تھی اور ایک ایسا ہی موسم وجود کے اندر ٹھہر گیا تھا اور اب اسے ٹھہرا ہی رہنا تھا۔

❁......❁......❁

"جواد پلیز اٹھیے نا۔ جتنی بھی سردی ہو مگر کام بیا آپ کو کرنا ہے' باہر بھی جانا ہے۔ اٹھائیں بیلچہ اور گھر کے آگے کی برف ہٹائیں' جم گئی تو مشکل ہو جائے گی۔ برفباری سے گاڑی تو تقریباً دب ہی گئی ہے۔" اندر سے بینا آپی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

جواد بھائی شاید تھکے ہوئے تھے اور گہری نیند میں تھے یا شاید انہیں تنگ کر رہے تھے' کافی دیر سے بحث ہو رہی تھی۔

مونا اٹھ کر دروازے پر گئی اور دروازہ کھول کر باہر کا جائزہ لینے لگی' سارے گھر ایک جیسے بنے ہوئے تھے اوپر سے جھونپڑی نما' سامنے والے اس کے برابر والے چند گھر چھوڑ کر ایک میم دائیں جانب ایک بوڑھے سے انکل اور پھر ایک گوری...... اپنے اپنے اپارٹمنٹ کے آگے سے برف ہٹا رہے تھے' رستہ بنا رہے تھے۔ ہر سو ایک دھندی تھی' آج چار دن بعد برفباری رکی تھی اور سب اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' بہت خوب صورت منظر تھا۔ درختوں نے بھی سر د سفید لبادہ اوڑھ لیا تھا۔



"آؤ مونا ہم خود کرلیں' جواد نے تو قسم کھائی ہے نہ اٹھنے کی۔" آپی میرے پیچھے آ کھڑی ہوئیں۔

"میں برف نکالتی جاؤں گی تم وائپر سے صاف کرتی جانا اور یہ لانگ شوز پہن لو اور کوٹ کے بٹن بند کر کے دستانے بھی پہن لو۔" وائپر میری جانب بڑھا کر ہدایت جاری کی۔

آپی ہمیشہ کی ہدایت یافتہ تھیں اور میں مسکرا کر وائپر لے کر ان کے پیچھے چلی آئی۔ آپی برف نکالتی جاتیں مونا برف ہٹاتی جاتی' کچھ دیر میں راستہ صاف ہو گیا۔ آس پاس کے پودوں کی بھی برف جھاڑی۔

"بینا! راستہ تو صاف ہو گیا چلو اب شاپنگ کر آئیں۔" دونوں ایک ساتھ چونکیں۔ داخلی دروازے پر گاؤن کی جیب میں ہاتھ ڈالے سر پر اونی ٹوپی جمائے جواد بھائی شرارت سے مسکرا رہے تھے۔ آپی نے لب بھینچ کر مصنوعی خفگی بھرے احساس سے انہیں دیکھا' مونا نے اک نگاہ ڈال کر نگاہ چرالی۔

ایسی محبتیں' ایسے محبوبانہ انداز میرے نصیب میں نہیں لکھے گئے تھے حالانکہ شوہر کا ساتھ دس ماہ اور آٹھ دن رہا تھا مگر محبت' پیار' اپنائیت جیسے قریبی جذبے فطری تعلق اور محبت میرے نصیب میں تھی ہی نہیں۔

وہ دھیرے سے وائپر لے کر اندر آ گئی شاید جلد بازی میں کیے گئے فیصلے اسی طرح کے ہوتے ہیں' سر سے اتارے ہوئے بوجھ کی طرح۔ وہ ہر وقت اپنی زندگی کا ماتم نہیں کرنا چاہتی تھی' حادثے ہر کسی کے ساتھ ہوتے ہیں اس کے ساتھ بھی ہو گیا۔ محب الدین نے اسے کون سی جذباتیت دی تھی' محبت سے نوازا تھا' وہ اس کی سرد مزاجی کو بھی بھول جانا چاہتی تھی مگر...... مگر جگر گوشے جو نو ماہ اس کے وجود کا حصہ رہے تھے' اسی تلخ دور کو بھولنے ہی نہیں دیتے تھے۔

اب وہ ننھے منے سے دو کنول کے پھول...... دھیرے سے انگلیوں پر حساب لگایا' تین سال اور تین ماہ کے ہو رہے تھے۔

وہ دریچے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی' کرٹن کھینچ کر شیشے کے پار دیکھا...... چلنے لگے ہوں گے' بھاگتے دوڑتے گرتے پڑتے' کتنے ہاتھ سنبھالتے ہوں گے۔ دادی' پھوپو' محب اس کی بیوی' واری صدقے جاتے ہوں گے' ان کے سونے ویران گھر کی رونق' گھر میں کلکاریاں گونجتی ہوں گی۔ رخساروں پر ٹھنڈک اتری تو چونک گئی۔

"مونا آ جاؤ تمہاری کافی تیار ہے اور پلیز ذرا تم حاتم اور جالم کو دیکھ لینا۔ گڑیا تو کلر بک کے ساتھ مگن رہے گی۔" اندر سے آپی کی آواز آئی۔ دھیرے سے رخسار صاف کر کے گھوم گئی۔

"برفباری بھی رک گئی ہے اور راستہ بھی صاف ہے' ہم گاڑی لے کر نہیں جا رہے' مارکیٹ تک تو جانا ہے۔"

"جی۔" وہ لاؤنج میں آ گئی۔

"اور تمہیں کچھ چاہیے؟" جواد بھائی رین کوٹ پہنتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں۔" وہ نظر چرا کر آگے بڑھ گئی۔

"میں نے پہلی لڑکی دیکھی ہے جسے مارکیٹ سے کچھ نہیں چاہیے ورنہ عورتیں تو......" شرارت سے بینا آپی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بینا آپی کا جسم شادی کے بارہ سال بعد اب بھر گیا تھا اور بُرا انہیں لگتا تھا اور جواد بھائی شرارت سے انہیں عورت کہنے لگے تھے۔

"تو خود کون سے لڑکے ہیں' توند دیکھیں اپنی' چھیل چھبیلے بنے پھرتے ہیں۔" پرس میں کچھ ٹٹولتے' کچھ ڈالتے آپی نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"ہاہاہا......" جواد بھائی نے حظ اٹھایا۔ "کتنا جلتی ہو تم مجھ سے' یہ ہی تو حسن ہے' جس پر مغربی لڑکیاں مرتی ہیں۔"

"اچھا چلیں بس' جل جل کے اور آپ نے جلا جلا کر تو بارہ سال گزار دیے۔" بیگ شانے پر لٹکا کر جواد بھائی کو باہر دھکیلتے ہوئے ہوا میں ہاتھ لہرا کر اسے خدا حافظ کہا اور داخلی دروازے سے باہر نکل گئے۔ لاؤنج میں سناٹا چھا گیا' اندر بچوں کے کمروں سے کارٹون کی آوازیں آ رہی تھیں ذرا

سا پردہ اٹھا کر باہر کی جانب دیکھا۔

اسے بینا آپی اور جواد بھائی کی نوک جھونک بہت اچھی لگتی تھی۔ دل کی ہوک' بنجر زمین پر کاشت کی خواہش جگا دیتی تھی اس کے وجود کی چپ بڑھ جاتی تھی۔ وہ جو رومانس کی علمبردار' محبت کی قائل اور ہر چیز سے خوب صورت اور رومینٹک ماحول تلاش کر لیتی تھی اب تو زندگی سے محبت ہی ختم ہوگئی تھی اک ہوک' اک درد' اک آس و پیاس رہ گئی تھی۔

تنہائی' خاموشی' سناٹا اس کے دل کے برفیلے دروازوں کو کھول دیتا تھا۔ خاموشی سے دل کے ایوانوں میں خالی گنبدوں کے درمیان گھوما کرتی اور ہجر کے درد کو دل پر اوس کی بوندوں کی صورت میں گراتی' سوچتی' بہلاتی اور اپنا قصور تلاش کرتی۔

❀......❀......❀

''بہت اچھی پارٹی ہے تمہیں چینج بھی ملے گا اور تم خوش بھی ہوگی' مزا بھی آئے گا۔''

''آپی اتنی ٹھنڈ' برفباری' حد کرتی ہیں آپ بھی۔'' اپنے گرد کمبل لپیٹ کر صاف انکار کر دیا۔

''یہ ٹھنڈ' یہ موسم و برفباری تو لندن کا مزاج ہے اور بارہ مہینے یہ سرد و گرم موسم رہتا ہے' اب اس موسم کی خاطر ہم اپنی گیدرنگ اپنی پارٹیز چھوڑ دیں۔'' اپنا مینی کیور کرتے ہوئے آپی بولتی جا رہی تھیں اور اسے اکسا رہی تھیں کسی ہونے والی ممکنہ پارٹی میں اسے لازمی جانا ہے۔

''تو جائیں آپ' میرا جانا ضروری تو نہیں ہے۔'' کمبل گردن تک کھینچ لیا۔

''بے شک ضروری نہیں ہے۔'' اپنی چیزیں اٹھا کر باتھ روم میں چلی گئیں۔

اتنی مصروفیت کے باوجود آپی آج بھی اپنا بہت خیال رکھتی تھیں شاید اسی لیے جواد بھائی چکور کی مانند چکراتے تھے۔

''مگر ہمیں تمہیں لے جانا بہت ضروری ہے' آج اور آگے آنے والی ہر پارٹی میں تمہیں جانا ہے ہمارے ساتھ۔'' تولیہ سے ہاتھ صاف کرتی وہ باہر آ گئیں۔

''کیوں......؟'' کمبل کے اندر سے آواز آئی۔

''اس لیے کہ اب ہم نے تمہارے ہاتھ پیلے کرنے ہیں' تمہارے لیے رشتہ تلاش کرنا ہے اور تمہیں رخصت کرنا ہے۔'' اس کا سانس کمبل کے اندر سینے کے درمیان رک گیا۔

''اس غم کو بہلانے کے لیے چار سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے' اس کا ازالہ غم تو نہیں ہو سکتا مگر دوسری صورت ضرور ہوتی ہے مونا! اور اس دوسری صورت سے ہم فائدہ اٹھا لینا چاہتے ہیں' سن رہی ہو...... نا مونا!'' بینا آپی نے گھوم کر اس کا کمبل کھینچ لیا۔ آنکھوں کو بازو سے چھپائے وہ تکیے پر آنکھیں موندے پڑی تھی۔

''مونا......'' بینا آپی اس کے سرہانے بیٹھ گئیں' ان کی مخروطی انگلیاں اس کے بالوں میں سرائیت کرنے لگیں۔

''یہ ضروری ہے مونا! زندگی تنہا نہیں گزرتی اور ساری زندگی نوحہ کتاب بھی نہیں رہا جا سکتا۔ خدا بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہمیں اپنی غلطیوں کا سوچ سمجھ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا۔'' مونا کے بالوں میں سرسراتی ان کی انگلیاں اس کے حواس جگا رہی تھیں۔

''اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کر دی آپ نے۔''

''کیوں' کس لیے...... زندگی میں اب رہا کیا ہے' جگنو گڑیا' یادیں...... سن رہی ہو...... نا۔'' اس کا شانہ ہلایا۔

''اٹھو' جاگو...... نو سردی' نو برفباری۔''

''پلیز آپی! مجھے کہیں نہیں جانا۔'' کمبل کھینچا۔

''تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟'' اس کی ٹھوڑی اٹھائی۔ گلابی آنکھیں شدت برداشت سے سرخ ہونے کو تھیں۔

''نہیں......'' اس نے سر جھٹک کر کمبل کھینچا' بینا آپی نے گہرا سانس لیا۔

''تم سن بھی رہی ہو اور سمجھ بھی رہی ہو بس اب یقین بھی کر لو کہ یہ ہونا ہے۔''

''آپی......'' مونا نے سر اٹھایا۔



''دوسری شادی ہونی ہے تمہاری' یہ میرا اور جواد کا فیصلہ ہے۔'' خفگی' غصہ' ناراضگی سب عیاں تھا' دکھ غالب تھا۔

''بے شک تمہارے ساتھ جلد بازی ہوئی مگر یہ بھی قسمت میں ہونا تھا۔ امی ابو کی وفات کے بعد تم فہد کی ذمہ داری تھیں اس نے باہر جانا تھا تمہیں چھوڑ کر یونہی نہیں جا سکتا تھا' تمہاری شادی کر دی۔ بے شک وہ اس طرح نہیں کر سکا جو والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر وہ اتنا بڑا بھی نہیں ہے ہم اسے کتنا قصور وار ٹھہرائیں گے۔ میں یہاں تھی عائشہ آسٹریلیا میں' فراز بھائی سعودیہ میں' سب کچھ فہد نے کرنا تھا۔ امی ابو کی وفات پر سب موجود تھے اس لیے اتنی دور سے سب کا دوبارہ آنا ممکن نہیں تھا۔''

''آپی...... وہ'' دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ ''مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''تو پھر زندگی کو از سر نو شروع کرنے کی تیاری کر لو۔''

''نہیں......''

''ہماری زندگی میں نہیں' نہیں ہوتا' ہاں اور ہونا ہی ہوتا ہے۔ تم جانتی ہو اس بات کو' تم مجھے سمجھا لو گی مگر جواد کو نہیں۔ جواد تمہارا کزن ہی نہیں بلکہ بہنوئی اور بھائی بھی ہے' اس لیے تیار ہو جانا' تمہارا ڈریس ڈریسنگ روم میں لٹکا دیا ہے۔'' آپی کہتے کہتے اک دم سے فائنلی رخ اختیار کر لیتی تھیں' ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں۔ مونا انہیں جاتے دیکھتی رہ گئی۔

وہ ماں تھی دو بچوں کی' بھلا کیسے شادی کر سکتی ہے' کل کو بچے بڑے ہوں گے اس سے ضرور ملیں گے اور اگر اس نے شادی کر لی تو کیا سوچیں گے' ان کی ماں نے ان کا انتظار بھی نہیں کیا' اسے جھرجھری آ گئی۔

''نہیں یہ ممکن نہیں۔'' اپنے گرد کمبل لپیٹ کر خود کو مضبوط کیا۔

''ارے تم تیار نہیں ہوئیں اب تک۔'' جواد بھائی اس کے کمرے میں آ گئے۔

''سردی بہت ہے جواد بھائی! میرے لیے مشکل ہوگا' آپ جائیے۔''

''ارے کوئی سردی نہیں ہے اور لندن کی سردیاں تو اونی کپڑوں کے ساتھ انجوائے کی جاتی ہیں۔ بینا...... بینا...... مونا کو گرم ٹوپی' سوئٹر' کوٹ دو نا۔'' اپنے گلے کی ٹائی میں الجھے' اس کی فکر میں غلطاں وہ بینا کو بلانے لگے۔

''پلیز جواد بھائی۔'' وہ اٹھ بیٹھی۔

''اس گیدرنگ کا تمہیں مزا آئے گا' تم بور نہیں ہوگی تم تو جانتی ہو کہ......''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' ان کا دل توڑتے ہوئے اسے افسوس ہو رہا تھا ان کے ہاتھ رک گئے۔

''مونا......'' دھیرے سے قریب آ کر ٹھہرے۔

''زندگی کو چلانے کے لیے یہ سلسلہ ضروری ہے مونا! ٹھہرے ہوئے پانی میں کائی لگ جاتی ہے' بساند اٹھنے لگتی ہے اور انسان اتنا بھی فالتو نہیں ہوتا اور اگر تم انتظار کر رہی ہو کسی کا تو لاحاصل ہے۔'' وہ اس کے بیڈ کے کنارے پر کھڑے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کہہ رہے تھے' مونا کا سر جھکا ہوا تھا۔

''کسی نے آنا ہوتا تو چھوڑ کر ہی کیوں جاتا۔'' مونا کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔ ''(میں ماں بھی تو ہوں کوئی یہ کیوں نہیں سوچتا)''

''بچے تمہارے پاس ہوتے تو بھی جینے کا سہارا ہوتا اور ہم تمہیں ہمیشہ تو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے نا۔'' جواد سنجیدہ تھے' مونا نے سر اٹھایا جواد مسکرا رہے تھے' آنسو رخسار پر ڈھلک گئے۔

''چلو شاباش آ جاؤ۔'' تسلی آمیز انداز اختیار کیا اور باہر نکل گئے۔

آج کے لیے اتنا ہی لیکچر کافی تھا جواد بھائی کے اتنے خلوص پر اسے تیار ہونا ہی پڑا' پرپل کلر کا سوٹ' ہم رنگ خوب صورت اونی ٹوپی' دستانے پہنے وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

ایک سال کی بیاہی بھی کوئی بیاہی ہوتی ہے' اپنے دماغ سے تاثر زائل کر دے سانحہ بھول جائے' رنجیدگی کا لبادہ اتار پھینکے تو آج بھی لاکھوں میں ایک تھی۔ کم عمر' حسین' تو

عمر دوشیزہ چوبیس سال عمر ہی کیا ہوتی ہے' لیکن اس کی قسمت...... بینا آپی اس کے حسن کو سراہ کر نظر چرا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

"شکر اللہ تعالیٰ کا۔" جواد بھائی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر پیچھے دیکھا۔

"ہاں اللہ کا شکر کہ آج برفباری کم ہو رہی ہے۔" بینا باہر دیکھ رہی تھی' گاہے بگاہے روئی کے گالے آسمان سے گر رہے تھے۔ لندن کا موسم' گرتی برف بدلتا انداز' مونا کو بہت اچھا لگا تھا۔

"میں اس لیے بھی شکر ادا کر رہا ہوں کہ آج میں بھی سالی والا بن کر نکل رہا ہوں ورنہ اس سے پہلے تو دوسروں کی خوب صورت سالیاں' پیاری پیاری نندیں دیکھ دیکھ کر جلتا تھا۔" مونا نے ناراضگی سے گھورا اور پھر ان کے انداز پر ہنس دی' بینا بھی ان کا ساتھ دینے لگی۔

❁......❁......❁

آتش دان میں جلتی آگ جھولتی کرسی' فلور کشن قیمتی مگر قدیم فرنیچر جگہ جگہ روشن قندیلیں' گرم ماحول...... بیگم وقار النساء کا دھیما سا انداز' وہ اس تقریب کی روح رواں تھیں یہ گھر ان کا ہی تھا نایاب چیزیں اکٹھی کر کے انہیں سجانا ان کا مشغلہ بھی تھا اور روزگار بھی۔

کئی سال پہلے وہ اور ان کے بھائی اسفندیار لندن پڑھنے کے لیے آئے تو اِدھر ہی بس گئے۔ وقار النسا پھر پاکستان گئی ہی نہیں ادھر ہی شادی ہوئی مگر شوہر لالچی تھا' بن نہ سکی بچوں کو پاکستان لے کر چلا گیا مگر اب بچے بڑے ہو گئے تھے بیگم وقار النساء نے انہیں ادھر ہی بلوا لیا تھا۔ بیٹی کی پچھلے سال شادی کر دی تھی آسٹریلیا میں تھی اور ایک بیٹا ادھر پڑھ رہا تھا' دوسرا پاکستان میں بزنس کر رہا تھا۔

مونا سحر زدہ انداز میں گھر کی خوب صورتی' خوابناک ماحول کو دیکھ نہیں رہی بلکہ محسوس بھی کر رہی تھی۔ بینا آپی اسے دھیرے دھیرے بتا رہی تھیں' ان کے ہاتھوں میں گرم بھاپ اڑاتا کافی کا مگ تھا۔

"ہمارے دوستوں میں یہ گھر ہی سب سے بڑا ہے' ہمیں ون ڈش کرنا ہو گیٹ ٹو گیدر کا پروگرام ہو' کوئی بچہ موٹا شو کرنا ہو یا پھر کوئی اور پروگرام بیگم وقار اپنا لان پیش کر دے دیتی ہیں۔ بہت زندہ دل خاتون ہیں' خود بھی ایسے پروگرام ترتیب دیتی رہتی ہیں' ان کا اپنا بوتیک ہے یہاں تمہیں ہر ڈیزائن ملے گا۔ بہت ہنر مند خاتون ہیں' بچوں کی جدائی کو انہوں نے روگ نہیں بنایا۔" بینا آپی نے کافی کا آدھا مگ اسے تھما دیا۔

"ان کے دوسرے شوہر بہت اچھے ہیں' ملواؤں گی تمہیں۔ ان کے شوہر اور اسفند یار کہیں ٹور پر گئے ہوئے ہیں' جہاں انہیں خبر ہو کہیں کوئی قدیم سامان موجود ہے فوراً دوڑے لگواتی ہیں ان دونوں کی۔" آپی کی دوست سارہ بھی قریب آ گئیں۔ "یہاں سب کے بیچ میں محبت اور انداز میں تپاک ہوتا ہے' پاکستان سے آنے والوں سے یوں ملتے ہیں گویا کب کے بچھڑے ہوئے آج کہاں آ کے ملے۔"

"بینا! گھر لے کر آنا مونا کو۔"

"یہ نکلتی ہی نہیں ہے آج بھی مشکل سے خوشامد سے نکلی ہے۔" بینا نے شرارت سے مونا کو دیکھا۔

"ارے لے آنا بچوں میں دل لگ جائے گا۔"

"پھر تو بالکل نہیں لاؤں گی' دل لگ گیا تو گھر بسانے کے لیے تیار نہیں ہو گی۔" مونا نظر چرا کر بیگم وقار النساء کو دیکھنے لگی۔ خوب صورت انداز میں گفتگو ملنسار لہجہ' محبت ان کے لہجے اور انداز میں گنگنا رہی تھی۔ بچوں سے جدائی کا رنگ ان کے چہرے پر تھا ہی نہیں' ماں ایسی بھی ہوتی ہے کیا؟

ان کے پس منظر میں خوابناک سی روشنی رقصاں تھی۔ مونا حقیقت میں یہاں آ کر بور نہیں ہوئی تھی اسے اچھا لگا' اسے بہت مزا آیا شاید اس لیے بھی یہاں کا ماحول اسے بہت اچھا لگا اس تقریب میں کوئی بچہ نہیں تھا' بچوں کی بھاگم دوڑ میں قیمتیں چیزیں ٹوٹنے کا ہی ڈر و خدشہ رہتا ہے۔

آتش دان کے آگے رکھی چیئر پر بیٹھی تو کتنے خواب آنکھوں میں مچل گئے۔ وقت کیسے کیسے آزماتا ہے' قسمت کیسے اپنا رنگ بدلتی ہے اور وقار النساء نے مگ رکھتے ہوئے اس تنہا واکیلی واداس لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر شعلے کے سائے درد کی صورت میں رقصاں تھے اور کوئی سیڑھیاں اترتے اترتے چونک گیا۔

❁......❁......❁

گھر آ کر بھی کتنے دن تک وہ اسی سحر انگیز ماحول کا شکار رہی' بیگم وقار النساء کی شخصیت نے اپنے حصار میں لیے رکھا' ان کا ماضی...... اپنے ماضی سے ملتا ہوا لگا اور ان کا حال گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں...... اس کے حال سے کتنا مختلف...... کیا اس کے اندر' اتنا حوصلہ اتنی ہمت ہے...... اس کا جگنو' اس کی گڑیا دو آنسو آنکھوں میں ٹھہر گئے۔

❁......❁......❁

بینا آپی جاب میں' جواد بھائی کا آفس اور بچوں کی اسکولنگ...... سارا دن گھر خالی رہتا تھا' بینا آپی کوکنگ شام کو کرتی تھیں اس نے کوکنگ کرنا چاہی تو جواد بھائی نے منع کر دیا۔

"بالکل بھی ہمارے گھر کے بیلنس ٹائم کو متاثر مت کرو' بینا اوور ویٹ ہو جائے گی اور تم نے کون سا یہاں رہنا ہے۔"

"اگر مجھے یہاں نہیں رہنا تو کہاں جانا ہے؟" دریچے سے باہر دیکھتے ہوئے شیشے کی سطح سے ناک ٹکا دی' اک ٹھنڈک سی وجود میں اتر گئی۔

شادی' بچے اور جدائی...... زندگی کی ساری حدیں تو پار کر لیں' زندگی کے سارے موسم تو دیکھ لیے ہیں' اب کیا...... کیا دیکھنا ہے زندگی میں۔ یہاں نہیں ہوتی تو اُدھر پاکستان میں ہوسٹل کے کسی سرد سے کمرے میں پڑی ہوتی اور زندگی گزارنے کے لیے کسی اسکول میں نوکری کر رہی ہوتی لیکن یوں بیٹھ کر بھی زندگی نہیں گزار سکتی...... وہ دیوار سے ٹیک لگائے آتے جاتے لوگوں کو دیکھتی بے اختیار اسی رخ پر سوچنے لگی' جس رخ پر بینا آپی نہیں سوچنے دینا چاہتی تھیں۔ سوچتے ہوئے ایک ہاتھ سے نم پلکوں کو چھوا اور دوسرے ہاتھ سے دریچے کا شیشہ کھول دیا' یخ بستہ ہوا نے اسے چھو لیا' تبھی فون کی بیل نے چونکا دیا۔

"ہیلو......"

"ہیلو' ہاں بینا! کیسی ہو تم؟ میں وقار النساء ہوں۔"

"سوری میں بینا نہیں ان کی چھوٹی بہن ہوں۔" تردید کی۔

"اچھا...... اچھا' مونا! آئیں تھیں نا میرے گھر۔"

"جی۔"

"کیا کرتی رہتی ہو سارا دن۔" بے تکلفانہ سا انداز تھا۔

"کچھ نہیں' گھر کے کام۔"

"انسان کچھ نہ کرے تو ضائع ہو جاتا ہے اور اللہ نے کسی انسان کو ضائع کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا' کچھ نہ کچھ صلاحیت ہر انسان میں رکھی ہے۔" مونا چپ سی ہو گئی۔ "آنا پھر بینا کے ساتھ تمہارے لیے کام نکالتی ہوں۔"

"جی۔"

"ضرور آنا۔" فون بند کرنے سے پہلے تاکید کی۔

اور بینا آپی اور جواد بھائی بے انتہا چونک گئے کہ بیگم وقار النساء کا فون آیا تھا وہ تو اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں۔

"کام کرو گی ان کے لیے' ان کی بوتیک پر۔" بینا آپی بے انتہا خوش تھیں۔

"میں کیا کام کروں گی بھلا۔" وہ حیران ہوئی۔

"ارے اتنا بڑا گھر ہے' خوب صورت' قدیم امتزاج سے جڑا ہوا پھر سارے کام گھر میں ہی ہوتے ہیں۔ جیولری کے لیے بھی کاریگر رکھے ہوئے ہیں' لوگ تو ان کے گھر جانے کے لیے بہانے تلاشتے ہیں۔"

"لیکن آپی! ہمیں کیا ضرورت ہے؟" برتن سمیٹنے لگی۔

"مگر ہمیں ہے' تمہارے لیے۔ تمہارا گھر بسانے کے لیے' ان کے گھر میں رشتے بھی طے ہوتے ہیں یا کروائے جاتے ہیں خود میں نے بھی رشتے کروائے تھے۔" مونا ان

کی شکل دیکھنے لگی۔

"اس رشتہ کروانے میں میں بھی حصہ دار ہوں گا۔" جواد بھائی ہنس رہے تھے مونا خاموشی سے باہر نکل گئی۔

زندگی میں کسی اور امتحان کی گنجائش نہیں نکلتی' ایک طلاق یافتہ کے لیے بہتر رشتہ نہیں مل سکتا پھر ملے بھی کیوں میری کون سی خواہش ہے۔ ذہن میں پھر سے سوچیں سر اٹھانے لگی۔

"کل ویک اینڈ ہے تیار رہنا ان کے گھر چلیں گے۔" اندر سے بینا آپی کی آواز بلند ہوئی اس نے سنی ان سنی کردی' مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اگلے دن اسے کاسنی کپڑوں میں ملبوس کروا کرلے کر ہی نکلیں' بیگم وقار النساء بڑے تپاک سے ملیں۔

انہیں مونا بہت اچھی لگی تھی اس کے دکھ نے انہیں غم زدہ کردیا تھا' اتنی سی عمر اور ایسا صبر' انسان غم ودکھ ملنے پر صبر نہ کرے تو کیا کرے مقابلے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

"بینا بتا رہی تھیں کہ تم فارغ رہتی ہو' پاکستان سے جو آئی ہو پاکستان میں زیادہ تر لوگ فارغ رہتے ہیں مگر یہ مغرب ہے اور یہاں یہ ممکن نہیں۔" ان کا انداز بہت دوستانہ' اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ کوئی اتنا بھی مکمل ہوتا ہے' مونا انہیں سوچے گئی۔

"ابھی میں تمہیں بطور نگراں رکھ رہی ہوں' دراصل میری ہوم سیکرٹری پاکستان گئی ہوئی ہے اور میں باہر کے کام دیکھوں یا گھر۔ ایک پروگرام بھی منعقد کرنا ہے' کرلوگی نا؟"

"ہاں ہاں کرلے گی' کرے گی کیوں نہیں چھ ماہ تک آرام بھی تو کیا ہے۔" جواد بھائی چھیڑ رہے تھے۔

اور انکار کی گنجائش اس کے پاس بھی نہیں تھی' وقار النساء نے اسے بہت متاثر کیا تھا' ایسے تصوراتی ماحول میں رہنا' وقت گزارنا اسے اچھا لگتا تھا' بیگم وقار النساء کی ضرورت سے زیادہ تو بینا آپی اور جواد بھائی کی خوشی اہم لگ رہی تھی۔

"واہ بھئی واہ' تمہارے تو مزے ہوگئے' لگی بندھی نوکری مل گئی۔"

"مگر بینا آپی مجھے کام کیا کرنا ہوگا۔"

"فی الحال بطور نگراں' آہستہ آہستہ کام بھی سمجھ جائیں گی۔"

❁......❁......❁
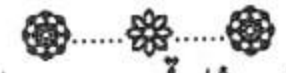
"آج تو تم اس شلوار قمیص اور اس لمبے سے دوپٹے کے ساتھ گزارہ کرلو مگر کل سے ہرگز انہیں مت پہننا' میں تمہیں جینز کے ساتھ کرتے اسکارف لا دوں گی' لانگ کوٹ استعمال کرلینا۔" بینا آپی اسے تیار کرتے ہوئے ہدایت دے رہی تھیں۔

"یہاں تمہیں اسی طرح سے رہنا ہوگا' تم ایزی فیل کروگی۔" اب وہ اس کا ہلکا ہلکا میک اپ کرنے لگیں۔

"پلیز آپی! مجھے یہ پسند نہیں ہے۔" ہاتھ روکا۔

"تمہیں کیا پسند ہے اور کیا نہیں اب یہ ہمیں سوچنا ہے تمہیں نہیں۔" اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "اور یہ بال کھلے رہنے دو۔"

"ہائے نہیں۔"

"مغرب کا حسن تو تم دیکھ ہی رہی ہو مگر کشش مشرق کے حسن میں ہے۔" وہ اس کے لمبے' سیاہ چمکیلے بالوں میں محبت سے برش کررہی تھیں۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ کوئی ان زلفوں کا شکار ہوجائے۔"

"ہاہاہا......" وہ جھٹکے سے مڑی اور برش لے کر بال سمیٹے اور کلپ کرلیے۔ وہ ایک نظر آپی پر ڈال کر بیگ میں اپنی چیزیں رکھنے لگی۔

"اب تمہیں ڈرائیونگ بھی سیکھنی ہوگی۔" بینا آپی اسے چھوڑنے جارہی تھیں اور ساتھ ہی ہدایت بھی دے رہی تھیں۔

"میں بس سے آجایا کروں گی۔"

"بس روٹ دور ہے۔" وہ مہارت سے ڈرائیونگ کررہی تھیں۔

"میں ان سڑکوں پر ڈرائیونگ' ناممکن......"

"دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا مونا اور لندن کی سڑکوں پر تو کچھ بھی نہیں اور تم اپنی زندگی میں سے ناممکن باتیں نکال دو' ایک نئی زندگی تمہاری منتظر ہے۔" انہوں نے



بیگم وقار النساء کے طلسماتی محل کے آگے گاڑی کھڑی کردی۔ اس کا سفر ادھر تک کا ہی ہے۔ "مجھے پارلر پہنچنا ہے کلائنٹ کھڑی ہوں گی' شام میں' میں یا جواد تمہیں پک کرلیں گے۔" انہوں نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کر اترنے کا سگنل دیا' وہ ہکابکا رہ گئی۔

"اترو بھئی' گیٹ کی بیل بجاؤ چوکیدار آئے گا وہ تمہیں بیگم وقار النساء تک پہنچا دے گا۔"

"م...... مگر......" اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے' برفیلے ہونے لگے ایک کپکپی نے اپنے حصار میں لے لیا۔

"آپی پلیز۔"

"جاؤ' کچھ نہیں ہوتا۔"

"اندر تک ساتھ چلیں' پہلا دن ہے۔"

"اچھا آج آخری مرتبہ' آئندہ مت کہنا۔" وہ گاڑی سے اتریں' بیل بجائی اس کا ہاتھ پکڑا' اتنی دیر میں گیٹ کھل گیا۔ اس کا ہاتھ تھامے اندر بڑھ گئیں' بیگم وقار کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئیں۔ اس نے خجل سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"یہ آپ کے پاس ہے' اس کو اعتماد' حوصلہ امید دیں کہ یہ ایک مکمل لڑکی بن جائے۔ میں چلتی ہوں' مونا! رات مجھے فون کردینا میں آجاؤں گی۔"

"اس کی تم فکر مت کرو' میرا ڈرائیور چھوڑ دے گا۔"

"او کے' اس سے بہتر کیا بات ہوسکتی ہے۔" پلٹ کر دروازہ سے منہ نکالا اور روپوش ہوگئیں۔

"بیٹھو۔" وہ بیٹھ گئی۔ "بینا بہت اچھی لڑکی ہے اس کی محفل میں کوئی بور نہیں ہوتا۔"

"جی۔" اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔

یہ ان کا آفس تھا بہت خوب صورت سجا ہوا' اس سے زیادہ خوب صورت مسکان تھی جس نے ان کے شنگرفی ہونٹوں کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

"اس عورت کو اپنے بچے یاد نہیں آتے۔" کتنا نازک خیال دل کو چھو گیا' گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

"بعض لوگوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لیے کتنے موزوں رہیں گے۔" وہ گویا ہوئیں۔

"جی...... میں سمجھی نہیں۔"

"اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور تمہیں بھی یہاں تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔" بولتے بولتے سنبھل گئیں۔

"تمہیں لندن کیسا لگا؟" سرخ قلم ان کے ہاتھوں میں تھا۔

"ایک دم ٹھنڈا' برفیلا اور بھیگا ہوا۔"

"وہ نہیں...... بیوہ کے آنکھ کے آنسو کی طرح۔" میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"نہیں...... اوس کی بوندوں کی طرح۔"

"یہ گرم بھی بہت ہے۔"

"ہوں...... آپی بتا رہی تھیں ابھی مجھے اندازہ نہیں ہے۔"

"ہوجائے گا اندازہ۔"

وہ کرسٹل کے نازک سے گھوڑے تھے جو ان کی مضبوط سیاہ ٹیبل کے شیشے کی سطح پر بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔ بیگم وقار نے قلم کی ضرب سے اس ڈائل کو گھما دیا' گھوڑے دھیرے دھیرے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑنے لگے' ان پر لگے بال دھیرے دھیرے لہرانے لگے' اک خوب صورت منظر......!

"گھوڑے کی پینٹنگ ہمیشہ سے میری کمزوری تھی۔"

"کتنا خوب صورت منظر ہے نا۔"

"جی۔" میں مسکرا دی۔

"گھوڑے مجھے بہت پسند ہیں' مضبوط توانا اور خوب صورت۔" میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"میرے پاس فارم ہاؤس بھی ہے' میں بہت اچھی تو نہیں مگر اتنی بُری بھی سوار نہیں ہوں۔"

"آپ کی اردو بہت اچھی ہے۔"

"میری سندھی' عربی' پنجابی' برٹش اور انگلش بھی بہت اچھی ہے۔" میں حیران ہوئی۔ "دراصل میری ورک شاپ اور اسٹور پر ہر طرح کے لوگ آتے ہیں' ان کے ساتھ ان کی زبان میں بات کرو تو وہ اپنائیت محسوس کرتے ہیں آخر ہم دیارِ غیر میں رہتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔ "اور اپنائیت ہم زبانی

سے بھی ہوتی ہے اور یہاں ہر زبان کا شخص ملے گا۔ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو یہ ہنر آزمانا ہوگا۔'' وہ گاہے بگاہے گریس فل انداز میں مجھ پر نگاہ ڈال رہی تھیں۔

جانے کیوں مجھے لگا وہ میرا جائزہ لے رہی ہیں' مجھے سمجھ رہی ہیں۔ وہ ایسا کرسکتی تھیں آخر انہوں نے مجھے ملازمت دینی تھی۔

''اگر یہاں مستقل رہنے کا ارادہ ہے تو تعلیم ضروری جاری رکھنا' تعلیم فرض میں معاون ثابت ہوتی ہے۔'' میں نے گہرا سانس لے کر سر جھکا کر اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

''ہاں شاید' مگر اب یہ ممکن کہاں' اب تو بس زندگی گزارنی ہے جہد مسلسل کی طرح تاکہ وہ گڑیا' جگنو یاد نہ آئیں جو لمحہ لمحہ میری زندگی کو ہلاتے رہتے ہیں۔ میں کیسی بدنصیب ماں ہوں۔'' وہ اپنے خیال میں غرق تھی اور کوئی اسے پڑھ رہا تھا۔

''اب تمہیں ہر کام کا جائزہ لینا ہے' دھیان رکھنا ہوگا' ورکرز پر نظر رکھنا ہوگی۔ یہاں کے ماحول کو سمجھنا ہوگا' کلائنٹ سے کیسے بات کرتے ہیں اور آرڈر وغیرہ بک کرنے ہوں گے۔''

''جی......'' مودب ہوگئی۔

''تمہیں بینا نے بتایا ہوگا میں تہواروں پر شادی کی تقریب کے لحاظ سے یا کسی اور ایونٹ پر کیمپ وغیرہ بھی لگواتی ہوں' اس کی تیاری بھی کرواتی ہوں۔''

''جی۔'' میں نے خیالوں کو جھٹک دیا' جبکہ وہ کھڑی ہوگئیں۔

''آؤ میں تمہیں ورکشاپ' تمہارے آفس اور شاپس کا وزٹ کروادوں۔'' میں نے ان کی تقلید کی۔

''جب میں شروع شروع میں لندن آئی تھی تو بالکل تمہارے جیسی تھی۔'' میں نے راہداری میں چلتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''میری جیسی......'' وہ تو میرا الٹ تھیں' خوب صورت' دراز قد' سنہری بال' شفاف رنگت تراشا ہوا سراپا اور پاور فل اور میں سیدھی سادی' لمبی سی چٹیا' خاموش' چپ......ان کی ہیل کی ٹک ٹک کوریڈور میں گونج رہی تھی۔

''میں آج بھی ویسی ہی ہوں۔'' ذرا سا میری جانب جھکیں ایک آنکھ دبائی اور شرارت سے ہونٹ دبا کر شرارتی سے انداز میں ہنس دیں۔ ''یہ روپ' یہ سنگھار تو میرے کاروبار کی ڈیمانڈ' میرے شوہر گردیزی کی خواہش ہے۔'' سیاہ اسکرٹ بلاؤز سرخ اسکارف ہم رنگ بلاؤز کے سرخ بٹنوں کے ساتھ ان پر بہت بچ رہا تھا۔

یہ عورت کبھی مجھ جیسی تھی...... میں بے یقین تھی۔ انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا' وسیع و عریض ہال تھا۔ مختلف روم بنے ہوئے تھے' وہاں مختلف کام ہورہے تھے۔

یہاں مختلف آرڈرز مکمل ہوتے ہیں' سب ورکرز ہمارے ہی ہوتے ہیں' زیادہ تر ایشین ہی نوکری کرتے ہیں۔'' جس نے ہمیں دیکھا انہوں نے ہاتھ اٹھا کر میڈم کو سلام کیا' ہاتھ ہلا کر وہ پلٹ آئیں۔

''آہستہ آہستہ تم سیکھو گی یہاں کیا کام ہوتے ہیں۔'' آگے چلنے لگیں' باہر کی جانب شاپس میں گفٹس آئیٹم فلاور شاپس' بک اسٹال' انٹریئر ڈیکوریشن اور الا بلا......'' انہوں نے اشارہ سے بتایا۔

''کل میں تمہیں دکھاؤں گی ابھی ایک کام مجھے یاد آگیا ہے۔ تمہیں تمہارا آفس دکھادوں' آج تم آفس دیکھو آرام کرو۔ لیپ ٹاپ استعمال کرو اور ہاٹ ٹی سے لطف اندوز ہو۔'' اپنے پاکٹ سے سیل نکال کر نمبر پش کرنے لگیں اب وہ جلدی جلدی چل رہی تھیں۔

''میرے آفس کے برابر میں تمہارا آفس ہوگا۔ شام کو اگر میں نہ آسکی تو میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔'' ڈرائیونگ' یہاں کی سڑکیں' خالی گاڑی' ڈرائیور' عجیب حزن میرے اندر سرائیت کرگیا۔

''نہیں میڈم! میں آپی کو فون کردوں گی۔'' انہوں نے سر گھما کر مجھے دیکھا اور پھر سیل کانوں سے لگالیا۔ میں ان کے اشارے پر شیشے کی دیواروں والے کمرے میں داخل ہوگئی' وہ تیزی سے انگلش میں محوکلام تھیں۔



میں شرمندہ سی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی' لیپ ٹاپ کھلا تھا اسے استعمال کرنا نہیں آتا تھا۔ اتنی ثقیل انگلش' اُف...... میری پیشانی بھیگنے لگی' انگلش میگزین ہائے اللہ۔ چمکتا ہوا چوڑی اسکرین کا موبائل' ریوالونگ چیئر' سیاہ کریڈل پر رکھا سنہری فون' کلینڈر' ڈائری' قلم دان۔

''اوکے میں چلتی ہوں مونا! آج تم صرف جائزہ لو کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ بیل بجادینا۔'' وہ عجلت میں تھیں۔ ''دراصل مجھے ضروری کام یاد آگیا ورنہ آج میرا ارادہ تمہارے ساتھ تمام دن گزارنے کا تھا۔'' وہ میرے سامنے ٹھہریں۔

''تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔'' دھیرے سے میرا رخسار چھوا۔ جانے کیوں مجھے ان کے اندر ممتا کا سا احساس ہوا۔ ٹک ٹک کرتی باہر چلی گئیں۔ ماحول میں سناٹا چھا گیا' میں چیئر پر ڈھے گئی' پرسکون شفاف اور ساکن سناٹا جیسے کوئی بھی اس ماحول کا حصہ نہ ہو...... ایک عجیب سا سکون تھا جو ٹھہر گیا تھا' نشست سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں۔

''میں یہاں ایڈجسٹ ہوجاؤں گی' مجھے تو کچھ آتا بھی نہیں ہے۔ سب سے پہلی بات کہ انگلش' اتنی ہائی...... اُف!'' تبھی آہٹ ہوئی' اک لڑکا مگ ٹرے میں رکھے اندر آگیا۔

''کچھ اور تو نہیں چاہیے۔'' شستہ صاف اردو۔

''نہیں۔'' میں نے انکار میں سر ہلا دیا' لڑکا باہر نکل گیا۔

''گزارا ہوجائے گا۔'' دل کو اطمینان سا ہوا اور مگ اٹھا لیا' ہاٹ ٹی تھی قطرہ قطرہ گرمائی وجود میں اترنے لگی۔

❀......❀......❀

''شکر ہے تم نے آمادگی ظاہر کی ورگرنہ میں سمجھی تھی آج پہلا دن ہی آخری ہوگا۔'' رات کلینزنگ کرتے ہوئی آپی ہنس رہی تھیں۔

''ہاں میری مرضی کے مطابق کام نہ ہوا تو چھوڑ بھی سکتی ہوں۔'' کمبل اپنے اوپر کھینچتے ہوئے اترائی۔

''واہ...... واہ...... واہ......!'' جواد بھائی اندر آگئے۔

''جیسے مالکہ یہی ہوں۔'' مونا خجل سی ہوگئی۔

''ارے دلچسپی کا اتنا سامان ہے وہاں کہ نہ پوچھو' بندے کا دل لگے گا ہی اور بات دل کی ہوتی ہے' دل لگنا چاہیے۔''

''دل......'' دکھتی رگ پر انہوں نے ہاتھ رکھ دیا۔

بس دل کو ہی تو بہلانا ہے کسی طرف اور لگانا ہے' دل جو آنسو تھا دل جو آہ بن گیا تھا دل جو سنبھل نہیں رہا تھا۔ گہرا ٹھہرا ہوا سانس نوحے کی طرح دل سے نکلا۔

''یہ تمہاری نئی زندگی کی ابتدا ہے۔''

''نئی زندگی......'' بینا آپی کی جانب دیکھا وہ اپنے کام میں مصروف تھیں' انہیں اپنی اسکن کا بہت خیال رہتا تھا۔

''نہیں۔'' دھیرے سے نگاہ چرالی' انہیں دوسروں کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔

''اور میرے لیے بھی کوئی آفر ہو تو دیکھنا۔'' جواد بھائی اپنی رو میں تھے۔

''کیوں......؟'' بینا آپی کا وارننگ بھرا انداز۔

''بیوی کچھ تو خیال کرو۔'' مسکین سی صورت بنائی۔

''مثلاً کس قسم کی آفر۔'' دلچسپی سے جواد بھائی کی مسکین سی صورت کو دیکھا۔

''کوئی جاب کی...... کسی گوری کے لیے اور......''

''اور یہ کہ......'' بینا آپی نے کشن ان کی جانب اچھالا' بڑی مہارت سے کیچ کیا۔

''تمہاری بہن نے تو......'' جواد بھائی اپنی رو میں تھے۔ یہ انداز تکلم یہ شرارتی لمحے میری زندگی میں نہیں آئے تھے' میں نے نگاہ چرالی۔

بینا آپی دوسرا کشن اچھال رہی تھیں جواد بھائی باہر بھاگے جواب میں بینا آپی پیچھے مڑ کر بھاگیں' میں نے کمبل منہ تک کھینچ لیا اور مڑ کر ماضی میں جھانکا...... بہار کا کوئی جھونکا میری زندگی میں نہیں آیا' آمد بہار کا انتظار کرتی رہی اور خزاں نے زیست پر بسیرا کرلیا اور خزاں بھی ایسی کہ جو ہر آن خشک پتیوں کا ڈھیر لگاتی جارہی تھی اردگرد۔ یہ جواد بھائی اور بینا آپی تھیں جو میرے اندر

زندگی کی رمق پیدا کررہی تھیں...... آنکھیں موند کر میں نے دھڑکتی رگ پر ہاتھ رکھا اور قطرہ قطرہ دکھ میری آنکھوں میں جمع ہونے لگا۔

❁......❁......❁

جاب بہت اچھی تھی زندگی کو مصروفیت مل گئی۔ بیگم وقار کا حلقہ احباب بے حد وسیع تھا' بے حد مصروف زندگی تھی شاید زندگی سے فرار خود کو بہلانا اسی کو کہتے ہیں۔ شیشے کی دیوار کے باہر دیکھتے ہوئے سوچتی مگر نہیں آہستہ آہستہ یہ بھید کھلا۔

یہ مصروفیت ان کے نام کا حصہ تھی وہ بے حد مصروف سوشل بزنس وومن تھیں' وہ ماضی میں نہیں جیتی تھیں میری طرح۔ وہ حال کا حصہ تھیں وہ حال میں جیتی تھیں' اس مقام تک آنے میں ان کو کتنا عرصہ لگا ہوگا۔ میں ماہ وسال کا حساب انگلیوں پر کرنے کی کوشش کرتی' کسی زمانے میں وہ میرے جیسی تھیں۔

اپنے کمرے میں دریچے کے پاس کھڑے ہو کر شیشے کی سطح سے سر ٹکا کر باہر دیکھتے ہوئے میں سوچتی اور مجھے اس مقام تک آنے میں اتنا ہی عرصہ لگے گا' میرے دل کا کونا سکڑنے لگتا۔ میرا زخم تازہ تھا وہ میرے جگر گوشے میرے خون' میرے جسم کا حصہ رہے تھے' ممتا کا لمس میرا جگر نوچنے لگے۔

میں نے ان کو چھوا بھی نہیں تھا' آنکھیں جلنے لگیں اور گلہ رندھنے لگا۔ باہر سورج نکلا ہوا تھا چمکتی برف پر سورج کی شعاعیں پڑ رہی تھیں' ہر ذی روح باہر تھی۔ ہلکی ہلکی برف پگھل رہی تھی' موسم بدل رہا تھا شاید...... مگر میرے اندر کا موسم...... گہرا سانس لیا۔ بیرونی دنیا میں کتنی ہی بتدیلی آجائے میرا اندرون پن ایسے ہی رہے گا یادرفتگان میں مبتلا۔

''مونا...... مونا......'' بینا آپی آوازیں دیتی اوپر آگئیں' مجھے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

''تم......'' مجھے یوں گم صم کھڑا دیکھ کر چونکیں۔ ''پھر تم نے یادوں کے گھوڑے پاکستان کی سرحدوں پر ڈال دیئے۔ آج سنڈے ہے' اپنے کپڑے دھولو میں کچن میں ہوں۔ شام کو آؤٹنگ کا پروگرام ہے' تیاری کرلو۔''

''آپی......'' میں کھڑکی سے ہٹ گئی۔

''ہمیں زندگی کو چلانا چاہیے ورنہ زندگی ساکت وجامد ہوجائے گی۔ ساکت پانی میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اور خالی درودیوار پر جالے لگ جاتے ہیں۔ تمہارے سامنے بیگم وقار النساء کی زندہ مثال ہے' زندگی کو احساس کرنے والوں کے لیے قربان کیا جاسکتا ہے۔'' میری سستی کے جواب میں آپی کا لیکچر شروع ہوگیا۔

کہاں میں' کہاں وہ...... ایک خوش قسمت باکمال خاتون اور میں سیاہ بخت......

''اتنی خودسری اچھی نہیں ہوتی مونا!'' بولتے بولتے بینا آپی نے بستر صاف کردیا' میلے کپڑے سمیٹ کر باسکٹ میں ڈال لیے۔ ''ذرا سی کوشش سے ہمیں اک بہتر انسان مل سکتا ہے۔''

''نہیں آپی! مجھے بار بار اس چیز کا احساس مت دلائیں' میری زندگی میں بہتر شخص کی گنجائش نہیں نکلتی' نہ سہی۔'' بینا آپی کے انداز میں بے پروائی تھی' جاتے جاتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''وہ خود ہی نکال لے گا' تم تیار رہو۔'' آپی کا مقصد وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں' کاش بھائی کی جگہ آپی میرے ساتھ ہوتی تو یوں زندگی خوار اور رائیگاں نہ جاتی۔

میں کھڑی ہوگئی بحث فضول تھی انکار لایعنی' ابھی جواد بھائی آجاتے پھر بچے پیچھے لگ جاتے' جاتے ہی بنتی۔

❁......❁......❁

''ہیں' ڈے کیئر......'' میں تو چونک ہی گئی اور سامنے کھڑی بے زاری شکل بنائے حبیبہ کو دیکھا۔

''یہاں ڈے کیئر بھی ہے؟'' میں حیران تھی۔

''ہاں اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟'' حبیبہ الٹا حیران ہوئی۔

''یہاں اس علاقہ میں زیادہ تر عورتیں جاب کرتی ہیں' بچے بھی ہیں وہ اسی طرح توازن برقرار رکھتی ہیں کام اور



بچوں میں۔ یہاں چھوڑ جاتی ہیں' آفس سے آتے ہوئے لے جاتی ہیں۔''

''بچے......'' میں نے دل پر ہاتھ رکھا' میری آنکھیں چمکنے اور بھیگنے لگیں۔ ''یہ تو بہت مزے کا کام ہے۔''

''مزے کا......'' وہ جل رہی تھی۔ ''تو کل سے تم کرلو۔'' وہ فائلوں میں سر کھپا رہی تھی۔

''مجھے معلوم ہی نہیں تھا یہاں ڈے کیئر ہے' میں ضرور آتی آفس ورک سے زیادہ مجھے یہ کام اچھا لگتا ہے' آؤ چینج کرلیتے ہیں۔'' میں بے چین ہوئی۔

''موناپیا آسان ہے نہ ہماری مرضی ہے' میڈم دونوں کو نکلوادیں گی۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔

''اچھا میں بات کرکے دیکھوں گی۔''

''میرا نام مت لینا۔'' وہ جاتے جاتے مڑی اور پھر اس کے بےزارانداز پر ہنس دی۔

''ننھے منے بچے میرے......؟'' میں ہمک اٹھی' میرے بازو سمٹ کر میرے سینے سے لگ گئے' عالم تصور میں' میں اپنے بچوں کو چومنے لگی' ہاں اسی طرح سے شاید گئے دنوں کا سدباب ہو۔

اگلے دن میں بے چینی سے میڈم کا انتظار کررہی تھی مگر وہ سارا دن نہیں آئیں' اگلے چند دن وہ ذاتی مصروفیت میں الجھی رہیں' فون پر بات کرنا مناسب نہ لگا۔ میڈم مجھ پر بے حد اعتبار کرنے لگی تھیں' میری ڈیوٹی نگراں کی تھیں اور میں بہتر انداز سے یہ کام کررہی تھی۔ اس روز میں روم روم گھومتی جائزہ لیتی دوسری جانب آنکلی۔

میری تلاش ڈے کیئر تھی' دل کے ہاتھوں مجبور تھی تبھی مجھے حبیبہ نظر آئی' پرام میں ایک بچے کو لے کر گھوم رہی تھی بچہ مسلسل رو رہا تھا ننھا منا محض آٹھ دس ماہ کا ہوگا۔

بچے کو گود میں لیتی تو شاید وہ چپ ہوجاتا مگر وہ محض پرام گھما رہی تھی' کھلونا بجارہی تھی' بچہ رو رو کر نڈھال ہورہا تھا۔ اس کے منہ میں فیڈر ڈال رہی تھی' بالکل اناڑی پن کا مظاہرہ۔ بچے کا درد' تکلیف' محبت کوئی احساس اس کے چہرے پر نہ تھا۔

''حبیبہ......'' میں قریب چلی گئی۔ ''کیا ہوا' کیوں رو رہا ہے؟'' ترحم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جانے کیا مصیبت ہے ایسا اڑیل ہے چپ ہی نہیں ہوتا۔'' میں نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا' شانے سے لگا کر کمر سہلائی۔

''بچہ محبت کی زبان سمجھتا ہے' محبت کا لمس محسوس کرتا ہے۔'' میں نے اس کا چہرہ صاف کیا' بچہ ضد میں آیا ہوا تھا۔ میں ماں ضرور بنی تھی مگر میری آغوش میں میرے بچے نہیں کھیلے تھے' میں ادھوری ماں تھی۔

بچہ بے حد خوب صورت تھا' میں اسے بہلا رہی تھی چپ کرا رہی تھی' مجھے خود بخود بہلانا آگیا' میری بانہیں اسے جھولا جھلانے لگیں۔ بچہ رو رو کر تھک چکا تھا' غنودگی میں جانے لگا' آنکھیں متورم تھیں' سسکیاں لینے لگا۔

''اس کی ماں کب آئے گی؟'' میں نے شانے سے لگایا۔

''اس کی ماں نہیں آتی' باپ ہے مگر کاروباری مصروفیت' شام میں یہ بچہ اندر چلا جاتا ہے' اندر کے لیے میڈ ہے' الگ سے۔''

''کسی خاص آدمی کا ہوگا؟'' میں ٹہلنے لگی۔

''پتا نہیں۔'' بےزاری سے بنچ پر بیٹھ گئی۔

''یہاں یہ سب چلتا ہے' بچے کو لے کر کسی کے کام نہیں رکتے۔''

''کسی امیر آدمی کا ہوگا' جو یہاں کا فل خرچہ برداشت کرسکے۔''

''ہاں......''

میرے کاندھے سے لگ کر بچہ سوگیا' میں دھیرے دھیرے ٹہل کر اسے سکون دینے لگی' مجھے یوں لگا میرا جگنو اور گڑیا میرے سینے میں سماگئے ہوں۔ ممتا کی پیاس امنڈنے لگی' میری پلکیں بھیگ گئیں۔

''اسے احتیاط سے یہاں لٹادو۔''

''جاگ جائے گا۔'' میں نے بچے کو بانہوں میں سامنے کیا' بنچ پر بیٹھی اور فیڈر اٹھا کر دھیرے سے اس کے

منہ سے لگا دیا' بچہ مچلا' منہ بسورا سسکی نکلی پھر آہستہ آہستہ پینے لگا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے موتا! یہ بچہ مجھ سے نہیں سنبھلتا۔ اتنا ضدی اتنا اڑیل ہوجاتا ہے کہ بس' میری ضرورت نہ ہوتی تو میں کب کا چھوڑ کر جاچکی ہوتی۔"

"آئندہ جب بھی ایسا ہو مجھے بلوالینا' مجھے بچے سنبھالنے خوب آتے ہیں۔" مجھے اپنے لہجے میں' اپنے چہرے پر ممتا کا لمس محسوس ہورہا تھا۔

"کتنے بچوں کو پالنے کا تجربہ ہے؟" وہ ہنس رہی تھی' میں نے اس کی جانب دیکھا۔

"دو......"

"کہاں ہیں وہ بچے؟"

"اپنے باپ کے پاس۔"

"اور تم......؟"

"انہیں میری نہیں صرف بچوں کی ضرورت تھی' میں وہاں اکیلی تھی پھر مجھے آپی نے یہاں بلوالیا۔"

"تمہارا شوہر...... بچے......" حبیبہ حیران تھی۔

"طلاق کے بعد میرا کسی پر کوئی حق نہیں تھا۔" میری آنکھیں جلنے لگیں۔ بچہ مکمل طور پر گہری نیند میں تھا میں نے اسے پرام میں لٹادیا۔

"جاؤ یہ اب کافی دیر تک سوتا رہے گا۔" حبیبہ نے میری جانب دیکھا اور پھر کھڑی ہوگئی۔

"تھینک یو۔"

"میں بچے کو دیکھنے گئی۔" حبیبہ پرام لے گئی' میں آنچل سے بھیگی پلکیں صاف کرنے لگی۔ میرے جیسے محروم تمنا کتنے ہوں گے' میں اندر جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ ہزاروں...... لاتعداد...... مجھ سے بھی زیادہ دکھ تکلیف میں مبتلا' جیسے یہ بچہ...... میں نے چلتے چلتے ڈے کیئر کی جانب دیکھا۔ مجھے اپنا دکھ کم لگنے لگا' میرے اندر برداشت' حوصلہ صبر تھا جبکہ یہ بچہ...... میری آنکھیں نم ہونے لگیں اور پھر میں اپنے آفس کی جانب چلی آئی' اندر داخل ہوتے ہوئے چونکی میڈم آفس میں بیٹھی تھیں۔

"آپ......؟"

"تم کہاں تھیں؟" فائلیں دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھے دیکھا۔

"میں حبیبہ کی طرف اچانک ہی وزٹ کرتے ہوئے چلی گئی تھی۔" میں چیئر پر بیٹھ گئی۔

"اچھا لگا وہاں جاکر۔"

"جی۔"

"اگر میں ادھر ہی کام کرنا چاہوں تو......؟" میڈم کا ہاتھ رک گیا' وہ مجھے دیکھنے لگیں۔

"مجھے تمہارے متعلق بینا نے بتایا تھا' تم ان بچوں میں خود کو بہلانا چاہتی ہو' یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

"میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے میڈم! بس مجھے اچھا لگے گا ان میں رہ کر۔"

"یہاں بچے آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"جی......" میں سمجھی نہیں۔

"ان میں دل بہلالوگی تو زندگی کا مقصد کیسے پاؤ گی۔"

"زندگی کا مقصد......؟"

"یعنی کہ تم نے ابھی تک سوچا ہی نہیں کہ تم نے زندگی میں کیا کرنا ہے۔" میں نے سر جھکالیا۔ میری زندگی کا مقصد کیا تھا مجھے ابھی تک یہ ہی سمجھ نہیں آیا تھا۔

"موتا...... زندگی ہمیں یونہی نہیں ملی کہ اسے بے کار فضولیات کی نذر کردیا جائے۔" یکدم ہی میری آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کسی بھی دکھ' تکلیف غم کی اگر مستقل پرورش کی جائے تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔ ناسور وجود کی زمین کا دیمک ہے اور زندگی بہت قیمتی اثاثہ ہے اس کی قدر کرنا چاہیے۔"

"میں معصوم بے سہارا بچوں کے لیے کام کرنا چاہتی ہوں آپ کے ساتھ مل کر۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"اچھی طرح سے سوچ لو یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ موتا......" انہوں نے دھیرے سے پیپر ویٹ کاغذ پر گھمایا۔ "اپنی زندگی میں شادی کو اولین درجہ دو' معاشرہ کوئی بھی ہو مرد کے تحفظ کے بغیر عورت ادھوری ہے زندگی یونہی نہیں گزاری جاتی۔"

"شاید یہ کام میں اب دوبارہ نہ کرسکوں۔" میرا لہجہ قطعی تھا۔

"ہاں مشکل ہے ناممکن نہیں۔" مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"جو تمہیں چھوڑ چکا ہے اس کی یاد میں غرق ہوکر زندگی نہیں تباہ کرنی چاہیے۔"

"اور وہ معصوم بچے جو کبھی نہ کبھی تو مجھ سے آ کر ملیں گے انہیں کیا جواب دوں گی؟" میری آنکھیں بھر آئیں دل ہر وقت اوس کے سمندر میں بھیگا رہتا تھا۔

"اس کی جواب دہ تم نہیں ہو تمہارا شوہر ہوگا' سزا اس نے سنائی تم اپنی زندگی بیاباں کی نذر نہیں کرسکتی۔" میں نے سر جھکالیا' سیل فون بجنے لگا آپی کی کال تھی تبھی دروازہ کھلا اور شیشے کا ڈور کھول کر کوئی اندر آ گیا بغیر اجازت کے۔

"آؤ...... آؤ......" بیگم وقار کا چہرہ کھل گیا۔ میں نے دھیرے سے سیل کان سے لگالیا' بینا آپی ہدایت نامہ سنا رہی تھیں۔

آنے والے کی نظروں کے ارتکاز پر میں نے سر اٹھایا' بڑی حیرت بھری فرصت سے مجھے دیکھا جارہا تھا' فون بند ہوگیا۔

"موتا! یہ افراسیاب میرا بیٹا...... افراسیاب یہ میری نئی کولیگ۔" میں نے سر کے اشارے سے سلام کیا اور خوامخواہ سیل فون چیک کرنے لگی۔

"تم کب آئے' کام ہوا' کتنے پیس لائے...... ارے بیٹھو تو' سیدھے ادھر ہی آرہے ہو...... گھر سے فریش ہوکر آئے ہو؟"

"آرام سے آپی!" وہ بیٹھ گئے' میں کھڑی ہوگئی۔

"موتا ذرا کچھ بھجوا دینا کسی سے کہہ کر۔"

"جی۔" میں باہر نکل آئی' ارتکاز نظر برقرار سا محسوس ہوا۔ موصوف جانے کب سے یہاں ہیں مگر پاکستانی عادتیں نہیں چھوٹیں نظر بازی کی۔

❁......❁......❁

"ہیں...... تم نے دیکھا کیسا ہے افراسیاب۔" بینا آپی کے لہجے میں اشتیاق تھا' میں حیران ہوئی۔

"یار......" جواد بھائی لاؤنج میں آ گئے۔ "ہوگا وہی دو ہاتھ پیر والا بن مانس۔"

"جواد......" آپی نے انہیں گھورا۔ "بچوں کی اردو خراب کرنا ہے بن مانس نہیں بھلے مانس ہوتا ہے۔"

"وہی...... وہی......" شرارت سے ہنسے۔

"اور تمہیں کیا پنچائیت ہے۔" انہوں نے ریموٹ اٹھالیا۔

"ہائے کسی بھی ویل آف ایجوکیٹڈ' ویل مینرز' ویل ڈریس شخص کو دیکھنا کیسا لگتا ہے جواد آپ کو نہیں پتا؟"

"ویل مینرز......" موتا عالم تحیر میں تحلیل ہونے لگی (وہ تو پکا پاکستانی مرد تھا' نظر باز)۔

"دنیا میں کوئی شخص تو مکمل ہے نا۔" بینا آپی کہے جارہی تھیں۔

"تو اپنے لیے ہوگا تم کیوں خود ترسی میں مبتلا ہو۔" جواد بھائی چھیڑنے سے باز نہیں آرہے تھے۔

"جواد......" بینا آپی نے گھورا۔

"میں ایمان لایا تمہاری بات پر۔" جواد نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی' میں بھی ہنس دی۔

"موتا کو یہ نوک جھونک' تکرار' ٹکراؤ' جان بوجھ کر ستانا اور پھر ماننا' بہت اچھا لگتا تھا۔ شادی کے بعد ایسی زندگی کا خواب میں نے دیکھا تھا ایسی زندگی مجھے مل بھی جاتی اگر...... اگر ان لوگوں کی پلاننگ نہ ہوتی' انہیں بچہ چاہیے تھا موتا نہیں اور محبت کیسے مجھے چاہ سکتے تھے جب کہ ان کی چاہت موجود تھی۔

موتا اپنی کم نصیبی پر شاکی تھی' دھیرے سے بینا آپی اور جواد بھائی کو الجھتا چھوڑ کر بچوں کی طرف آ گئی۔ اندر جانے کس بات پر بحث و تکرار جاری تھی' میں نے قابل توجہ نہیں جانا۔

❁......❁......❁
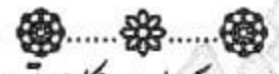
اب میں اکثر حبیبہ کی طرف نکل آتی' حبیبہ سے وہ بچہ

سنبھلتا ہی نہیں تھا حبیبہ اسے میرے حوالے کر کے موبائل سے کھیلنے لگتی۔ ڈیڑھ دو سال کا یہ بچہ میرے اندر سما رہا تھا' میرا جگنو بننے لگا' گڑیا کا لمس لگتا' میری ممتا کو قرار آنے لگتا...... میرا دل نہیں چاہتا کہ اسے گود سے اتاروں' میڈم کی اجازت سے میں ادھر آتی تھی تاہم میں لان سے کبھی اندر نہیں گئی۔ اس روز میں ایان سے ملی تو اسے بخار ہو رہا تھا' نڈھال تھا' چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''اسے دوا دی۔'' فکر مندی سے پوچھا۔

''ہاں' روئے جا رہا ہے۔''

''ظاہر ہے' بچہ ہے بیمار ہے ماں کو ڈھونڈ رہا ہے۔''

''اب میں ماں تو بننے سے رہی۔'' بےزاری حبیبہ نے سر جھٹکا۔

''حبیبہ......'' میں نے ایان کو اپنی آغوش میں سنبھال کر اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ ''تم اپنے کام سے اتنی بےزار ہو تو کیوں کام کر رہی ہو؟''

''یار اتنی اسمارٹ تنخواہ ہے تو کیا حرج ہے برداشت کرنے میں۔'' شانے اچکا کر بےنیازی سے کہا۔

''اگر کام میں خلوص شامل کر لیا جائے تو اجر زیادہ ملتا ہے اور ان بن ماں کے بچوں سے جتنی زیادہ محبت کرو گی ثواب اتنا ہی ملے گا۔'' میں نے ایان کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''میں آئی......'' وہ ایک دم موبائل لے کر اندر بھاگ گئی' میں سنگی بنچ پر بیٹھ گئی۔ بچہ میری گود میں یوں مطمئن سا سو رہا تھا جیسے میں اس کی ماں ہوں' بخار کی بےقراری کو بھی قرار تھا۔ میں دھیرے دھیرے اسے تھپکنے لگی۔

میری گود میں میرا جگنو آ سمایا' گڑیا میرے شانے سے آ لگی' میری آنکھ نم ہونے لگی۔ بعض گھاؤ ساری عمر نہیں بھرتے' میرا دل سسک رہا تھا۔ صبر آ بھی جاتا ہے' صبر کیا بھی جاتا ہے مگر شاید میرے لیے دونوں ہی چیزیں مفقود تھیں...... ایان کو میں نے بےخودی سے اپنی آغوش میں بھر لیا' اک قرار سا اترنے لگا۔ اس بات سے بے پروا تھی کوئی مجھے دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے' ایک بچے کو پیار کر رہی تھی' میں مگن تھی۔

اگلے دن میں آفس پہنچ کر حبیبہ کے پورشن کی جانب بھاگ گئی' مجھے ایان کی طبیعت کا پوچھنا تھی' اسے گود میں لینا تھا۔ حبیبہ اسے لے کر ٹہل رہی تھی' اس کے چہرے کی بےزاری ہنوز قائم تھی' بچے کی طبیعت بہتر تھی اس کا چہرہ اترا ہوا تھا' میں نے گود میں لیا' ایان میرے شانے سے آ لگا۔

''اس کی ماں کو آج بھی آفس جانا تھا۔''

''اس کی ماں نہیں ہے۔'' حبیبہ موبائل میں گم تھی' میں اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''اور باپ......''

''باپ کا تو پیدائش سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔'' میں سنگی بنچ پر بیٹھی رہ گئی' ایان میری گود میں لیٹا تھا۔

''ارے اتنی حیران مت ہو' یہاں قدم قدم پر بہت سے ایسے کیس ملیں گے' فرق صرف اتنا ہے کچھ کا نصیب اس بچے جیسا ہوتا ہے اور کچھ بچے زمانے کے سرد و گرم میں رل رل کر پل جاتے ہیں۔ زندگی ہے تو سفر بھی جاری رہتا ہے۔'' حبیبہ کا انداز سرسری تھا' وہ ماں نہیں بنی تھی نا۔

''کیا تم جانتی ہو کہ ممتا کا دکھ کیا ہوتا ہے؟'' میں دھیرے دھیرے ایان کے سنہری بالوں سے کھیلتے' اس کی ننھی منی انگلیوں میں میری گھڑی کا اسٹریپ تھا' بےقراری اور شانتی میرے دل میں ترازو ہو رہی تھی۔

❁......❁......❁

کھانا کھاتے ہوئے میں نے ایان کے متعلق بتایا' کتنا اکیلا اور تنہا تھا۔

''ہوں۔'' جواد بھائی پلاؤ سے انصاف کر رہے تھے۔

''بیگم وقار کیسی ہیں؟'' بینا آپی بچوں کو سرو کر رہی تھیں' میں نے بھنڈی اور ماش کی دال پلیٹ میں ڈالی۔

''ٹھیک ہیں۔''

''اور ان کا بیٹا؟'' اپنے لیے کھانا ڈال کر بیٹھیں۔

''مجھے کیا معلوم؟''

''اور کیا اسے کیا معلوم' تم اس کی کیس ہسٹری میں کتنی دلچسپی رکھتی ہو ورنہ سالی صاحبہ پوری فائل ہی تیار کر



لاتیں۔'' جواد بھائی چھیڑنے سے باز نہیں آئے۔

''آپ تو جلتے ہیں مجھ سے۔''

''تم سے تو جلتا ہوں مگر جب جب تم نک سک سے تیار ہوتی ہو اور......''

''جواد۔'' آپی نے سرزنش کی۔

''ویسے تم سر جھاڑ منہ پھاڑ رہتی ہو تم سے کیا جلا جائے۔'' جواد بھائی بات مکمل کر کے سانس لیتے تھے۔

''مونا مجھے بھی اپنے دوست سے ملوانا۔'' جواد بھائی میری جانب متوجہ ہوئے۔

''دوست......'' میرا نوالہ اٹکا۔

''ہاں وہی جس کی وجہ سے تمہارا وہاں دل لگ گیا ہے ورنہ تو تم نے مہینہ کیا ہفتہ بھی نہیں نکلنا تھا۔'' جواد بھائی کہہ رہے تھے میں انہیں دیکھ رہی تھی کتنی غلط سوچ تھی۔

''جواد...... مونا ایسی نہیں ہے۔'' بینا آپی کو بھی برا لگا۔

''یہ ایسی ہی ہے اگر نہیں ہے تو یہاں لندن سے آتی ہواؤں نے کر دیا ہے' آخر انسان کو دل بہلانا ہوتا ہے اور مونا بھی انسان ہے فرشتہ نہیں۔ اس کو بھی اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے اور مونا......'' انہوں نے بات کرتے کرتے میری جانب دیکھا۔ ''میری فکر مت کرنا' مجھے قطعی برا نہیں لگا۔''

''مگر مجھے بہت برا لگا ہے۔'' میں نے ہاتھ روک لیا۔ ''آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں' مجھے دکھ ہوا۔''

''بالکل۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''جواد......'' بینا آپی بھی سنجیدہ تھیں۔

''اس نے خود بتایا ہے پوچھ لو اگر میں جھوٹا ہوں تمہاری جان کی قسم......'' میں ہکا بکا بیٹھی رہ گئی۔

''میں...... کب......'' بچے بیٹھے کی جانب متوجہ تھے۔ میں اٹھنے لگی۔ ''اگر یہ مذاق تھا تو بہت برا تھا۔''

''ارے ارے کہاں چلیں تم نے خود نہیں بتایا مجھے کہ لیان سے تمہارا دل لگ گیا ہے تو وہ تمہارا دوست ہوا نا۔'' جواد بھائی نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

''جواد......'' آپی نے چمچہ اٹھایا۔ میں رو دی' میرا کتنا خون خشک ہوا تھا۔

''اپنی سوچ کو بڑا کرو' پختہ کرو۔ بھلا بہنوں سے ایسے مذاق کرتا ہے کوئی میں تو شرارت کر رہا تھا۔ تم یہ ٹرائفل کھاؤ اور بتاؤ تمہارا دوست کیسا ہے جو تمہیں آنے نہیں دیتا۔'' میری آنکھیں بھرانے لگیں کیسا مذاق تھا۔

''بہت برے ہیں آپ جواد!'' بینا آپی نے سر جھٹکا۔

''ابھی تو تم میرے ساتھ ہو۔'' چمچہ بھر کر ٹرائفل منہ میں ڈالا۔ اس سے پہلے وہ بینا آپی کے منہ سے کچھ سنتے دوسرا چمچہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ بچے کھلکھلانے لگے' میں بھی ہنس دی۔

''سچ بتاؤ میں غلط کہہ رہا تھا۔'' میں نے انکار میں سر ہلا دیا' میری آنکھیں بھرانے لگیں۔

''دیکھا میں کتنا سچ بولتا ہوں۔'' جواد بھائی چہکے۔

❁......❁......❁

''مونا......'' کچن صاف کرتے ہوئے انہوں نے مجھے دیکھا۔

''جی۔''

''وہاں ڈے کیئر بھی ہے' ہزاروں بچے ہیں۔ بعض بن ماں باپ کے' ہم کسی کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتے' وہاں دل مت لگا لینا۔ ہم نے تمہیں تمہاری شادی کے لیے بلایا ہے' یہ فریضہ جلد ادا کرنا ہے' تم اس بات کا خیال رکھنا۔'' ڈسٹر اور پلیٹ میرے ہاتھ میں رکھی رہ گئی۔

''یہ مشیت ایزدی ہے اور اسی میں عورت کی بقا اور تحفظ ہے۔ جواد کا مذاق اپنی جگہ مگر وہ تمہارے لیے فکر مند رہتے ہیں۔'' وہ مونا کے سامنے آئیں۔ ''اپنے ذہن و دل کی سلیٹ کو صاف کر لو۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا' گزرے ہوئے وقت کے ساتھ ٹھہرا نہیں جا سکتا۔'' آپی باہر چلی گئیں میں برتن کیبنٹ کے ریک میں رکھ کر اندر آ گئی۔

''جس کام کے لیے دل راضی نہ ہو وہ کام میں کیسے کر سکتی ہوں' شادی ناممکن...... خود کو تیار کر بھی لوں تو میری ہمت مفقود' حوصلہ پست اور اعتماد تاراج تھا اور شادی

کے لیے ان قیمتی چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ لاحاصل زندگی سے بہتر ہے حاصل پر قناعت کرلوں۔" میں نے دریچے کے پردے کھینچ دیئے باہر گہری رات کے سائے پھیل رہے تھے سامنے اسٹریٹ لیمپ جل رہے تھے سامنے ولاز میں ایک بوڑھا انگریز اپنے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھا تھا اس کے قریب ہی کافی کا مگ رکھا تھا۔ کسی گہری سوچ میں غرق تھا' سب کے اپنے اپنے دکھ تھے' میں نے پردے گرادیئے۔

میرا دکھ...... فضا میں کافور کی خوشبو پھیلنے لگی' لندن کی سردی مجھے کافی اچھی لگی تھی ابھی جواد بھائی مجھے آواز دیتے' میں نے خود کو فریش کیا اور باہر کی جانب قدم بڑھانے لگی۔

❁......❁......❁

"حبیبہ......" صبح میں نے ایان کو پیار کرتے ہوئے حبیبہ کو دیکھا۔ "تم تو کہہ رہی تھیں کہ اس کا باپ اسے چھوڑ کر جاتا ہے' کل تم نے کہا کہ اس کے ماں باپ دونوں نہیں ہیں۔"

"ہاں اس کے ماں باپ نہیں ہیں' جس آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ اس کا دادا ہے میں نے بھی اسے نہیں دیکھا جب میں ڈیوٹی پر آتی ہوں تو یہ موجود ہوتا ہے۔" وہ موبائل پر لگی ہوئی تھی۔

"صرف اس بچے کی دیکھ بھال کرتی ہو۔"

"ہاں' اس کی تین گورنس ہیں ایک صبح کی' ایک شام کی' ایک رات کی۔"

"اچھا......" میرے دل کو اطمینان سا ہوا' میں ایان سے کھیلنے لگی وہ بھی مجھ سے مانوس ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

اس روز میں آفس آئی تو میڈم موجود تھیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" آج بہت دنوں بعد انہیں دیکھا تھا نک سک سے تیار' براؤن شیڈ کے ساتھ وائٹ جیولری بہت بھلی لگ رہی تھی' انہوں نے پیپر ورک کرنے کے لیے کچھ فائلیں دیں۔

"آج کل بہت مصروف ہو' دو کام ایک ساتھ کررہی ہو۔" مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"جی۔"

"اپنا کام کرکے بھاگم بھاگ اندر بھاگتی ہو۔" انہوں نے ہاتھ روک لیا' میں شرمندہ سی ہوئی۔

"تمہارا کام مکمل ہوتا ہے مونا!"

"شکریہ۔"

"مگر یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے مونا! بینا نے مجھ پر اعتماد کیا ہے' بہت اچھی لگتی ہے وہ چارمنگ سی لیڈی' تم جب سے ڈیوٹی بھی بدلنا چاہتی ہو۔" میں ان کی جانب دیکھنے لگی وہ میری جانب متوجہ تھیں۔

"تم اپنا کیرئیر بناؤ اگر میں تمہیں ادھر بھیج بھی دوں تو تمہاری صلاحیتوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنی ذہین ہو' یہ گورنس کی جاب تمہیں زیب نہیں دیتی۔"

"مجھے وہ بچہ اچھا لگتا ہے۔" میں نے سر جھکالیا۔

"تم اس بچے کو اپنا عادی مت بناؤ کہ بچھڑنا مشکل ہوجائے۔" میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ سنجیدہ تھیں' دھیرے دھیرے پیپر ویٹ گھمارہی تھیں۔

"ڈے کیئر میں ہر دوسرا بچہ ایسا ہے' ہر کسی پر ممتا نہیں نچھاور کرسکتے' اولیت ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔" تبھی دروازہ کھلا اور وہ قدآور شخصیت اندر آگئی۔

"آیئے گردیزی!"

"دیکھئے میں اپنے وقت پر موجود ہوں' آپ ابھی تک مصروف ہیں۔" شوخ سا انداز ولہجہ۔

"یہ مصروفیت تو کام کا حصہ ہے' بیٹھیں کافی منگواتی ہوں۔"

"کافی راستے میں' میں شام شاول فارم ہاؤس میں گزرنا چاہتا ہوں۔ افراسیاب گاڑی میں موجود ہے' چلو جلدی۔"

"اوکے...... اوکے۔" وہ کھڑی ہوگئیں۔

"اور کسی کو لینا ہے۔" وہ شرارت سے ہنس رہے تھے۔



"جی نہیں۔"

"یہ گریس فل سی لیڈی کون ہیں؟" میری جانب متوجہ ہوئے۔

"مونا ہے' بہت اچھی اور محنتی ہے۔"

"اوہ واؤ...... چارمنگ۔" ان کا انداز بے ساختہ تھا۔

"مونا کل ہال کی صفائی کروادینا' خصوصاً آتش دان کی' کل رات ڈنر ہے وہاں۔"

"جی۔"

"کچھ انٹیک چیزوں کے پیکٹ آئے ہیں وہ بھی نکلوا کر ٹیبل پر رکھوادینا' صفائی کا خاص خیال رکھنا۔ کل آف ڈے ہے مگر میں بینا کو کہہ دیتی ہوں' بلکہ تم دونوں بہنیں آجانا۔"

"جی۔"

"اور ڈنر میں تم لوگ بھی انوائٹ ہو۔" میں مسکرا کر چپ ہوگئی۔

"چلیے میڈم!" موصوف کے انداز میں پیار تھا۔

میں اس شاندار سے کپل کو دیکھتی رہ گئی' گریس ڈیسنٹ اور چارمنگ' ایک مکمل فیملی۔ آج میں نے میڈم کے دوسرے شوہر دیکھے تھے اگر انہوں نے مجھے بتایا نہ ہوتا تو میں پہلے کے گمان میں رہتی۔ کیا کوئی اتنا خوش نصیب ہوسکتا ہے' میں بے یقین تھی اتنی مطمئن۔

❁......❁......❁

"اتنی حیران مت ہوا کرو۔" بینا آپی نے میرا رخسار چھوا' "دھیرے دھیرے جاننے لگو گی تو ہمارا کیا بھی برا نہیں لگے گا۔ بیگم وقار ایک پریکٹیکل خاتون ہیں' اپنے غلط فیصلوں سے سیکھتی ہیں' انہیں دل سے نہیں لگا کر رکھتیں' تمہاری طرح۔" دلیل اور مثال ساتھ ساتھ دے رہی تھیں' میں سر ہلا دکھاتی رہی۔

"دنیا گول ہے بچھڑے ہوئے ضرور ملتے ہیں' انہوں نے بچوں کو اپنی زندگی کی رکاوٹ نہیں بنایا۔ ماں ہیں آنسو بھی گرے ہوں گے تنہائی میں روئی بھی ہوں گی مگر خود کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے اپنے قدموں کو نہیں روکا۔ زندگی سے اپنا حق اپنی محبت سے وصول کیا' دیکھو آج کتنی قابل ہیں ہر چیز ان کے قدموں میں ہیں اور وہ پہلا مرد جو اُن کی زندگی میں آیا' انہیں قابل اعتبار سمجھا اور اپنے بچوں کو بھی انہیں طلاق دے کر واپس لے گیا۔ آج اسی کے بچے ان کے پاس ہیں شادی کی ہے بیٹی کی' بیٹے ماں کا دم بھرتے ہیں۔ دوسرے شوہر جان چھڑکتے ہیں' ان کے دونوں بچوں کو سنبھالا ان کی شادیاں کیں' خود ان کا ایک بیٹا ہے۔" میں منہ کھولے سن رہی تھی۔

"ملال کی ان کی زندگی میں جگہ نہیں' وہ زندگی کے پل پل سے رس کشید کرنا جانتی ہیں۔ انہیں ماتم اور آنسوؤں سے نفرت ہے' وہ کہتی ہیں زندگی انسان کو ایک بار ملتی ہے' ہمیں اسے ضائع کرنے کا حق نہیں ہے۔" آپی مجھے بتارہی تھیں' سمجھارہی تھیں۔ میں چپ چاپ سن رہی تھی اب آپی بچوں کے لیے میٹھا بنارہی تھیں۔

"زندگی میں مٹھاس نہ ہو تو ہر چیز ادھوری ہوتی ہے مونا! اور میں چاہتی ہوں تم اپنی زندگی میں رنگ و خوشبو' بادل اور خوشیوں کے ساتھ مٹھاس بھی شامل کرو۔ اپنی زندگی سے نہیں تو دوسروں کی زندگی سے سبق سیکھو۔" انہوں نے دھیرے سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیئے' میں بس بیٹھی رہی۔ گویا میرے اندر جوش وولولہ ہی ختم ہوگیا تھا میں تو بس زندگی کے دن پورے کررہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں مونا کہ تم زندگی کو ایسے جیو کہ زندگی کو تم پر رشک آئے' خوشیاں آپ چل کر تمہارے دروازے پر آئیں۔ اور ان شاء اللہ ایسا ہوگا اور میں اس خبیث آدمی کو یہ بتادینا چاہتی ہوں کہ میری بہن اتنی بری نہیں تھی جتنا برا سلوک تم نے اس کے ساتھ کیا' میں تمہیں دنیا کی خوش نصیب عورت بنادوں گی۔" انہوں نے میری پیشانی چوم لی اور میں بس ان کی محبت وچاہت محسوس کررہی تھی۔

❁......❁......❁

آفس جاکر میں سب سے پہلے حبیبہ کی طرف گئی لان ویران تھا۔ میں اندر کی جانب بڑھ گئی راہداری عبور کرکے سامنے شیشے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ میرے سامنے

دس بارہ بچے تھے' میڈ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ کچھ بچے سو رہے تھے' کچھ رو رہے تھے' کچھ کھیل رہے تھے ان میں ایان نہیں تھا۔

''الٰہی خیر! اس کی طبیعت ٹھیک ہو۔'' میں نے دھڑکتے دل سے اطراف میں نگاہ کی' حبیبہ بھی نہیں تھی۔

''حبیبہ کہاں ہوگی؟'' میں نے ایک میڈ سے پوچھا۔

''معلوم نہیں آج نہیں آئی۔''

''اور وہ بچہ ایان......'' میں بے چین ہوئی اس بچے کو تو آنا چاہیے تھا۔

''وہ بھی نہیں آیا۔'' لٹھ مار والا انداز تھا' میں بے چین دل کو لیے باہر آ گئی۔

سارا دن میرا بے چین گزرا' ایان کا خیال آتا رہا۔ میڈم بھی فارم سے نہیں آئی تھیں' میں ہال کمرے میں آ گئی' ملازم کے ساتھ مل کر جھاڑ پونچھ کی' کچھ ترتیب بدلی' آتش دان کی صفائی کروائی' ماحول میں عجیب سی فینٹسی تھی میں نے دریچوں کے سارے مہین پردے کھینچ دیئے' روشنی اندر آنے لگی اور باکس کھلوا کر ایتھنک پیس ٹیبل پر سیٹ کروا دیئے فضا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈک تھی' موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ نم سی فضا میں مجھے یہ سب کرنا بے حد اچھا لگ رہا تھا' کچھ دیر کے لیے ایان کا احساس بھول گئی تھی۔ شام تک میڈم کی فیملی واپس نہیں آئی تھی' میں گھر آ گئی۔ سب لاؤنج میں جمع ٹیلی ویژن پر کوئی مووی دیکھ رہے تھے۔

''آؤ سالی جی......'' جواد بھائی کا موڈ خوشگوار تھا۔

''لگتا ہے مونا! باہر برفباری ہو رہی ہے۔''

''ہیں......نہیں تو۔''

''مگر تمہارے کوٹ پر یہ ننھے منے ذرّے ہیں برف کے۔'' میں نے خود پر نگاہ کی' روئی کے گالے ایسے چپکے تھے۔

''شاید میں نے غور نہیں کیا۔'' کوٹ اتار کر ریک پر لگایا۔

''جاؤ کافی بنا کر لے آؤ۔''

''اچھا۔'' میں کچن کی جانب مڑی۔

''کیا ہے جواد! ابھی تو پی ہے اور وہ ابھی آئی ہے آفس سے۔''

''باہر ٹھنڈ ہے بینا! اسے بھی کافی کی طلب ہو رہی ہوگی اور کافی جتنی بار بھی پیو مزہ دیتی ہے۔'' میں مسکرا کر مگ نکالنے لگی' جواد بھائی کا بھائیوں والا انداز' بینا آپی کی ممتا...... میں خوش اور مطمئن تھی اپنی اس زندگی سے۔ کسک اور رمق میرے دل میں تھی اب کوشش کرتی تھی کہ اس کی جھلک بھی میرے چہرے پر نظر نہ آئے۔ میں ان دونوں کو اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

صبح میں آفس گئی میڈم آ چکی تھیں۔ میرے پاس ان کا فون آیا کہ آج میں آفس نہیں آ رہی' میرے پوتے کو ٹھنڈ لگ گئی ہے' میں اسے میڈ کے حوالے نہیں کر سکتی' تم ذرا دیکھ لینا۔''

''پوتا......'' میں تو حیران رہ گئی۔ ''میڈم نے ذکر نہیں کیا تھا' ہاں کبھی ذکر بھی نہیں آیا تھا۔'' میں کام میں مصروف ہوگئی۔

درمیان میں میں نے لان اور پھر ڈے کیئر کا چکر لگایا' حبیبہ تھی نہ ایان...... حبیبہ چلی گئی' ایان کیوں نہیں آیا۔ واپسی پر میں گول ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ لان کے اطراف میں نگاہ کی' سورج کہیں دور چھپا ہوا تھا' بادل بہت نیچے آئے ہوئے ڈھلتی شام کا منظر پیش کر رہے تھے ایک برفیلی سی ٹھنڈک ہر سو پھیلی تھی۔ ایان کی طبیعت ٹھیک ہو جانے اب میں اسے دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔ میرے دل میں ہوک سی اٹھی' میں نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے' دھیان اس معصوم بچے میں اٹکا ہوا تھا جسے گود میں لے کر میں جگنو کو یاد کرتی تھی' میری گڑیا میرے شانے سے لگ جاتی تھی۔ ہاتھ باندھ کر میں نے دائیں شانے کو مسلا اور آگے چلتے ہوئے راہداری مڑتے میں کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی' سر اٹھایا۔

''ایم سوری میڈم! میں جلدی میں تھا۔'' میرے سامنے میڈم کے نظر باز بیٹے کھڑے تھے۔



''جی......'' میں سائیڈ پر ہوگئی' مجھے دیکھتا وہ عجلت بھرے انداز میں اندر کی جانب بڑھ گیا' میں نے آفس کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

❁......❁......❁

''آپی! میڈم کے پوتے کی طبیعت خراب ہے ہمیں اسے دیکھنے جانا چاہیے۔'' شام کو میں نے آپی سے کہا۔

''پوتا......'' وہ چونکیں۔ ''ہاں ضرور' ان کا بیٹا پاکستان سے آیا ہوگا۔''

''معلوم نہیں' میں نے کبھی پوچھا نہیں دو دن سے آفس نہیں آ رہیں تو فون آیا تھا۔''

''چلو اس وقت چلتے ہیں دن میں تو ہم لوگ مصروف ہوتے ہیں۔''

''اس وقت......؟'' میں حیران ہوئی۔ ''باہر برفباری ہو رہی ہے۔''

''اوہو......'' بینا آپی کھڑی ہوگئیں۔ ''برفباری یہاں کی روٹین کا حصہ ہے ہم اس کی وجہ سے کوئی کام روکتے نہیں اور کل زیادہ ہوگئی تو رکنا پڑ سکتا ہے۔ جاؤ فریش ہو کر آ جاؤ۔'' اور ان کی تیاری اور جوش دیکھ کر مجھے اٹھنا پڑا اور خصوصی تیاری کے ساتھ اگلے ایک گھنٹے میں میڈم وقار النساء کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

''شکر ہے بچے کی طبیعت بہتر ہے فارم ہاؤس میں اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ میڈ نے ذرا اس کا خیال نہیں رکھا' ٹھنڈ لگا دی اسے خصوصی طور پر اپنے بچے کے لیے رکھا تھا۔'' میڈم کا چہرہ اترا ہوا تھا تو لہجہ بھیگا ہوا۔

''دو دن ہسپتال میں رہا ہے کملا کر رہ گیا۔'' لہجہ محبت سے پُر تھا۔ ''میں نے تو سارے کام روک دیئے دل ہی نہیں چاہتا۔''

''اس کی ماں کہاں ہے؟'' بینا آپی نے پوچھا' میں محض سن رہی تھی۔

''ماں پیدائش کے وقت مر گئی میرا بچہ تو اپنے بچے کا منہ ہی نہیں دیکھ سکا۔ پیدائش سے دو ماہ پہلے ہی درندوں نے اسے مار دیا۔'' وہ آبدیدہ لہجے میں بتا رہی تھیں۔ دکھ' تاسف' ہمدردی سے ہم لوگ سن رہے تھے' ننھا سا بچہ کتنا اکیلا تھا' بالکل ایان کی طرح وہ معلوم نہیں کہاں ہوگا' میرا دل دھڑکا۔

''آؤ بینا! میں تمہیں اپنے پوتے سے ملواؤں۔'' میڈم اٹھ گئیں۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے اندر بڑھتے گئے بہت بڑا قدیم وجدید طرز کی آمیزش لیے بے حد خوب صورت گھر تھا جگہ جگہ خوب صورت ڈیکوریشن پیس پینٹنگز لگی تھیں' مکین کے اعلیٰ ذوق کا نتیجہ تھیں۔

ہم ان کے پیچھے روم میں داخل ہوئے' جہازی سائز بیڈ کے برابر میں کاٹ پڑا تھا۔ بچہ کمبل میں لیٹا سو رہا تھا' میڈم کاٹ میں جھکی بچے کو دیکھ رہی تھیں' بینا آپی کے انداز میں محبت و ترحمی تھی میں ذرا آگے ہوئی اور......اور بچے پر نگاہ پڑتے ہی ساکت ہوگئی۔

''ایان...... ایان......'' زرد چہرہ' سرخ ہونٹ' سپید رنگت میں پیلاہٹ' بھورے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ سفید ٹیڈی بیئر کا کان ایان کی مٹھی میں تھا۔

''ایان......'' میں بے قراری سے دوسری جانب سے آ کر کاٹ پر جھکی اس کے سر پر ہاتھ پھیرا' منہ رخسار' بند مٹھی کو سہلایا۔ میرا دل چاہا کہ ایان کو اٹھاؤں اور بازوؤں میں بھر لوں۔ میں ایسا کر بھی لیتی مگر وہ سو رہا تھا' محض آرام اور طبیعت کے خیال سے جذبوں پر بند باندھ لیا' وہ لوگ جانے لگیں۔

''میں ذرا اِدھر ہی رکوں گی آپی!''

''مونا یہ سو رہا ہے۔'' آپی نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔

''میں اسے ڈسٹرب نہیں کروں گی۔'' میرا انداز ملتجی سا تھا۔

''اوکے' ویسے بھی اس کے اٹھنے کا ٹائم ہو رہا ہے' ہم بھی اِدھر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔'' بینا آپی اور میڈم صوفے پر بیٹھ گئیں۔

میں بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی' ایان کو دیکھے گئی' میں اس معصوم کے لیے فکر مند ہو رہی تھی اور وہ میرے کتنا

قریب تھا‘ میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے‘ قلبی تعلق بندھ گیا تھا اس معصوم سے۔ مڑ کر دیکھا میڈم اور آپی باہر جارہی تھی‘ لمحہ بھر کو ٹھہر کر دیکھا اٹھ کر کاٹ پر جھکی دوسرے لمحے ایان میری بے قرار بانہوں میں تھا اور قطرہ قطرہ تسکین میرے وجود میں اترنے لگی۔ آنسو خود بخود تسبیح کے دانے بن گئے‘ ایان میری گود میں کسمسا رہا تھا‘ مگر رویا نہیں۔

اس کا سر میرے شانے سے لگ گیا میں نے اس کے رخسار پر اپنا بھیگا ہوا رخسار رکھ دیا‘ اپنے بچوں سے بچھڑ کر یوں پہلی بار میں کسی بچے کو دیکھ کر بے قرار ہوئی تھی‘ کسی بچے کو یوں آغوش میں لے کر پیار کیا تھا۔ وگرنہ اس سے پہلے تو میں خود کو بہلاتی رہتی تھی‘ مصروف رکھتی تھی ورنہ یادیں تو ہمہ وقت مجھے گھیرے رہتی تھیں۔ آنکھوں کی پتلیوں میں تصویریں ہچکولے بھرتی رہتی تھیں۔ میں ایان کو سمیٹے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی‘ وہ معصوم میرے شانے سے لگا پرسکون سو رہا تھا‘ میرا اور اس کا دکھ سانجھا تھا۔ یہ ماں اور باپ دونوں سے محروم تھا اور میں اپنے بچوں سے۔

”میں حبیبہ کی جگہ لے لوں گی‘ مجھے کوئی اور کام نہیں کرنا۔ بھلے سے پیسے بھی نہ دیں۔“ میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی‘ ایان سے جدا ہونا ناممکن تھا۔ بازوؤں میں سیدھا کر کے اس کی پیشانی چوم لی۔

ممتا گویا میرے اندر سے امڈ رہی تھی‘ ننھا منا سا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں بھر کر چوم لیا۔ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئی‘ دھیرے دھیرے اس کے بال سہلاتے‘ تھپکتے‘ اپنی پیاسی نظروں کو سیراب کرتی رہی۔ جانے کیوں مجھے اتنا رونا آ رہا تھا اور...... میں نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

آج آپی کی بھی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں‘ کاش وہ لوگ یونہی باتیں کرتے رہیں۔ ایان میری گود میں یونہی سوتا رہے اور یونہی مجھے سکون ملتا رہے۔ دھیرے سے آنچل سے چہرہ صاف کرتے ہوئے سر اٹھایا‘ میرے دل کو قرار سا آتا گیا‘ دوسرے لمحے میں ساکت ہوئی‘ دروازے میں میڈم کے بیٹے افراسیاب کھڑے تھے۔ میں محجوب سی ہوئی‘ اپنی پوزیشن خود اچھی نہ لگی۔ دوسرے کا گھر‘ دوسرے کا بچہ‘ میں ممتا بھرے انداز میں ممتا نچھاور کر رہی تھی۔ صوفے پر سے پاؤں اتار کر نیچے رکھے‘ خجل‘ خفت بھرے انداز میں ایان کو لے کر کھڑی ہوئی‘ ایان کو کاٹ میں لٹایا‘ دوپٹہ سنبھال کر مڑی افراسیاب بالکل میرے پیچھے کھڑے تھے جانے کب سے وہاں آ کھڑے ہوئے تھے۔

”ایم سوری...... دراصل میں...... وہ......“

”لگتا ہے آپ کو بچوں سے بہت پیار ہے؟“ ان کا گمبھیر لہجہ‘ سنجیدہ نظر...... میں نے سر گھما کر محو خواب ایان کو دیکھا‘ نیند میں فرشتوں کے ساتھ کھیلتا وہ مسکرا رہا تھا۔

”جی‘ پچھلے کئی دنوں سے ملاقات نہ ہو سکی‘ حبیبہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی‘ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ میڈم کا پوتا ہے۔“

”آپ کا جذبہ قابل تحسین ہے۔“

”جی۔“ میں نے نگاہ اٹھائی۔

”قابل ستائش...... کسی بھی غرض سے بے پروا۔“ میں نے سر جھکا لیا۔

”میں چلوں‘ یہ سو گیا ہے۔“ قدم باہر کی جانب بڑھائے۔ موصوف کی نظروں کا ارتکاز مجھے اپنی پشت پر محسوس ہو رہا تھا۔

”آپی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں۔“ میرے قدم رکے نہیں اس بات کا کیا جواب دیتی‘ شکریہ کہہ کر باہر آ گئی۔ آپی کی بھی گفتگو ختم ہو رہی تھی‘ ہم لوگ خدا حافظ کہہ کر باہر نکلے تو ان کا شوفر تیار کھڑا ہوا تھا‘ میں بیٹھتے ہوئے ہچکچائی‘ آپی فخر سے بیٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

اگلے دن مجھے میڈم کے گھر جانا اچھا نہیں لگا‘ فون پر ہی خیریت معلوم کر لی‘ ایان بالکل ٹھیک تھا‘ بس ذرا کمزور تھا۔ میرا دل اس کے لیے ہمکنے لگا مگر...... کچھ جگہوں پر بندھ باندھنا ضروری ہوتا ہے‘ سو میں آفس آ گئی‘ کسی بھی میڈ پر میڈم کا اعتبار اٹھ گیا تھا‘ ایان لان میں‘ نرسری میں نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے صبر کرنا تھا‘ ایک بار پھر صبر...... ایان کا احساس کر کے میرا دل مچلنے لگتا‘ آنکھیں بھر آتیں اور میں اِدھر اُدھر کے کاموں میں خود کو بہلانے لگتی۔ آفس میں



بھی دھیان اس معصوم کی جانب لگا رہتا‘ اس روز میں آفس آئی افراسیاب آفس میں موجود تھا۔

”آپ گھر نہیں آئیں سوچا کہ آپ کی خیریت معلوم کر لوں۔“ میں نے حیرانی چھپا کر اسے دیکھا۔

”اپیا نے کام کرنے ہوتے ہیں‘ ایان انہیں چھوڑتا نہیں ہے اس کے لیے دوسری گورنس دیکھ رہی ہیں۔“ میں ایک دم اسے دیکھنے لگی۔

”آپ کی نظر میں کوئی ہو تو...... دراصل اسے میڈ کی ضرورت نہیں ہے بہت ضدی اور چڑچڑا ہو رہا ہے‘ ممتا اس کی ضرورت ہے اور ماں......“ افراسیاب چیئر پر بیٹھتے ناخن سے ٹیبل کی سطح کھرچتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

”اور ماں پیسے دے کر بھی نہیں خریدی جا سکتی۔“ میرا دل کسی نے مٹھی میں لے کر جکڑ دیا۔

”اسے میرے پاس لے آئیں میں سنبھال لوں گی۔“ میں بے ساختہ کہہ گئی تھی۔

”کب تک......“

”ساری عمر۔“ میں نے سر جھکا لیا‘ میں ایک ترسی ہوئی بھکارن ماں تھی۔ میرا درد کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا‘ ایان کو مجھ سے زیادہ بہتر کون رکھ سکتا تھا کاش...... کاش۔

”میں بینا آپی سے بات کروں گی۔“

”ہو سکتا ہے بینا آپی تم سے بات کریں؟“ میں غائب دماغی سے دیکھنے لگی۔

”اسی وجہ سے اپیا آفس نہیں آ رہیں۔“

”میں آپ کو میڈم کا بیٹا سمجھتی تھی۔“

”ہاں میں ان کا بیٹا ہی ہوں‘ دراصل ماموں اپیا کہتے ہیں تو میں بھی بچپن سے اپیا کہتا ہوں۔“

”تو پھر آپ شادی کر لیں‘ ایان کو ایک بہتر ماں بھی مل جائے گی۔“

”ہوں......“ سنجیدگی سے ہاتھ بڑھا کر شفاف سطح پر رکھے گھوڑوں کو پش کیا‘ وہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

”مگر یہ نیکی کسی کسی کے حصے میں آتی ہے‘ ضروری ہے کہ اسے سگی ماں کا پیار ملے۔“ میں نے خوامخواہ فائل کھول لی۔

”شام میں ایان کو دیکھنے آؤں گی۔“

”ہاں ضرور‘ چڑچڑا کمزور اور ضدی سا ہو رہا ہے۔“

”بچہ ہے نا‘ تھوڑے سے بخار میں بڑے چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔“

”جب تک اس کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا اسے میرے پاس چھوڑ دیا کریں۔“ جانے کیسے دل کی بات نکل گئی۔

”ہاں میں نے سوچا تھا بلکہ اپیا کہہ بھی رہی تھیں مگر میں نے منع کر دیا۔ بچے کو کوئی چیز دے کر چھین لی جائے تو وہ اس پر ظلم ہوتا ہے اور میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا تھا‘ آپ کب تک اسے رکھ سکتی ہیں۔“

”ساری عمر......“ میرے دل میں ہوک اٹھی۔

”ساری عمر یونہی تو نہیں آپ کی شادی کی عمر ہے کل کو آپ رخصت ہو جاتی ہیں تو پھر......“ میں چپ ہو گئی۔

شادی...... ایک بار پھر...... ناممکن...... میرے لیے ایک تجربہ ایک دھوکہ ہی کافی تھا۔ دوسرے لمحے میں چونک کر سے دیکھنے لگی‘ سنجیدہ متین المزاج یوں بیٹھا تھا جیسے نظر باز تو ہو ہی نہیں کیسے بردبار انداز میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا اور میں...... میں اپنے آپ میں چونکی۔

میں کیسے اکیلے اس کے ساتھ بیٹھی تھی کیا تعلق تھا میرا اور اس کا...... میں دھیرے سے کھڑی ہو گئی۔ ایان کا لحاتی تعلق کوئی اتنا مضبوط تو نہیں تھا۔

”میں چلوں سر! دراصل وہ......“

”شاید آپ کو میری بات بُری لگی۔“

”یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے اور میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے۔“

”اسی لیے تو آپ کے پاس آیا تھا مجھے لگا شاید کوئی حل بتا سکیں۔“ میں ایک بار پھر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

”ایم سوری......“

”پھر بھی آپ سوچنے گا کہ شاید آپ......“ اک تلخ سی

شے نے میرے ہونٹوں کو چھولیا۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو میں اتنی حرماں نصیب کیوں ہوتی' میں چلوں۔" قدم باہر کی جانب بڑھا دیئے حالانکہ کام مجھے آفس میں تھا مگر مجھے بیٹھنا اچھا نہیں لگا موصوف کی موجودگی میں' باہر آ کر میں نے اندر چائے بھجوادی۔

اس روز میرا آفس کے کام میں دل نہیں لگا' اِدھر اُدھر گھومتی کام کی نگرانی کرتی رہی پھر لان میں آ کر بے وجہ ٹہلتی رہی۔ فون کر کے میڈم سے علیک سلیک کے بہانے ایان کی طبیعت پوچھنے لگی۔

"بہت ضدی اور چڑچڑا ہوگیا ہے' کچھ نہیں کھا رہا' کمزور دیکھو کیسے ہوگیا ہے۔ افراسیاب الگ پریشان ہے بن ماں باپ کا بچہ آج اس کی ماں ہوتی تو......"

"میڈیم اسے اِدھر لے آئیں میں ابھی فارغ ہوں دیکھ لوں گی آپ کو بھی آفس میں کام ہیں۔"

"نہیں بیٹا! ایان کو اس ماحول اس تنہائی اکیلے پن کا عادی ہونے دو' ساری میڈ ایسی ہی ہوتی ہیں کوئی گورنس ماں تھوڑی بن جاتی ہے۔ افراسیاب کہتا ہے کچھ دن کی بات ہے پھر عادی ہوجائے گا۔" میں ساکت رہ گئی۔

اس کی رگوں میں کیسی بے قراری پروان چڑھے گی' کیسا محروم تمنا بچہ ہوگا وہ...... میں نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ ایسے ہی بیٹھی رہی پھر آفس کی سمت چلی آئی' آپی کو فون کر دیا میرا دل میرا وجود کتنا اکیلا اکیلا سا تھا کوئی میرے دل سے پوچھتا۔

موسم ابر آلود ہو رہا تھا' رات کی برفباری کے بعد اب ٹھہراؤ تھا' یہاں کی سڑکیں رواں دواں رہتی تھیں۔ میں فٹ پاتھ پر چلتی آگے بڑھتی رہی روز آنے جانے سے راستہ مجھے ازبر ہوگیا تھا۔ جانے میں نے کتنا راستہ طے کرلیا' گھر آنے والا تھا یوکلپٹس اور گل صنوبر راستے میں کھڑے تھے' تبھی ایک بلیک گاڑی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی' اپنی دھن' اپنی سوچ میں میرے قدم رواں تھے' ہارن بجا' میں چونکی سر گھمایا' گاڑی میں افراسیاب تھے۔

"آپ یوں پیدل مارچ......"

"جی' یونہی ذرا موسم اچھا تھا۔"

"یہ موسم اچھا نہیں ہوتا ایک دم سے برفباری شروع ہوجاتی ہے' یہ پاکستان نہیں کہ بارش میں بھی چلتے رہو' آیئے میں چھوڑ دوں۔" اگلا دروازہ کھول دیا۔

"نہیں شکریہ' گھر آ گیا ہے وہ پارک اور اس سے اگلا موڑ......" میں بہت احتیاط پسند تھی میری احتیاج تھی مگر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

"اوکے۔" کہہ کر دروازہ بند کیا اور گاڑی بڑھا دی۔

میں نے چلنا شروع کر دیا' میں نے کبھی مادیت کو فوقیت نہیں دی تھی جو کسی کی امارت مجھے متاثر کرتی۔ نہ محبت کی بھوکی تھی' مجھے عزت نفس بہت عزیز تھی' اپارٹمنٹ کے آگے جواد بھائی راستہ صاف کر رہے تھے۔ رات کی ممکنہ برفباری کے پیش نظر دروازے میں کھڑی آپی ہدایت دے رہی تھیں۔ جواد بھائی چڑ رہے تھے' بچے دریچوں کے شیشے سے ناک ٹکائے کھڑے تھے۔

"بیوی تم مجھے مکمل ہی نوکر بنادو۔"

"شوہر کو ہر کام کرنا چاہیے' جیسے بیوی کرتی ہے۔ گھر کے کام میں کیا نوکری...... پھر آپ کا ہی فائدہ ہے صبح راستہ صاف ملے گا۔"

"کھانا ملے گا کہ نہیں......" وہ چلائے' میں ہنس دی۔

"لو...... مونا آ گئی۔"

"ارے مونا تم...... رکو...... رکو...... جاؤ بیوی سرخ کارپٹ بچھواؤ تمہارا محبوب من چاہا......"

"جواد......" آپی نے کھڑکا۔ جواد بھائی کی زبان کو بریک لگ گیا۔ "بہت فضول بولتے ہیں۔" ہونٹوں پر انگلی رکھ کر دوسرے ہاتھ سے' مجھے آگے جانے کا اشارہ کرنے لگے' دو چار سیڑھیاں چڑھ کر میں اندر داخل ہوگئی۔

بینا آپی نے پکڑ کر مجھے آگے کیا' دوسرے لمحے مجھے گلے لگا کر پیار کیا ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں' جواد بھائی شرارتی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"خیریت تو ہے نا......" میں ہنسی۔ جواد بھائی انکار میں سر ہلاتے ہوئے پھر سے راستہ صاف کرنے لگے۔



"ہاں' تم اندر چلو۔" میں نے کوٹ اسکارف اتارا اور اندر بڑھ گئی۔ ماحول بڑا تر و تازہ' گنگناہٹ لیے ہوئے تھا' آپی اور جواد بھائی قہقہے لگا رہے تھے۔

❀......❀......❀

میں ساکت بیٹھی آپی کو گھور رہی تھی' آپی خوش تھیں بے حد خوش' انہوں نے دونوں بھائیوں کو بھی فون کر دیا تھا۔ آیا تو بس ادھار کھائے بیٹھی تھیں' ہتھیلی پر سرسوں جمانے لگیں۔

"آپی......" مجھے اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"تو نہیں جانتی وہ کتنا اچھا ہے' ہر لحاظ سے مکمل' ہر لڑکی کا خواب تیرا آئیڈیل...... کتنا دھیما مزاج ہے اس کا' تجھے پھولوں کی طرح رکھے گا۔"

"آپی......" میں پیچھے ہوگئی۔ "آپی ایسا ناممکن ہے سوچیں بھی مت' مجھے شادی نہیں کرنی' قطعی نہیں۔ یہ دھوکہ' فریب اب نہیں...... مجھے شادی راس نہیں آتی۔"

"مونا! بدشگونی مت کرنا' ہم نے ساری عمر تمہیں بٹھائے رکھنے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اچھا رشتہ ملنے تک تم ہماری مہمان ہو بس' یہ میں نے پہلے ہی تمہیں کہہ دیا تھا اور بار بار یقین بھی دلایا تھا' بہن کا رشتہ اپنی جگہ' دنیا کے تقاضے اپنی جگہ...... میڈم وقار نے مجھ سے خود فون پر بات کی ہے انہیں افراسیاب کے لیے تم بے حد پسند آئی ہو۔" آپی نے میرے سر پر دھما کہ کر دیا تھا' نان اسٹاپ بول رہی تھیں۔

"تمہیں نہیں پسند نہ سہی ہمیں ہر لحاظ سے پسند ہے' ہم اوکے کر دیں گے۔"

"میں ایک بار پھر اپنی زندگی نہیں تباہ کر سکتی' میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" میں پیچھے ہوئی۔

"پہلا فیصلہ جذباتی تھا' اب ہم سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں' نہ تمہاری جذباتی عمر ہے نہ افراسیاب کی' یہ رشتہ بڑے ارینج کر رہے ہیں۔ یاد رکھو منتخب ہونا اور منتخب کرنے میں بہت فرق ہے مونا! خوش بختی ہمیشہ در پر دستک نہیں دیتی۔ افراسیاب تمہارا صبر' تمہارا انعام ہے اس سے لاتعلقی برتو گی تو ساری عمر پچھتاؤ گی۔"

"نہیں آپی! کسی مرد کی میری زندگی میں جگہ نہیں نکلتی' اس ذات پر مجھے بھروسہ نہیں یہ صرف اپنے مفاد کے لیے سوچتی ہے۔ میں پھر استعمال کیا ہوا ٹشو پیپر نہیں بننا چاہتی۔" میرا لہجہ قطعی تھا' آپی کو غصہ آنے لگا۔ ایک پل کو مجھے دیکھتی رہیں اور پھر اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ میں کشن گود میں رکھے بیٹھی رہ گئی' میرا دماغ سن ہو رہا تھا' تبھی موصوف سے دوبارہ آج ملاقات ہوگئی ورنہ تو وہ ملتے ہی نہیں تھے۔

"نہیں مونا! ایک بار اور نہیں کرنا' میں نے دیوار سے ٹیک لگالی' میرے بچے ہیں میں ان کی یادوں کے سہارے زندگی گزاروں گی۔" میں نے گہرا سانس لیا۔ "کل کو آئیں گے ہی نا' میڈم کے بچے بھی تو ان سے ملے ہیں۔" دوسرے لمحے میں چونکی۔

میں شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی اور یہ بات افراسیاب کے علم میں نہیں تھی اگر ہوتی تو...... میں خوش ہونے لگی' انکار لازم تھا...... صبح ناشتے کی میز پر میں نے ہنستے ہوئے یہ اطلاع بہم پہنچائی۔

"میڈم کو سب پتا ہے ان کے علم میں ہے اور میں نے ہی انہیں کہا تھا کہ کوئی رشتہ ہو تو بتایئے گا۔" میری خوشی کافور ہوگئی۔

"ان کے بیٹے کو تو یہ بات معلوم نہیں۔" میری آنکھیں پھر سے چمکیں۔

"میڈم جہاندیدہ' بردبار سمجھدار خاتون ہیں' ہواؤں میں تیر نہیں چلاتی' اتنا بزنس سنبھالا ہوا ہے اور ان کے بیٹے کی بھی یہ کوئی پہلی شادی نہیں ہے جو وہ تمہارے حسن کے آگے جذباتی ہو۔" آپی کو میرے انکار نے جلا دیا تھا۔ میں ہنس دی' آگے بڑھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"آپ ناراض مت ہوں' آپ میرا سب کچھ ہیں مگر کسی ایسی بات کے لیے مجھے مجبور مت کریں جو میرے اختیار میں نہ ہو۔"

"ہم تمہیں تمہارے اختیارات استعمال کرنے کے لیے نہیں کہہ رہے' بس ایک بار اور' ہمیں ہمارا اختیار استعمال

کرنے دو۔'' آپی کی اپنی رٹ تھی' میں گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹی' کچن کی جانب بڑھی۔

''ناشتے میں کیا لیں گی؟''

''کچھ نہیں۔'' جلا بھنا لہجہ تھا۔

''بوائل انڈا' بریڈ میں لے رہی ہوں شہد کے ساتھ۔''

''تم آفس نہیں جارہیں؟''

''اس صورت حال میں جاسکتی ہوں بھلا' میرے لیے دوسری جاب تلاش کریں۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم۔'' وہ جاب پر جانے کے لیے اندر بڑھ گئیں۔

ناراضگی وقتی ہے مان جائیں گی۔ میں ناشتہ بنانے لگی' گھر کی خاموشی بتارہی تھی کہ سب جاچکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپی بھی دھاڑ سے دروازہ بند کرکے چلی گئیں۔ مکمل ناراض تھیں' میں نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا محرابی راستے پر وہ تیز تیز چلی جارہی تھیں' فضا میں دھند تھی' رات کو برفباری نہیں ہوئی تھی۔ میں چائے دم دینے لگی۔

''آپی! آپ کی ناراضگی بے جا ہے میں کسی ایسے رشتے کو تعلق کو اب کیسے قبول کرلوں جسے میرا دل ہی نہ مانے۔ اعتبار ہی نہ ہو' ہر لمحہ دھوکے کا احساس ہو۔ میں یہ کڑوا گھونٹ اب دوبارہ نہیں پی سکتی۔'' گرم بھاپ اڑاتی چائے کے پیچھے میری آنکھیں دھندلانے لگیں' کوئی میرا دکھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میرا درد نہیں جان سکتا تھا' سب یہ ہی سمجھتے تھے کہ صبر آ گیا ہے...... مگر صبر ایسے کیسے آ سکتا ہے دو بچوں کی ماں کو جس کی رگیں کاٹ کر بچوں کو زندگی دی گئی ہو۔

❁......❁......❁

گھر میں گہری خاموشی تھی' بچے اسکول سے آ کر کھانا کھا کر سوگئے۔ میں اپنے طور پر کچن میں مصروف رہی' شام کو آپی اور جواد بھائی آ گئے۔ آپی ناراض' جواد بھائی خوش...... دونوں کی چونچیں لڑی ہوں گی' آپی مجھ سے خفا تھیں تو...... میں مجبور تھی۔

گزرتے دنوں سے زندگی رک سی گئی تھی' مجھے ایان کا خیال آتا معلوم نہیں کیسی طبیعت ہو۔ میڈم کا فون بھی نہیں آیا۔

''جاب...... نہیں جاب مجھے خود تلاش کرنا چاہیے۔'' خود سے باتیں کرتی رہتی۔

''تم نے اپنی آپی کو ناراض کردیا ہے۔'' اس روز جواد بھائی لاؤنج میں میرے سامنے لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئے۔

''انہیں بھی تو میرے حوالے سے سوچنا چاہیے۔''

''تمہارے لیے وہ بہت پریشان ہے' سوچتی رہتی ہے وقت نے تمہارے ساتھ جو زیادتی کی ہے۔ اس کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔''

''جواد بھائی! گئے وقتوں کی تلافی' مزید دکھ کا باعث بنے گی۔''

''ہم جو سوچتے ہیں وہی حاصل کرتے ہیں مونا! ضروری نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ ہمیشہ ہی غلط ہو۔''

''ہاں کچھ لوگ اتنے ہی حرماں نصیب ہوتے ہیں...... جو کھولی دکان کفن کی تو لوگوں نے مرنا چھوڑ دیا۔'' جواد بھائی ہنس رہے تھے۔

''ایسے لوگ تو خوش قسمت ہوئے مونا! ان کی وجہ سے اموات کم ہورہی ہیں۔'' میں انہیں دیکھتی رہ گئی' ان کی چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی' وہ بھی سیریس نہیں تھے۔ آپی کے ساتھ ملے ہوئے تھے' مجھے کنوینس کرنے کے لیے تیار تھے۔ میں کافی بنانے کے خیال سے اٹھ گئی۔

❁......❁......❁

آپا کا فون آ گیا' ویسے تو دعا سلام' خیریت نامہ کے لیے آتا رہتا تھا۔ انہوں نے میرا طبیعت نامہ پوچھ لیا۔

''خبردار جو اس رشتے کے لیے انکار کیا' بہت خوش رہو گی تم۔ بیٹا کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے اور نا تم ناسمجھ ہو' گھر آئی خوش قسمتی کو لات مت مارنا۔ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرو' بچے بہت تمہاری زندگی میں' ان دو کو روگ مت بنالو۔ وہ تمہیں نہیں پہنچانیں گے ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی انہوں نے' سمجھ داری سے کام لو۔ وہ ماں...... ماں کہنے



تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے' ہیلو...... ہیلو...... سن رہی ہو نا' چل دیں پاکستان۔'' میں نے گہرا سانس لیا۔

''ہیلو......''

''صرف ہیلو نہیں مونا! ہلو...... اپنی زندگی میں ہلچل پیدا کرو بیٹا! ہمیں نہیں معلوم کہ ہماری زندگی کتنی ہے اور زندگی گزارنے کے لیے گنی چنی یادیں کافی نہیں ہوتیں مونا!'' رسان بھرا لہجہ تھا' میں سنتی رہی۔ میرے احساسات کے بارے میں کوئی سوچ ہی نہیں رہا تھا۔

''میں پھر فون کروں گی اپنی ٹکٹ کا بتانے کے لیے' احتشام گیا ہوا ہے ریٹرن ٹکٹ کے لیے۔'' اطلاع دے کر فون بند ہوگیا۔

میں فکرمندی سے بیٹھی رہ گئی آپا آرہی تھیں یہ احساس ہی سوہان روح تھا۔ یہ سب مل کر مجھے راضی کرلیتے' مجھے افراسیاب سے مل کر بتادینا چاہیے میں اندر ہی اندر فیصلہ کرنے لگی۔ ان کا انکار میری بقا تھا' میرا انکار ان سب کو ہرٹ کررہا تھا۔

❁......❁......❁

صبح چھٹی تھی' آفس بند تھے۔ آپی مجھ سے ناراض تھیں۔

''چلیں جواد دیر ہورہی ہے۔ جواد بھائی گروسری کے لیے میں بھی چلوں گی۔''

''ہم مارکیٹ نہیں جارہے' ایان کی طبیعت خراب ہے اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔'' میں دھک سے رہ گئی۔

''چلیں جواد' اس کو کیا بتارہے ہو بے حس ہے یہ تو ان لوگوں کو یاد کررہی ہے جو اسے کچھ نہیں دے سکتے۔ کبھی بھولے بھٹکے ملے بھی تو شاید ہی پہچان سکیں۔ اس بچے کو نہیں دیکھ رہی جو اس کی زندگی بدل دے گا۔'' جواد بھائی کا ہاتھ تھام کر بڑبڑاتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں اور میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

مجھے بھی جانا چاہیے مگر کس حوالے سے...... میرے اندر بے قراری سی ابھرنے لگی۔ میں دریچے سے لگے شیشے کی بر فیلی سطح سے ناک لگا کر انہیں جاتے دیکھتی رہی یہ لوگ میرے لیے مخلص تھے مگر میں اس خلوص کی حقدار نہیں تھی' یہ خلوص مجھے سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دے سکتا تھا۔

میں اور کسی کرائسس بھرے امتحان سے نہیں گزر سکتی تھی' مجھے افراسیاب سے مل کر انہیں یہ بات سمجھانا تھی۔

❁......❁......❁

رات میں نے جواد بھائی سے ایان کی طبیعت پوچھی۔

''تمہیں کیا...... کیسا بھی ہو......''

''آپی......''

''مرے یا جیے......''

''اللہ نہ کرے۔'' میں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

''کرتا اللہ ہی سب کچھ ہے' بندہ بڑا ناشکر ہے۔'' سر جھٹکا۔

''خبردار جو تم نے کسی کی خیریت پوچھی' اب اپنی زندگی تم خود گزاروگی' اپنا ہر فیصلہ خود کروگی۔ ہم تمہارے کچھ بھی نہیں ہیں۔'' میں سر جھکائے بیٹھی رہی۔ آپی سخت سنا کر باہر نکل گئیں' انہیں جواد بھائی کا بھی لحاظ نہیں تھا۔ میں اٹھ کر اپنے روم میں آ گئی۔

ذہن خالی ہورہا تھا' آپی کی جذباتی وابستگی کہانی کو کوئی اور رنگ دے رہی تھی۔ آسٹریلیا سے فیضان بھائی کا فون

> فرحانہ ناز ملک کے نام
>
> سماب فلک نے بارش کا سماں بنایا ہے
> کچھ تو ہوا ہے میرے دل نے بھی شور مچایا ہے
> سوچوں کی تانیں کبھی بندھی' کبھی ٹوٹ جاتی ہیں
> خیالات کا ایسا عجب جال ذہن نے بچھایا ہے
> دل و دماغ سب سمجھنے سے ہیں قاصر گردشِ حالات کو
> تیری موت نے مجھے پاگل سا بنایا ہے
> ابھی تو میرا بتصرہ باقی تھا کرن میں
> کیسا دل کو تو نے غمِ لازوال لگایا ہے
> لرزتے قلم سے شازیہ نے کاغذ پر لکھے اشکوں کے موتی
> انہی موتیوں کی مالا سے نینوں کو سجایا ہے
>
> شازیہ ہاشم...... کھڈیاں خاص قصور

آ گیا' وہ بھی سمجھا رہے تھے۔

"زندگی میں ہمیشہ ویسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں' اللہ سے بہتری کی امید رکھنا چاہیے۔ جتنے دکھ تم نے اٹھانے تھے اٹھا لیے مونا اب تمہاری خوشیوں کا آغاز ہو رہا ہے' کفران رحمت مت کرنا۔" میں سُن بیٹھی رہ گئی۔

"بینا نے مجھے بتایا ہے رشتہ بہت اچھا ہے' قدر کرنے والے لوگوں کی قدر کرنا چاہیے۔" فون بند ہو گیا' میرا دل بھی بند ہونے لگا۔

"بھلا میں نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں عورت ماں بنتی ہے تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔" سامنے قد آور شیشے میں میرا سراپا نمایاں تھا' کمزور لاغر کملایا ہوا میرا بانکپن۔ میری خوشی' میرا اقرار...... سب ان لوگوں نے لے لیا تھا۔

"وہ بچہ مجھے دے دو' میں بے لوث' خلوص کے جذبے سے پالوں گی۔ پال پوس کر تمہارے حوالے کر دوں گی' میری ممتا کو بھی قرار رہے گا وہ تو نومولود ہے' محروم تمنا نہیں ہو گا۔ میں لکھ کر دے دوں گی۔" اک نئی راہ سوجھی اور میں نے افراسیاب سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا' میرے دل کو اطمینان سا ہوا۔

صبح مجھے آپی اور جواد بھائی کی باتوں نے شاک لگا دیا' ایان ابھی تک اسپتال میں تھا۔ اس کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ آپی کے جانے کے بعد جواد بھائی کے ساتھ اسپتال آ گئی' کملایا ہوا پھول بے سدھ پڑا تھا۔ میں کھڑکی سے سر ٹکائے اسے دیکھتی رہی' جانے کتنا وقت گزر گیا' آہٹ پر مانوس سے لمس پر سر اٹھایا۔

"آپ......" افراسیاب کھڑے تھے۔

"م...... میں ایان سے ملنے آئی تھی۔" نگاہ چرا لی۔

"اب بہتر ہے۔"

"یہ بہتر ہے......؟" میرا گلہ رندھ گیا۔ "مرجھایا ہوا پھول بن گیا ہے۔"

"ماں کی کمی محسوس کرتا ہے اور ماں...... بازار سے نہیں ملتی۔" ان کا لہجہ دھیما سا تھا۔ میں نے بھیگی ہوئی نگاہ اٹھائی اور نظریں سیدھی ایان پر اٹھی تھیں۔

"یہ مجھے کتنا عزیز ہے' کوئی میرے دل سے پوچھے۔ دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں' بس اس ایک خوشی کے سوا......"

"آپ سے امید تھی' اس روز آپ کی خصوصی توجہ اور ایان کے چہرے کا سکون...... میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا مگر......" جیبوں میں ہاتھ ڈال کر' دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"ضروری نہیں کہ انسان کو وہی کچھ ملے جو وہ سوچتا ہے۔"

"میرے بیٹے کو بھی صبر آ جائے گا' بہت صبر والے باپ کا بیٹا ہے۔" جانے کیوں مجھے افراسیاب کا لہجہ بھیگا ہوا لگا تھا۔

"میں نے بہت چھوٹی سی عمر میں ماں باپ کو کھویا تھا' مگر پھر ماں مل گئی باپ کے رویئے نے مجھے بے جا دور کر دیا تھا پھر میں نے شادی کر لی گھر والوں سے چھپ کر مگر ہما نے میری ساری توقعات پر پانی پھیر دیا۔ جذباتی عمر تھی میری اسے پیسہ چاہیے تھا وہ میرے پاس نہیں تھا میں نے اپنے بیٹے حماد کو اکیلا پالا پوسا' پڑھایا لکھایا...... مگر وہ بھی میری طرح جذباتی محبت کا مارا نکلا۔" میں دم بخود سن رہی تھی' افراسیاب کے بیٹے کا نام اگر حماد ہے تو یہ بچہ ایان کون ہے؟

"حماد نے لڑکی کو گھر سے بھگا کر شادی کی مگر لڑکی کے گھر والے بھوکے گدھوں کی طرح اسے ڈھونڈتے رہے' یہ دونوں بھاگتے رہے یہاں تک کہ حماد ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ لڑکی کے بھائیوں نے اسے گولی مار دی۔ حماد اسی وقت مر گیا' اس کے بعد زہرہ بھی جی نہ سکی۔ ایان کی پیدائش کے وقت اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ مر گئی' میرا بچہ میری طرح اکیلا رہ گیا۔" ان کی آنکھوں میں ایک آنسو پلکوں پر ٹکا تھا' میں ساون بھادوں تھی مجھے علم نہ تھا۔

میں بھی تو زندگی کے سفر میں کتنی اکیلی' تنہا اور اداس تھی میرے اپنے میرا ساتھ چھوڑ گئے اور میں مبتلائے یاد رہتی تھی۔



"یہ میرا پوتا ایان ہے میں اسے اتنا بہادر بناؤں گا کہ یہ کبھی اکیلا نہیں رہے گا۔" وہ پھر سے سیدھے کھڑے ہو گئے' شیشے کے پار کسمساتے ہوئے ایان کو دیکھ رہے تھے۔

"مضبوط...... توانا۔" میں جانے کیوں شرمندہ ہو رہی تھی۔

"یادیں انسان کو کیا دیتی ہیں' انسان کب تک ان کے سہارے جی سکتا ہے۔" ایان رو رہا تھا' نرس اسے چمکار رہی تھی' سنبھال رہی تھی۔

"مجھے اندر جانے دیں۔" میں بے قرار ہوئی۔

"نہیں مونا!" افراسیاب نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "یہ وقت ایان کی طلب کا ہے' طلب ہی انسان کو صبر کرنا سکھاتی ہے یا بے صبرا بنا دیتی ہے۔ ابھی یہ روئے گا اسے صبر آ جائے گا روئے زمین پر اس کی ماں نہیں ہے۔"

"میں اسے جھوٹی تسلیوں سے نہیں بہلاؤں گا اور نہ اسے کمزور سہارے دوں گا۔" نرس ایان کے منہ میں قطرہ قطرہ دودھ ٹپکا رہی تھی اور وہ رو رہا تھا' میرے آنسو میرے گریبان کو بھگو رہے تھے۔

"میں نے سسٹر کو منع کر دیا ہے کہ اس کو کسی سے ملنے نہ دیں' ایسا بھی نہیں آئیں یہاں۔"

"کتنے سنگدل ہیں آپ۔" میں نے بھیگی پلکوں کو اٹھایا۔

"یہ سنگدلی ہی تو اسے سنگ دل بنائے گی اور اسے یہ سکھائے گی کہ جو چیز اس کی نہیں ہے وہ اسے نہیں ملے گی۔" میں نے ترحمی سے اسے دیکھا' نرس اسے انجکشن لگا رہی تھی' وہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔

"پلیز......" میرا دل اچھل کر حلق سے باہر آ گیا' میں نے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

"نہیں مونا!" افراسیاب نے میرا بازو تھام لیا۔ "کل یہ اور روئے گا جب آپ اس کے پاس نہیں ہوں گی اسے رونے دیں' اسے صبر سیکھنے دیں۔"

میرا جگنو چیخ چیخ کر رو رہا تھا' میری گڑیا میرے پاس آنے کے لیے مچل رہی تھی۔

"نہیں......" افراسیاب نے مجھے کھینچ کر وہاں سے ہٹایا اور سنگی بنچ پر لا بٹھایا۔

"میں نے اسے ضرورت کا محتاج نہیں کرنا مونا! میں نے آپ کو بتایا نا' ایک مختلف راستے پر نہیں چلانا۔" میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی' جانے کہاں سے اتنا رونا آئے جا رہا تھا۔

"آپ گھر جائیں۔" گہرا سانس لے کر وہ نشست سے ٹیک لگا کر بیٹھے' دکھ ان کے چہرے پر بھی رقم تھا۔

"آپ کو آپشن دیا تھا' زبردستی نہیں تھا مرضی ہر انسان کی اپنی ہوتی ہے۔" میں نے آنچل سے چہرہ صاف کیا۔ افراسیاب کا سیل بجنے لگا' اٹھ کر تھوڑی دور چلے گئے۔

"چلیے میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔" وہ واپس پلٹے۔ میں نے مڑ کر ایان کے روم کی جانب دیکھا معصوم ذی روح نرس کے رحم و کرم پر تھا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو

سالگرہ کے کیک کو دیکھو
آس امید کی کتنی کینڈل
جل کر اب بجھنے والی ہیں
سائیڈ ٹیبل پر رکھے
سرخ گلاب......
تنہائی اور اداسی کی کرنیں اوڑھے
مرجھانے والے ہیں
کارڈ پر لکھے دعاؤں کے پھول
آنسوؤں کی بارش میں
بھیگ کر مٹنے والے ہیں
گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئی
اس سے پہلے بارہ کے ہندسے کو پھلانگے
لوٹ آؤ تم
لوٹ آؤ تم......

ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

"آپ کے بھائی آئیں گے؟"
"جی۔" میں نے سر ہلایا۔
"مگر مجھے جانا ہے میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"
"کیوں؟"
"آپ ایان کے روم میں چلی جائیں گی اور یہ اس کے لیے بہتر نہیں ہے۔" منہ پھیر کر موبائل چیک کرنے لگے میں ان کی شکل دیکھنے لگی۔
"آئیں میں چھوڑ دوں انہیں فون کردیں۔" انہیں ضروری جانا تھا اور میں جو سوچ رہی تھی کہ افراسیاب کے جانے کے بعد ایان کے پاس چلی جاؤں گی ارادہ باطل ہونے لگا۔

میں کھڑی ہوئی ایک بار پھر میں ایان کے روم کی جانب بڑھی۔
"نہیں مونا!" میرا بازو پھر سے افراسیاب کی گرفت میں تھا۔ "آپ میری بات سمجھیں جو راستے منزلوں کی جانب نہیں جاتے ان راستوں پر نہیں چلنا چاہیے۔ بجائے یہ کہ انسان بار بار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو ٹوٹ کر جڑے اور جڑ کر پھر سے چٹخ جائے۔ نہیں مونا! انسان کو اپنے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔" وہ مجھے اسی طرح سے پکڑے پکڑے چل رہے تھے جیسے میں پیچھے پلٹ کر بھاگوں گی استحقاق بھرا انداز تھا میں چلتی جارہی تھی۔
"اگر آپ کے سابق شوہر نے آپ کو بچوں سے ملنے نہیں دیا تو یہ بہتر کیا۔ بچوں کو اسی حصار میں رہنا ہے وہ سمجھتے ہیں بے شک یہ آپ پر ظلم ہوا۔" وہ میرا بازو پکڑے سیڑھیاں اتر رہے تھے کاریڈور سے گزرتے روش پر آگئے۔ آنسو میرے قدموں تلے مسلے جارہے تھے۔

ایان کو نہ دیکھنے کا دکھ تھا جگنو اور گڑیا کی یاد تھی۔ میرا دکھ تھا کیا تھا میں سمجھ نہ سکی۔ کرب کی بارش میری ذات پر برس رہی تھی گاڑی کے پاس لاکر فرنٹ ڈور کھولا اور مجھے بٹھا دیا۔ زخم جب تک ہرے رہتے ہیں جب تک ہم زخموں کو چھیلتے تریاق نہ کریں اسے کریدتے رہیں۔
"یاد رکھیے مونا! زخم بھرنے کے لیے اور دکھ بھولنے کے لیے ہی ہوتے ہیں ہماری بھی سلامتی ہوتی ہے۔" گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھالی۔
"بچے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائیں تو ان کی زندگی تباہ ہوجاتی ہے۔ اپنی ذات پر ترس ہی کھاتے رہتے ہیں۔" ایک موڑ کاٹا۔ "اور ترس زندگی نہیں ہوتی مونا! حادثے زندگی نہیں بن جاتے اپنی زندگی کو از سر نو شروع کریں یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔" میں نے خود کو سنبھالا۔
"میں نے اگر از سر نو زندگی شروع کرنی ہوتی تو اُدھر ہی رہتی اگر ہماری زندگی میں غلط فیصلے ہوجائیں تو ضروری نہیں ہے کہ اس کے سدھار بھی نہ ہوں۔"
"سنبھلنے کا موقع ہر ذی روح کو ملتا ہے اپنی زندگی کو سوچیں ہوسکتا ہے ربّ نے آپ کے لیے کچھ بہتر لکھ رکھا ہو۔" انہوں نے گاڑی گھر کے آگے روک دی میں نے سر گھما کر دیکھا۔ سنجیدہ اور متین چہرہ سامنے دیکھ رہا تھا۔
"کچھ بہتر ہوتا تو آج میں ایان سے ضرور ملتی۔" میرا لہجہ بھرآنے لگا۔
"میں اپنے بچے کو ایک بہتر زندگی دینا چاہتا ہوں جس میں اسے محرومی نہ ہو ہر وہ رشتہ دینا چاہتا ہوں جو اس سے چھین نہ لیا جائے۔"
"میں بُری ہوں کیا؟" میں نے سر گھما کر انہیں دیکھا۔
"نہیں آپ بُری نہیں ہیں آپ کا انتخاب یونہی نہیں ہوا تھا مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر اچھا انسان ہمارا نصیب بن جائے۔"
"میری اچھائی...... ان کی نظر میں......" میرے آنسو ٹھٹک گئے۔
"اور میں زبردستی فیصلہ کرکے کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔" میں گاڑی سے اتر گئی۔
"وش یو بیسٹ آف لک۔" وہ گاڑی آگے لے گئے میں ٹھٹرتے ہوئے موسم میں ٹھٹکی کھڑی رہ گئی سارے بھیگے بادل میرے وجود میں سمائے اور آنکھوں میں آٹھہرے۔ میں دھیرے سے پلٹ کر گھر کے بند



دروازے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ دم بخود ساکت...... میرا ذہن خالی تھا۔
افراسیاب کیا کہہ رہے تھے۔ "فیصلے ہمیشہ دو لوگ مل کر کرتے ہیں انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور میرا فیصلہ...... میں نے بھی تو اپنا فیصلہ سنا دیا تھا پھر دکھ کیسا اذیت کیسی بے قراری کیوں...... سب کچھ حسب حال ہی تو ہے مونا مختار احمد۔" میں نے سر دروازے سے ٹکا دیا آنکھوں میں جلن آٹھہری تھی کھلی آنکھیں آسمان پر تھیں ایان کیسے بے قرار بے چین تھا۔ کیا تھا میں گود میں لے لیتی سینے سے لگا لیتی حدتوں کو قرار آجاتا۔
"نہیں مونا! مجھے ایان کو لمحاتی خوشی نہیں دینی ہمیں ان راستوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو ہماری منزل کی طرف جاتے ہیں۔ ہمیں مختلف راستوں پر بھٹکنا نہیں چاہیے۔" تبھی دروازہ کھلا میں گرتے گرتے بچی۔
"مونا تم......" پیچھے بینا آپی تھیں۔ "کیا ہوا ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" وہ میرے پہلو میں بیٹھیں میرا ہاتھ تھاما میں نے نڈھال سے انداز میں ان کے شانے سے سر ٹکا دیا۔
"آپی......" وہ سسکی۔ "انہوں نے مجھے ایان سے ملنے نہیں دیا۔" گہرا سانس لے کر انہوں نے میرا سر تھپکا۔
"وہ حق بجانب ہیں۔"
"آپی!" میں پھوٹ کر رودی۔ "مجھے ایان کے پاس جانا ہے اسے گود میں لینا ہے اسے میری ضرورت ہے۔ وہ میرا جگنو میری گڑیا ہے۔ پلیز آپی...... آپی......" میں نے ان کی گود میں سر رکھ لیا۔
"نہیں مونا! وہ تمہارا جگنو نہیں ہے وہ ایان ہے دوسرے کا بچہ...... تم اسے ایان ہی سمجھو تمہارا جگنو تمہاری زندگی سے جاچکا ہے۔"
"آپی......" میں دکھ سے روئے گئی۔
"وہ تمہیں بھیک میں بھی ایان نہیں دیں گے انہوں نے تمہیں ایان کی ماں بنانا چاہا تھا میڈم نے پرپوزل بھیجا تھا مگر تم...... تمہیں نہ خود پر بھروسہ ہے نہ تقدیر پر شاکر ہو...... تمہیں جگنو کا نعم البدل مل رہا تھا مگر تم شاکر نہیں ہو۔"
"آپی......" میں نے سر اٹھایا۔ "میں تیار ہوں میں ساری دنیا کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار ہوں۔ میں افراسیاب سے شادی کے لیے تیاری ہوں...... مجھے...... مجھے ایان دے دیں اسے میری ضرورت ہے۔" میں گڑگڑا رہی تھی آپی نے مجھے ساتھ لگالیا۔
"سچ مونا......؟" اس بے چین بے قرار بچے نے یکدم سے فیصلہ کروالیا تھا۔
"کل صبح آپا آرہی ہیں جنید کے ساتھ شاید منور بھائی بھی جائیں۔ ہم کل شام ہی تمہارا نکاح کردیں گے۔" آپی تو سارے پروگرام طے کیے بیٹھی تھیں۔
میں ان کے پروگرام سن کب رہی تھی میرے تصور میں میری بانہوں میں ایان تھا اور میں بانہوں کے جھولے میں اسے جھلا رہی تھی میں عالم بے خودی میں تھی۔
آپا آگئیں سب کی خوشی دیدنی تھی۔ شام کو میڈم بھی آگئیں مجھے پیار کرتی رہیں۔ میں سر جھکائے بیٹھی رہی اور سب کچھ یوں ہوتا گیا جیسے یہ میری تقدیر میں رقم تھا اس کام کو ایسے ہی ہونا تھا۔ میرا نکاح افراسیاب سے ہوگیا اور میں رخصت ہوکر سیدھی اسپتال آئی افراسیاب نے ایان کو میری گود میں دیا میں دم بخود تھی۔ نیند میں بے چین ایان نے میرے بازو سے سر ٹکا دیا ایک قرار سا میرے وجود میں اتر گیا۔
میں اسے چوم رہی تھی پیار کررہی تھی محبت کے آنسو عشق کی زمین پر گر رہے تھے ایان میرا عشق تھا عشق سچا ہو تو مل جاتا ہے۔ میں اسے دیکھ رہی تھی میری گود میں میرا نصیب سو رہا تھا۔ میں جگنو کو بھول گئی مجھے ماضی میں زندہ نہیں رہنا تھا۔ ماضی کی یاد ایک ماں کی بے قراری تھی۔ حال ایک ماں ایک بچہ کا قرار تھا۔
"چلیں......" افراسیاب میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔
"نہیں...... مجھے کہیں نہیں جانا جب تک ایان گھر نہیں جائے گا۔" اب مرے لہجے میں استحقاق تھا۔ مجھے اس بچے سے جدا نہیں ہونا تھا۔
ایان دو دن اور اسپتال میں رہا بہت کمزور ہوگیا۔ ہر لمحہ

میں اسی میں لگی رہتی' کچھ اور سوجھتا ہی نہیں تھا۔ مجھ سے مانوس ہوگیا' میری جانب ہمکنے لگتا' میری آغوش سے نہیں اترتا' میری ممتا سیراب ہورہی تھی' میرے جذبے سچے' بے لوث اور بے ریا تھے۔ اگلے دن ایان ڈسچارج ہوگیا میں گود میں لے کر گھر آئی' میڈم وقارالنساء کا انداز بے حد محبت آمیز تھا انہوں نے مجھے بہت پیار کیا۔

''ہمیں اپنے بچے کے لیے ایسی ہی محبت کرنے والی لڑکی چاہیے تھی' ہم نے تمہارا انتخاب تو بہت پہلے کرلیا تھا مگر بہار اب اتری ہے میرے گھر پر۔'' میں نے شرما کر سر جھکالیا۔

میڈم باتیں کرتیں مجھے افراسیاب کے روم میں لے آئیں۔

''آج سے یہ تمہارا بھی بیڈروم ہے ایان کے ساتھ ساتھ تمہیں افراسیاب کو بھی پیار کرنا ہے۔ اس کی زندگی میں بھی خوشیاں نہیں ہیں ہے موتا! وہ بھی دوسروں کے لیے جیا ہے۔'' میں نے سر جھکالیا' جھجک میرے وجود میں در آئی۔

''تھوڑی دیر میں ایان کے ساتھ کھیلوں گی۔'' میڈم ایان کو لے کر چلی گئیں۔ میں بے انتہا خوشی کا احساس لیے بیٹھی رہ گئی' تبھی آہٹ ہوئی' میں نے سر اٹھایا سامنے افراسیاب کھڑے تھے مسکراتے ہوئے۔

''خوش ہو۔'' وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئے میں جھجک کر پیچھے ہوئی۔

''مجھ سے ایان کبھی چھینیں گے تو نہیں؟''

''جب تک اسے بے لوث چاہت دو گی ایان تمہارا رہے گا۔'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''میری تقدیر نے تمہیں متاثر کیا نا' اگر پڑھ جاتا تو وکیل ہوتا۔''

''نہیں...... ایان کی بے چینی و بے قراری نے یہ فیصلہ کروایا۔''

''دل سے کہو۔'' آگے ہو کر جھکے' میں نے نگاہ اٹھائی۔

''ہاں دل سے کہا۔''

''تمہارے آنسوؤں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا میں دل ہار گیا تھا دل چاہا اب تمہیں ایان دے دوں اور دے بھی دیتا مگر......'' وہ کان کھجانے لگے' میں دم بخود ہونے لگی مگر......

''مگر میں اس دل کا کیا کرتا جو تم سے متاثر ہو کر محبت کرنے لگا تھا' تمہیں ایان مل جاتا' تم مجھے کیسے ملتیں۔'' میں ساکت رہ گئی افراسیاب کی گمبھیر آواز شادیانے بجا رہی تھی۔

''تمہیں خود کو دینے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔'' انہوں نے مجھے کھینچ کر اپنے شانے سے لگالیا' ان کے لمس نے میرے بالوں کو چھولیا۔

میری حیرانی میرے وجود میں بہار بنی اور بہار کے پھول میرے وجود پر گرنے لگے۔

''تمہارے اور ایان کے پاس سے ایک جیسی بو آرہی ہے' اسپرٹ' میڈیسن' انجکشن اور ہسپتال کی' جاؤ جا کر نہاؤ۔'' میں سرشاری سے ہنس دی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کا مماثل ہیں نا۔'' میں اترائی۔

افراسیاب کا قہقہہ بڑا جاندار تھا میں مبہوت ہونے لگی۔ پرانے دکھ' پرانے آنسو' پرانی یادیں' سب کہیں دور پیچھے رہ گئی تھیں۔

''تمہیں بھی مجھ سے پیار تھا نا؟'' آنکھوں میں شرارت کے رنگ بھر کے افراسیاب مجھ پر جھکے۔

''جی نہیں...... خوش فہمی ہے آپ کی میں تو ایان کی عاشق ہوں۔''

کہیں یہ ترک محبت کی ابتدا تو نہیں
وہ مجھ کو یاد کبھی اس قدر نہیں آئے
ابھی ابھی وہ گئے ہیں
بہت دنوں سے وہ جیسے نظر نہیں آئے

مسلسل اپنے چہرے پر نظروں کی حدت محسوس کرنے سے اس کے گوڈی کرتے ہاتھ رک گئے' بالوں کی بے ترتیب لٹوں کو مٹی سے لتھڑے ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہیں بھی کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے کافی دیر سے وہم سا ہو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اب کون ہے...... کہاں ہے...... یہ سمجھ نہیں آرہا تھا بالآخر وہ اپنا وہم خیال کرکے قدرے مطمئن ہو کر پھر سے کام میں مصروف ہوگئی۔ پورے ہفتے میں واحد اتوار کا دن ہی ہوتا تھا جب ہفتے کے رکے ہوئے تمام کام نمٹاتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ سے لگائے پودوں کی کتر بیونت کرنا نہیں بھولتی تھی۔ کافی دیر تک اپنے پسندیدہ کام میں مصروف رہنے کے بعد جب وہ تھک گئی اور اٹھی تو شام کے پانچ بج رہے تھے' ہاتھ منہ دھو کر وہ لاؤنج میں آئی تو بابا سامنے ہی صوفے پر شام کا اخبار پڑھتے نظر آئے۔ وہ بھی ان کی طرف ہی چلی آئی۔

''السلام علیکم بابا! اینی نیوز......؟'' وہ ان کے کندھے

سے لگ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ بابا نے پیار سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور مسکرائے۔

”نیوز...... گڈ یا بیڈ؟“

”اچھی خبر کی توقع اب بھی ہے آپ کو بابا! اب تو ٹی وی آن کریں یا اخبار اٹھالیں بیڈ ہی بیڈ نیوز ہیں ہر طرف‘ ایسا کیوں ہے بابا؟“

”ایسا اس لیے ہے بابا کی جان کیونکہ ہم میں صبر‘ تحمل‘ قناعت اور احساس کا فقدان ہوچکا ہے۔ ہم اس قدر مادیت پرست ہوچکے ہیں کہ قیمتی رشتوں کو بھی دولت کی ہوس میں کھودیتے ہیں اور افسوس پھر بھی نہیں ہوتا لیکن اب بھی کچھ امید باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس اتنی بڑی کائنات میں اچھائی کے پیامبر ابھی بھی باقی ہیں تو دنیا کا نظام چل رہا ہے ورنہ کب کی یہ دنیا ختم ہوچکی ہوتی۔“

”ٹھیک کہتے ہیں بابا! آج ہم اپنے بُرے کاموں پر فخر کرتے ہیں نیکی کی طرف اول تو جاتے نہیں اگر جائیں تو اس میں خدا کی خوشنودی کا خیال کم اور دنیا دکھاوے کا خیال زیادہ ہوتا ہے پھر بھی اگر یہ دنیا قائم ہے تو یقیناً کچھ اچھے لوگ ابھی بھی موجود ہیں۔“

”جی بیٹا بس خدائے پاک سب کو نیکی کی توفیق دے اور اب میرا بیٹا انابی سے کہہ کر زبردست سی چائے تو پلائے‘ بابا بہت تھک گئے ہیں۔“ ان کے لہجے میں اس کے لیے بے پناہ پیار سمٹا ہوا تھا‘ انہیں اپنی اس پیاری سی حساس سی بیٹی سے بہت محبت تھی۔

وہ بچپن سے ہی ایسی تھی بے پناہ حساس اور خیال رکھنے والی‘ محبت بانٹنے والی اور کبھی بھی شکایت نہ کرنے والی۔ شکوہ تو تب بھی نہیں کیا تھا اس نے جب محض چھ سال کی عمر میں اماں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئیں۔ پھولے پھولے گلابی گالوں پرآنسوؤں کی لکیریں سی جمی تھیں‘ میلے سے فراک میں ملبوس منہ بسورتی وہ بابا کے پاس آئی تھی۔ بہت خاموشی سے ان کے بازو کو دبوچے بس وہ ان کی طرف دیکھے گئی۔ اس کے خاموش ہونٹوں میں چھپے تمام الفاظ بنا کہے بابا سمجھ گئے تھے‘ اس کی آنکھوں میں خوف تھا اس کے سارے خوف بنا کہے جان لینے کے بعد بابا نے اپنی محبتوں کا تمام تر مرکز اسے بنالیا تھا۔ انہوں نے اس خوب صورت گھر کے در و دیوار کو اس کے لیے مہربان گود بنادیا تھا۔

”دیکھو حیدر بیٹا! پہاڑ سی زندگی باقی ہے تمہاری‘ رانیہ بھی بہت چھوٹی ہے ایک ماں کی ضرورت اس عمر میں بھلے اسے ہو نہ ہو مگر جیسے جیسے وقت گزرے گا اسے ماں کے سائے کی ضرورت پڑے گی‘ اپنا نہیں تو اس کا خیال ہی کرلو بیٹا!“

”انابی! آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ جو مشورہ آپ مجھے دے رہی ہیں بھلے سے میرے لیے خوشی کا باعث ہو مگر جس کا نام لے کر آپ یہ مشورہ دے رہی ہیں اس کے لیے اس میں سوائے اذیت کے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کوئی دوسری عورت کبھی بھی رانیہ کو اس کی ماں جیسا پیار نہیں دے سکتی اور اگر مزید اولاد ہوگئی تو شاید پھر میں بھی رانیہ کو اس کا حق ٹھیک طرح نہ دے پاؤں۔ ماں تو مقدر سے چھن گئی ہے میں اس سے خود کو دور کرکے اپنی بچی کو تنہا نہیں کرنا چاہتا پلیز انابی!“ بابا نے دوٹوک انداز میں انابی کو سمجھایا اور مزید کہنے لگے۔

”اور جہاں تک اس کی ضرورت کا تعلق ہے تو انابی آپ نے جس طرح ایک ماں کا پیار مجھے دیا یقیناً رانیہ کے لیے بھی آپ کے دامن شفقت میں تھوڑی جگہ ضرور ہوگی۔ آپ نے آج تک اس کا خیال ایک ماں ہی کی طرح رکھا ہے آئندہ بھی میرا نہیں خیال کہ اسے مزید کسی کی ضرورت پڑے گی۔“ بابا نے اس طرح بات ختم کی تھی کہ پھر کبھی انابی نے انہیں دوسری شادی کا مشورہ نہیں دیا۔ وقت پَر لگا کر کس طرح اڑا پتا ہی نہ چلا آج رانیہ بی سی ایس فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بابا کی تمام تر محبت اور انابی کی تربیت کا حسین امتزاج رانیہ حیدر...... جو با اعتماد بھی تھی‘ خوب صورت بھی۔ حساس بھی اور محبت بانٹنے والی بھی‘ بابا کی بے پناہ محبت نے اسے اعتماد کے سانچے میں ڈھال کر بے حد پُرکشش بنادیا تھا۔



❀......❀......❀

”یار میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ اپنے کینٹین والے چاچا اتنے بدذائقہ سموسے کیوں بناتے ہیں؟“ سلمیٰ کے خاصے پُرخیال انداز پر رانیہ اور صالحہ اس کی طرف پوری جان سے متوجہ ہوئی تھیں مگر جو بات اس کے منہ سے نکلی وہ ان دونوں کا ہی میٹر گھما گئی تھی۔

”تم اتنی دیر سے یہ بات سوچ رہی تھیں؟“ صالحہ نے کوفت بھرے انداز میں پوچھا۔

”کیوں کیا قباحت اس میں آخر یہ راز بھی تو اہم ہے کہ ایک طویل عرصے سے ہمارے پیٹ اس اذیت کو بھگت رہے ہیں۔“

”تو آپ سے کون دست بستہ عرض گزارتا ہے کہ آپ یہ ثقیل سموسے ضرور کھائیں۔“ صالحہ نے چڑ کر کہا۔

”تو جانِ من پھر کیا کھائیں اونٹ کے پائے یا آپ کا بھیجا شریف۔“ سلمیٰ بھی چڑ گئی۔

”یار تم دونوں بھی کمال ہو یہ کون سی بحث لے کر بیٹھی ہو مجھے تو مسز جمیلہ جمال کی فکر کھائے جارہی ہے کہ موصوفہ ایک تو کئی دن چھٹی کے بعد تشریف لائی ہیں اور پھر بھی اچھی طرح یاد ہوتا ہے انہیں کہ کیا کام دے کر گئی تھیں اس عمر میں بھی حافظہ قابلِ رشک اور زبان کی تیزی پر تو چھریاں چاقو سب ہی فدا ہیں۔“ رانیہ ہاتھ میں پکڑے نوٹس گھاس پر پٹختے ہوئے بولی۔

”اوہو یار قبل از مرگ واویلا کرکے جی نہ جلاؤ وہ اپنی تائشہ بی بی ہیں ناں‘ ارے وہی ہسٹری پارٹ ون کی چلبلی...... سنا ہے آج کل ہیر بنی آ کھواڑیو گاتی پھرتی ہیں وہ اپنے انگلش ڈیپارٹمنٹ کے ہونہار علی یاسر کے لیے۔“ سلمیٰ نے خاصے رازدارانہ انداز میں اطلاع فراہم کی۔

”یہ لڑکی جس رفتار سے بوائے فرینڈز بدلتی ہے عنقریب خطرہ ہے کہ دنیا سے اس جیسی سوچ رکھنے والے تمام لڑکے اس کے شکار ہوچکے ہوں گے۔“ صالحہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

## قرۃ العین

آنچل کے تمام قارئین کو محبت بھرا سلام۔ انسان اشرف المخلوقات ہے کسی تعارف کا محتاج نہیں‘ دنیا تو اپنا تعارف چاہتی ہے۔ پچھلے 20 سال سے پاکستان کے چھوٹے شہر ڈی آئی خان میں گوشہ نشین ہوں‘ نام تو قرۃ العین ہے پیار سے سب عینی کہتے ہیں۔ ہم 7 بہن بھائی ہیں‘ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں (ایف اے) انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد سیدھا فوج میں آگئی۔ اسٹڈی کسی وجہ سے مکمل نہیں ہوپائی‘ ارمان تو بہت تھا پر حالات نے اجازت نہیں دی۔ دعا کیا کریں ہر مسلمان و پاکستانی کے لیے کہ جو حالات آج کل چل رہے ہیں‘ ہمارے ملک کی زوال پذیری کب تھمے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ڈوبتی ناؤ کو بچائے‘ آمین۔ جس سوچ کے تحت قائد نے ملک کو تعبیر بخشی کاش آج بھی سب ویسے ہوتا پر سب کچھ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ قائد نے کہا کہ نوجوان ملک کا سرمایہ ہیں‘ ہم تو ایسے نوجوان ہیں کہ جو اپنے ہی ملک کو نگلے جارہے ہیں‘ ہم نوجوان ہی تو مغرب کی رنگینی میں کھنچے جارہے ہیں۔ آپ بور تو ہورہے ہوں گے لیکن جن حالات کے پیش نظر یہ سب کچھ لکھ رہی ہوں وہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ میری خامیاں‘ خوبیاں دونوں بہت زیادہ ہیں‘ خامی یہ ہے کہ تقریباً سب لوگ مجھ سے خائف رہتے ہیں رہا سوال خوبیوں کا تو کبھی غرور نہیں کیا ہاہاہا۔ حلقۂ احباب خاصا وسیع رکھتے ہیں ہم‘ میرے بیسٹ فرینڈز میں ببلی‘ میری‘ آمنہ سدری‘ ماریہ‘ صفیہ‘ سندس‘ لیلیٰ‘ ثومیہ‘ جویریہ‘ روبیہ طاہر‘ صبا‘ کلثوم‘ غزل‘ نازش‘ نایاب‘ سلمیٰ‘ ارم‘ مسرت ہیں۔ خوشبو‘ رنگ‘ موسم (سردی) بے حد پسند ہیں۔ بارش کی دیوانی ہوں‘ رائٹرز میں سمیرا شریف طور‘ نازیہ کنول نازی‘ ماہا ملک‘ عفت سحر طاہر بہت پسند ہیں۔ سمیرا شریف کی ”جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا‘ یہ چاہتیں یہ شدتیں“ نازیہ کنول کی ”محبت دل پہ دستک“ ماہا ملک کا ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ عفت سحر کا ”پتھروں کی پلکوں پر“ بہت پسند ہیں۔ ایک چھوٹی سی دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی‘ کہ جن لمحوں میں آپ ہنستے ہو وہ لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔

”چھوڑو یار آج کل تو ہر طرف یہی بیماری پھیل چکی ہے۔ میڈیا اور ٹیکنالوجی نے لائف کو کیا فاسٹ کردیا اخلاقیات کا گراف بالکل ہی گر گیا ہے۔ لڑکیاں ہر فیلڈ میں لڑکوں کا مقابلہ کرتے کرتے بالکل ہی آپے سے باہر ہوگئی ہیں۔ مجھے بے حد افسوس ہوتا ہے ماڈرن ازم کے نام پر ہم نے اپنے مذہب کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ جدت کی دوڑ میں آگے سے آگے بڑھنے کی خواہش نے ہمارے اندر کے مسلمان کو بالکل ادھ موا کردیا ہے۔“ رانیہ کے لہجے میں تاسف تھا۔

”بس یار خدا امتِ مسلمہ کو نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اب اٹھ جاؤ وہ سامنے سیڑھیوں پر سے اترتی ہوئی یقیناً اپنی مسز جمیلہ ہی ہیں جو تشریف لا چکی ہیں اور مجھ میں ان کا پیریڈ بنک کرنے کی جرأت نہیں ہے۔“ سلمٰی کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تو رانیہ اور صالحہ بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

❀......❀......❀

”انابی......! لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں؟“ کچن میں انابی کے پاس کھڑی وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ انابی نے چولہے کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔

”رانی بیٹا آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟“ اس کے سوال کے جواب میں انابی نے پھر سوال کیا۔

”انابی میں دنیا کو دیکھتی ہوں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اللہ پاک کی اتنی خوب صورت دنیا انسان نے اپنی بداعمالیوں سے کتنی بدصورت بنادی ہے ہر طرف ظلم و زیادتی‘ خود غرضی‘ لالچ اور صرف اپنی فکر......انابی زندگی اس لیے تو نہیں دی جاتی کہ لوگ آپ کا استحصال کرتے رہیں۔ زندگی کا مقصد تو بہت بلند بہت ارفع ہے۔“ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی اور لہجہ بجھا ہوا۔

”ہر روز ہزاروں ایسی خبریں نظروں سے گزرتی ہیں جنہیں سن کر پڑھ کر اپنے انسان ہونے پر شرم آتی ہے انابی ایسا کیوں ہے؟“

”اس دنیا میں صرف بدعمل ہی نہیں ہیں اگر ہر کوئی صرف بگاڑنے پر کمر بستہ ہوجائے تو دنیا بہت جلد ختم ہوجائے مگر ایسا نہیں اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں ایک توازن ہے کچھ بگاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں سدھارنے والے بھی لازمی کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ تصویر کے ہمیشہ دو رخ ہوتے ہیں ایک روشن اور ایک تاریک اور میری پیاری رانیہ بیٹا! آپ تصویر کا صرف ایک رخ دیکھ رہی ہیں۔ انسان کو کبھی بھی خوش امیدی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ہر انسان اگر خود سے بہتری کی طرف قدم اٹھانے کی ابتداء کرے تو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔“ انابی بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

”انابی! اتنا بگاڑ‘ اتنا الجھاؤ بھلا کس طرح ٹھیک ہو پائیں گے۔“ رانیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

”میرا بچہ‘ جب تاریکی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو پھر سویرا لازمی ہوتا ہے جب یوں لگے کہ اب تو کچھ بھی اچھا نہیں ہوسکتا‘ سب کچھ ختم ہوجائے گا تب خداوند کریم ہم خاکی انسانوں میں ہی کچھ ایسے لوگوں کو ودیعت فرمادیتا ہے جو اس اندھیرے میں روشنی کا باعث بن جاتے ہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں انابی! مگر میں سوچتی ہوں دنیا کا کوئی ایسا شعبہ نہیں بچا جس میں بے ایمانی نہ ہو۔ آپ کو پتا ہے ہماری کلاس فیلو عائلہ‘ جو ایک بہت بڑے آفیسر کی بیٹی ہے اس کے ابو پچھلے دنوں پکڑے گئے ایک کروڑ روپے کی رشوت لی ہے انہوں نے۔ انابی صرف ایک بیٹی ہے ان کی‘ اتنا خرچہ تو نہیں‘ جس کی خاطر ان کو بے ایمانی کرنی پڑے۔ اچھی خاصی تنخواہ ہے ان کی بہت کچھ ہے ان کے پاس خدا کا دیا ہوا‘ مگر پھر بھی وہ اور زیادہ کی لالچ میں حرام اکٹھا کیے جاتے ہیں۔“

”بیٹا! بے ایمانی اور حرص و ہوس کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی‘ انسان کو ایک بار حرام کھانے کی عادت ہوجائے تو پھر وہ کم پر قناعت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بس رب پاک ہمیں حرام حلال کے فرق کو سمجھنے کی توفیق دے اور حرام کے ایک لقمے سے بھی محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر پل یہی دعا کرنی چاہیے کہ وہی سب کو ہدایت دینے والا ہے۔ وہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے بیٹا!“ انابی کچن کا کام سمیٹتے ہوئے ساتھ ہی اسے سمجھا بھی رہی تھیں۔ بابا کچن کے دروازے پر کھڑے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے‘ انہوں نے طمانیت بھری سانس لی اور وہاں سے پلٹ گئے یقیناً ان کی بیٹی کی بہترین تربیت کرکے انابی نے ایک ماں ہونے کا صحیح معنوں میں حق ادا کردیا تھا۔ بے شک خدا نے انہیں کم عمری میں بیوہ کردیا اور اولاد کی نعمت سے بھی نہ نوازا تھا مگر ان کے اندر موجود ایک سلجھی ہوئی ماں نے بابا کے بعد رانیہ کو بھی اپنی مہربان آغوش کی گرمی دی تھی اور اپنے اندر کی ساری ایمانداری جیسے گھٹی میں گھول کر پلادی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس قدر پُرآشوب اور نفسانفسی کے دور میں بھی رانیہ کی فطری معصومیت اپنی مثال آپ تھی۔

❀......❀......❀

”انابی! مجھے کچھ کتابیں چاہئیں میں ڈرائیور کاکا کے ساتھ مارکیٹ تک جارہی ہوں آپ کو تو کچھ نہیں منگوانا۔“ سلیقے سے سر پر دوپٹہ اوڑھتی وہ لاؤنج میں تخت پر بیٹھی انابی کے قریب چلی آئی۔

”نہیں بیٹا مجھے کچھ نہیں چاہیے بس بہت خیال سے جانا۔ باہر جاتی ہو تو دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے جب تک واپس نہیں آجاتی۔ اللہ کی امان میں رہو بیٹا!“ انابی محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”میری انابی کی ڈھیروں دعائیں میرے ساتھ رہتی ہیں بھلا پھر کاہے کا ڈر۔ اچھا انابی اللہ حافظ۔“ وہ آگے بڑھ گئی۔ اسٹیشنری مارکیٹ میں خاصا رش تھا‘ وہ انعم کا گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہوئی‘ کتابوں کا ایک جہان آباد تھا گویا دنیا کا بہترین لٹریچر وہاں موجود تھا۔ بلند پایا رائٹرز اور شاعروں کی گرانقدر کتابیں اس قدر خوب صورت انداز میں ڈسپلے تھیں کہ رانیہ نے دل ہی دل میں خاصا سراہا۔ اتنی بڑی شاپ کا مالک جو بھی تھا یقیناً بے حد اعلیٰ ذوق کا مالک تھا۔ اس سے پہلے وہ اور کئی دکانوں سے کتابیں خریدتی رہتی تھی پہلی بار اس دکان میں آئی تھی اور

اسے بے حد افسوس بھی ہورہا تھا کہ وہ پہلے کیوں اس طرف نہیں آئی تھی۔ اسے انگلش لٹریچر سے خاص دلچسپی تھی اور تقریباً تمام اچھے انگلش رائٹرز کو پڑھ چکی تھی۔ ایک باراس کی نظر سے FourteenRulesOfLove گزری زیادہ عمیق تو نہیں بس سرسری سی ہی پڑھ پائی تھی' اس کہانی کی ایلا کا کردار اس کے ذہن کی اسکرین پر اس طرح روشن ہوگیا تھا کہ بھولتا نہ تھا۔ وہ ایک بار عمیق انداز میں اس ناول کو پھر پڑھنا چاہتی تھی۔

اس نے بغور کتابوں کو دیکھنا شروع کیا' کافی دیر دیکھنے کے باوجود اسے اس کی من پسند کتاب نہیں ملی۔ اس نے کیرن آرمسٹرانگ کی ''خدا کے لیے جنگ'' اور دو مزید کتابیں اٹھائیں اور کاؤنٹر پر آ گئی۔ کاؤنٹر پر موجود صاحب کمپیوٹر پر خاصے مصروف تھے۔

''ایکسکیوز می سر......!'' اس نے اسے متوجہ کیا' سلور فریم کی عینک کے پیچھے سے اس نے جھانکا۔

''سر اگر میں کوئی کتاب منگوانا چاہوں تو کیا آپ منگوادیں گے؟'' اس نے پوچھا تو وہ قدرے مسکرایا اور اثبات میں سر ہلا کر رائٹنگ پیڈ اور پین اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے Fourteen Rules Of Love by Elif Shafaq لکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا اور باقی کتابوں کی ادائیگی کر کے باہر آ گئی۔

سیکنڈ سمسٹر کے ایگزام کی تیاری میں وہ کچھ اس طرح مصروف ہوئی کہ کچھ دن تک اسے سوائے کتابوں اور کمپیوٹر کے اور کچھ بھی یاد ہی نہ رہا۔ آخری پیپر دے کر آئی تو خوب لمبی تان کر سوئی۔ شام کو جب اٹھی تو فریش ہوچکی تھی' منہ دھو کر جب باہر آئی تو اپنے پیارے لاڈلے پودوں کی یاد نے آ گھیرا۔

''ہائے اللہ وہ تو بے چارے مرجھا گئے ہوں گے' پتا نہیں کسی نے پانی بھی دیا انہیں کے نہیں۔'' وہ بھاگی ہوئی لان میں آئی اور اپنی من پسند کیاری کے قریب نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔ انابی پر اس وقت اسے جی بھر کر پیار آیا تھا کیونکہ اس کی عدم توجہی کے دورانیے میں انابی مسلسل پودوں کا دھیان رکھتی رہی تھیں' انہیں پانی دیتی رہی تھیں اس نے اپنے موی ہاتھوں سے گلاب اور موتیے کے کھلے ہوئے پھولوں کو نرمی سے چھوا' ان کی ٹھنڈک آمیز نمی سے اسے عجیب سی فرحت کا احساس ہوا۔ وہ وہیں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی' سانس کے ذریعے اپنے گرد بکھری بھینی سی مہک کو اپنے اندر اتارتے ہوئے اسے پھر سے احساس ہوا تھا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اپنے گالوں پر نظروں کی حدت محسوس کر کے اس نے چاروں طرف بہت توجہ سے دیکھا مگر کوئی ذی روح دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ کچھ عرصے سے محسوس کررہی تھی کہ جب بھی وہ یہاں آ کر بیٹھتی اسے لگتا ہے جیسے وہ ان دیکھی نگاہوں کے حصار میں ہے۔ یہ احساس بہت عجیب سا تھا اچھا نہیں لگتا تھا تو برا بھی نہیں لگتا تھا مگر اب تک وہ یہ جان ہی نہ پائی تھی کہ وہ کون ہے جو اسے دیکھتا ہے یا یہ اس کا وہم ہے۔

❁......❁......❁

اس دن صالحہ کا فون آیا محترمہ نے خاصی بسورتی ہوئی آواز میں اطلاع دی تھی کہ تین دن بعد اس کی منگنی ہونے جارہی ہے اچانک ہی اس کے ابا میاں کے چچیرے بھائی کے بیٹے تشریف لائے اور موصوف نے صالحہ کو پسند بھی کرلیا اور فوراً سے منگنی کا مطالبہ کردیا۔ قسمت کے دھنی تھے کہ ابا میاں انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کی جیوگرافی اچھی طرح جانتے تھے سواتنے لائق فائق داماد کے مل جانے پر پھولے نہ سماتے ہوئے منگنی کی تاریخ مقرر کر ڈالی۔ اب مس صالحہ کو ساری ٹینشن اپنی ڈریسنگ کی تھی اور اسی خاطر وہ بسوررہی تھی' جانتی تھی کہ اس برے وقت میں صرف رانیہ ہی ہے جو اس کی مدد کرسکتی تھی۔

''اوہو یار! تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے کہیں تم......'' معنی خیزی سے بات کو ادھورا چھوڑتے ہوئے رانیہ کھنکاری۔

''ایسا کچھ نہیں ہے نہ میں کہیں انوالو ہوں نہ ہی مستقبل کے لیے میں نے کچھ بھی سوچا ہے۔ ابا میاں کی کسی بھی بات سے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تم جانتی ہونا میں خود سے متعلق کتنی بچی ہوں اور ایک منگنی اور شادی کا موقع ہی تو ہوتا ہے جس میں انسان کو اچھا لگنے کی زیادہ چاہ ہوتی ہے۔''

''اہم ہم......'' رانیہ پھر کھنکاری۔

''بس کرو یار! مجھے مدد چاہیے تمہاری' شام میں کچھ وقت نکال کر میرے ساتھ الفیصل چلو۔''

''آئس کریم کھلاؤ گی؟''

''شوارما بھی کھلاؤں گی' کہو گی تو کے ایف سی کی پوری شاپ تمہارے گھر اسٹاک کروادوں گی' مگر خدارا اس ٹینشن سے میری جان چھڑواؤ۔'' صالحہ کے لیے تو جیسے حیات و موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا۔

''او ہولڑکی' چھری تلے تو تو حسین لگنے کے مواقع بہت آئیں گے۔ چلو خیر تم بھی کیا یاد کرو گی شام میں مجھے پک کرلینا میں تیار ملوں گی۔'' رانیہ کو آخرکار اس پر ترس آ ہی گیا۔

''ٹھیک ساڑھے چار بجے اور ہاں میں اندر نہیں آؤں گی' انابی سے کہہ دینا کہ ان کے پیارے پیارے ہاتھوں کی چائے ادھار رہی' میں ذرا علی انس سے نمٹ لوں پھر سکون سے ان کے ہاتھ کی چائے پیئیں گے نا۔'' صالحہ نے فون رکھ دیا۔ رانیہ مسکرا اٹھی' شام میں اس کے آنے سے پہلے ہی تیار ہوچکی تھی' بابا اور انابی کو بتا کر ان کی اجازت بھی لے چکی تھی۔ جانتی تھی صالحہ وقت کی بہت پابند تھی اور ساڑھے چار کا مطلب واقعی ساڑھے چار ہی تھا اور توقع کے عین مطابق وہ بالکل ٹھیک وقت پر آ پہنچی تھی۔ ہارن کی آواز سن کر اس نے جلدی سے انابی کو خدا حافظ کہہ کر دعائیں لیں اور بھاگتی ہوئی گیٹ سے باہر نکلی بالکل اسی پل ساتھ والے گیٹ سے بھی کوئی عجلت میں باہر نکلا تھا۔ رانیہ نے بلا ارادہ اس کی طرف دیکھا چہرہ کچھ شناسا تھا مگر ٹھیک سے یاد نہیں آرہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے جب کہ مقابل نے بس ایک توجہ بھری نگاہ اس پر ڈالی تو اس کی آنکھیں جیسے لو دینے لگی تھیں' ہونٹ مسکرا اٹھے۔ اس نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اور جس تیزی سے گیٹ سے نکلا تھا اس سے دگنی رفتار سے واپس مڑ گیا' رانیہ حیران پریشان بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

''اب چل پڑو ایسی بھی حسین صورت نہیں تھی یار کہ فریفتہ ہو کر سکتہ زدہ ہوگئی ہو۔'' صالحہ کی کراری آواز نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''لاحول ولا...... جب بھی منہ کھولتی ہو اول فول ہی نکالتی ہو میں تو علی انس پر حیران ہوں کہ اسے تم میں آخر کیا پسند آ گیا۔'' رانیہ نے بھی دانت کچکچائے۔

''اب اگر شہزادی رانیہ صاحبہ ہماری شان میں قصیدہ پڑھ چکی ہوں تو تشریف لائیں گی۔ الفیصل والے میرے چچا کے بچے نہیں ہیں جو ہمارے انتظار میں رہیں گے' کل ہی میں نے انہیں فون کر کے کچھ ڈریسز روک دینے کو کہا تھا دیر ہوگئی تو کوئی نہ کوئی خرید لے گا' ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔''

''صالحہ اس نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا تھا' اینٹی کیٹس کے خلاف ہے اگر ہم چلے جائیں۔'' رانیہ کی بات سن کر صالحہ کو اس کی دماغی صورت حال پر کچھ شک سا گزرا۔

''تم جانتی ہو یہ کون صاحب تھے؟'' صالحہ نے پوچھا۔

''نہیں......''

''ہیں...... یعنی کہ تم جانتی نہیں پھر بھی موصوف نے رکنے کا اشارہ کیا اور تم رک گئیں۔ او بی بی! کچھ ہوش کے ناخن لو زمانہ کس طرف جارہا ہے اور تم کہاں کھڑی ہو۔ یہ دور اینٹی کیٹس کا نہیں رہا۔'' صالحہ جھنجلا کر ابھی مزید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ گیٹ کھلا اور وہی موصوف باہر نکلتے دکھائی دیے۔ اس نے جبراً اپنے منہ میں آئی بات کو حلق میں ہی گھوٹ لیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصا باوقار تھا خاص طور پر اسپیکٹیکل کے پیچھے سے جھانکتی اس کی بڑی بڑی ذہین آنکھیں خاصی متاثر کن تھیں۔ اس نے حیران کھڑی رانیہ کے ہاتھ پر کوئی چیز رکھی' ماتھے تک ہاتھ لے جا کر جیسے سلام کا اشارہ کیا اور مخالف سمت میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

رانیہ جب صالحہ کے قریب آ کر بیٹھی تو اس شخص سے متعلق شناسائی کی تھی سلجھ چکی تھی اس نے اپنے ہاتھ میں دبی Fourteen Rules Of Love کو ایک نظر

دیکھا اور مسکرادی' گاڑی چل پڑی مگر خاموشی رہی جو زیادہ دیر تک صالحہ سے برداشت نہ ہو پائی۔

''اب کوئی مجھے کچھ بتائے گا! یہ سب کیا تھا؟'' صالحہ نے حیرت سے مسکراتی رانیہ کو دیکھا۔

''اوہو یار! ایک ڈیڑھ ماہ پہلے میں اسٹیشنری مارکیٹ گئی تھی کچھ کتابیں لینے۔ میں نے اس دکان کے مالک کو اس کتاب کا نام لکھ کر دیا تھا کہ مجھے منگوادیں۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ موصوف خیر سے ہمارے پڑوسی بھی ہوتے ہیں۔ میں تو بھول بھی گئی تھی مگر اسے یاد رہا' کتنی عجیب سی بات ہے ناں۔''

''اس میں عجیب کیا' دھرتی پر تمہارے جیسے خبطی کم تو نہیں ہیں' ابھی بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔'' صالحہ نے یوٹرن لیتے ہوئے گاڑی الفیصل کے سامنے روک دی۔

''کیا کہا؟'' رانیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں...... کچھ نہیں پیاری رانیہ شاپنگ کرنے چلیں۔'' صالحہ نے لہجے کو شیرینی سے بھرپور بناتے ہوئے کہا تو رانیہ بس دانت پیس کر رہ گئی۔ صالحہ کی چوائس کی چیزیں لیتے لیتے تو گویا دانتوں تلے پسینہ آ گیا تھا' اتنی مشکل چوائس۔

''علی انس خدا تمہارے حال پر رحم کرے' مجھے تمام عمر تم سے بے تحاشا ہمدردی رہے گی مگر افسوس میں تمہیں بچا نہیں سکتی' تم نے خود اس اوکھلی میں سر دیا ہے۔'' اس کے ساتھ گھومتے گھومتے رانیہ تھک کر ایک اسٹول پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہیں...... میری دوست ہوکر مخالف گروپ کے ساتھ ہمدردی' اس غداری کی تمہیں کیا سزا دی جائے لڑکی!'' صالحہ مسکرا اٹھی۔

''کچھ کھلا پلا دے یار! مار دیا آج۔'' رانیہ نے دہائی دی تو وہ مسکراتی ہوئی سر ہلاتی اسے لیے گراؤنڈ فلور پر بنے فوڈ کارنر کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ شکر کرو کہ میری مرضی کی سب چیزیں یہیں سے مل گئیں ورنہ دوسری مارکیٹیں جاتے تو کیا حال ہوجاتا تمہارا۔''

''اس خوش فہمی میں مت رہو کہ آئس کریم کے ایک کپ کی خاطر میں اتنی خواری برداشت کرتی' بیچ سڑک پر چھوڑ کر چلی جاتی۔'' رانیہ نے گویا اسے چڑایا۔

''جاتے تو تمہارے اچھے بھی' بہرحال اچھا سا آرڈر کرو واقعی تھکاوٹ ہوگئی آج تو۔'' صالحہ نے ٹیبل منتخب کی اور بیٹھتے ہوئے بولی تو رانیہ بھی مسکرانے لگی۔

❁......❁......❁

رات میں اپنے بستر پر لیٹتے ہی اسے اپنے پرس میں رکھی کتاب کا خیال آیا اور ساتھ ہی سارا منظر نگاہوں کے سامنے واضح ہوگیا۔

''دنیا میں ابھی بھی سلجھے ہوئے لوگ موجود ہیں۔'' کتنا کیوٹ سا انداز تھا اس کا' کوئی اور دیکھتا تو شاید اسے اس میں کچھ قابل اعتراض لگتا مگر رانیہ جان گئی تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھا اسی کی طرح کتابوں سے شغف اور محبت رکھنے والا انسان ہے۔ یہ کتاب یقیناً رانیہ کے لیے بھی خصوصی اہمیت رکھتی تھی۔ اپنے کاموں اور اسٹڈی میں الجھ کر وہ بھول ہی گئی تھی لیکن اسے یاد تھا اور نہ صرف یاد تھا بلکہ اس نے کتاب Avail کرکے اس تک پہنچادی تھی۔ اس نے پرس سے کتاب نکال لی اور بستر میں گھس کر پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھنے لگی' ایک ایک لفظ لکھنے والے نے جیسے موتی پروئے تھے' صبح کی اذان کی صدا کانوں میں پڑی تو وہ چونک گئی۔ ساری رات بیت گئی اور اسے خبر تک نہ ہوئی ایک پل کو بھی نیند نے اس کی پلکوں کو نہیں چھوا تھا۔ محبت کا ایک انوکھا روپ دل کو چھو لینے والا اس قدر پاکیزہ رشتہ...... اس پر جیسے محبت منکشف ہونے لگی۔

محبت جس میں آنسو ہیں' آہیں ہیں۔ محبت جس میں کہیں کانٹے ہیں تو کہیں پھول ہی پھول...... کہیں خوشبوئیں تو کہیں دھنک کے ساتوں رنگ۔ محبت جو غم و اندر سے شکستہ کردیتی ہے تو کبھی ایک نشاط بے پناہ سے شگفتگی کا احساس عطا کرتی ہے۔ محبت کا ہر ورق اپنے ہونے کا یقین ہے' طاقت ہے تاثیر ہے' محبت جس میں عجیب سی سپردگی ہے اور کہیں عجیب سا گریز۔ کہیں خود کو فنا کردینے کا جذبہ تو کہیں سب سے خود کو چھپا کر رکھ لینے والا گریز۔ رانیہ کو لگا شمس کی ساری درویشی اس کے اندر سما گئی۔ کس قدر گریہ کیا تھا انہوں نے ایک ساتھی کے لیے اور پھر ربّ نے ایک باقدر خطیب رومی جیسا ساتھی انہیں نواز دیا۔ یہی محبت تھی ...... یہی محبت کی اصل صورت اصل رنگ تھا۔

رانیہ نے کتاب بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور بستر سے اٹھ گئی۔ وضو کرکے نمازِ فجر ادا کرکے جب وہ اپنے ربّ کے حضور ہاتھ پھیلا کے بیٹھی تو اسے حیرت سی ہوئی۔ اس کے پاس مانگنے کے لیے کچھ نہ تھا' کوئی انسان جس قدر اپنی زندگی کے لیے طلب کرسکتا ہے وہ سب ہی کچھ تو تھا اس کے پاس۔ ربّ عظیم نے اگر اسے ماں کے سائے سے محروم کیا تھا تو انابی کی صورت ممتا کا نعم البدل بھی عطا کردیا تھا۔ ہاں وہ اپنی دعاؤں میں دوسروں کے لیے بہت کچھ مانگ سکتی تھی' مانگتی تھی۔ ہر ایک کا بھلا چاہتی تھی' سب کے سکھ اور سکون کی طلب گار تھی' دعا مانگنا شروع کی تو جانے کیسے شمس کا گریہ دھیان میں آ گیا۔ وہ بھی سب کے لیے سب کچھ مانگا کرتے تھے مگر اپنے لیے صرف ایک ساتھی ایک مزاج آشنا کی طلب ہوسکتی تھی ان میں اور بے شک رومی کو پاکر ان کی طلب شانت ہوگئی تھی یہ الگ بات کہ ان کے قرب میں آکر اس نے تصوف اور معرفت کی جو حسین رنگ آمیزی دیکھی اور جس قدر محبت کا اخلاص پایا وہ انہیں ایک جید عالم اور متاثر کن شاعر بنا گیا۔

❁......❁......❁

اس دن شام میں وہ اپنے پھولوں کی کیاری کے پاس اس ہی طرح نیچے گھاس پر بیٹھ گئی جان بوجھ کر' ان دیکھی آنکھوں کا حصار شمس کے فلسفے کی طرح اسے محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے یہ لمس اچھا لگنے لگا تھا' اب وہ چونکتی نہیں تھی بس گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بازوؤں پر چہرہ ٹکائے خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا کہ وہ اگر تا زندگی یونہی بیٹھی رہے گی تو تا زندگی یہ نرم گرم سا پُرحدت نگاہوں کا لمس اس کے چہرے پر دہکتا رہے گا۔

یہ جاننے کی کوشش بے کار ہی تھی کہ کون تھا وہ؟ مگر کہیں نہ کہیں تو تھا اس کی نگاہوں کی دست بُرد سے دور مگر اس کے چہرے پر اپنی نگاہوں کو ٹکائے' کبھی رانیہ کو لگتا کہ یہ سب Fourteen Fules of Love کا کیا دھرا ہے کہ وہ ایک ان دیکھے جال میں خود کو مقید پانے لگی ہے اور کبھی اسے لگتا کہ ایک ان دیکھا استاد ہے جو اس کی انگلی تھامے اسے ان جانی راہوں پر لیے چلا جارہا ہے اور وہ کسی فرماں بردار شاگرد کی طرح بس اس کی انگلی تھامے اس کے پیچھے سر جھکائے چلی جارہی ہے۔

اس کی کھوئے کھوئے رہنے کی کیفیت کو صالحہ اور سلمٰی نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا لیکن وہ ان سے کچھ بھی شیئر نہیں کرسکتی تھی۔ وہ اس کی بہترین دوست تھیں لیکن یہ بات اگر وہ ان سے شیئر کرتی تو یقیناً وہ اس پر بہت ہنستیں کہ اس قدر فاسٹ ٹیکنالوجی کے دور میں اس طرح کے خیالات دقیانوسی اور فرسودہ ہی قرار دیئے جاسکتے تھے۔ آج کل کے دور میں محبت کہاں اتنی مشکل رہی تھی موبائل پر رانگ نمبر سے میسج آیا رپلائے دیا اور کہانی شروع۔ بے جان محبت جس میں اب سوائے الفاظ کے لین دین کے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ چار دن بعد جی بھر گیا تو لڑکا لڑکی دونوں ہی اپنی اپنی راہ ہولیے ایک نئی محبت ایک نئے ساتھی کی چاہ میں...... ایسے دور میں بھلا نگاہوں کی مقدس زبان کی کیا حیثیت و وقعت...... مگر وہ شاید فرسودہ اور پرانے خیالات ہی کی مالک تھی۔ بوڑھی روح جس کے اندر ایک سچے جذبے کی آرزو تھی۔ انابی کچھ دنوں سے محسوس کررہی تھیں کہ رانیہ وہ پہلے والی رانیہ نہیں رہی کچھ تھا جو اسے اندر سے بے چین کیے دے رہا تھا۔ صالحہ کی منگنی بھی اس نے بہت بے دلی سے اٹینڈ کی تھی۔ نہ چوڑیاں پہنیں نہ مہندی لگائی' نہ ڈھنگ سے تیار ہوئی حالانکہ اس نے سلمٰی کے ساتھ مل کر اس موقع کے لیے کتنے بہت سے پلان بنائے تھے اگر وہ پہلے والی رانیہ ہوتی تو علی انس کا ناطقہ بند کردیتی مگر سارے فنکشن کے دوران وہ کچھ کھنچی کھنچی سی ہی رہی تھی۔ سلمٰی کے استفسار پر سردرد کا بہانہ بنا کے بیٹھی رہی تھی

اور فنکشن ختم ہوتے ہی گھر آ گئی تھی۔ وہ سب کے سامنے بہانے بنا سکتی تھی مگر انابی کی ممتا بھری گہری آنکھوں سے خود کو اوجھل نہیں رکھ سکتی تھی۔

"رانی بیٹا! میں آ سکتی ہوں؟" وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز تھی جب انابی نے کمرے میں جھانکا' وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"آ جائیں انابی! آپ کو اپنی بیٹی کے کمرے میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت کب سے ہونے لگی؟" انابی مسکراتے ہوئے اندر آئیں اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر بغور اس کو دیکھنے لگیں۔

"رانی بیٹا! ہمارا دعویٰ تھا کہ ہم اپنی بٹیا کو اتنا چاہتے ہیں اس قدر دوستی ہے ہماری کہ ہم میں کبھی بھی کوئی فاصلہ نہیں۔" انابی نے کہا تو رانیہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"دعویٰ تھا...... کیا مطلب انابی! ہم دونوں بہت اچھے دوست تھے اور ہیں۔"

"پھر یہ فاصلہ کیوں؟ رانی بیٹا آپ نے اپنے اور اپنی انابی کے درمیان یہ کیسی اجنبیت پیدا کر لی ہے۔ ایسی کون سی الجھن ہے جو آپ ہمیں نہیں کہہ سکتیں؟ ہمیں بتا کر آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کرنا چاہتیں۔ دیکھو بیٹا! اماں کا دامن محبت اپنی اولاد کا ہر دکھ سمیٹنے کی وسعت رکھتا ہے یا پھر آپ ہمیں اس قابل نہیں سمجھتیں؟"

"ایسا نہیں ہے انابی! میں نے آپ کو ماں کہا ہی نہیں' بلکہ دل سے سمجھا بھی ہے شاید اماں ہوتیں تو بھی مجھ سے اتنا پیار نہ کرتیں جس قدر پیار میں نے آپ سے پایا۔ مجھے خود پتا نہیں انابی کہ آخر میں کیا چاہتی ہوں' کون سی الجھن ہے جو میرے اندر بے چینی پیدا کیے ہوئے ہے۔ میرا وعدہ ہے انابی جب مجھے سمجھ آ گئی تو سب سے پہلے آپ کو ہی بتاؤں گی۔" انابی کے گرد بازو حمائل کر کے اس نے اپنا سر ان کے مشفق سینے میں چھپا لیا۔ خود سے متعلق ہستیوں کو دکھ دینے کا یا ان کو نظر انداز کرنے کا تو وہ خیال میں بھی نہ سوچ سکتی تھی۔ مگر یہ بے ایمان دل خدا جانے اس سے کیا کروانا چاہتا تھا۔ کیسی سرکشی پر تلا ہوا تھا؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

❁......❁......❁

شام میں وہ اپنی من پسند جگہ ابھی آ کر بیٹھی ہی تھی کہ گیٹ کھلا ایک بے حد نفیس سی خاتون اور بزرگ اندر داخل ہوئے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم!" جھٹ سے دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے اس نے سلام کیا' خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بیٹا گھر میں کوئی بڑا موجود ہے۔" بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر سوال کیا۔

"جی انکل آیئے۔" وہ دونوں کو ہمراہ لیے کوریڈور کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس نے انابی کو ان کے بارے میں بتایا اور خود اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمپیوٹر آن کر کے جو بیٹھی تو پھر وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ مغرب کی اذان کی صدا پر وہ چونکی اور ساتھ ہی خود پر غصہ آیا' کتنی بری بات تھی جانے کون لوگ تھے بے چاری انابی اکیلے ہی کام نمٹا کر کتنی تھک گئی ہوں گی۔ اس نے کمپیوٹر آف کیا اور باہر نکل آئی' انابی تخت پوش پر نماز میں مصروف دکھائی دیں۔ کچن میں آئی تو سنک میں برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اس نے جلدی سے برتن دھوئے' بابا بھی آنے والے تھے۔ خیال آتے ہی اس نے سوچا دو چار روٹیاں بھی ڈال لے کہ انابی بڑبڑاتی کچن میں داخل ہوئیں۔

"غضب خدا کا' لوگ کیسے بنا جانے بوجھے ہی چل پڑتے ہیں' حد ہی ہو گئی۔" یقیناً ان کا موڈ خاصا خراب تھا' رانیہ چونکی۔

"کیا ہوا انابی؟"

"کچھ نہیں بیٹا! تمہارے بابا آ جائیں تو ان سے بات کروں گی لو بھلا کیا تک تھی یہ۔" وہ آدھی بات اس سے کر کے پھر بڑبڑانے لگیں۔ ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا تھا کہ ان کا موڈ اس طرح آف ہو جائے' آج پتا نہیں کیا ہوا تھا جو ان کو اتنا ناگوار گزرا تھا۔

"بابا آئے تو انابی نے بمشکل ان کے کھانا کھانے کا انتظار کیا جیسے ہی رانیہ چائے بنا کر لائی انابی نے اسے



کمرے میں جانے کا حکم صادر کیا۔ رانیہ کے کان کھڑے ہوئے یقیناً جو بات بھی تھی اس سے متعلق تھی۔ جو انابی اچانک ہی جیمز بانڈ کی طرح مشکوک سی ہوئی تھیں۔ رانیہ کو کھد بد تو بہت لگی مگر انابی اور بابا کی باتیں چھپ کر سننا اسے بے حد غیر اخلاقی لگا سو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"کیا مسئلہ ہے انابی! آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں؟"

"حیدر بیٹا میں بہت پریشان ہوں۔"

"تو میں بھی تو یہی پوچھ رہا ہوں انابی کہ آپ کیوں پریشان ہیں' آپ کچھ بتائیں گی تو مجھے پتا چلے گا نا۔" بابا نے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا جو خاصی بے چین سی تھیں۔

"آج شام ہمارے گھر میں پڑوس سے رضا صاحب اور ان کی بیوی آئے تھے۔" وہ رکیں بابا نے صبر سے ان کی مزید گل افشانی کا انتظار کیا۔

"اپنی رانیہ کے رشتے کے لیے......" آخر کار وہ بات مکمل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئیں' بابا نے سکون کا سانس لیا۔

"آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا انابی! یہ تو ہونا ہی ہے ظاہر سی بات ہے ہماری بیٹی کب تک ہمارے پاس رہے گی ایک نہ ایک دن تو اسے رخصت ہو کر جانا ہی ہے۔ آپ اگر اس قدر پریشان ہوں گی تو میرا حوصلہ بھی ٹوٹ جائے گا انابی!" بابا کی آنکھوں میں بھی ہلکی سی نمی تیر گئی۔

"پریشانی کی بات یہ نہیں کہ رانی بیٹا کا رشتہ آیا ہے' پریشانی کی بات یہ ہے کہ کیا ہماری بیٹی کے لیے ایسے آدھے ادھورے لڑکے کا رشتہ ہی رہ گیا تھا' یہ کوئی نیک شگون نہیں حیدر بیٹا کہ پہلا رشتہ جسے اللہ کی رحمت کہا جاتا ہے ایسا آیا۔" انابی کی پریشانی کی وجہ اب سامنے آئی۔

"آدھا ادھورا...... کیا مطلب انابی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی آخر آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" بابا الجھ ہی تو گئے تھے۔

"وہ اپنے معذور بیٹے کے لیے رانیہ کا رشتہ مانگنے آئے تھے بتا رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے انگریزی ادب میں ایم اے کر رکھا ہے۔ لاکھوں کا کاروبار ہے اس کا' دو بڑے بیٹے شادی کر کے ملک سے باہر سیٹل ہیں یہ سب سے چھوٹا ہی رہتا ہے' شادی کے بعد ماں باپ نے اسی کے ساتھ رہنا ہے۔ پیدائشی قوتِ گویائی سے محروم ہے۔" انابی کے لہجے میں پریشانی جھلک رہی تھی۔

"او ہو انابی! آپ بھی حد کرتی ہیں بھئی رشتہ ہی تو مانگا ہے اگلی بار آئیں تو سہولت سے انکار کر دیجیے گا کوئی بھی معقول بہانہ بنا دیجیے گا کہ رانیہ ابھی پڑھ رہی ہے وغیرہ تاکہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو اور دکھ بھی نہ پہنچے۔" بابا قدرے مسکرائے۔

"بیٹی والے گھر میں ہر طرح کے رشتے آتے ہیں انابی! ضروری نہیں ہوتا کہ ہر رشتہ بے حد اچھا ہو ہماری بیٹی کی عمر کون سی نکلی جا رہی ہے جو آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ ربّ پاک نے چاہا تو ہماری بیٹی کا رشتہ بہت اچھی جگہ ہو جائے گا' بس آپ دعا کیا کریں۔" انہوں نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"اللہ کرے حیدر بیٹا ایسا ہی ہو۔ ربّ کی رضا اور خوشی کے ساتھ ہماری بچی سکھ کی زندگی پائے۔" انابی نے دل سے دعا مانگی اور مالکِ حقیقی کی رضا اور خوشی کیا تھا وہ آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا۔

❁......❁......❁
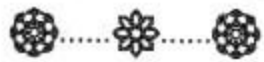
"انابی...... آپ سے کچھ پوچھوں۔" وہ اس وقت نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی اور انابی اس کے سر میں تیل لگا رہی تھیں۔

"پوچھیں رانی بیٹا؟"

"کل آپ کا موڈ کیوں آف تھا انابی!" اس کے بالوں میں حرکت کرتی انابی کی انگلیاں پل بھر کو رک گئیں۔ "کل وہ جو خاتون اور بزرگ آئے تھے وہ کون تھے انابی؟"

"وہ پڑوس سے آئے تھے رضا علی نام تھا ان کا اور خاتون ان کی بیگم تھیں۔"

"وہ کیوں آئے تھے انابی؟" اس نے سوال کیا انابی خاموش رہیں۔ "انابی! اب آپ دوستی کے رشتے کا خیال

نہیں کر رہیں، ہم اچھے دوست ہیں ناں تو پھر بتایئے اناّبی! کل آپ ان کے آنے کے بعد اتنی پریشان کیوں تھیں؟"

"بیٹا! میرا خیال ہے آپ اپنے آپ کو ان باتوں سے الگ ہی رکھیے تو اچھا ہے۔" اناّبی نے مبہم سا جواب دیا تو رانیہ نے پلیٹ کران کی طرف دیکھا۔

"کس قسم کی باتیں اناّبی؟"

"آپ ابھی چھوٹی ہیں معاملات کو سمجھنا اور ان کے مطابق سوچنا ابھی آپ کو ٹھیک طرح نہیں آتا۔"

"اناّبی! میری عمر بیس سال ہو چکی ہے، میں اتنی چھوٹی نہیں کہ کچھ سمجھ نہ پاؤں آپ پلیز بتایئے ناں۔" اس نے اصرار کرنے کے ساتھ ہی اناّبی کا ہاتھ تھام لیا۔

"وہ لوگ اپنے معذور بیٹے کے لیے آپ کا رشتہ لے کر آئے تھے رانی بیٹا! میں نے آپ کے بابا سے پوچھ لیا ہے کچھ دن تک وہ لوگ آئیں گے تو انہیں انکار کردیں گے۔" اناّبی نے اسے بتایا تو رانیہ چونک اٹھی۔

"کیا معذوری ہے ان کے بیٹے میں۔"

"پیدائشی بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے، ویسے تو پڑھا لکھا ہے، دیکھا تو نہیں میں نے اسی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھائی کہ جب رشتہ کرنا ہی نہیں تو کیا پوچھ پچھ کی جائے۔" اناّبی تیل کی بوتل اٹھا کر اسٹور روم کی طرف چل دیں۔ رانیہ کی پُرسوچ نگاہوں نے ان کا پیچھا کیا تھا اس نے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر بے ترتیب سا جوڑا بنایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اگلے ایک دو دن اناّبی نے دیکھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش اور الجھی الجھی سی رہی نہ کالج گئی نہ کمپیوٹر آن کیا۔ ہاں پہروں اپنے پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھی رہتی۔ شام گئے تک جب اناّبی نے اسے وہیں بیٹھا دیکھا تو بے حد پریشان ہوگئیں۔

"ارے بچی! شام کو پودوں کے پاس نہیں بیٹھتے اٹھ جاؤ میرا بچہ شاباش۔" اناّبی کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ رات میں کھانے کے بعد بابا لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر نیوز دیکھ رہے تھے جب وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے بابا کی جان! آج کل بہت خاموش خاموش ہو، کیا بات ہے جو میرے بچے کو پریشان کیے ہوئے ہے۔"

"بابا میں ایک بات سوچتی ہوں۔" رانیہ نے بابا کے کندھے سے سر ٹکا کر پُرسوچ سے انداز میں کہا تو بابا نے بے حد شفقت سے اس کا سر تھپکا۔

"کیا بابا سے شیئر کرنا پسند کرو گی؟"

"بابا میں سوچتی ہوں ہم ہر روز دنیا کے معاملات و مسائل پر کتنی گفتگو کرتے ہیں، کتنا جلتے کڑھتے ہیں، دوسروں پر انگلی اٹھانا، انہیں بُرا بھلا کہنا، شکوے شکایات کرنا یہی ہماری عادت ہے لیکن کیا ایسا ممکن نہیں کہ جو اچھائی ہم دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں جو بہتری ہم دنیا میں لانا چاہتے ہیں اس کی ابتدا ہم اپنے گھر سے کرکے دیکھیں۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی پختگی تھی۔ بابا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"کیوں نہیں کرسکتے بیٹا! یقیناً سب کچھ ٹھیک نہیں کیا جاسکتا مگر اپنے حصے کا ایک چراغ روشن کیا جاسکتا ہے۔ ایک بھلائی ایک، بہتری ایک اچھائی کی جاسکتی ہے بیٹا!"

"تو پھر بابا میری خواہش ہے کہ رضا علی صاحب کو انکار نہ کیا جائے۔" اس نے سر جھکا کر اپنی بات کہہ ڈالی بابا حیرت زدہ ہی تو رہ گئے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تھا۔ اناّبی الگ حیرت آمیز صدمے کا شکار یک ٹک اس کی طرف دیکھے گئیں، انہیں رانیہ سے اتنی بڑی توقع ہرگز نہ تھی نہ ہی وہ اس ٹمپرامنٹ کی لڑکی تھی۔

"دیکھو رانیہ بیٹا! پوری زندگی کے فیصلے اس طرح جلد بازی میں نہیں کیے جاتے۔ ابھی آپ ہمدردی سے سوچ رہی ہیں لیکن کل آپ کو اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا نہ ہو۔" اناّبی بے چاری بوکھلا سی گئیں انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح کچھ بولیں، ایسا کیا کہیں جو رانیہ بی بی کو اس کے فیصلے کے غلط ہونے کا یقین دلا دے۔

"بابا ہم کسی کو ایک ایسی خامی پر رد کردیں۔ جس میں ذرہ برابر بھی اس کا قصور نہیں، کیا خدائے بزرگ و برتر کی



ناراضگی کا سبب نہیں ہوگا اگر کل آپ میرے لیے ہر لحاظ سے مکمل اور بہترین رشتہ قبول کرلیں اور بعد میں وہ کسی اخلاقی یا شرعی عیب میں مبتلا نکلے تو کس کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔ میں جانتی ہوں میری ذات سے منسلک آپ نے اور اناّبی نے بہت سے خواب دیکھے ہوں گے مگر بابا یہ میری خواہش ہے۔ میں خدا کے چنے ہوئے لوگوں میں سے ہوں ان کے دھتکارے ہوؤں میں سے نہیں۔" رانیہ کا چہرہ جھکا ہوا تھا، بابا کو اس وقت اپنی بیٹی پر بے پناہ پیار آیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا آپ کی بات پر غور کیا جائے گا۔" بابا نے اس کا سر تھپک کر کہا تو وہ مشکور سی نظروں سے ان کو دیکھتی وہاں سے اٹھ گئی۔

"حیدر بیٹا! وہ تو جذباتی ہے اس عمر میں کچھ الگ کرکے دکھانے کا جذبہ بچوں سے بہت کچھ الٹا سیدھا کروا دیتا ہے لیکن آپ تو ہوش کے ناخن لیں۔ زندگی بہت طویل ہوتی ہے، پوری زندگی ایک خاموش انسان کے ساتھ کس طرح گزارے گی، کچھ تو سوچیں۔" اناّبی کو بابا کا اس طرح رانیہ کے حق میں ہو جانا ٹھیک نہیں لگا تھا۔

"بے شک اناّبی! آپ نے درست کہا لیکن میں ایسے لوگوں میں سے نہیں جو اپنی اولاد کو اپنے جبری اور ناپسندیدہ فیصلوں کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں بظاہر اس ایک خامی کے سوا اس رشتے میں اور کوئی خامی نہیں۔ اچھے خاصے ویل آف لوگ ہیں، لڑکا بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے لیکن خاصا پڑھا لکھا ہے۔ میرا خیال ہے رانیہ کی بات مان لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اور پھر یہ جو نیکی کی طرف رغبت ہے یہ بھی تو آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہماری بیٹی خود غرض نہیں۔ آج کل کی اولادوں کی طرح سرکش اور من مانی کرنے والی نہیں ہمیشہ ہر قدم پر اس نے میری عزت اور آپ کی تربیت کا پاس رکھا، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" بابا نے اناّبی کی طرف دیکھا۔

"نہیں حیدر بیٹا! کچھ غلط نہیں کہا آپ نے۔" اناّبی ان باپ بیٹی کے دلائل کے آگے بے بس ہوگئی تھیں مگر اندر ہی اندر بہت ڈری ہوئی تھیں۔

**صوفیہ نذیر**

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین اور آنچل کے تمام اسٹاف کو محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ 15 جنوری کو اس دنیا میں تشریف لائی، ہم چھ بہن بھائی ہیں، میرا نمبر پانچواں ہے۔ کھانے میں چاول پسند ہیں، حساس ہوں کسی کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ کلر بلیک پسند ہے۔ آنچل کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں، جیولری میں بڑے بڑے جھمکے پسند ہیں۔ پسندیدہ ٹیچر مس صائمہ اور مس فخر ہیں۔ دوغلا پن سے نفرت ہے، باتونی ہوں (تھوڑی سی)۔ پسندیدہ پھول گلاب اور موتیا ہے۔ دوستوں میں آمنہ، نگین اور شمائلہ شامل ہیں۔ آنچل تو میں چھٹی کلاس سے پڑھتی ہوں لیکن جنوری 2013ء سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" اور "مجھے ہے حکم اذاں" میرے فیورٹ ناول ہیں، اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے آمین اس پیاری سی دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں، اللہ حافظ۔

"تو پھر اللہ کا نام لیجیے اور اس جمعے کو ان لوگوں کو باضابطہ رات کے کھانے کی دعوت دے دیجیے۔ جس خدا نے بیٹی کی رحمت سے نوازا وہی اس کے مقدر کا رکھوالا بھی ہے۔" بابا نے بات ختم کردی، اناّبی نے بھی اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے اٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

جمعہ کی شام رضا علی بمعہ اپنی بیگم کے آگئے تھے پُرتکلف کھانے کے بعد جب بابا نے اس رشتے کے لیے ہاں کی تو وہ دونوں ہی حیرت آمیز خوشی کا شکار ہوگئے۔ بابا نے ضریر رضا کے حوالے سے پتا کروالیا تھا، وہ ہر لحاظ سے ایک بہترین لڑکا تھا اور فیملی بھی بے حد اچھی تھی، رضا علی اور رقیہ رضا کے کہنے پر رانیہ اور ضریر کی منگنی کی بجائے نکاح کی تاریخ پکی کردی گئی۔ ایک ہفتے کے قلیل وقت میں نکاح کی تیاری کی گئی۔

بابا نے شادی کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی شرط نہیں رکھی تھی لیکن رضا علی اور رقیہ نے اپنی رہائشی کوٹھی رانیہ کے نام

کردی اور چالیس لاکھ کا خطیر حق مہر مقرر کیا گیا۔
صالحہ اور سلمٰی کو جب پتا چلا کہ ان کا ہونے والا بہنوئی بول نہیں سکتا تو وہ تو جیسے سکتے میں آ گئیں۔ لاکھ انہوں نے سر پٹخا رانیہ کو اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش میں دور دور کی کوڑیاں لاتی رہیں لیکن رانیہ بس مسکرا کر ان کی طرف دیکھے گئی یقیناً جس کو بھی علم ہوتا وہ اسی طرح بے چین ہو کر اسے سمجھانے دوڑتا لیکن کوئی اس کے اندر جھانک ہی نہیں سکتا تھا۔
شمس کا گریہ اس کے دھیان سے ہٹتا ہی نہ تھا ایک ساتھی ایک محبت ایک آہ اور بس...... ان دیکھی آنکھیں اور ان کا لمس روح میں اندر کہیں ہوکنے سا لگتا تھا۔
''تم کچھ بولتی کیوں نہیں، فضول میں ہنس ہنس کر کیا دکھا رہی ہو آخر کیا کمی ہے تم میں جو تم نے ایک گونگے کو اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا۔'' صالحہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
''کوئی کمی بھی نہیں بظاہر اور بہت سی کمیاں ہوں گی میرے اندر۔ صالحہ! مکمل تو کوئی بھی نہیں نہ تم نہ میں نہ ہی کوئی اور تم بھی دوسرے مادیت پسندوں کی طرح محدود دائرے میں رہ کر مت سوچو پلیز، مجھے اپنے اس عمل پر کوئی پشیمانی نہیں۔ میں خوش ہوں۔'' اس نے حتمی انداز میں کہہ کر اسے خاموش کرا دیا۔
نکاح کے جوڑے اور دیگر اشیاء کی خریداری کے لیے رقیہ رضا اسے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھیں لیکن اس نے سب کچھ ان کی چوائس پر چھوڑ دیا۔ صالحہ نے سنا تو سر پیٹ لیا۔
''ابھی سے انہیں احساس دلا دو کہ تم حلوہ ہو تاکہ انہیں ہضم کرنے میں آسانی ہو اپنا بھی کچھ منواؤ گی کہ نہیں۔'' مگر رانیہ کی وہی مسکراہٹ تھی جو اس کا جی جلا دیتی تھی۔
''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا وہ ضریر رضا۔'' اس نے ایک دھموکا رانیہ کے جڑ دیا لیکن نکاح کے دن جب اس کے پارلر جانے سے پہلے اس کی جیولری اور اس کا ڈریس آیا تو سب ہی کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ سفید لمبی فراک جس کے پرپل بارڈر پر سلور کورے کا بھاری کام تھا۔ ساتھ میں وائٹ گولڈ کی بھاری جیولری اور بہت ہی نفیس سی سلور پنسل ہیل کی سینڈل۔
ان سب چیزوں کے ہمراہ بیوٹیشن کی مہارت نے اسے کسی اپسرا کا سا الوہی روپ دے دیا تھا۔ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی وہ جب اسے اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا تو انابی نے چپکے سے اس کی نظر اتار لی۔ کیسی موہنی اور معصوم صورت تھی اس کی نکاح کی تقریب شروع ہونے سے قبل ضریر رضا کو اس کے پہلو میں لا کر بٹھایا گیا تو وہ خود میں سمٹ سی گئی۔ ایجاب و قبول کی رسم ادا ہوگئی، مبارک سلامت کے شور کے دوران ضریر رضا کے بھاری ہاتھ نے اس کا موی ہاتھ ایک پل کو تھاما اور پھر چھوڑ دیا۔
کیا کچھ نہ تھا اس لمس میں، اپنے ساتھ کا یقین، بھروسا مان، محبت، احساسِ ملکیت، احساسِ تفاخر...... اسے ضریر رضا کی خاموش زبان سے کہی ہر بات سمجھ آ گئی۔ دل بے تاب سا ہو کر دھڑکا اور اس نے آنکھیں اٹھا کر پہلی بار اس شخص کو دیکھنا چاہا جسے بنا دیکھے اپنی زندگی میں شامل کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو جوابدہی کی تھی اس نے۔ اسپیکٹیکلز کے پیچھے سے جھانکتی متاثر کن آنکھیں جن میں محبت و استحقاق نے عجب سا رنگ بکھیر دیا تھا اور گھنی مونچھوں تلے مسکراتے لب، اس نے گھبرا کر نظریں جھکا دیں۔
صالحہ جب اس کے قریب بیٹھی تو خاصی بے دردی سے اس کے پہلو میں کہنی مار کر بولی۔
''کب سے چل رہا تھا یہ چکر، اب سمجھ آئی کہ موصوفہ کو اتنے ایٹی کیٹس کا خیال کاہے کو آ رہا تھا اور جب میں نے پوچھا تو جھٹ سے کہہ دیا میں نہیں جانتی۔ جھوٹی...... بے ایمان......'' وہ دانت کچکچا رہی تھی، تبھی ضریر نے اس طرف توجہ دی، صالحہ کا دانت پیستا لہجہ بخوبی سن لیا تھا اس نے، اپنی جیب سے پین نکال کر اس نے کاغذ پر کچھ لکھا اور صالحہ کو دے دیا۔ صالحہ نے وہ کاغذ مٹھی میں دبایا اور وہاں سے اٹھ گئی۔
کھانا شروع ہوا اور ساتھ ہی فوٹو سیشن کا سلسلہ بھی، وہ



تین چار گھنٹے سے اتنے بھاری کپڑوں کے بوجھ سمیت بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔
''رانیہ تقریب تقریباً ختم ہونے کو ہے، فوٹو سیشن بھی ہو چکا ہے۔ انابی کہہ رہی ہیں کہ تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچا دوں، تم تھک بھی گئی ہوگی آ جاؤ۔'' صالحہ اور سلمٰی اسے اسٹیج سے اتار کر اندر لے گئیں۔
''تم بیٹھو ہم تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آئیں۔'' وہ باہر نکل گئیں۔
کتنے قلیل وقت میں زندگی کتنے عجیب رنگ لے کر آئی تھی وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس قدر جلدی کوئی اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا اس نے اپنی چوڑیوں بھرے مہندی رنگے ہاتھوں پر نظریں ٹکا لیں۔
''آہم......'' ہلکی سی کھنکارنے کی آواز پر وہ پلٹی دروازے کے بیچوں بیچ ضریر رضا ایستادہ تھا، بہت پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اندر آنے کے لیے اجازت چاہی۔ رانیہ نے سر ہلا دیا وہ ابھی اس زبان میں گفتگو نہیں جانتی تھی جو ضریر رضا کی سمجھ میں آتی۔ اس نے کچھ اشارہ کیا تو ضریر رضا ہنس پڑا پھر ہاتھ کے اشارے سے اس نے اسے سمجھایا کہ وہ گونگا ہے مگر بہرہ نہیں ہے۔ وہ اس سے بات کر سکتی ہے، رانیہ قدرے جھینپ کر رخ پلٹ گئی۔
ضریر رضا نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور بغور اس کو دیکھا۔ نظروں کی حدت سے رانیہ کے گال تمتمانے لگے، ضریر نے ایک کاغذ اس کے ہاتھ پر رکھا، بہت دھیرے سے اس کی پیشانی چومی اور باہر نکل گیا۔
رانیہ کے حواس جیسے گم سے ہو گئے، دھڑکنیں اس طرح بے تاب ہو گئیں جیسے سینہ سے دل کو آزاد کر دینے کے درپے ہوں۔ پاؤں سے جان نکلنے لگی تو وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کے قرب کا یہ ایک پرفسوں لمحہ اس کے حواس سلب کر گیا تھا۔ صالحہ اور سلمٰی کی کمینگی پر تین حرف بھیج کر اس نے ضریر کا تھمایا ہوا کاغذ کھولا۔
''رانیہ!

نئے سال تم جب بھی آنا

نئے سال تم جب بھی آنا
سب کے لیے بس خوشیاں لانا
ہر چہرے پر ہنسی سجانا
ہر آنگن میں پھول کھلانا
نئے سال تم جب بھی آنا
جو بچھڑے ہیں انہیں ملانا
جو روتے ہیں انہیں ہنسانا
جو سوئے ہیں انہیں جگانا
جو روٹھے ہیں انہیں منانا
نئے سال تم جب بھی آنا
میرے اپنوں کو پاس لانا
دل کے ارماں پورے کرنا
سب کی دعائیں پوری کرنا
نئے سال تم جب بھی آنا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

السلام علیکم!
یقیناً جب آپ ان حروف سے اپنی نگاہوں کو ہم کلام کریں گی اس وقت تک آپ رانیہ حیدر سے رانیہ ضریر بن چکی ہوں گی۔ حیرت سی حیرت ہے کہ جو کچھ سوچا تھا اسے اس قدر جلد ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ کچھ ماہ پہلے کی بات ہے میں نے ایک لڑکی کو پودوں سے باتیں کرتے دیکھا، کیا باتیں کرتی تھی کبھی سن تو نہیں پایا مگر وہ بلاناغہ پودوں کی کیاری کے پاس آ بیٹھتی۔ میں مسلسل اس کو دیکھے چلا جاتا، کبھی کبھی وہ چونک کر یوں اِدھر اُدھر دیکھتی گویا میری نظروں کو محسوس کر جاتی، میں اس سے محض چند فٹ کے فاصلے پر اپنے گھر کی دوسری منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھے جاتا۔ میں کوئی دل پھینک بندہ نہیں مگر اسے دیر تک دیکھے جانا میرا دل پسند مشغلہ تھا۔ پھر ایک دن وہ میرے سامنے کتابوں کی شیدائی بن کر آئی، میں اسے اپنے سامنے پا کر کچھ حیران سا ہوا تھا۔ اس نے ایک کتاب کا نام لکھ کر مجھے دیا کہ یہ مجھے منگوا دیں، میں اسے بتانا چاہتا تھا
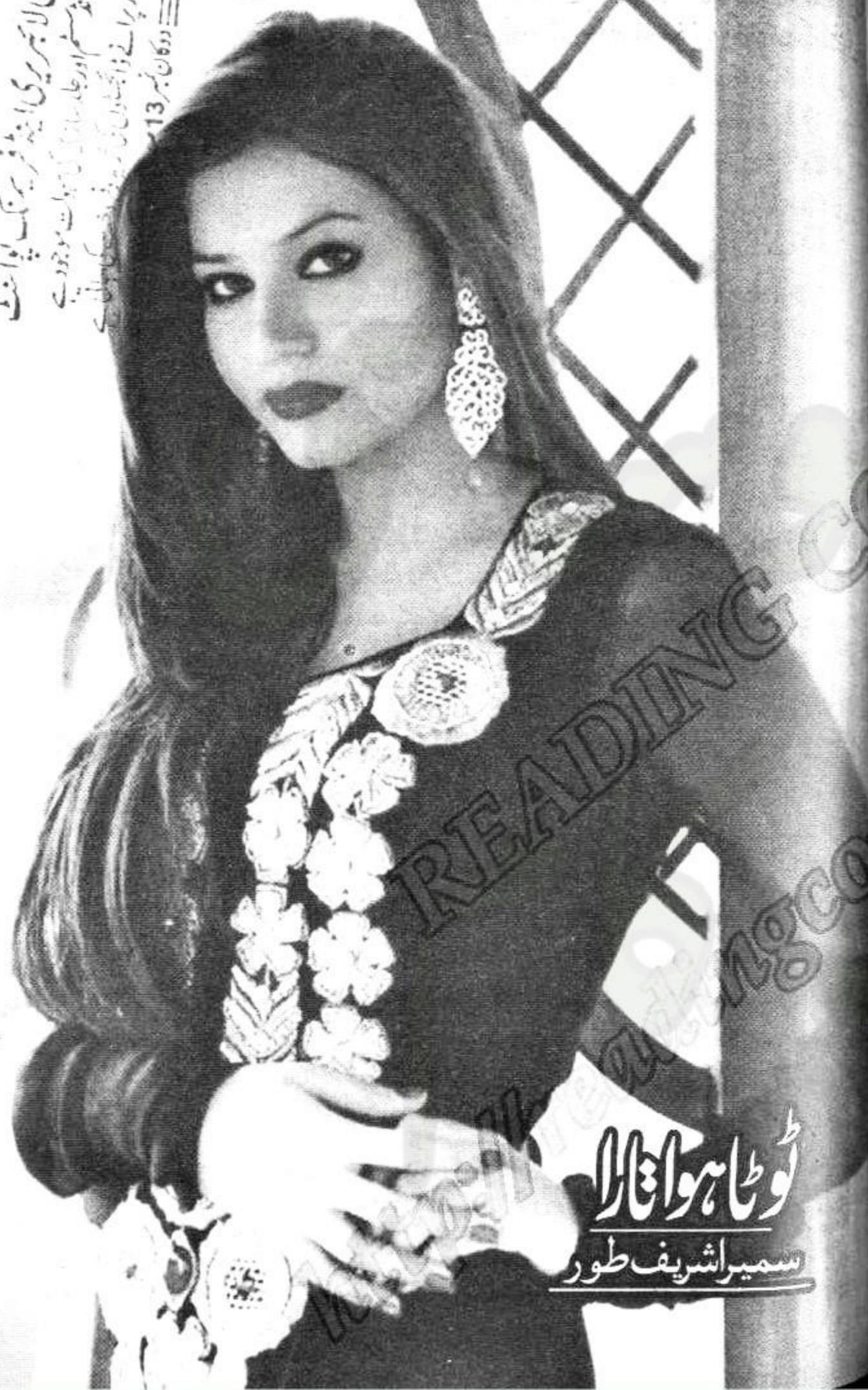
کہ یہ میری فیورٹ کتاب ہے میرے پاس موجود ہے مگر میں اسے بتا نہ سکا۔ بول جو نہیں سکتا تھا اس دن مجھے اپنی قوت گویائی سے محرومی بہت کھلی پھر اس لڑکی نے بہت دیر تک پودوں کے پاس بیٹھنا شروع کردیا۔ میں اسے دیکھے جاتا یہاں تک کے شام کے دھندلکے میں اس کا وجود کسی ہیولے کی مانند لگنے لگتا۔ مجھے محسوس ہوتا وہ میری نگاہوں کی زبان سمجھنے لگی ہے پھر ایک دن اچانک وہ سرِ راہ مل گئی میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا مگر جب میں تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے تک گیا کتاب اٹھا کر واپس آنے تک یہی سوچ ذہن میں آتی رہی کہ پتا نہیں وہ رکی ہوگی یا مجھے خبطی سمجھ کر چلی گئی ہوگی۔ جب میں گیٹ سے باہر آیا تو میری حیرت سوا ہوگئی کیونکہ وہ وہیں کھڑی تھی۔ میں نے کتاب اسے تھمادی وہ کچھ حیران تھی پر مجھے اس کی حیرت سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے ایک کتاب دوست کو اپنی پسندیدہ کتاب کا تحفہ دیا تھا پھر میں نے اپنی ماما اور بابا دونوں کو اس لڑکی کے بارے میں بتادیا وہ میری خوشی کی خاطر اس کا رشتہ مانگنے چلے گئے لیکن جب واپس آئے تو خاصے ناامید تھے۔ وہ اپنے بابا کی ایک ہی بیٹی تھی' بن ماں کی بیٹی۔ جسے اس کے بابا نے ماں اور باپ بن کر پالا تھا' یقینی طور پر وہ اس کے لیے ایک مکمل شریک حیات چاہتے تھے ان کی یہ آرزو بے جا بھی نہیں تھی۔ میں بھی جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی بڑی کمی ہے جسے نظر انداز کرنا کسی بھی لڑکی کے والدین کے لیے اس قدر آسان نہیں ہوگا مگر پھر بھی میں ایک کوشش ضرور کرنا چاہتا تھا۔ اس خاموش اجنبی لڑکی کے لیے جو کبھی زبان ہوتے ہوئے بھی میری طرح محرومِ گویائی تھی کسی سنگِ مرمر کے مجسمے کی طرح چپ...... نہیں جانتا تھا کہ اس کی تلاش میں کہیں میرے نام کا پڑاؤ بھی آتا تھا یا نہیں مگر میں نے بہت سے لمحے اس کے ساتھ جئے تھے۔ مجھے لگتا تھا میں رومی ہوں اور وہ میرے لیے شمس' اس کا ساتھ مجھے بہت کچھ عطا کرسکتا تھا سو میں اسے پانے کی تگ ودو میں لگ گیا۔ نصیب شاید مجھ پر مہربان تھا' ربّ کریم نے اس سے ملنے کی سبیل عطا کردی۔ ماما بابا کی خالی جھولی میں وہ گوہر نایاب ڈال دیا گیا جس کے ملنے کی توقع اور امید تک نہ تھی۔ میں ربّ عظیم کے حضور لاکھ بار شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی شکر گزار ہوں رانیہ ضریر رضا! ہر قدم آپ کے ساتھ کا متمنی و خواہش مند۔

آپ کا ضریر"

رانیہ کو پتا ہی نہ چلا کب اس کی آنکھیں بھیگ گئیں' محبت نے کس طرح اسے اپنے دامن میں سمیٹا وہ جان ہی نہ پائی۔ اب اسے احساس ہوا کہ کیوں وہ ان دیکھی نظروں کے حصار سے محبت کرنے لگی تھی' کیوں شمس کا گریہ اس کے اندر بھی مچلتا تھا۔ کوئی تھا جو بہت شدت سے اس کی چاہ اس کی محبت میں مبتلا تھا اس کی ہوک اس کے دل کی تڑپ غیر مرئی لہروں کی صورت اس کے وجود پر اثر انداز ہوتی تھی جب جب وہ ناامید ہوتا تھا وہ خود میں الجھی الجھی پھرتی تھی آج جیسے سب کچھ اس پر منکشف ہوگیا تھا۔

مانا کہ میری روح میرے ساتھ ہو مگر<br>
میرے دل و نگاہ سے مانوس بھی تو ہو<br>
کب تک رہیں گے یوں ہی محبت میں فاصلے<br>
اتنے قریب آؤ کہ محسوس بھی تو ہو

وہ زبان نہیں رکھتا تھا مگر اظہار کرنا جانتا تھا' اپنے سینے میں بے حد قیمتی دل جس کی ہر دھڑکن وہ اس کے نام کرچکا تھا پھر وہ کیوں نہ اس کی محبت پر ایمان لے آتی کیوں نہ اس کی محبت کو شرفِ قبولیت بخشتی۔ اس کے دل نے گویا عہد کرلیا کہ وہ بنا کہے اس کی آرزو کو جان لے گی' اس کی ہر بات سمجھ لے گی کہ وہ تو سرتاپا محبت تھا اور محبت کو کسی زبان کی کسی اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محبت اپنا آپ منکشف کردینے کے ہر گر سے آگاہ اور آشنا ہوتی ہے۔

# ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

## قسط نمبر 15

سب امتحان عشق کے اپنے کرے رہے
ہم کوزہ گر کے چاک پہ برسوں پڑے رہے
ان کی نگاہیں شوخ تھیں ہم تھے حیا پسند
مشتاق وہ ہم اپنے کہے پر اڑے رہے

### گزشتہ قسط کا خلاصہ

پولیس کی پیش رفت اور آنے والے خطرات کے پیش نظر شہزاد ملک چھوڑ دیتا ہے جبکہ دوسری طرف ایاز اپنے منصوبے میں ناکام ہونے پر ایک مرتبہ پھر انتقام کی آگ میں بھڑک اٹھتا ہے۔ دوسری طرف گھر والوں کے بروقت اسپتال لے جانے پر کاشفہ کی جان بچ جاتی ہے۔ عبدالقیوم کے اثر ورسوخ کی بدولت پولیس کیس بننے سے رہ جاتا ہے۔ عادلہ اسپتال میں ولید کو دیکھ کر کافی متاثر نظر آتی ہے اسے اپنی بہن کا انتخاب پسند آتا ہے۔ شہوار اپنے رویے کی بدصورتی محسوس کرتے مصطفیٰ کی بدگمانی دور کرنے کی غرض سے اسے فون کرتی ہے جبکہ مصطفیٰ اس کا نمبر دیکھتے ہی فون آف کردیتا ہے۔ شاہزیب اسپتال جانے سے پہلے شہوار کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہ مصطفیٰ سے مل سکے لیکن شہوار اپنی دوستوں کی آمد کا ذکر کرتے جانے سے انکار کردیتی ہے۔ انا بھی شہوار کے رویے میں موجود لاتعلقی مصطفیٰ کے لیے محسوس کرکے تاسف کا شکار نظر آتی ہے۔ مصطفیٰ کی حالت قدرے سنبھلتی ہے تو اسے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ اس کے گھر آنے پر سب ہی باہر موجود ہوتے ہیں جبکہ مصطفیٰ شہوار کو نا پاکر ایک مرتبہ پھر بدگمانی کا شکار ہونے لگتا ہے ماں جی مصطفیٰ کے کمرے میں شہوار کو بھی لے آتی ہیں جبکہ مصطفیٰ ماں جی کے سامنے خود پر ضبط کیے رکھتا ہے لیکن ماں جی کے باہر جاتے ہی وہ شہوار کو سخت سناتا ہے۔ اپنے والدین کی خوشی کی خاطر مصطفیٰ اس رشتے کا بھرم قائم رکھتا ہے اور شہوار کی خاموشی کو وہ اس کی ناپسندیدگی اور زبردستی کے رشتے کا مفہوم دیتا ہے جبکہ شہوار اس کے بگڑے تیور دیکھ کر بھونچکا رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف تابندہ بوا غیر موجودگی پر اس کا دل عجیب خدشات میں گھر جاتا ہے۔ مصطفیٰ خرابی طبیعت کو یکسر نظر انداز کیے آفس جوائن کرلیتا ہے۔ گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود وہ آفس پہنچ کر تمام حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیتا ہے اور ایاز اور اس کے دوستوں کے متعلق تمام معلومات حاصل کرتا ہے۔ جب ہی اسے شہزاد کے بیرون ملک جانے کا علم ہوتا ہے۔ امجد خان لالا رخ کیس کے متعلق تمام معلومات کی فائل بھی مصطفیٰ کے حوالے کردیتا ہے۔ ان حالات میں شہوار بھی کالج جانا شروع کردیتی ہے اگرچہ اماں جی ابھی ایاز والے واقعے کو لے کر خاصی فکر مند ہوتی ہیں۔ کاشفہ کی حالت سنبھلنے پر اسے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ ولید سے بات ہونے پر وہ ایک مرتبہ پھر اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے جبکہ اس کے یہ انداز واطوار ولید کو بالکل بھی پسند نہیں آتے۔ خودکشی کی اس کوشش پر بھی وہ اسے سخت سناتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف انا یہ تمام باتیں سن لیتی ہے۔ ولید کے منہ سے کاشفہ کی محبت اور پھر خودکشی کا سن کر اس کا دل خون کے آنسو روتا ہے وہ ان حالات میں کاشفہ کے ساتھ ولید کو بھی ذمہ دار ٹھہراتی ہے جبکہ دوسری طرف کاشفہ، انا کو مار ڈالنے کی باتیں کرتے ولید کو طیش میں مبتلا کردیتی ہے۔



تابندہ خالہ بی کے گھر کا خرچہ خود برداشت کرتی اوپر کے دونوں کمرے جہاں ان کی بہت سی یادیں وابستہ ہوتی ہیں ساجدہ کے حوالے کردیتی ہیں۔ شاہ زیب، تابندہ کے حویلی چھوڑنے کی بات مہرالنساء کو بتاتے ہیں جس پر مہرالنساء بھی خدشات کا شکار ہونے لگتی ہے۔ اب شہوار کی ذات بھی ان کے لیے مشکوک ہونے لگی ہے کہ نجانے اس کے پیچھے کیا ماضی ہے۔ جبکہ دروازے کے باہر کھڑی شہوار اپنی ذات کی شناخت پر انگلیاں اٹھتے دیکھ کر ہوش وحواس سے بیگانہ ہوجاتی ہے۔ اس کے تمام خوف حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

### 〈اب آگے پڑھیے〉

❁......❁......❁

وہ کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنارہی تھی جب ولید بازو پر کوٹ ڈالے دروازے پر آرکا تھا۔ انا اس کی موجودگی سے لاعلم چائے کی طرف متوجہ تھی۔ بال کیچر میں جکڑے پشت پر بکھرے ہوئے تھے ڈوپٹا کندھے پر تھا اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ مسلسل لاتعلقی والا تھا اور ولید کو اس کا یہ رویہ اندر ہی اندر پریشان کیے ہوئے تھا۔ ولید نے ہلکے سے ناک کیا تو وہ بے اختیار پلٹی اور ولید کو دیکھ کر اس کے چہرے پر گزرے دن والے تاثرات پیدا ہوئے تھے۔

''کیا حال ہے؟'' ولید مسکرا کر آگے بڑھا' جبکہ وہ خاموشی سے آنچ دھیمی کرتے ٹرے میں مگ رکھنے لگی تھی۔

''میں سمجھ نہیں پارہا تم ایسا ری ایکٹ کیوں کررہی ہو؟ سب کچھ اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے باوجود۔'' ولید نے جھنجلا کر کہا۔

''میں کوئی ری ایکٹ نہیں کررہی، آپ کو خوامخواہ فیل ہورہا ہے۔'' سنجیدہ انداز میں کہہ کر وہ مگ میں چائے انڈیلنے لگی۔

''تو پھر مجھ سے بات چیت کیوں بند ہے؟'' ولید نے ٹوکا۔

''غلطی فہمی ہے آپ کی۔'' چائے انڈیل کر خالی پاٹ سنک میں رکھ کر وہ ٹرے اٹھا باہر چل دی۔

''چائے پینی ہے تو لاؤنج میں آجائیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''رکو۔'' ولید نے کہا تو وہ رک گئی۔

''میں فریش ہوکر آتا ہوں مصطفیٰ کے پاس جانا ہے تم بھی ریڈی ہوجاؤ چلتے ہیں۔'' ولید نے اپنا پروگرام بتایا تو وہ الجھی۔

''کیوں خیریت؟'' اس نے پریشان نظروں سے ولید کو دیکھا۔

''ہاں ویسے ہی مصطفیٰ کی عیادت کو جانا ہے گھر شفٹ ہونے کے بعد میں اس سے رابطہ نہیں کرپایا۔'' ولید نے کہا۔

''آج تو وہ آفس بھی گئے تھے شہوار بھی کالج آئی تھی اس نے ذکر کیا۔'' انا نے سرسری کہا۔

''اوہ اچھا، یعنی کہ وہ اب کافی کور کرچکا ہے۔'' انا خاموش رہی۔

''میں فریش ہوکر آتا ہوں تم بھی ریڈی ہوجانا۔'' ولید کہہ کر اس کے پاس سے گزر کر چلا گیا تو انا نے خود کو خاصا بے بس سا محسوس کیا۔

وہ اس رات ولید کے منہ سے کاشفہ کے متعلق سننے کے باوجود اس سے نہ تو ٹھیک سے خفا ہوپارہی تھی اور نہ ہی بدگمان۔ اندر ہی اندر وہ نجانے کیا کیا سوچ کر گھائل ہوتی رہی تھی اور اب ولید کے پکارنے پر وہ ایک دم اپنی ساری انا بھلا

کراس کوانکار نہ کرپائی تھی۔ وہ روشی اور ماموں کو چائے دے کر اپنا مگ لے کر کمرے میں آ گئی تھی چائے پینے کے دوران وہ جلدی جلدی ڈریس اپ بھی ہوئی تھی اور چینج کر کے وہ دوبارہ لاؤنج میں آئی تو ولید موجود تھا۔ اسے دیکھ کر فوراً کھڑا ہوگیا۔

وہ روشی اور ماموں کو بتاچکا تھا۔ سو وہ خاموشی سے اس کے گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ خاموش ہی رہی تھی۔

کچھ دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی تھی ولید کو اس کی خاموشی بڑی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔

"اتنی خاموشی کیوں؟" گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ولید نے کہا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

"آپ کی طرف سے یا میری طرف سے؟" انا کے الفاظ پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"شاید میری طرف سے ہی ہے۔" انا خاموش رہی وہ یونہی باہر دیکھتی رہی مگر جیسے ہی گاڑی کو ٹرن ہوتے دیکھا وہ چونکی۔

"کدھر جارہے ہیں؟"

"بس یونہی لونگ ڈرائیو کا موڈ ہو رہا ہے۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"مگر ہم تو مصطفیٰ بھائی کے ہاں جارہے تھے نا؟"

"مصطفیٰ سے میں مل چکا ہوں اس وقت تمہارا موڈ دیکھتے میرا موڈ آؤٹنگ کا بنا تھا تمہیں کہتا تو شاید تم انکار کرتیں سو مجھے مصطفیٰ کا نام لینا پڑا۔" انا نے لب بھینچ کر گھورا۔

"آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔" اسے رہ رہ کر اپنے اوپر تاؤ آنے لگا۔ ولید نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔

"آپ کس قدر جھوٹے ہیں میں آئندہ آپ کی کسی بات پر اعتبار نہیں کروں گی۔" اپنے حلیے کو دیکھتے وہ پچھتائی شہوار کے ہاں جانے کے خیال سے وہ اچھی طرح ڈریس اپ ہوئی تھی اور لپ اسٹک بھی لگائی تھی۔

"تمہیں بے وقوف بنانا کوئی مشکل کام تو نہیں۔" ولید نے ہنس کر کہا تو انا نے لب بھینچ کر گھورا۔

"ویسے لگ تو کافی پیاری رہی ہو، بس اس طرح منہ پھلا کر بیٹھو گی تو ساری خوب صورتی ماند پڑ جائے گی۔" ولید چھیڑ رہا تھا انا غصے سے گھور کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"کیتھی پاکستان آئی ہوئی ہے کل سے وہ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے اس وقت ہم اسی سے ملنے جارہے ہیں وہ تم سے ملنا چاہتی تھی میں نے تو بہت اصرار کیا تھا کہ وہ ہمارے گھر رک جائے مگر وہ مانی ہی نہیں اس وقت بھی کال کی کہ ڈنر اکٹھے کرتے ہیں تمہیں بھی لے آؤں۔" ولید نے مسکرا کر بتایا تو وہ چونک گئی۔

ابھی تو کاشفہ والا مسئلہ دل قبول نہیں کررہا تھا اور اب یہ کیتھی نامی نئی مصیبت ٹپک پڑی تھی۔ انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب سر ابھارنے لگا تھا۔

"وہ پاکستان کیوں آئی ہے؟" اسے لگا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آرہی ہے۔

"اسے یہاں کوئی کام تھا، اکیلی نہیں ہے وہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن میں جاب کرتی ہے ان کی کمپنی کے کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں اپنی ٹیم کے ساتھ وہ بھی آئی ہے اسی لیے اپنی ٹیم کے ساتھ ہوٹل میں مقیم ہے۔" ولید نے تفصیل سے بتایا۔ ولید نے ایک فلاور شاپ کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

"جسٹ ون منٹ میں ابھی آیا۔" وہ کہہ کر چلا گیا تبھی ان کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی بھی آ کر رکی تھی۔ انا نے سرسری سا دیکھا تو چونکی ساتھ والی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کاشفہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔



کاشفہ کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اور لڑکی بھی تھی۔ چند پل وہ اسے گھورتی رہی اور پھر ان کی گاڑی وہاں سے چلی گئی۔ دو تین منٹ بعد ولید ایک خوب صورت ریڈ روزز کے بکے کے ہمراہ شاپ سے نکل کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ انا نے خاموشی سے بکے کو دیکھا تھا۔

"کئی ماہ بعد ملاقات ہو رہی ہے اب اس طرح خالی ہاتھ جاتیں تو اچھا نہیں لگتا۔" ولید نے بھی اس کو پھولوں کو دیکھتے محسوس کیا تو کہا وہ خاموش رہی۔

گاڑی کچھ دیر بعد ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ میں جا کر رکی تھی۔

"ہاں کیتھی کہاں ہو تم؟" گاڑی پارک کرنے کے بعد ولید نے کیتھی سے رابطہ کیا۔ انا باہر دیکھنے لگی۔ دونوں ابھی بھی گاڑی میں ہی تھے۔

"اوکے، میں پارکنگ میں ہی ہوں آرہا ہوں۔" اس نے انا کو اترنے کا اشارہ کیا تھا وہ باہر نکل گئی تو وہ بھی ڈور لاک کرتا باہر نکل آیا اور پھر اس کے ہمراہ عمارت کے اندر آئی تو کیتھی بھی تیزی سے سیڑھیاں اترتے ان کی طرف آئی تھی۔

"ہیلو ولید۔" وہ ایک دم بے قراری سے ولید کی طرف بڑھی تھی۔

انداز ایسا تھا کہ جیسے ابھی ولید سے لپٹ جائے گی مگر ولید کے پاس پہنچ کر وہ ایک دم رکی تھی گویا خود پر قابو پالیا تھا اور بے تحاشا بے قراری سے اس نے ولید کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ولید اٹس آ گریٹ سرپرائز فار می یو آر ہیئر آئی ڈونٹ بلیو اٹ۔" وہ بے قراری سے کہہ رہی تھی ولید مسکرایا۔

"ہاؤ آر یو؟" ولید نے پوچھا تھا انداز نارمل تھا۔

"می فائن اینڈ یو؟" وہ پوچھ رہی تھی انا عجیب سی کیفیت میں گھری بس دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

انتہائی خوب صورت ویسٹرن لک کی مالک یہ کیتھی اس قدر اٹریکٹیو اور پیاری بھی ہوسکتی ہے انا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کیتھی اپنی تصاویر سے بڑھ کر خوبصورت تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کررہے تھے انا خالی الذہنی کیفیت سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

ولید کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جبکہ کیتھی تو اس قدر پرجوش وخوش ہو رہی تھی کہ گویا اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

"کیتھی لیٹس میٹ انا اینڈ انا یہ کیتھی ہے۔" ولید نے دونوں کا تعارف کرایا تو کیتھی نے پہلی بار ولید سے توجہ ہٹا کر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی انا کو بغور دیکھا اور اگلے پل ہی اس کے چہرے کی رنگت بدلی تھی اور پھر وہ مسکراتا کی طرف بڑھی تھی۔

"ہیلو۔" انا نے سنجیدگی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر کیتھی بہت اپنائیت ومحبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔

انا ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

"میں نے روشی اور انکل سے تمہارا بڑا ذکر سنا تھا یو آر سو کیوٹ اینڈ پریٹی۔" وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہہ رہی تھی اور انگلش لہجہ انا حیران ہوئی۔

"آپ کو اردو آتی ہے۔" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی ولید مسکرایا۔

"بالکل...... ولید، مصطفیٰ اور روشی سے سیکھی تھی میں نے بس بولنا آتی ہے لکھنا نہیں۔" وہ کہہ رہی تھی انگلش لہجے میں اردو بولتی وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کیتھی اٹس فاریو۔" ولید نے ہاتھ میں پکڑا بکے اسے دیا تو وہ ایک دم پرجوش سی ہوگئی۔

"تھینکس ولید۔ یونو ریڈ روز مائی فیورٹ فلاور۔" بکے کو چہرے کے قریب کرتے اس نے کہا۔

"آئی نو۔" ولید نے کہا تو کیتھی کے چہرے پر ایک دم رنگوں کی برسات اتری تھی۔ انا ایک بار پھر الجھنے لگی تھی۔

وہ کیتھی کے ساتھ میٹنگ ہال میں آگئے تھے۔ جہاں پہلے سے ہی ٹیبل ریزرو تھی کیتھی نے ویٹر کو سرو کرنے کا آرڈر کیا اور اس کے بعد وہ اور ولید نجانے کہاں کہاں کی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے۔ یونیورسٹی جاب اور بھی نجانے کیا کیا۔ انا ایک دم اکتاہٹ محسوس کرنے لگی۔ اسے رہ رہ کر ولید پر غصہ آ رہا تھا خوامخواہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لایا تھا۔ وہ ایک دم چہرے پر بیزاریت لیے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"تم روشی کو بھی لے آتے میں تو اپنی ٹیم کے ساتھ ہوں خود سے نکل نہیں سکتی میں اس سے بھی مل لیتی۔" کیتھی ولید سے کہہ رہی تھی انا نے اسے دیکھا اور پھر بغور دیکھنے لگی۔

وہ بے حد خوب صورت لڑکی تھی ڈریسنگ بھی اس کے کلچر کے مطابق تھی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔

"ولید نے بتایا آپ میڈیکل پڑھ رہی ہیں؟" اس نے پوچھا تو انا نے محض سر ہلایا۔

"ولید مصطفیٰ اور روشی کے ساتھ میرا بہت سارا وقت گزرا ہے اور بہت اچھا بھی پہلے مصطفیٰ پاکستان آ گیا اور پھر یہ لوگ بھی میں ان کو بہت مس کرتی رہی ہوں۔" وہ مسکرا کر بتا رہی تھی انا محض سر ہلا گئی۔

"مصطفیٰ کی شادی کا پتا چلا تھا اس کو بھی میں نے پاکستان پہنچتے ہی کال کی تھی۔ بٹ اس نے پک ہی نہیں کی۔ وہ شاید اپنے ہنی مون ٹرپ پر ہے؟" وہ اس سے بات کرتے کرتے ولید سے پوچھنے لگی تھی۔

ولید اسے مصطفیٰ کی شادی اور پھر ایکسیڈنٹ کا بتانے لگا تو کیتھی کو سن کر بہت صدمہ پہنچا تھا جس کا اظہار وہ بار بار کر رہی تھی۔ پھر ویٹر کھانا لے آیا تو کیتھی ان کو سرو کرنے لگی۔

کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ دونوں مسلسل اپنی باتوں میں لگے رہے تھے۔ ولید تو گویا اسے یہاں لا کر بھول ہی گیا تھا۔ انا کے اندر عجیب و غریب ابال سے اٹھنے لگے تھے۔ وہ پہلے ہی کاشفہ کو لے کر از حد چڑی ہو رہی تھی اور اب کیتھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ جو بمشکل اپنے آپ کو سنبھال رہی ہے ایک دم پھٹ پڑے گی۔ اس نے کیتھی کے اصرار کے باوجود بہت جلد کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"کیا ہوا کھانا پسند نہیں آیا؟" کیتھی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں کھانا تو بہت اچھا ہے بٹ اس وقت مجھے بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔" ولید نے بھی اسے دیکھا تو اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا تھا۔

"انا اتنی جلدی ہر کسی سے بھی فرینک نہیں ہوتی، یو ڈونٹ وری۔" وہ اس سے اور بھی سوال کر رہی تھی جب ولید نے کہا تھا وہ بھی کھانا ختم کر چکا تھا انا اب فوراً سے بیشتر یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی۔

"یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔"

"ولی چلیں۔"

"ارے اتنی جلدی کچھ دیر اور رکتے نا پلیز۔" وہ ولید سے مخاطب تھی۔ انا ایک دم کھڑی ہوگئی۔

"نہیں، کافی دیر ہوگئی ہے۔" تنے تنے اعصاب لیے اس نے کہا تو ولید کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔

"اوکے کیتھی، کھانا بہت اچھا تھا پھر ملیں گے انا کو علم نہ تھا کہ میں یہاں آ رہا ہوں میں اسے مصطفیٰ کے گھر کا کہہ کر لایا

تھا۔'' مسکرا کر کہتے انا کی سنجیدگی کی وجہ بیان کی۔

انا نے ولید کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''اوکے، میں مصطفیٰ سے بھی ملنے جاؤں گی تم بھی وقت نکال کر چکر لگانا دونوں چلیں گے۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے۔'' اس نے بھی کہا۔

پھر کیتھی نے ولید سے ہاتھ ملایا اور انا سے گلے ملی اور انہیں باہر تک سی آف کرنے آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

اسے ایک دم چکر آیا تھا انکشاف ہی ایسا تھا کہ جس نے اس کے حواس مختل کر دیے تھے وہ دھڑام سے گری تھی۔ ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ رکھا اسٹینڈ گرا تھا شہوار کے گرنے کی آواز سن کر اپنے روم سے مہر النساء فوراً باہر نکلی تھیں۔ وہ شہوار کر دیکھ کر ایک دم گھبرا گئی تھیں۔

''شہوار۔'' وہ فوراً اس کے پاس آئی۔ شاہزیب صاحب بھی ان کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر آ گئے تھے۔

''کیا ہوا؟''

''پتا نہیں۔'' انہوں نے شہوار کو سیدھا کیا وہ بے ہوش تھی۔

''کہیں اس نے ہماری باتیں تو نہیں سن لیں۔'' شاہزیب صاحب نے ازحد پریشانی سے بیگم کو دیکھا تو وہ بھی پریشان ہوگئی۔

شاہزیب صاحب نے اسے بہت احتیاط سے اٹھایا تو مہر النسا نے بھی ساتھ سہارا دیا تھا وہ اس کو اپنے روم میں لے آئے تھے۔

''شہوار بیٹا...... اٹھو...... ہوش کرو۔'' بستر پر لٹا کر انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپائے تھے۔ مہر النساء نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

''پانی لائیں۔'' شہوار کی نبض دیکھی جس کی رفتار نارمل تھی انہوں نے بیگم کو کہا تو مہر النساء فوراً باہر چلیں گئیں۔ واپسی پر ان کے ساتھ لائبہ بھی تھی۔ پانی کے چھینٹے مارے اور چند اور حربے آزمانے کے بعد شہوار کو ہوش آ گیا تھا۔

''آہ......!'' وہ کراہ رہی تھی اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ خالی خالی آنکھوں سے اس نے خود پر جھکے چہروں کو دیکھا۔

''شہوار کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟'' مہر النساء نے ازحد شفقت سے پوچھا۔

شہوار کچھ پل قبل کی تمام باتیں یاد آئیں تو اس کے اندر اذیت و تکلیف کا طوفان اٹڈ پڑا تھا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''مجھے بتائیں میری امی کدھر ہیں؟'' اس کے لبوں سے سوال نکلا تو مہر النساء نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا اور شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تب لائبہ نے بڑی حیرانی سے سب کو دیکھا تھا۔

''شہوار بیٹا گھبراؤ نہیں وہ آ جائیں گی۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو وہ شدت سے رونے لگی تھی۔

اس کے پاس خون کے بہت سارے رشتے نہیں تھے کہ وہ یہ خبر سن کر صبر کر لیتی اسے تو لگ رہا تھا کہ اس خبر نے گویا اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔

''مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولیں، میں نے آپ کی تمام باتیں سنی ہیں پلیز مجھے بتائیں میری امی کہاں ہیں؟'' وہ نڈھال سے انداز میں بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ مہر النساء کے ہاتھ تھام کر اس نے دونوں میاں بیوی سے پوچھا۔

''وہ حویلی سے جا چکی ہیں۔'' شاہزیب صاحب نے آہستگی سے کہا تو لائبہ نے حیران ہو کر دیکھا۔



''کہاں؟'' شہوار نے پوچھا۔

''ہمیں علم نہیں، تابندہ نے بابا صاحب کے نام جو خط چھوڑا تھا اس میں بھی بس یہی ذکر کیا تھا کہ وہ واپس آ جائیں گی اور آ کر آپ کے تمام سوالوں کے جواب دیں گی۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر جیسے بھانبھڑ جلنے لگے تھے۔

''ایسے کون سے سوال تھے جن کے لیے انہیں حویلی چھوڑنا پڑی۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ مہر النساء نے فوراً اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''صبر کرو، تابندہ نے اگر کہا ہے کہ وہ واپس آئے گی تو ضرور آئے گی۔''

''ایسا کون ہے جس کے پاس وہ گئی ہیں۔ میں نے جب بھی پوچھا ہمیشہ یہی جواب ملا کہ میرا کوئی بھی رشتہ موجود نہیں سوائے ان کے مجھے ہمیشہ وہ ٹالتی رہیں۔'' وہ ہچکیوں سے روتے کہہ رہی تھی۔

''ہم نے کبھی بھی تابندہ یا تمہارے ماضی کے بارے میں بہت گہرائی سے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی بس تابندہ نے جو کہا ہم نے یقین کر لیا تھا۔'' مہر النساء نے کہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مگر مجھ سے تو ہمیشہ یہی کہا گیا انکل کہ آپ ددھیال والوں کے پاس گئے تھے ان سے ملنے، امی کو ان لوگوں سے خطرہ تھا تو انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی اور حویلی میں پناہ لے لی تھی۔'' اس نے مہر النساء اور شاہزیب دونوں کو دیکھا تھا۔

''ہاں گیا تو میں واقعی تھا مگر تب مجھے کچھ خاص سراغ نہ ملا تھا کہ میں شک کرتا۔ سکندر اس شخص کا بھتیجا تھا جس سے میں ملا تھا اور وہ ایک مفلوک الحال شخص تھا اس نے سکندر کی دولت و جائیداد پر قبضہ کیا تھا اور اس کی اولاد ساری دولت و جائیداد سمیٹ کر اس شخص کو ایک ملازم کے آسرے پر چھوڑ کر باہر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر میرا دوبارہ کبھی اس جگہ جانا ہی نہ ہوا۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے رونے میں شدت در آئی۔ اس کی ماں اس کے وجود کو ایک سوالیہ نشان بنا کر جا چکی تھیں۔ نجانے لوگ اب اس کی ذات کو کس کس طرح ڈسکس کرنے والے تھے۔

''تم ٹینشن نہ لو سب ٹھیک ہو جائے گا، تابندہ واپس آ جائے گی۔'' مہر النساء نے تسلی دینا چاہی تھی مگر شہوار کی کسی بھی طرح تسلی و تشفی نہیں ہو پا رہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ دنیا کے سامنے ایک تماشہ بننے والی ہے۔

''تابندہ نے ہم سے کبھی بھی دل کی بات نہیں کی تھی کہ جس سے اندازہ ہوتا کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا جاننے والا موجود ہے۔ نجانے کہاں گئی ہوگی؟'' مہر النساء نے مزید کہا۔ لائبہ تمام صورتحال سمجھ چکی تھی اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''میں نے کچھ لوگوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ پتا کرائیں کہ تابندہ کہاں جا سکتی ہیں ہو سکتا ہے کوئی سراغ مل ہی جائے۔'' شاہزیب صاحب نے بھی کہا مگر شہوار کے دل کو جو زخم لگا تھا وہ اب تسلی کے ان چند بولوں سے نہیں بھرنے والا تھا۔

اس کے ساتھ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ وہ شدت سے رو دی۔ وہاں موجود تینوں نفوس ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ عجیب سے ہارے ہوئے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

”وہ اس کے ساتھ تھی میں اس کی خاطر سوسائیڈ کرتی ہوں اور اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، اس نے ایک بار بھی میرا حال تک نہ پوچھا میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔“ شدت سے روتے ہوئے کہا تو دوست نے ترحم بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تم اسے بھول کیوں نہیں جاتیں کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو۔“

”نہیں بھول سکتی میں اسے...... اسے بھولنے کا سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میری سانسیں تھم جائیں گی۔“

”تو پھر کیا کرو گی، وہ تمہیں صاف جواب دے چکا ہے تم نے اس کے لیے سوسائیڈ کی کوشش کی تم بچ گئی مگر تمہارے جان پر کھیل جانے کے باوجود وہ تمہارے پاس تمہاری خیریت تک پوچھنے نہیں آیا۔“ دوست نے سنجیدگی سے کہا تو اس کے رونے میں شدت آ گی۔

”میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ روتے ہوئے اس نے کہا تو اس کی دوست نے بڑی ترحم آمیز نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

”اور وہ تمہیں صاف انکار کر چکا ہے اس کی ایک منگیتر ہے اور وہ اسے لائیک بھی کرتا ہے۔“

”بات مت کرو اس لڑکی کی۔“ اس نے ایک دم پھٹ پڑنے والے انداز میں ٹوکا تھا۔

”وہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک چل رہا تھا کہیں بھی اس نے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی منگیتر ہے اور اب ایک دم جب میں اس کے معاملے میں اس حد تک جا چکی ہوں وہ کہتا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے۔“ روتے ہوئے اس نے کہا۔

”میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی میں زندگی میں پہلی بار خود سے ہاری ہوں اور میں اس لڑکی کی وجہ سے خاموش نہیں بیٹھوں گی۔“ روتے روتے ایک دم آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا تو دوست نے چونک کر دیکھا۔

”وہ تمہارے اس رویے کی وجہ سے تم سے اب بدظن ہو چکا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اب تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش بھی کرے گا۔“ دوست کا تجزیہ تلخ تھا۔ کاشفہ کے چہرے کے غصلات ایک دم کشیدہ ہو گئے تھے۔

”وہ اگر مجھے نہ ملا تو میں کسی کو بھی اسے پانے نہیں دوں گی، میں نے پہلی نگاہ میں اسے پسند کیا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار خود سے کسی کو چاہا ہے اور اسے مجھے قبول کرنا ہی ہوگا ورنہ پھر میں جو کروں گی وہ بھی سب دیکھیں گئیں۔“ رونے کے بعد اس کے انداز میں اب ایک دم سختی سی در آئی تھی۔

”اور وہ لڑکی میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ وہ اسے لائیک کرے میں اسے اس کی نظروں سے گرا دوں گی۔ ایسے کہ وہ خود اس سے دور ہو کر مجھے اپنانے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں اسے مجبور کر دوں گی دیکھنا تم۔“ شدید جذباتیت میں وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ اس کی دوست نے اس کی بات پر اسے دیکھتے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

❁......❁......❁

کیتھی سے مل کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ ولید نے کئی بار نگاہ انا کے خاموش وجود پر ڈالی تھی۔

”کیسی لگی تمہیں کیتھی؟“ انا نے گردن گھما کر ولید کو دیکھا۔

”اچھی ہے۔“ لفظی جواب دے کر وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”مصطفیٰ کی طرف چلیں؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں مجھے گھر جانا ہے۔ اگر آپ کا موڈ ہے تو پھر مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ پھر خاموش



ہوگئی تھی۔

”آئس کریم لو گی۔“ انا نے الجھ کر ولید کو دیکھا اسے لگا ولید اسے محض جان بوجھ کر ان باتوں میں انوالو کر رہا ہے۔

”نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا بات ہے موڈ کیوں خراب ہو رہا ہے۔“ ولید نے مسکرا کر پوچھا۔ انا نے اسے دیکھا۔

”غلط فہمی ہے آپ کی۔“ وہ پہلے ہی کیتھی کو لے کر الجھی ہوئی تھی ایسے میں ولید کا اس طرح چھوٹے موٹے سوالات کرنا اس کے اندر کے اضطراب کو ہوا دے رہا تھا۔

”بعض اوقات غلط فہمی بھی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا کرتی ہے مگر جو آپ کے مزاج کے تمام رنگوں کو پڑھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو پھر غلط فہمی لاحق نہیں ہوتی۔“ ولید نے ہنس کر کہا۔

انا کے اندر عجیب سی جنگ چھڑ گئی تھی اور وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

پچھلے دنوں شہوار کی شادی کے دوران وہ ولید کا رویہ دیکھ کر نجانے خود کو کیا کیا سمجھنے لگی تھی مگر اب پھر وہی سرد مہری کیفیت میں خود کو ڈوبتا محسوس کر رہی تھی۔

ولید نے اسے بغور دیکھا...... انا کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ ان لمحوں میں مارے باندھے بیٹھی ہوئی ہے۔

ولید نے ایک گہرا سانس لیا...... وہ جان سکتا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہوگی۔ وہ دونوں کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ گئے تھے۔ انا کو لگا وہ جیسے ایک دم سکون میں آ گئی ہو۔

ولید نے جیسے ہی گاڑی روکی تھی انا تیزی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔ ولید بھی کی چین لہراتا اندر چلا آیا تھا۔ اس کا ارادہ لاؤنج کی طرف جانے کا تھا مگر پھر اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے سیل دیکھا کاشفہ کی کال تھی۔ اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

اسے یہ لڑکی اپنی زندگی کی سب سے بھیانک غلطی لگ رہی تھی۔ اس نے کال کاٹ دی تھی اور اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور چینج کر کے وہ واش روم سے نکلا تو اپنے بستر پر ضیاء صاحب کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

”مصطفیٰ کیسا ہے اب؟“ ولید ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے پوچھا وہ مسکرایا۔

”بہتر ہے گھر شفٹ ہو چکا ہے۔“

”اچھی بات ہے، تم مصطفیٰ کو انوائٹ کر لینا دعوت پر اگر گھر میں کرنا ہے تو بھی ٹھیک ہے اگر باہر کسی ہوٹل میں بلوانا ہے تو بھی سوچ لو۔“

”جی میں بھی سوچ رہا تھا وہ آج آفس بھی گیا تھا اس کا مطلب ہے وہ اپنی روٹین لائف میں آ رہا ہے میں بات کروں گا دیکھیے کب مانتا ہے۔ جس دن راضی ہوا بلا لیں گے۔“

”اس کے علاوہ مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنا تھی۔“

”جی کہیے۔“

”میں چاہتا ہوں اب تمہاری اور انا کی شادی ہو جائے؟“ بابا نے کہا تو ولید چونکا۔

”اتنی جلدی کیا ہے، منگنی تو ہو چکی ہے انا بھی ابھی پڑھ رہی ہے آرام سے اس کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہو جائے تو دیکھیں گے۔“ ولید نے ٹالنا چاہا۔

”لیکن میں منگنی کے بعد رشتہ لٹکانے کے حق میں نہیں ہوں۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

”انا بتا رہی تھی کہ تم دونوں کیتھی سے مل کر آئے ہو، وہ پاکستان آئی ہوئی ہے تم نے بتایا ہی نہیں۔“ انہوں نے مزید کہا

تو ولید ٹھٹکا۔

وہ جانتا تھا کہ ضیاء صاحب کو کبھی بھی کیتھی پسند نہیں رہی تھی۔

''جی، وہ کسی کام سے آئی ہوئی ہے ہوٹل میں ٹھہری ہے مجھے بھی کال کر کے اس نے اطلاع دی تھی تو میں ملنے چلا گیا۔''

''تمہیں انا کو لے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' ضیاء صاحب نے سنجیدگی سے کہا ''وہ لڑکی ذات ہے نجانے کیا کیا سوچے وہ جس وقت سے گھر آئی ہے اس کا انداز بہت بدلا ہوا ہے میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔''

''بابا کیتھی اب وہ والی کیتھی نہیں رہی وہ بہت بدل چکی ہے وہ جانتی ہے انا مجھ سے انگیجڈ ہے وہ انا سے ملنا چاہتی تھی اور بس۔''

''پھر بھی مجھے کیتھی کا یہاں آنا اور انا کو ملوانے لے جانا اچھا نہیں لگا مجھے تو یہی پتا تھا کہ تم دونوں مصطفیٰ کی طرف جا رہے ہو۔'' ضیاء صاحب نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ خاموش ہی رہا۔

''لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں وہ بہت جلد چھوٹی چھوٹی باتوں کو فیل کر لیتی ہیں اور انا تو ہے ہی بہت بچی اور حساس میں نہیں چاہتا کہ تمہاری طرف سے اسے کوئی دکھ ملے۔''

''کیا انا نے آپ سے کچھ کہا ہے؟'' ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں خود ہی یہ احساس ہو رہا ہے تو تمہارے پاس چلا آیا۔''

''ایسا کچھ نہیں بابا کیتھی کو کل بھی میں جسٹ فرینڈ سمجھتا تھا اور آج بھی۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔

''اور انا؟'' انہوں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' مسکرا کر ان کا ہاتھ تھاما تو وہ مسکرائے۔

''مجھے تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ملی بس چاہتا ہوں کہ انا ہمیشہ خوش رہے۔'' ولید نے گہرا سانس لیا۔

''آپ بے فکر رہیں میری طرف سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔'' ولید نے رسانیت سے کہا۔

''تو پھر میں صبوحی سے شادی کی بات کروں؟'' انہوں نے پھر وہی بات چھیڑی۔

''ابھی نہیں دیکھیں میرے لیے اپنی خواہش سے زیادہ اہم انا کی اسٹڈی ہے اسے اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں پھر جو کہیں گے وہی ہوگا۔'' ولید نے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے لیکن اگر درمیان میں صبوحی یا وقار نے شادی کی بات کی تو پھر میں انکار نہیں کروں گا۔'' انہوں نے بستر سے اٹھتے ہوئے ولید کو باور کروایا۔

''او کے جیسا آپ چاہیں گے وہی ہوگا۔ لیکن ابھی ویٹ کریں۔'' انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔

''مصطفیٰ سے بات کر کے ٹائم لے لینا۔'' انہوں نے باہر نکلنے سے پہلے پھر کہا۔

''جی میں کال کروں گا۔'' ولید نے جواب دیا تو وہ مسکرا کر باہر چلے گئے اور ولید نے مسکرا کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا۔

❁……❁……❁

وہ گھر آئی تو عجیب ہیجانی انداز میں مبتلا تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ اس نے اپنا بیگ اپنے بستر پر اچھال دیا تھا۔

ہاتھ میں موبائل لے کر وہ نمبر ملانے لگی تھی کچھ دیر بعد اس کی کال کاٹ دی گئی تھی۔ کاشفہ کو لگا وہ احساس توہین سے



جل اٹھی ہے۔ اس نے موبائل بستر پر پھینکا اور خود زمین پر گر گئی۔ وہ آج ولید کی گاڑی میں انا کو دیکھ کر فنا ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

اس کے بعد سے وہ مسلسل ایک ان دیکھی آگ میں جل رہی تھی۔ اس کو وہ لمحے بھول نہیں پا رہے تھے جب انا ولید کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز کتنا استحقاق بھرا تھا۔

کاشفہ اپنے اندر ایک ان دیکھی آگ جلتے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر پھر ٹہلنے لگی۔ اب کی بار ذہن مختلف باتوں کو سوچ رہا تھا۔

ولید اس سے مکمل طور پر برگشتہ ہو چکا تھا وہ اس کو اپنی زندگی میں پھر کیسے لائے سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگی تو بے اختیار بستر پر گر کر سسکنے لگی تھی۔

❁……❁……❁

مصطفیٰ کمرے سے باہر آیا تو ملازمہ نے اسے بتایا کہ ڈنر پر سب اس کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ اسی جانب آ گیا تھا۔

وہاں سبھی موجود تھے وہ بھی سجاد بھائی کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا مگر متلاشی نظریں کسی اور کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔

وہ آج آفس سے واپسی پر ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کے بعد جلدی آ گیا تھا۔ وہ گھر پہنچ کر مغرب تک سوتا رہا تھا پھر کچھ وقت تک وہ لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر اس سارے عرصے میں لاشعوری طور پر وہ شہوار کا منتظر رہا تھا مگر وہ کمرے میں نہیں آئی تھی اور اب ڈائننگ ٹیبل پر بھی موجود نہ تھی۔

''شہوار نہیں آئی؟'' مہر النساء کو دیکھ کر ملازمہ سے پوچھا۔

''میں بلانے گئی تھی وہ کہتی ہیں انہیں بھوک نہیں۔'' ڈائننگ ٹیبل پر اس وقت سبھی موجود تھے مہر النساء لائبہ کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

شہوار اپنی ماں کے متعلق یہ انکشاف سن کر بہت بکھری ہوئی تھی وہ ان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی اور اب کھانے کے لیے بھی نہیں آئی تھی۔

''میں خود دیکھتی ہوں۔'' مہر النساء اٹھنے لگی تھیں۔

''رہنے دیں، وہ ابھی کافی بکھری ہوئی ہے شاید سب کے سامنے آنا بہتر فیل نہ کرے آپ یوں کریں کھانا اس کے کمرے میں ہی بھجوا دیں۔'' شاہزیب صاحب نے آہستگی سے کہا۔

مصطفیٰ جو ان کے بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے چونک کر ان کی نہ صرف بات سنی تھی بلکہ حیران ہو کر دیکھا بھی تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کھانا وہیں لگوا دیتی ہوں۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا اور پھر ملازمین کو بلوا کر اسے شہوار کے کمرے میں بھی کھانا لے جانے کا کہا۔

''کیا ہوا شہوار کو؟'' عباس بھائی نے پوچھا۔

''بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' ماں جی سہولت سے کہہ کر کھانا کھانے لگی تھیں ابھی تابندہ کی غیر موجودگی کی خبر شاہزیب صاحب، مہر النساء، لائبہ اور شہوار کے علاوہ مردوں میں سے کسی کو بھی نہ تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے سب کو دیکھا تھا۔

صبح کالج جاتے وقت اس نے اسے دیکھا تھا اور اس کے بعد سے نظر نہیں آئی تھی اب اس کی طبیعت کا سن کر اک تجسس سا ابھرا تھا۔ مگر براہ راست کسی سے پوچھنا اچھا نہ لگا تو خاموش ہی رہا۔

کھانا کھا کر سب سے پہلے مہرالنساء اٹھی تھیں۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے تھے، مصطفیٰ بھی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ایک پل کو شہوار کے کمرے کے پاس سے گزرتے رکا تھا دروازہ نیم وا تھا۔

وہ سارا دن اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی، یقیناً کالج سے آنے کے بعد وہ اسی کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

''میں کیا کروں میرا دل نہیں مان رہا وہ میری ذات کو سب کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا کر چلی گئی ہیں، میں کیسے یقین کرلوں۔'' شہوار کی آواز پر وہ ایک دم رکا تھا۔

شہوار شاید رو رہی تھی اس کی سسکیوں میں ادا کیے گئے الفاظ مصطفیٰ کے کانوں میں اترے تھے وہ چونک اٹھا تھا۔

''پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ خود کو سنبھالو، ابھی ہم کسی کو بھی یہ بات نہیں بتا رہے مگر لوگوں کو پتا تو چلے گا ہی نا۔ اس طرح حوصلہ ہار کر کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ گی تو بیٹا بیمار پڑ جاؤ گی۔'' مہرالنساء کی دلاسہ دیتی آواز آئی تھی اور پھر اس کی شدت سے رونے کی آواز آئی تھی۔

''تو میں کیا کروں، کیسے خود کو سنبھالوں، میرے پاس جینے کے لیے صرف یہی ایک رشتہ تھا بہت سارے جواز نہ تھے میں تو ان کی خاطر سب نبھاہ رہی تھی۔'' ہچکیوں میں کہنے لگے ناقابل فہم جملے تھے۔ مصطفیٰ الجھ گیا تھا نجانے کیا بات تھی وہ کیوں ایسے رو رہی تھی۔

''ایسے نہیں کہو ہم سب ہیں تمہارے ساتھ۔ جہاں تک تابندہ کی بات ہے ہمارا برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ میں اندازہ لگا سکتی ہوں بغیر کسی ٹھوس وجہ اور مصلحت کے تابندہ نے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھایا ہوگا۔'' تابندہ کے نام پر مصطفیٰ مزید الجھ کر رہ گیا تھا۔

''تھوڑا سا کھانا کھالو باہر سبھی تمہارا پوچھ رہے تھے مصطفیٰ بھی پریشان ہوگا چلو اٹھو منہ ہاتھ دھوؤ خود کو سنبھالو اچھا سا لباس پہنو اور کھانا کھاؤ اور اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''میرا ابھی دل نہیں کر رہا کھانا کھانے کو۔'' روتی آواز میں شہوار نے کہا تھا۔

''او کے منہ ہاتھ دھو کر آؤ، میں اب تمہیں روتے نہ دیکھوں ورنہ میں سمجھوں گی کہ تمہیں میری پروا نہیں۔'' مہرالنساء کے لہجے میں محبت بھری سرزنش تھی۔ مصطفیٰ اندر جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

ذہن بار بار انہی باتوں میں الجھنے لگا تو کچھ سوچتے اس نے حویلی کا نمبر ملایا۔ بارات سے واپسی کے بعد مصطفیٰ کی تابندہ بی سے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی تھی ورنہ تو وہ اس کو دن میں ایک بار کال ضرور کرتی تھیں۔

چند دن تو وہ اسپتال میں رہا تھا ان کی غیر حاضری پر غور نہ کرسکا تھا مگر اب شہوار کی باتیں سن کر اسے ایک دم ان کی یاد شدت سے آئی تھی۔

تاج نے کال ریسیو کی تھی مصطفیٰ نے اس کو تابندہ کو بلانے کا کہا تو وہ کہنے لگی۔

''وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔''

''کہاں گئی ہیں؟''

''جی معلوم نہیں، بابا صاحب کو خبر ہوگی۔''

''ٹھیک ہے بابا صاحب کو بلاؤ۔'' بہت دن ہوئے مصطفیٰ کی ان سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔



کچھ دیر بعد اس کی بابا صاحب سے بات ہو رہی تھی اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد مصطفیٰ نے ڈائریکٹ بات کی تھی۔

''تابندہ بوا کہاں گئی ہیں؟''

''تمہیں کس نے بتایا؟'' بابا صاحب نے چونک کر پوچھا۔

''کیا مطلب اتنے دن سے ان کا کوئی رابطہ ہی نہیں تو سوچا ان سے بات کرلوں مگر تاج کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں نہیں ہیں آپ کو بتا کر کہیں گئی ہیں۔''

''اچھا ہاں وہ کہیں باہر گئی ہیں شاید کسی کے گھر۔'' مصطفیٰ کو صاف لگا کہ بابا صاحب کا انداز ٹالنے والا تھا وہ اگر شہوار کی مہرالنساء سے ہونے والی بات چیت نہ سن چکا ہوتا تو شاید ٹال جاتا۔

''کب تک آئیں گی؟''

''آ جاتی ہے کچھ دیر میں تم سناؤ شہوار بیٹی کیسی ہے؟ جب سے رخصت ہو کر گئی ہے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی۔ کال تو کرتی رہی ہے میں کہیں باہر ہوتا تھا خوش تو ہے نا وہ تمہارے ساتھ۔'' بابا صاحب نے بات پلٹ دی تھی مصطفیٰ الجھا۔

''جی ٹھیک ہے وہ۔''

''گاؤں کب چکر لگا رہے ہو؟'' انہوں نے محبت سے پوچھا۔

''جی ابھی تو فارغ نہیں ہوں، آج سے آفس بھی جوائن کرلیا ہے۔ دیکھیں کب وقت ملتا ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے جب بھی سہولت ہو چکر لگا لینا اور شہوار بیٹی کا بہت خیال رکھنا کبھی بھی اسے احساس نہیں ہونے دینا۔'' آخر میں بابا صاحب کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

انہوں نے مصطفیٰ سے چند اور باتیں کی اور پھر ان سے ملنے کوئی آ گیا تو کال بند کردی تھی۔

مصطفیٰ شہوار کے رونے کی وجہ سوچنے لگا۔ کل وہ غصے میں تھا مگر آج قدرے مزاج کی گرمی کم ہوئی تھی لیکن شہوار کی طرف سے دل میں جو بدگمانی آ چکی تھی وہ ابھی بھی قائم تھی۔ وہ کال بند کر کے اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ اگر اس کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوتا تو کیا وہ پھر بھی اس طرح کمرے میں اس وقت تنہا ہوتا۔

دماغ میں عجیب و غریب خیالات آنے لگے تو اس نے یونہی کوفت سے سر اٹھایا مگر پھر ٹھٹک گیا شہوار کمرے میں داخل ہوئی تھی دونوں کی پہلی نگاہ بے ساختہ تھی۔

سرخ سوجی ہوئی آنکھیں تھیں شہوار کی وہ فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں میں برہمی سی اترنے لگی۔

''شہوار کا وہ رونا ماں جی سے سب کہنا اس کے پس منظر میں کہیں اس رشتے سے متعلق ناپسندیدگی کا معاملہ تو نہیں۔'' مصطفیٰ کے دل و دماغ میں سوالات نے اودھم مچایا تھا۔

شہوار جھجکتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا اس نے آہستگی سے دروازہ بند کردیا تھا۔

چہرے پر سرخی تھی یوں جیسے وہ گھنٹوں روتی رہی ہے ناک بھی سرخ انار کی طرح دہک رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

ملکے بلو کلر کے فینسی لباس میں ملبوس تھی، یقیناً ماں جی نے کمرے میں بھیجا ہوگا۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے تھے۔ شہوار آہستگی سے چلتی ہوئی بستر کے قریب آئی تھی۔

”ماں جی کہہ رہی تھیں آپ کی بینڈ تیج دیکھ لوں اگر آپ۔“ کچھ جھجکتے ہاتھ مسلتے اس نے بھاری ہوتی آواز سے کہنا چاہا تھا۔

”مجھے نہیں ضرورت کسی بھی بینڈ تیج کی۔“ مصطفیٰ کا انداز رکھائی لیے ہوئے تھا لہجے میں تلخی بھی تھی۔ وہ پھر لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر دیکھنے لگا تھا۔

شہوار جو پہلے ہی شدت سے پریشان تھی مصطفیٰ کے اس رویے پر ایک دم ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو جمع ہوگئے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ اسے اس کے گزشتہ رویوں کی سزا دے رہا ہے۔

پہلے ہی وہ تابندہ کو لے کر گم صم تھی اوپر سے مصطفیٰ کا رویہ وہ نڈھال سے انداز میں صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے لیپ ٹاپ سے توجہ ہٹا کر دیکھا تو چونکا وہ صوفے پر بیٹھی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبائے آنسو بہا رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے کیوں آئی ہیں آپ کمرے میں؟“ لیپ ٹاپ سائیڈ پر کرتے مصطفیٰ نے سختی سے ٹوکا تو شہوار کے رونے میں ایک دم تیزی در آئی۔

وہ کبھی بھی ایسے لہجوں کی عادی نہ تھی اور یہاں کبھی بھی کسی نے اس طرح سختی سے مخاطب نہ کیا تھا اور اب مصطفیٰ کا یہ سلوک۔

”آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہیں؟“ ہتھیلی سے آنسو صاف کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو مصطفیٰ سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مصطفیٰ کا یہی رویہ سوچتے ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی مگر اب۔

”کیا کررہا ہوں میں؟“ وہی تلخی اور سرد پن لیے پوچھا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

وہ پچھلے دو تین گھنٹوں سے تابندہ بی کو لے کر اس قدر آنسو بہا چکی تھی کہ اب آنکھیں بھی دکھ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہی تھی بمشکل اپنے آنسو پینے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کی خاموشی پر مصطفیٰ کے اندر نجانے کیسی آگ جلنے لگی تھی کہ اسے لگا کہ اگر وہ چند پل شہوار کے سامنے رہا تو یقیناً خود پر ضبط نہیں کرپائے گا۔

غصے سے بستر سے اتر کر ایک تلخ اور جامد سی نگاہ شہوار پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ شہوار اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ مصطفیٰ اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھے گا۔ اس کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

ماں جی کے کہنے پر وہ منہ ہاتھ دھو کر لباس بدل کر اس کمرے تک آئی تھی۔ مگر مصطفیٰ کے اس رویے نے اس کے دل میں موجود احساس کو بجھا ڈالا تھا۔

وہ تو پہلے ہی بداعتمادی اور بے نام ونشاں والی فضا میں جی رہی تھی اوپر سے مصطفیٰ کے اس رویے نے ادھ موا کر ڈالا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بے اختیار سسک اٹھی تھی۔

کل شب مصطفیٰ رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا اور وہ ساری رات تکیے سے ٹیک لگائے جاگتی رہی تھی اور اب بھی مصطفیٰ کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک صوفے پر بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر وضو کرکے نماز پڑھنے لگی تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بستر کے کنارے بیٹھ کر مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی تھی مگر بارہ بجے کے بعد اس کے دل میں موجود ہر احساس گویا اپنی موت آپ مرنے لگا تھا۔

وہ گزشتہ ساری رات جاگی تھی صبح کالج اور اس کے بعد وہ تابندہ کے متعلق جاننے کے بعد شدت سے روتی رہی تھی اس وقت اس کے اندر مزید رونے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اسے اپنا سر بھاری بھاری لگنے لگا تھا۔ اس نے آہستگی سے اٹھ کر لائٹس آف کردی تھیں بستر پر جانے کو اس کا دل نہیں کررہا تھا مگر وہ اب اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔



اس کی ماں اس کے تمام سوالوں کا جواب دیے بغیر اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اس کی اپنی ذات اس کے اپنے لیے ایک سوالیہ نشان بن چکی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ذات کا تمام تر مان اور غرور کھو چکی ہے وہ بے مایا ہوچکی ہے۔ مصطفیٰ کے بستر پر ایک کنارے پر لیٹ کر وہ پھر سسک اٹھی تھی۔

کتنی دیر تک وہ مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی اور پھر اس کی پہلے سے ہی سوجی بھاری آنکھیں مزید جلن سے بند ہونے لگیں۔ تو وہ خود کو سونے سے نہ بچا سکی تھی۔

کوئی دو بجے کے قریب مصطفیٰ نے کمرے میں قدم رکھا تو وہاں مکمل اندھیرا تھا اس نے نائٹ بلب جلایا تو ہلکی روشنی نے اندھیرے کی فضا کو توڑ دیا تھا۔

وہ کتنی دیر تک ٹی وی کھولے بیٹھا رہا تھا اور پھر ماں جی کے ٹوکنے پر وہاں سے اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلا گیا تھا گزشتہ ساری رات وہاں گزری تھی۔ مگر اب تھک ہار کر وہ واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ بستر کے دوسرے کنارے پر شہوار لیٹی ہوئی تھی۔

دوپٹہ نماز کے سے اسٹائل میں لپٹا ہوا تھا وہ سیدھی لیٹی ہوئی تھی بغیر بلینکٹ لیے ایک ہاتھ سینے پر تھا اور دوسرا پہلو میں مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتا بستر پر آ بیٹھا۔ لاشعوری طور پر وہ شہوار کو دیکھنے لگا تھا۔

اس کا حسن ایسا سحر انگیز تھا کہ رات کی تاریکی میں مصطفیٰ کو مکمل طور پر اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ سوئی ہوئی تھی مضطرب اور بے چین سی نیند تھی۔ چہرے پر سرخی اور آنسوؤں کے نشان واضح تھے۔ کھڑی ناک اور اس میں چمکتی لونگ۔

مصطفیٰ کو لگا اس نے بہت دن بعد اسے بغور دیکھا ہو اور وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کے سلوک سے بہت زیادہ ہرٹ ہوا تھا اور گھر آنے کے بعد سے تو دل و دماغ مسلسل ایک جنگ سے دوچار تھا اور اب اس پر نگاہ پڑتے پھر سے اسپتال کے بستر پر لیٹے پل پل شہوار کی آمد کے انتظار سے جھیلی جانے والی اذیت یاد آنے لگی تو وہ لب بھینچ کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

ابھی وہ بمشکل سویا تھا کہ ایک دم عجیب سے احساس سے آنکھ کھل گئی تھی۔

”امی......امی......آپ مجھے چھوڑ کر مت جائیں، پلیز مت جائیں۔“ تیز گھبرائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی تو مصطفیٰ فوراً اٹھا۔

شہوار شاید نیند میں بڑبڑا رہی تھی اس کی آواز بہت واضح تھی۔

”امی پلیز مت جائیں...... میں مر جاؤں گی، آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔“ وہ شہوار کے قریب جھکا تو وہ نیند میں کہہ رہی تھی لہجے میں تکلیف تھی۔ وہ اذیت سے سرہانے پر اپنا سر پٹخ رہی تھی۔

”شہوار......“ مصطفیٰ نے فوراً پکارا۔

”شہوار کیا ہوا؟ اٹھو۔“ مصطفیٰ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑا تو وہ ایک دم آنکھیں کھول کر خود پر جھکے مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔ اس کا حلق بالکل خشک ہورہا تھا۔

یوں جیسے حلق میں کانٹے سے اگ آئے ہوں۔ چہرے پسینہ سے تر تھا اور سانس غیر معمولی رفتار سے تیز تھی۔

وہ تو شاید خواب دیکھ رہی تھی۔ تابندہ بوا اسے چھوڑ کر جارہی تھیں اور وہ دیوانہ وار ان کے پیچھے بھاگی تھی اور ان کی چادر کا پلو تھام لیا تھا مگر اس کے باوجود وہ چلی گئی تھیں۔

خواب یاد آیا تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"امی......امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔" مصطفیٰ سیدھا ہوا اور حیرت سے اسے دیکھا۔
وہ شاید ابھی بھی خواب کے زیر اثر تھی۔ آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے اس کی حالت اس وقت قابل رحم ہورہی تھی۔
"تم نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے۔" مصطفیٰ نے قدرے نرمی سے کہا۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں امی چلی گئی ہیں۔ میں ان سے پوچھتی تھی میں کون ہوں اور وہ میرے سوالوں کے جواب دیے بغیر چلی گئیں۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو مصطفیٰ چونکا۔
"تم خواب میں ڈر گئی ہو؟" مصطفیٰ نے پھر کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس شدت سے روتی رہی۔
وہ تابندہ بوا کو یاد کرتے سوئی تھی اور تابندہ بوا کے خواب ہی اسے ستانے لگی تھیں اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی ہوچکا تھا۔
"میرا خیال ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، پانی پیو گی؟" اسے اس طرح شدت سے روتے دیکھ کر مصطفیٰ الجھا تھا۔
پھر خود ہی بستر سے اتر کر لائٹ آن کی اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہ رہی تھی مگر سنبھال نہیں پارہی تھی۔ اس کے دل کو ایک پل بھی قرار نہ تھا۔
کچھ پل بعد مصطفیٰ واپس کمرے میں آیا تھا ہاتھ میں گلاس اور جگ تھا۔
"یہ لو پانی پیو۔" گلاس میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
سرخ متورم چہرہ کپکپاتے لرزتے ہونٹ، بھیگی پلکیں اور سوجی آنکھیں اور آنسوؤں سے تر رخسار ایک پل کو مصطفیٰ ساکت ہوا تھا۔
شہوار کی حالت بہت عجیب سی تھی۔ اس نے زندگی بھر شہوار کو اس حال میں نہ دیکھا تھا کبھی بھی نہیں۔ شہوار نے پانی کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس نے بس نفی میں سر ہلایا تھا۔ رو رو کر اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔
"پانی پی لو۔" مصطفیٰ کو اس کی حالت نے پریشان کردیا تھا خود بخود لہجہ نرم نرم ہوگیا تھا اس نے پھر نفی میں سر ہلایا تو دوبارہ کہے بغیر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا مجبوراً اس نے چند گھونٹ بھرے تھے۔ مصطفیٰ نے ڈریسنگ پر رکھا ٹشو باکس اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔
"چہرہ صاف کرو، بلکہ منہ دھوآؤ تو بہتر ہے۔" پانی پی کر وہ سر جھکا گئی تھی۔
مصطفیٰ کی بات پر بھی اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تھی مصطفیٰ نے پانی اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا دوبارہ بیڈ پر بیٹھ کر اسے دیکھا۔
وہ اب بھی سر جھکائے رو رہی تھی آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ مصطفیٰ نے محسوس کیا بے تحاشا رونے سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔ وہ حقیقتاً شاکڈ ہوا تھا۔
"شہوار۔" اس کے قریب ہوتے اس کا بازو تھامنا چاہا تو احساس ہوا وہ حدت سے تپ رہی تھی۔
"تمہیں بخار ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔
"مجھے امی کے پاس لے چلیں میں اگر ان سے نہ ملی تو میرا دل بند ہوجائے گا۔" اس نے مصطفیٰ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔
تابندہ بی کی طرف سے ملنے والا صدمہ ایسا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتیں سلب ہوچکی ہیں اسے خود پر کوئی اختیار نہ رہا تھا۔



"ٹیک اٹ ایزی شہوار، کیا پرابلم ہے؟" مصطفیٰ نے تمام تر غصہ بھلائے اس کے لرزتے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا وہ تو گویا پہلے ہی ٹوٹی ہوئی شاخ تھی اس کا حصار پاتے ہی ایک بار پھر شدت سے سسک اٹھی۔ مصطفیٰ کا یہ عمل بے ساختہ تھا۔ اس کا گریہ ایسا تھا کہ مصطفیٰ بے چین ہوگیا تھا۔
"مصطفیٰ امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں میرے تمام اوہام سچ ثابت ہوئے ہیں انہوں نے ہمیشہ مجھ سے سب چھپایا اور پھر وہ چلی گئیں۔" لرزتے لہجے میں اس کے سینے کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتے وہ ایسا انکشاف کررہی تھی کہ مصطفیٰ گم صم رہ گیا تھا۔ ایک دم اسے احساس ہوا وہ خواب کی بات نہیں حقیقت بیان کررہی ہے۔
"کہاں گئی ہیں وہ؟" مصطفیٰ نے چونک کر پوچھا۔
"مجھے نہیں پتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"تمہیں کس نے بتایا کہ وہ چلی گئی ہیں اور کیوں گئی ہیں تم سے بات کی تھی انہوں نے۔" وہ پھر نفی میں سر ہلا گئی تھی۔ رونے کی شدت سے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی اور سانس ناہموار۔
مصطفیٰ چند پل اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا تھا اور پھر اسی طرح حصار میں لیے آگے جھک کر پانی والا گلاس اٹھا لیا تھا۔
"یہ پانی پی لو۔" اس کے ہونٹوں سے گلاس لگایا۔ اب کی بار اس نے گلاس خالی کردیا تھا۔
"اور لوگی؟" محبت، نرمی و توجہ سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ مسلسل گریہ وزاری سے بے انتہا سرخ ہورہا تھا۔
"تمہیں بخار ہے؟" اس کا وجود آگ اگل رہا تھا مصطفیٰ کو اس کی حالت سے تشویش ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی وہ بے انتہا نڈھال لگ رہی تھی۔ مصطفیٰ کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور ماں جی سے بات کرے۔ اس کے ذہن میں شہوار والے کمرے میں دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو گونج رہی تھی مگر رات کے اس پہر وہ باہر جاتا تو یقیناً سبھی ڈسٹرب ہوتے۔
"لیٹ جاؤ، تمہیں بہت بخار ہے۔ اس طرح روؤں گی تو طبیعت مزید خراب ہوگی۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے لیٹ گئی تھی ویسے بھی بے تحاشا رونے سے اب سر چکرا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بلینکٹ کھول کر اس پر ڈال دیا تھا۔
"میڈیسن لوگی تمہیں تیز بخار ہے؟" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔
دونوں کی نگاہیں ملی تھیں اور پہلی بار اتنی خراب طبیعت کے باوجود اس پہر مصطفیٰ کے ساتھ اپنے اس رشتے نے ایک عجیب سا احساس بخشا تھا۔
"میں سوؤں گی۔" وہ مصطفیٰ سے نگاہ چراتے کروٹ بدل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔
کروٹ کے بل وہ پھر بغیر آواز پیدا کیے رونے لگی تھی آنکھوں سے آنسو خشک ہی نہیں ہو پارہے تھے وہ جتنا صبر کرنے کی کوشش کررہی تھی آنسو اتنے ہی بے اختیار تھے۔ مصطفیٰ نے اس کے لرزتے وجود اور ہلکی ہلکی سسکیوں کو سنا تو اندر اضطراب برپا ہونے لگا۔
"شہوار۔" مصطفیٰ نے پکارا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔
"یا تو ساری بات مجھے بتاؤ، یا پھر رونا بند کرو، میں پریشان ہورہا ہوں۔" مصطفیٰ نے جھنجلاتی آواز میں کہا۔ مصطفیٰ کو لگا کہ اگر وہ اسی طرح روتی رہی تو صبح تک اس کی طبیعت بہت خراب ہوجائے گی وہ بستر سے اٹھا۔
دراز سے اپنی میڈیسنز نکال کر چیک کرنے لگا اور پھر ایک گولی لے کر گلاس میں پانی ڈال کر قریب آگیا تھا۔

''یہ میڈیسن لے لو۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ ٹھٹکی تھی۔

''یہ لے لو تمہارے نروز کو کچھ سکون ملے گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ بڑے نڈھال سے انداز میں اٹھ بیٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے دیکھا اس سے گلاس لیتے اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔

مصطفیٰ کی ہتھیلی سے گولی لے کر اس نے منہ میں رکھ دی اور لرزتے ہاتھ سے پانی کا گلاس منہ سے لگالیا۔ مصطفیٰ نے گلاس واپس لے کر ٹیبل پر رکھا وہ دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ مصطفیٰ نے نائٹ بلب کے علاوہ تمام لائٹس گل کردی تھیں۔

وہ واپس بستر پر آ کر بیٹھا تو چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ ایک نظر ملگجے سے اندھیرے میں شہوار کو دیکھا اور پھر لب بھینچ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''تابندہ بوا کیوں اور کہاں گئی ہیں؟'' ذہن و دل پر بس اسی سوال نے ایک ہلچل مچادی تھی۔

وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا اور نجانے کیا کیا سوچتا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شہوار کی طرف جھک کر اس کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو وہ سو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے نیند کی گولی دی تھی۔

تبھی وہ کچھ پل میں ہی غافل ہوگئی تھی۔ شہوار کا بازو جل رہا تھا یقیناً اسے بخار تھا۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے اس پر بلینکٹ درست کرتے خود بھی اس کے قریب ہی نیم دراز ہوگیا تھا۔ شہوار کا رویہ اور تابندہ بوا کی ذات ایسے سوال تھے کہ اب اسے خاک نیند آنا تھی۔

وہ سو کر اٹھا تو کافی وقت ہوچکا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی تو دن کے نو بجا رہی تھی مصطفیٰ کو یاد آیا وہ رات تابندہ بی کے بارے میں سوچتے سوچتے سوگیا تھا۔ وہ فوراً اٹھا مگر پھر رک گیا۔ اس کے پہلو میں شہوار ابھی بھی موجود تھی اور بے خبر سو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھاما تو پریشان ہوا وہ ابھی بھی تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے اس پر جھکتے ہوئے پکارا تو اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا مصطفیٰ نے اس کا رخسار تھپتھپایا اور جھنجوڑا تو اس نے کراہ کے ساتھ آنکھ کھولی اور پھر بند کرلی تھی۔

''شہوار۔'' شہوار کو پکارا۔

''ہوں۔'' اس نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔ مصطفیٰ نے چند پل اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر بستر سے اتر آیا۔

مصطفیٰ نے پہلے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے سے نکل آیا تھا۔ وہ کچن کی طرف آیا تو ماں جی وہاں موجود تھیں اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''بہت لیٹ اٹھے تم آفس جاؤ گے یا نہیں؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی بس آنکھ دیر سے کھلی، کچھ لیٹ جاؤں گا۔''

''شہوار بھی کمرے سے باہر نہیں آئی۔ رات اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی تو مجھے تشویش ہورہی تھی۔'' ماں جی نے مزید پوچھا۔

''ساری رات بخار سے نڈھال رہی ہے ابھی بھی بخار کی غنودگی میں ہے۔''

''اوہ...... اچھا، اگر ایسی بات تھی تو رات میں ہی بتاتے ڈاکٹر کو کال کرلیتے۔'' ماں جی فوراً پریشان ہو اٹھی تھیں۔

''میں نے سوچا کہ کیا رات گئے پریشان کروں آپ چل کر اسے دیکھیں میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ کے کہنے پر وہ فوراً کمرے میں چلی گئیں اور مصطفیٰ نے کال کرکے امجد کو لیٹ آنے کی اطلاع دی اور پھر



ڈاکٹر کو کال کرکے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ وہ کمرے میں دوبارہ آیا تو ماں جی شہوار کے ماتھے پر کپڑا گیلا کرکے رکھ رہی تھیں اور شہوار نیم غنودگی میں تھی۔

''دیکھو اتنی طبیعت خراب کرلی اس نے، رات میں ہی بتایا ہوتا تو گھر میں بخار کی دوا تو ہوتی ہی ہے وہی دیتے کچھ افاقہ تو ہوتا۔'' ماں اسے اس طرح لیٹے دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

''میں نے ڈاکٹر کو اطلاع کردی ہے وہ آجاتا ہے۔'' وہ شہوار کے دوسری طرف آ بیٹھا تھا۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے شہوار رات تابندہ بوا کے کہیں چلے جانے کا ذکر کررہی تھی یہ کیا کہانی ہے اور آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، کیا معاملہ ہے، کہاں گئی ہیں اور کیوں؟'' شہوار کے ماتھے پر گیلا تولیہ رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ رک گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

شاہزیب صاحب نے مصطفیٰ کی طبیعت اور زخموں کے سبب اسے ابھی کچھ بھی بتانے سے گریز کیا تھا مگر اب جبکہ شہوار بتا چکی تھی تو وہ کیونکر چھپاتیں۔ انہوں نے شاہزیب صاحب سے جو بھی سنا تھا سب مصطفیٰ کو بتادیا۔

''اوہ...... ان بلیوایبل...... کہاں جاسکتی ہیں وہ؟'' مصطفیٰ حیرت زدہ تھا۔

''میں تو خود سوچ سوچ کر پاگل ہوچکی ہوں، کبھی کبھی دل میں عجیب سے خیال آنے لگتے ہیں تابندہ سے برسوں کا ساتھ رہا۔ مجھے نہیں لگتا وہ کوئی ایسی ویسی عورت ہوں گی خاندانی وقار اور رکھ رکھاؤ کے ہر انداز سے چھلکتا تھا اور جس طرح ہر نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر اس نے حویلی کے لیے ساری زندگی وقف کردی تھی کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی تو قطعی نہ کرتی، میں تو خود حیران ہوں کہ نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ۔''

''اور بابا صاحب کیا کہتے ہیں؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ خود الجھے ہوئے اور پریشان ہیں، ویسے کہہ رہے تھے کہ چند لوگوں کے ذریعے پتا کرا رہے ہیں مگر ایسی باتوں کا ایک دم کیسے پتا چلتا ہے۔'' مصطفیٰ نے جواباً کچھ کہنا چاہا تو شہوار کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

شہوار کی آنکھیں بخار کی حدت سے سرخ ہورہی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں مصطفیٰ سے پہلی نگاہ ٹکرائی تھی اور اسے مکمل طور پر متوجہ دیکھ کر وہ پھر آنکھیں بند کرگئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر آگیا تھا چیک اپ کرانے کے بعد اس نے انجکشن لگایا تھا۔ کچھ میڈیسن لکھ دی تھیں جو ماں جی نے اسی وقت ڈرائیور کو بلوا کر لانے بھی بھیج دی تھیں۔ لائبہ بھابی بھی آگئیں تو مصطفیٰ بھی کمرے سے نکل گیا تھا۔

ڈاکٹر چلا گیا تو کچھ دیر بعد مہر النساء نے اسے توس زبردستی کھلایا تھا رات بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اس کے بعد ڈرائیور میڈیسن لے آیا تھا انہوں نے خود میڈیسن کھلائی تھیں۔ بخار اور صدمے نے شہوار کو بری طرح نڈھال کردیا تھا۔

مصطفیٰ دوبارہ کمرے میں آیا تو ماں جی اور بھابی کمرے سے جاچکی تھیں اور شہوار لیٹی ہوئی تھی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے سے نقاہت اور کمزوری صاف عیاں تھی میڈیسن لے کر وہ سو رہی تھی شاید۔ مصطفیٰ نے الماری سے اپنا ڈریس نکالا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

وہ خاموشی سے تیار ہوا اور اپنا لیپ ٹاپ لینے وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا تو ایک پل کو شہوار کو دیکھ کر رک گیا تھا۔ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔

رات وہ جس طرح شدت سے روئی تھی مصطفیٰ کے اندر تمام تر ناراضی ختم ہوچکی تھی مصطفیٰ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ہلکے ہلکے پسینے کے قطرے تھے بخار میں کمی ہوچکی تھی مگر ابھی بھی برقرار تھا۔ یقیناً میڈیسن کا اثر تھا۔ مصطفیٰ ایک دم

مطمئن ہوا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تو ماں جی اسے دیکھ کر رکیں وہ بھی کمرے میں ہی آ رہی تھیں۔

''آفس جا رہے ہو؟''

''جی۔''

''احتیاط سے جانا، ڈرائیور چھوڑ آئے گا اور گارڈ کو ساتھ رکھنا۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

شاہزیب صاحب کی طرف سے یہ سخت ہدایات تھیں کہ وہ خود ڈرائیو نہیں کرے گا اور گارڈ ساتھ ضرور ہوگا۔

''آپ ٹینشن نہ لیں ان شاء اللہ اب کچھ نہیں ہوگا، ایک بار ہماری بے خبری میں ہم پر حملہ ہوا ہے۔ یقیناً دشمن دوسری بار ایسی حرکت نہیں کرے گا۔'' مسکرا کر کہا۔

''اللہ اپنی امان میں رکھے، اتنا بڑا حادثہ ہوا میں تو ابھی تک اس سے ہی سنبھل نہیں پائی، دھیان سے رہنا۔''

''جی ضرور۔'' مصطفیٰ مسکرا کر باہر نکل آیا تھا بابا نے گارڈ کو گاڑی نکالنے کا کہا۔

وہ پہلے اسپتال گیا۔ ڈاکٹر سے بازو اور کندھے کا ٹریٹمنٹ کرایا تھا بازو بہتر تھا مگر کندھے کا زخم ٹھیک ہونے میں کچھ دن لگنے تھے۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ آفس آ گیا تھا وہاں بہت سارے امور اس کی توجہ کے طالب تھے۔ وہ ان میں لگ گیا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کچھ فرصت ملی تو گھر سے ساتھ لائے کچھ اہم کاغذات وہ دیکھنے لگا۔ تبھی کسی ضرورت کے تحت اس نے والٹ کھولا تھا اور ایک پل کو رکا تھا۔ تابندہ بوا سے اس نے ایک آئی ڈی کارڈ لیا تھا جو اس نے اپنے والٹ میں رکھ لیا تھا۔ گولیاں لگنے تک والٹ اس کے پاس تھا۔ پھر اس کی تمام اشیا شاہزیب صاحب کے پاس چلی گئی تھیں، جو گھر واپسی پر مل گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے کارڈ دیکھا اور پھر کچھ پل سوچا۔ کارڈ واپس والٹ میں رکھتے اس نے جلدی سے تمام کاغذات سمیٹ کر لاکر میں رکھتے گھنٹی بجائی تھی۔ کانسٹیبل فوراً چلا آیا تھا۔ ڈرائیور کو گاڑی ریڈی کرنے کا کہو۔

''کوئی پوچھے تو کہنا صاحب ضروری کام سے گئے ہیں۔'' کانسٹیبل سلام کر کے چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ نے چند جگہوں پر ایک دو ضروری کالز کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا کر وہ خاموشی سے بیٹھ گیا تھا اگلی سیٹ پر گارڈ بھی موجود تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد گاڑی مصطفیٰ کے مطلوبہ ایڈریس پر جا رکی تھی مصطفیٰ نے بغور علاقے کو دیکھا۔ علاقہ جدید اور ایڈوانس رہائشی گھروں پر مشتمل تھا۔ ان کو مطلوبہ مکان پر پہنچنے میں کچھ وقت لگا تھا مگر جیسے ہی آئی ڈی کارڈ پر لکھے ایڈریس کے سامنے گاڑی رکی تو مصطفیٰ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا گارڈ کو باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ گھر کے گیٹ پر بیل دی تھی کچھ دیر بعد ایک خوش پوش ضعیف عمر کا شخص برآمد ہوا تھا۔

''جی فرمائیے۔'' بوڑھے نے سر سے پاؤں تک مصطفیٰ اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی کو دیکھا تھا۔

''سکندر احمد ولد سبحان احمد کا گھر یہی ہے۔'' اس نے مصافحہ کرنے کے بعد براہ راست پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' بزرگ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو پھر یہ کس کا گھر ہے؟'' مصطفیٰ نے نیم پلیٹ کو دیکھا جہاں فیاض لکھا ہوا تھا۔

''یہ تو ہمارا گھر ہے۔ فیاض میرے بیٹے کا نام ہے۔''

''آپ کب سے یہاں ہیں؟'' مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

''مجھے سکندر احمد ولد سبحان احمد سے ملنا ہے یہ ان کا آئی ڈی کارڈ ہے اور یہ ان کا ایڈریس ان سے ایک کام تھا سو اسی



لیے حاضر ہوا تھا۔'' سکندر صاحب تو کب کے وفات پا چکے تھے وہ جانتا تھا مگر یونہی بوڑھے کو ٹالنے کو اس نے کہہ دیا اور کارڈ بھی دکھایا۔

''دیکھیں ہم نے دو سال پہلے یہ گھر کرائے پر لیا تھا ہمیں نہیں پتا اس سے پہلے یہاں کون لوگ رہائش پذیر تھے۔'' بزرگ نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''ہو سکتا ہے مالک مکان کا نام سکندر وغیرہ ہو۔''

''نہیں ان کا نام تو کچھ اور ہے اصل میں وہ لوگ پاکستان میں نہیں رہتے۔ یہ گھر ان کے کچھ رشتہ داروں کی ذمہ داری میں ہے انہی کے توسط سے ہم یہاں پر رینٹ پر آئے تھے۔'' بزرگ نے تفصیلاً بتایا۔

''جی بہتر ہے۔ کیا مجھے ان رشتہ داروں یا مکان مالکان کا کونٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے۔''

''مجھے زبانی تو یاد نہیں مگر اندر کسی سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔'' بزرگ کہہ کر واپس اندر چلے گئے تھے مصطفیٰ خاموشی سے وہاں کھڑا رہا۔ ماں جی سے سکندر صاحب کے بارے میں جان کر اور تمام تفصیل سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

شہوار ایک عرصے سے اپنی شناخت اور نجانے کیا کیا کہتی رہی تھی مگر ہمیشہ سے اس کے لیے ان باتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی مگر رات جس طرح تابندہ بی کے بارے میں انکشاف سنا تھا اور اس سے بڑھ کر شہوار کی وہ حالت مصطفیٰ نے ایک دم فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تابندہ بوا کے اس طرح منظر سے غائب ہو جانے پر اب مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں کوئی چیز مس ہے۔ وہ صرف اس گمان میں یہاں تک آیا تھا کہ شاید تابندہ بوا یہاں آئی ہوں۔ بزرگ اندر سے واپس آ گئے تھے۔

انہوں نے ایک چٹ مصطفیٰ کی طرف بڑھائی تھی۔

''مالکان کا تو ہمیں نہیں پتا۔ لیکن جن کی ذمہ داری پر یہ گھر ہے ان کا یہ ایڈریس ہے ہر ماہ کرایہ لینے آتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے چٹ تھام لی تھی۔

''شکریہ بہت بہت۔''

''ایک اور سوال پوچھوں گا؟'' مصطفیٰ نے کہا تو بزرگ نے سوالیہ دیکھا۔

''یہاں چند دن پہلے تابندہ نامی کوئی خاتون آئی تھیں۔''

''تابندہ۔'' بزرگ نے سوچنے کی کوشش کی تھی اور پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''نہیں یہاں اس نام کی کوئی خاتون نہیں آئیں۔'' مصطفیٰ نے سر ہلا دیا اور مسکرا کر ایک بار پھر بزرگوار کا شکریہ ادا کرتے وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

❀……❀……❀

وہ آفس میں تھی اپنے کیبن میں بیٹھی کوئی فائل دیکھ رہی تھی۔ جب وہاں ماموں کے ساتھ بھابی کو آتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''آپ دونوں ادھر؟'' آفس بوائے ان کو اس تک پہنچا کر پلٹ گیا تھا۔

''ہاں ابوبکر نے ایک فلیٹ پسند کیا ہے وہ دکھانا چاہ رہا تھا ہم نے سوچا رستے میں تمہیں بھی لے لیتے ہیں۔'' بھابی نے بتایا تو اسے حیرانی ہوئی۔

''آپ دونوں بیٹھیں تو۔'' وہ پہلی بار اس کے آفس میں آئے تھے وہ تو خوش ہو رہی تھی۔ سائیڈ پر رکھی کرسیوں کی

طرف اشارہ کیا تھا۔

''ابوبکر گاڑی رینٹ پر لے کر آیا ہے تم اپنے باس سے چھٹی لے لو تو چلتے ہیں۔'' ماموں نے کہا تو اس نے جلدی جلدی اردگرد بکھرے کاغذات سمیٹے۔

''وہ باہر گاڑی میں ہی ہیں کیا، ان کو بھی اندر لے آتے؟'' اس نے بھابی سے کہا وہ مسکرادی۔

''میں بس یہ کام سمیٹ لوں، عباس صاحب کو ارجنٹلی چاہیے۔'' وہ جلدی جلدی کمپیوٹر پر انگلیاں چلانے لگی تھی اس دوران آفس بوائے کو کہہ کر ان کے لیے کچھ لانے کو کہا تھا۔ اور کچھ دیر بعد وہ ان کو کولڈ ڈرنک تھما گیا تھا اس نے جلدی جلدی کاغذات کا پرنٹ نکال کر فائل بنائی تھی۔

''میں عباس صاحب سے بات کر کے آتی ہوں آپ ویٹ کریں۔'' وہ فائل لے کر عباس صاحب کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''سر مجھے چھٹی چاہیے۔'' عباس نے جیسے ہی اس کے ہاتھ سے فائل تھامی تھی اس نے فوراً کہا تھا۔

''خیریت؟'' فائل ٹیبل پر رکھتے عباس نے پوچھا۔

''جی، بس ایک ضروری کام ہے کہیں جانا تھا۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ فائل تو بہت ضروری تھی آج ہی تمام جگہوں پر اس کی ایک ایک کاپیز ارسال کرنی ہیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا۔

''بٹ سر مجھے انفارم کیے بغیر ماموں اور بھابی لینے آ گئے ہیں اتنا لمبا چوڑا کام نہیں ہے میں واپسی پر آ کر کرلوں گی۔ مجھے بس تھوڑی دیر کے لیے جانا ہے۔'' اس نے کہا تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اور نجانے کیوں مصطفیٰ کی بارات والے دن واپسی پر وہ نگاہ کو بہت خاص لگی تھی اور تب سے بالکل اچانک نگاہ بھٹکنے لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی نظر باز شخص تھا۔ مگر اس لڑکی میں ہی شاید کچھ خاص بات تھی جو وہ اپنی تمام تر سادگی اور احتیاط کے باوجود اپنی تمام تر توجہ اپنی طرف کھینچنے لگ گئی تھی۔

''اوکے، مس ہادیہ کو بھیج دیں میں ان کو بریف کردوں گا وہ کور کرلیں گی آپ ریلیکس ہو کر جائیں۔''

''آپ اپنا کام نبٹا کر آرام وسکون سے گھر جاسکتی ہیں مس ہادیہ کرلیں گی۔'' عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک دم خوش ہوگئی تھی۔

''ویسے آپ نے اپنے ماموں سے ملوایا ہی نہیں آپ ان کو ادھر آفس میں ہی لے آتیں۔'' عباس نے مزید کہا۔

''وہ ذرا جلدی میں ہیں تو......'' اس نے فوراً کہا۔

''آپ کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی بہت ہی نائس انسان ہیں مجھے تو ان کی بات چیت اور رکھ رکھاؤ نے بہت متاثر کیا تھا۔'' سر عباس کے منہ سے ماموں کی تعریف سن کر وہ ایک دم خوش ہوئی تھی۔

''اگر آپ ملنا چاہتے ہیں تو میں ان کو یہیں بلوالیتی ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''نہیں میں بابا کے کمرے میں جارہا ہوں ان سے بھی ملتا ہوں ویسے بھی وہ ہمارے بزرگ ہیں اور اچھا نہیں لگتا کہ وہ خود چل کر یہاں آ کر مجھ سے ملیں بھلے میں آپ کا باس ہوں۔'' عباس مسکرا کر کہتا اپنی سیٹ سے کھڑا ہوگیا تھا اس نے اس کی فائل بھی اٹھالی تھی۔

''اور وہ ہادیہ سے بات۔''

وہ میں خود کہہ دوں گا۔'' وہ ایک دم ریلیکس ہوئی تھی۔ وہ سر عباس کے ہمراہ روم سے نکلی تھی۔



## عفت سلطان

میرا نام عفت سلطان ہے، میری عمر 26 سال ہے، راولپنڈی میں رہتی ہوں، میرا پسندیدہ لباس شلوار قمیص ہے۔ ہم ذات کے جٹ ہیں، ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ میرا پسندیدہ رنگ گرے ہے، مجھے ان لوگوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے اور ان لوگوں سے جو اپنی تعریف خود کرتے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ہر حال میں خود پر قابو رکھتی ہوں اور خامی یہ ہے کہ ہر مسئلے پر بے تحاشا سوچتی ہوں۔ امید ہے آپ کو میرا تعارف پسند آئے گا، شکریہ۔

''سر آپ کے بھائی اب ٹھیک ہیں؟'' یونہی چلتے چلتے اس نے پوچھا تو عباس نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ عباس کے ہمراہ اپنے کیبن کی طرف آئی تھی۔

ماموں اور بھابی سر عباس کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہوگئے تھے۔

''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' ماموں سے ہاتھ ملاتے عباس نے گرم جوشی سے پوچھا۔

''وعلیکم السلام، اللہ کا کرم ہے آپ کیسے ہو بیٹا، رابعہ سے آپ کے بھائی کے حادثے کا سنا تھا وہ اب ٹھیک ہیں؟'' جواباً ماموں نے بھی خلوص سے پوچھا۔

''جی الحمدللہ مصطفیٰ بہت بہتر ہے اب تو آفس بھی جارہا ہے۔ آیئے آپ کو بابا جان سے بھی ملواتا ہوں۔'' بھابی کو سلام کرتے وہ ماموں سے کہہ رہا تھا۔

''نہیں بیٹا! اس وقت کچھ ضروری کام سے جانا ہے ان شاء اللہ پھر ضرور ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔'' ماموں نے کہا۔

''ویسے بھی رابعہ بی بی شاہزیب صاحب کی بہت تعریفیں کرتی ہے۔'' عباس نے مسکرا کر دیکھا۔

''یعنی صرف بابا کی تعریفیں کی جاتی ہیں ہمارا کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔'' انداز پر مزاح تھا ماموں مسکرادیے۔

''چلیں پھر بیٹا جی پھر ملاقات ہوگی چلتے ہیں۔'' ماموں نے پھر ہاتھ ملایا تو وہ ان دونوں کے ہمراہ چلتی باہر آ گئی تھی۔ ابوبکر موجود تھا۔

ابوبکر نے جو فلیٹ منتخب کیا تھا بہت اچھا تھا سیکنڈ فلور پر تھا۔ تین بیڈروم ایک کچن اور لاؤنج تھا۔ سبھی کو فلیٹ پسند آیا تھا۔ ماموں کے مشورے پر وہ ماموں کے ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ مل کر اسپورٹس کا کاروبار شروع کررہا تھا۔ ماموں اور امی اس رشتے سے بہت خوش تھے۔ سو وہ بھی مطمئن تھی۔

فلیٹ دیکھ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو رابعہ کو ایک دم چونکنا پڑا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی عادلہ اسے دیکھ کر تنفر سے رکی تھی۔ ماموں اور ابوبکر اوپر ہی تھے وہ ایک دم رک گئی تھی۔

عادلہ ایک بار ان کے گھر آ چکی ہوتی تو وہ بھی تنفر سے دیکھ کر گزر جاتی مگر مشکل یہ تھی کہ بھابی ساتھ تھیں وہ بھی عادلہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گئی تھیں۔

''ارے رابعہ دیکھو تمہارے سر کی وائف۔'' بھابی نے کہا تو رابعہ نے لب بھینچ لیے۔

''اومس رابعہ، کیسی ہیں آپ؟'' عادلہ نے پاس آ کر طنز سے کہا تھا۔ رابعہ نے تنفر سے رخ بدلا۔

''چلیں بھابی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تو بھابی الجھ گئی تھیں۔ رابعہ اپنے باس کی بیوی کو نظر انداز کر کے جارہی تھی۔

''رکو۔'' عادلہ رابعہ کے اس انداز پر ایک دم غصے سے پکار رہی تھی۔ رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ عادلہ سیڑھیاں پھلانگتی

واپس اس تک آئی تھی۔

"تم سمجھتی ہو عباس جیسے مرد کو سب بتا کر تم میری پہنچ سے دور نکل جاؤ گی یہ مت بھولو وہ کلپس ابھی بھی میرے پاس ہیں اور تم تصور نہیں کرسکتی میں کس حد تک جاسکتی ہوں۔"

"میں تم جیسی عورت کے منہ نہیں لگنا چاہتی، جو کر سکتی ہو کرلو میں تم جیسی دو نمبر عورت سے ڈرتی نہیں ہوں۔" عادلہ کے آگ اگلتے لہجے پر اس نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔

"اوہ یو شٹ اپ۔" وہ چیخی تھی۔

تبھی ماموں کے ساتھ ابوبکر بھی وہاں تک چلا آیا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" ابوبکر تو عادلہ کو دیکھ کر فوراً ٹھٹکا تھا ماموں نے عادلہ کو کہا۔

عادلہ نے ایک قہر بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی اور پھر کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔ رابعہ نے سر جھٹکتے باقی سیڑھیاں بھی تیزی سے طے کرگئی تھیں۔

"کیا بات ہے رابعہ وہ تو تمہارے باس کی وائف تھی نا۔" بھابی اس کے پاس آ گئی تھیں انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"یس وہ باس کی وائف ضرور تھی مگر دونوں میں علیحدگی ہوگئی ہے۔"

"اوہ۔" ماموں اور ابوبکر بھی آ گئے تھے۔

"تو تم سے کیوں الجھ رہی تھی۔"

"دماغ خراب ہوچکا ہے اس عورت کا باس کے آفس میں کام کرتی ہوں تو اس بات پر دشمنی نکال رہی ہے۔" بمشکل خود پر ضبط کرتے اس نے کہا۔ ماموں نے خاموشی سے بات سنی تھی۔

"عجیب عورت ہے جا کر اپنے شوہر سے بات کرے تم پر کیوں زور چلا رہی تھی۔" بھابی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"چھوڑیں بھابی ہوتی ہیں دنیا میں ایسی عورتیں بھی۔" ابوبکر نے اسے مشکل میں دیکھ کر بھابی کو ٹالا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

واپسی کے سفر میں رابعہ کے اندر عجیب و غریب سی توڑ پھوڑ شروع ہوگئی تھی۔ یہ عورت اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا عذاب لگ رہی تھی۔ وہ لب بھینچے باقی کا سارا رستہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔

❀.....❀.....❀

شہوار بیمار تھی انا کو کالج جا کر اسے نہ پا کر فون کرنے پر علم ہوا تھا۔ وہ سارا وقت مصروف رہی تھی واپسی پر ڈرائیور لینے آیا تو اس نے سوچا رستے سے شہوار کے ہاں بھی چکر لگائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے ڈرائیور کو رستے سے کسی فلاور شاپ سے بکے لینے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک شاپ کے سامنے گاڑی روکی تو گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی۔

"انا۔" وہ اپنی پسند کا بکے بنوا رہی تھی جب اپنا نام پکارنے پر چونک کر پلٹی تو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے سامنے کاشفہ کھڑی تھی۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی انا کے زاویے کشیدہ ہوئے۔

اس لڑکی کی وجہ سے اس کے اور ولید کے درمیان تعلقات خراب ہورہے تھے۔ وہ اچھی بھلی گزشتہ تمام سوچوں کو بھلا کر ولید کو قبول کرچکی تھی۔ مگر اب ایک بار پھر یہ لڑکی ایک طوفان بن کر اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔

"جی کہیے۔"



غزل

بہت افسردہ لگتے ہیں مجھے اب یار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں، لب و رخسار کے قصے
یہاں سب کے مقدر میں فقط زخم جدائی ہے
سبھی جھوٹے فسانے ہیں وصل یار کے قصے
بھلا عشق و محبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں میں اخبار کے قصے
میرے احباب کہتے ہیں یہی، ایک عیب ہے مجھ میں
سر دیوار لکھتا ہوں پس دیوار کے قصے
میں اس لیے لوگوں سے جاکر خود نہیں ملتا
وہی بے کار کی باتیں وہی بے کار کے قصے

لیلیٰ شاہ...... چک سادہ، گجرات

"ادھر نہیں، سامنے ہوٹل ہے، ہم وہاں کچھ دیر بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"ایم سوری۔ مجھے کہیں جانا ہے آپ نے جو بھی کہنا ہے وہ ولی سے کہہ دیجیے گا وہ مجھے بتادیں گے۔" انا نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں تم تھوڑی دیر میری بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔" اب کے کاشفہ نے قدرے تیزی سے کہا۔

وہ مسلسل انا کے پیچھے رہی تھی مگر انا نے اس کے الفاظ سن کر ناپسندیدگی سے دیکھا۔

"مجھے کہیں جانا ہے ایم سوری میں کہیں نہیں چل سکتی۔ جو بھی کہنا ہوا سے ہی کہہ دینا میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ناگواریت سے گھڑی دیکھتے انا نے کہا تو کاشفہ نے انا کو دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں جلتے شعلوں کی لپک تھی۔

"اوکے تم اپنا سیل نمبر دے دو تو میں تم سے کانٹیکٹ کرلوں گی۔"

"بٹ وائے؟" انا حقیقتاً الجھ گئی تھی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ ابھی کہہ دیں جو کہنا ہے۔" اس نے اب کے کافی ناگواری سے کہا تھا۔

"بات طویل ہے لیکن تمہارے پاس وقت نہیں ہوگا۔" کاشفہ نے تیکھے انداز میں کہا۔

"اوکے ولی کا نمبر آپ کے پاس ہوگا ان سے میرا نمبر لے لیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایکسیوزمی۔" وہ پلٹی تھی شاپ کیپر کو پے منٹ کر کے اس نے بکے لے لیا تھا۔

"سنو۔" وہ شاپ سے باہر نکلی تو کاشفہ پھر ایک دم اس کے رستے میں آ گئی تھی۔ انا نے بہت تیکھے انداز سے اسے دیکھا تھا۔

"تم ولید اور میرے درمیان سے ہٹ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا ورنہ تم جانتی نہیں ہو کہ میں کیا کرسکتی ہوں۔"

انا نے کاشفہ کے الفاظ پر ایک دم متوحش ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پتھریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟" انا ایک دم سنبھل کر نفرت سے بولی۔

"نہیں اپنے لفظوں میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔" کاشفہ کے انداز میں بے حسی اور نفرت تھی۔ انا نے اسے دیکھا وہ جامد و سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ولید کسی کی جاگیر نہیں کہ تم زبردستی چھین جھپٹ لو، وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔" انا نے ایک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھ سے ہی محبت کرتا ہے اور پھر بہت جلد وہ تمہیں چھوڑ دے گا دیکھ لینا، تم سے تو وہ محض اپنی بہن کی خاطر تعلق نبھا رہا ہے۔" انا کو لگا وہ زمین بوس ہونے والی ہے۔ کاشفہ کے الفاظ نے اس کے اندر زلزلوں کی سی کیفیت پیدا کر ڈالی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" انا نے کپکپاتے الفاظ و لہجے میں کہا تھا۔ کاشفہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

"تم غلط فہمی کا شکار رہنا چاہتی ہو تو بے شک رہو، ولید اور میری دوستی اس نہج پر ہے کہ میں اس کی خاطر خودکشی تک کر سکتی ہوں۔" کاشفہ نے کہا تو انا چونکی۔

چند دن قبل ولید نے کہا تھا اس نے اس کی خاطر خودکشی کر لی ہے مگر وہ بچ گئی تھی ولید تو کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

"ولید تم سے محبت نہیں کرتا وہ صرف مجھ سے محبت کرتا ہے مگر اپنی بہن کی خاطر تمہیں اپنا رہا ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ جو چیز مجھے نہیں ملتی میں اسے اس قابل بھی نہیں رہنے دیتی کہ کوئی دوسرا اسے استعمال کر سکے۔ یہ تو پھر ایک جیتا جاگتا وجود ہے۔" انا گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

"بہتر ہو گا کہ تم میرے اور ولید کے درمیان سے خود ہی نکل جاؤ، وہ تم سے محبت تو کرتا نہیں خواہ مخواہ خود کو ذلیل کیوں کروا رہی ہو۔" کاشفہ اسے کہہ کر مسکرائی تھی۔ استہزائیہ اور طنزیہ ہنسی۔

انا کو لگا وہ گونگی بہری ہو گئی ہے۔ اسے لگا کہ کاشفہ کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔

"نہیں ولید ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے کہنا چاہا مگر آواز حلق میں پھنس گئی۔

وہ اتنی احمق نہ تھی کہ اس لڑکی کی باتوں میں آ جاتی مگر اس کے پاس ولید کی طرف سے کبھی محبت یا پسندیدگی کا کوئی لمحہ بھی تو نہ تھا کہ اس کی محبت ایک فخر اور مان سے اس کے وجود میں جھوم اٹھتی۔

"ولید ایسا کر چکا ہے اور عنقریب تمہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائے گا۔" وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

"میرا خیال ہے تم میری باتوں کو اچھی طرح سوچو گی اور ہاں میری باتوں کی تصدیق ولید سے بھی کر سکتی ہو۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ انا کو لگا وہ پتھر کا بت بن گئی ہو۔ وہ بڑے لرزتے کانپتے قدموں سے گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔

"انا بی بی اب کدھر جانا ہے۔" ڈرائیور پوچھ رہا تھا وہ چونکی تھی۔

"گھر چلو۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"مگر آپ تو اپنی دوست کے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں۔"

"کہا نا گھر چلو۔" اس نے تلخی سے کہا تو ڈرائیور نے ایک دم سر ہلا کر گاڑی کا رخ موڑ لیا تھا۔

❀......❀......❀

وہ آج بہت دن بعد ایاز سے ملنے آئے تھے۔ ایاز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر ایک دم خفا ہوا۔



## غزل

تُو سجود و قیام کے پیچھے
اور میں ہوں امام کے پیچھے
جام کوثر کو آشکار کر
کون مخفی ہے جام کے پیچھے
سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تو
کیا ہے مقام کے پیچھے
کون ہے لا سے لا لہٗ تک
کون ہے اس کلام کے پیچھے
کیا دکھاتا ہے روشنی دے کر
کیا چھپاتا ہے شام کے پیچھے
لفظ "کُن" سے جہاں بنا ڈالا
بھید کیا تھا تمام کے پیچھے
کھیل کیسا رچا دیا تُو نے
روزِ محشر کے نام کے پیچھے
میم سے پہلے مر گیا امجد
جب چلا الف لام کے پیچھے

(امجد بخاری)

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... سیالکوٹ

"ڈیڈ کہاں عذاب میں پھنسا دیا ہے آپ نے مجھے، میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس سارے سلسلے میں، میں اب یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا پلیز مجھے یہاں سے باہر نکلوائیں۔"

"میں نے تمہارے پیپرز تیار کرا دیے ہیں پاسپورٹ بھی نیا بنوا دیا ہے جیسے ہی سیٹ کنفرم ہوتی ہے تمہیں بتا دوں گا تمہاری شناخت یہاں تک کہ ہر چیز بدل دی گئی ہے۔ بہت کیئر فل ہو کر تمہیں رہنا پڑے گا۔ میں نہیں چاہتا عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہو۔" ڈیڈ کے الفاظ پر وہ ایک دم پرسکون ہوا تھا۔

"اوہ......"

"گھر میں سب کیسے ہیں، مام...... کاشی اور عادلہ؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"عادلہ کا کچھ پتا چلا؟"

"ہاں کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا تھا اور پھر چھوڑ بھی دیا تھا میں تو بہت پریشان تھا کہ اس کے سسرال والوں نے ہنگامہ کھڑا کر دینا ہے مگر بچت رہی ان لوگوں کو شاید علم نہیں ہو سکا اور اس سے پہلے ہی عادلہ واپس بھی آ گئی۔"

"کن لوگوں نے اغوا کیا تھا اسے؟"

"پتا نہیں چل سکا اس کو کسی نے اسپتال پہنچا کر ہمیں اطلاع کی تھی اور گاڑی ہمیں شہر سے باہر ملی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک

حالت میں تھی عادلہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں تو ابھی تک اس اغوا پر الجھا ہوا ہوں آخر کیا مقصد تھا۔ ان لوگوں کا کوئی ڈیمانڈ اور نہ ہی کوئی نقصان ہوا۔''

''اوہ...... انٹرسٹنگ سچویشن ہے۔'' ایاز نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''میں آج کل کاشفہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' ایاز نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایک لڑکا ہے ولید تم شاید اسے جانتے ہو۔'' ایاز نے سر ہلایا۔

''وہی جس نے کاشی کی جان بچائی تھی۔''

''ہاں وہی، وہ اس میں بہت زیادہ انوالو ہو چکی ہے جبکہ اس کی منگنی ہو گئی ہے۔ جس پر کاشی نے اس لڑکے سے بات کی لڑکے نے کاشی کو انکار کر دیا تو اس نے سوسائیڈ کر لی، لڑکے کو کال کی اس نے مجھے کال کی بمشکل کاشی کو بچا سکے ہیں ہم اب کاشی پر ایک ہی دھن ہے کہ وہ ہر حال میں اس لڑکے کو پانا چاہتی ہے۔''

''اوہ آئی سی۔ تو پھر آپ اس لڑکے سے بات کریں اسے سمجھائیں کہ وہ کاشی سے شادی کر لے، اچھا لڑکا ہے وہ سب سے بڑھ کر شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔'' ایاز نے سہولت سے مشورہ دیا۔

''ہاں بات تو کر لوں مگر مجھے وہ لڑکا اس سارے معاملے میں انوالو نہیں لگ رہا میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں اور ہر بار میں نے اندازہ لگایا وہ کاشی میں انوالو نہیں یہ کاشی کی یک طرفہ فیلنگز ہیں۔ پھر اب وہ لڑکا انگیجڈ ہے وہ کسی طور پر نہیں مانے گا۔ ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں بھی بہت فرق ہے امپاسبل ہے یہ سب۔'' ایاز خاموش ہی رہا۔

''خیر چھوڑو اس بات کو، تمہیں ایک خبر دینی تھی۔''

''کیسی خبر؟''

''مصطفیٰ کو اس کی بارات والے دن واپسی پر کچھ انجان لوگ گولیاں مار کر چلے گئے تھے وہ بمشکل بچا تھا اور ان لوگوں کا شک تم پر ہے پولیس پورے زور و شور سے تمہیں تلاش کر رہی ہے اور تمہارے تمام دوستوں پر کڑی نظر ہے تمہارا دوست شہزاد بھی دوبئی چلا گیا ہے ان لوگوں کا شک اور پختہ ہو گیا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب بتا رہے تھے جبکہ ایاز ہلکا سا مسکرایا۔

''تلاش کرنے دیں ہمیں کیا میں کون سا ان لوگوں کے ہاتھ آنے والا ہوں۔''

''جو بھی ہے جس نے بھی گولیاں ماریں اب شک تو تم پر ہے نا، اسی لیے میں نہیں آ رہا تھا۔'' ایاز نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کو گولیاں مارنے والا واقعہ تو اس نے اپنے باپ کو بھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس کا بتانے کا ارادہ تھا۔

''اب تم کو بہت احتیاط سے رہنا ہوگا۔ جب تک سیٹ کنفرم نہیں ہو جاتی میں تمہیں یہاں سے قطعی نہیں نکال سکتا جیسے ہی سیٹ اوکے ہو گی میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''اوکے لیکن ذرا جلدی کیجیے گا مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں کسی قید خانے میں بند ہوں۔'' اس نے نخوت سے کہا تھا عبدالقیوم نے سر ہلا دیا تھا۔

❁......❁......❁

مصطفیٰ کی آفیسرز کے ساتھ میٹنگ تھی فارغ ہوتے ہوتے بھی رات کے دس بج گئے تھے امجد ساتھ ہی تھا وہ خود اسے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو پہلی نگاہ بستر پر لیٹے وجود پر پڑی تھی وہ شاید سوئی ہوئی تھی اس نے ایک نظر ڈالی اور ہاتھ



## شمیم تبسم

آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا پیار بھرا اسلام قبول ہو مجھے شمیم تبسم کہتے ہیں میرا تعلق ضلع قصور کے گاؤں عثمان والہ سے ہے۔ 5 جولائی کو اس دنیا میں تشریف لائی اسٹار سرطان ہے جس کی خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں سب مجھ سے بڑے ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ میرا آخری نمبر ہے یعنی سب سے چھوٹی اور گھر والوں کی لاڈلی ہوں۔ میں اپنی ماں کے بہت زیادہ قریب ہوں اللہ ان کو صحت تندرستی دے۔ مجھے اپنے بھتیجوں اور بھانجوں سے بہت پیار ہے خاص طور پر عامرہ سے یہ میری فیورٹ بھتیجی ہے۔ میں ایم اے کر رہی ہوں شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ کھانے میں مچھلی اور بریانی پسند ہے اور چائے تو میری فیورٹ ہے اس کے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ رنگوں میں سفید اور گلابی پسند ہے آنچل کا ہر سلسلہ بہت پسند ہے اسٹوریز کی کیا بات ہے رائٹرز میں سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی اور عمیرہ احمد فیورٹ ہیں۔ میری دو دوست ہیں جن میں سعدیہ کی شادی ہو چکی ہے اور دوسری عائشہ ہے جو بہت اچھی ہے۔ اللہ اس کو خوش و خرم رکھے۔ تنہائی پسند ہوں اور بہت زیادہ حساس ہوں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ غصہ بھی بہت جلد آ جاتا ہے لیکن جلدی ختم ہو جاتا ہے جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان سے شدید نفرت ہے۔ اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

میں تھامی تمام اشیاء ایک طرف ٹیبل پر رکھ دی اور آہستگی سے چلتا ہوا وہ شہوار کی طرف آیا تھا۔ بلینکٹ اوڑھ کر وہ کروٹ سے سوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر بازو تھا وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حرارت چیک کرنا چاہیے۔ ٹمپریچر نارمل ہی تھا وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔

اس کے پاس سے ہٹ کر وہ الماری سے اپنا لباس لے کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ ابھی وہ چینج اور فریش ہو کر باہر نکلا ہی تھا کہ ماں جی دستک دے کر وہاں چلی آئی تھیں۔

''بڑا لیٹ آئے تم؟'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا تو مسکرا کر پلٹا۔

''بس ایمرجنسی آفیسرز سے میٹنگ تھی۔''

''کھانا یہیں کھاؤ گے یا باہر؟'' باقی بھی کھانا کھا چکے تھے سو انہوں نے پوچھا تھا۔

''یہیں منگوا دیں۔'' ماں جی کو جواب دے کر پھر شہوار کی طرف دیکھا۔

''شہوار کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''بہتر ہے اصل میں صدمے سے نڈھال ہے تابندہ سے بہت محبت کرتی ہے اتنا بڑا ذہنی صدمہ ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی۔'' انہوں نے دکھ سے کہا۔

''ڈاکٹر نے دوبارہ چیک کیا تھا کیا؟''

''ہاں شام میں چیک کر کے گیا تھا کھانا اور میڈیسن کھلائی تھی ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔'' ماں جی کی بات پر مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا۔ ماں جی کھانے کا کہنے باہر نکل گئی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد مصطفیٰ کچھ دیر باہر آ کر بھائیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ واپس اپنے روم میں آیا تھا۔ شہوار ابھی بھی سو رہی تھی۔ مصطفیٰ اپنے ساتھ لائی ہوئی فائلز میں سے ایک اٹھا کر بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ امجد لالہ رخ کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ اب وہ خود اس کیس کو تفصیل سے اسٹڈی کرنا چاہتا تھا۔

''امی......'' مصطفیٰ نے ابھی فائل اوپن کی ہی تھی کہ شہوار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ بالکل کل والی حالت تھی۔ شاید کل کی طرح وہ پھر خواب میں ڈر گئی تھی۔ مصطفیٰ فائل بند کرتے اس کے قریب ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ جو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی مصطفیٰ کی آواز پر فوراً اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دم سرخی چھائی تھی اس نے اپنے سر پر دوپٹہ جمایا تھا۔ شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ آواز میں ابھی بھی نقاہت تھی۔

''بخار اترا؟''

''جی۔''

''گڈ۔'' مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

پچھلے دو دنوں کے درمیان جو کھنچاؤ والی کیفیت اور ماحول تھا وہ ایک دفعہ پھر مصطفیٰ کو یاد آنے لگا تو اس نے سر جھٹکا کہ بہرحال یہ سچ تھا کہ رات شہوار کی حالت اور رونا دیکھ کر اس کے اندر ناراضگی اور خفگی کی جو بھی کیفیت تھی وہ ایک دم زائل ہوگئی تھی۔

''گاؤں سے بوا جی کے متعلق کوئی اطلاع ملی؟'' مصطفیٰ کے سوال پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''رونے اور اس طرح سے ہمت ہارنے سے مسائل حل نہیں ہوتے، ہمت کرنا ہوگی ورنہ صدمے اور ٹینشن سے تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک دم شدت سے روئی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت جس گرداب میں پھنسی ہوئی تھی اس میں سے فی الحال نکالنا بہت مشکل مرحلہ تھا۔

''مرنے والوں پر صبر آجاتا ہے مگر جان بوجھ کر کھو جانے والوں پر دل راضی نہیں ہوتا، میں کیا کروں؟ میرے لیے تو میری اپنی ذات ہی سوالیہ نشان بن چکی ہے۔'' روتے ہوئے اس نے کہا۔ جس طرح وہ اس وقت ذہنی کشیدگی کا شکار تھی ایسے میں اس کے سامنے ہمت کرو، صبر کرو کے الفاظ بے معنی تھے۔

''تو رونے سے بھی تو مسائل حل نہیں ہوتے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا، اس نے مصطفیٰ کو دیکھا مصطفیٰ کا لہجہ نارمل تھا۔ کل والی بے زاری نہ تھی۔

بلکہ آدھی رات میں جس طرح مصطفیٰ نے اس کا خیال رکھا تھا وہ ابھی تک سوچ سوچ کر اپنی رات والی جذباتیت پر نادم ہو رہی تھی۔

''اگر رونے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں تو میں کبھی بھی رونے سے منع نہیں کروں گا۔'' مصطفیٰ کی سنجیدگی پر اس نے بمشکل اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

''مجھے گاؤں جانا ہے۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''کیوں؟'' شہوار خاموش رہی تھی۔

''فرار ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا تابندہ بوا چلی گئی ہیں چلو مان لیتا ہوں کہ یہ ان کی غلطی ہے کہ وہ کچھ بھی بتا کر نہیں گئیں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں وہ کوئی بھی قدم بلا سوچے سمجھے نہیں اٹھا سکتیں ہوسکتا ہے نہ بتا کر جانے کی کوئی سولڈ سا ریزن بھی ہو۔'' مصطفیٰ نے تحمل سے کہا۔

''کیا ریزن ہوسکتا ہے؟'' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہوار کو بغور دیکھا۔ چہرہ سرخی لیے ہوئے تھا آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے اور بھاری ہو رہے تھے ناک علیحدہ سرخ انگارے کی



طرح دہک رہی تھی لباس بھی وہی تھا۔ یعنی آج سارا دن بستر پر رہنے اور رونے کے سوا کوئی کام نہ ہوا تھا۔

''یہ تو اب بوا جی ہی بتا سکتی ہیں۔''

''ویسے میں آج ایک جگہ گیا تھا کوشش کرتا ہوں ایک دو دن میں ان تک رسائی حاصل ہو جائے۔'' اس کی پریشانی دیکھتے مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر دیکھا۔

''کہاں، مطلب کہاں گئے تھے آپ؟''

''سکندر انکل کے آئی ڈی کارڈ پر جو ایڈریس تھا اسی کو تلاش کرنے نکلا تھا۔''

''تو پھر کچھ پتا چلا؟'' اس کے لہجے میں ایک دم بے قراری سمٹ آئی تھی۔

''جس گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا وہاں کچھ لوگ رینٹ پر رہ رہے ہیں اور گھر کے مالکان ملک سے باہر ہیں۔'' شہوار کو لگا جیسے اس کی ساری امیدیں ایک دم ٹوٹ گئی ہیں۔

''مجھے یقین ہے وہ ایسی کسی بھی جگہ پر نہیں گئی ہوں گی جہاں ہمیں شک ہو یا ہم پہنچ سکیں مجھے لگتا ہے وہ اب کبھی بھی واپس نہیں آئیں گی۔'' وہ مایوسی کی انتہا پر تھی۔

''انسان کو کبھی بھی اور کسی بھی عالم میں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ مل جائیں گی میں خود ہر ممکن کوشش کروں گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ پھر سسک اٹھی۔

''اگر انہیں ملنا ہی ہوتا تو کم از کم مجھے تو بتا کر جاتیں وہ مجھ سے سب تعلق توڑ کر گئی ہیں۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

ایک دم اس پر رحم آنے لگا۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ارادہ اس کا ہاتھ تھام کر دلاسہ دینے کا تھا۔ مگر پھر ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

شہوار نے بڑی شدت سے مصطفیٰ کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔ کل جب وہ کمرے میں آئی تھی تو مصطفیٰ کا انداز از حد برگشتہ تھا مگر رات جس طرح وہ پیش آیا تھا اور اب جس طرح نرمی سے مخاطب تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ پچھلی تمام ناراضگی کو بھول چکا ہے مگر اب جس طرح مصطفیٰ نے ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اس کے اندر تابندہ بوا سے ہٹ کر پہلی بار ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

''رونے سے طبیعت مزید خراب ہوگی بہتر ہے پرسکون ہو کر سونے کی کوشش کرو اور ذہن سے فی الحال ہر طرح کی سوچ نکال دو۔'' مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

شہوار خاموشی سے آنکھیں صاف کرتے پھر نیم دراز ہوگئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک پل اسے دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر چکی تھی، اس کی پلکیں ہلکا ہلکا لرز رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے دوبارہ فائل کھولی مگر پھر لگا جیسے موڈ بدل گیا ہے اس نے آہستگی سے اٹھ کر فائلز الماری میں رکھیں اور لائٹ آف کرتے بستر پر آ گیا تھا۔

❀......❀......❀

مصطفیٰ آفس میں تھا جب ولید اس سے ملنے آیا تھا۔ ولید نے مصطفیٰ کو اپنے ہاں انوائٹ کیا تو وہ الجھا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو آفس کے علاوہ اور کہیں جانے کا وقت ہی نہیں مل پا رہا عائشہ کی بھی کالز آئی تھیں چند دن رک جاؤ پھر انوائٹ کر لینا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔

''بابا نے بطور خاص تمہیں انوائٹ کرنے بھیجا ہے بلکہ وہ کہہ رہے تھے کہ رات تم لوگ ڈنر پر آ جاؤ، اگر انکار کرتے ہو تو میں بابا سے بات کرا دیتا ہوں وہ خود ہی تم کو ہینڈل کر لیں گے۔'' ولید نے کہہ کر کال ملا کر مصطفیٰ کو سیل تھما دیا تھا۔

مصطفیٰ پہلے تو ٹالتا رہا مگر پھر ایک دم مانتے ہی بنی۔

''چلو پھر طے ہوا کہ تم لوگ رات ڈنر پر ہماری طرف آ رہے ہو۔'' مصطفیٰ نے بابا سے بات کر کے سیل اسے تھمایا تو ولید نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں انکل کو انکار نہیں کر سکتا۔''

''انکل آنٹی اور باقی سب لوگ بھی انوائٹڈ ہیں سبھی کو لے کر آنا ہے اوکے۔'' ولید جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''اوکے کوشش کروں گا بیٹھو چائے پی کر جانا۔''

''نہیں آفس سے آیا ہوں تم لوگ وقت پر پہنچ جانا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ جیسے ہی اپنے آفس میں آیا تو چونکا کاشفہ اس کے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ولید کی بھنوئیں تن گئی۔

''ہیلو۔'' کاشفہ اسے دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی تھی۔

ولید نے اس پر ایک سرد سی نگاہ ڈالی تھی۔ یہ لڑکی دن بدن اس کی نظروں میں اپنے مقام سے گرتی جا رہی تھی۔

''کیسے ہو؟'' وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو اس نے پوچھا۔

''تم کیوں آئی ہو یہاں؟'' ولید نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم مسلسل مجھے اگنور کر رہے ہو، میری کال تک پک نہیں کر رہے، میں تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہوں، تم ایسا کیوں کر رہے ہو ولید۔'' اس کے سوال پر وہ بھی ایک دم تنفر سے گویا ہوئی تھی۔

''میں نے محض تم سے سلام دعا کا تعلق رکھا تھا رہ گئی دوستی کی بات وہاں بھی میں نے اپنی لمٹس کراس کرنے کی قطعی کوشش نہ کی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرے کسی بھی عمل سے تمہیں شہ ملی ہو۔'' ولید نے سرد انداز میں کہا۔

''ولید میں تمہاری خاطر بالکل بدلنے کو تیار ہوں۔'' وہ عاجزی سے بولی۔

''مگر مجھے تمہارے بدلنے سے کوئی سروکار نہیں۔'' ولید نے کہا تو کاشفہ آنکھوں میں غضب لیے اسے دیکھے گئی۔

''تو تم مجھے انکار کر رہے ہو۔'' وہ ایک دم پھنکاری تھی ولید نے استہزائیہ دیکھا۔

''انکار تو میں بہت پہلے سے کر رہا ہوں تم خود ہی اس حقیقت کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو۔'' ولید کا انداز اب بھی تمسخرانہ تھا۔

کاشفہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی کھڑی ہوئی تھی۔

''ولید یاد رکھنا میں بہت فیئر ہو کر تمہاری طرف بڑھی تھی اس لیے کہ میرے دل نے خود سے پہلی بار کسی مرد کی طلب کی تھی اور میں نے اپنی طلب میں پاگل ہو کر تمہاری خاطر خودکشی کی کوشش تک کر لی کہ شاید تم پگھل جاؤ، لیکن ولید میں اب خود کو ڈی گریڈ نہیں کروں گی۔ اب میں وہ کروں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ ایک عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر اپنی تذلیل نہیں، یاد رکھنا ولید مجھ سے دوستی تو کی تھی تم نے اور اسی دوستی کو میں معاف نہیں کروں گی۔'' وہ نخوت و تنفر سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید نے ازحد اضطراب میں گھرتے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ پھر غم و غصے سے سامنے پڑی فائل اٹھا کر ایک طرف پٹخ دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

غم زندگی سے فرار کیا، یہ سکون کیوں یہ قرار کیا
غم زندگی بھی ہے زندگی، جو نہیں خوشی تو نہیں سہی

جو ہو فیصلہ وہ سنایئے، اسے حشر پر نہ اٹھایئے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی

"تیس ہزار......صرف بجلی کا بل؟" عدیل نے ہاتھ میں پکڑے بل کو ایک نظر حیرانی سے دیکھنے کے بعد اسے دیکھا۔

"آپ تو یوں مجھے دیکھ رہے ہیں جیسے یہ بل واپڈا والوں نے نہیں بلکہ میں نے آپ کو بھیجا ہو۔" وہ عدیل کی چائے میں چینی ملاتے ہوئے ذرا سا مسکرائی۔

"پھر بھی' اتنا بل پہلے تو کبھی نہیں آیا۔ بجلی' گیس' اخبار' کیبل ان سب بلوں نے تو میرا دل ہی ہلا کے رکھ دیا ہے۔"

"آپ تو خوامخواہ پریشان ہورہے ہیں' وہی لگے بندھے اخراجات ہیں جن کی ادائیگی آپ ہر ماہ کرتے ہیں۔ اب ہمارا' بچوں اور بوا جی کو ملا کر کُل تین بیڈ رومز ہیں پھر لائٹ بھی تو استعمال ہوتی ہی ہے ناں۔" وہ اپنا کپ اٹھا کر عدیل کے پہلو میں آ بیٹھی۔

"پھر بھی تم لائٹ کے غیر ضروری استعمال پر نظر رکھا کرو' فالتو میں کوئی بتی نہ جلے۔"

"ارے بیٹا! بتی کیا یہاں تو اے سی' ٹی وی' کمپیوٹر اور نجانے کیا کیا سارا دن بلاوجہ چلتے رہتے ہیں۔" تہہ شدہ کپڑے اٹھائے بوا خدیجہ لاؤنج میں داخل ہوئیں تو عدیل کی ہدایت سن کر کہنے لگیں' فریحہ کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

"تو بوا آپ خیال رکھا کریں' اگر اسی طرح بے دردی سے انرجی ویسٹ ہوتی رہی تو میری جیب کا کباڑ ہوجائے گا۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے عدیل نے خالی کپ گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ یہ بات تو ذہن سے نکال ہی دیں کہ اس گھر میں کسی قسم کی کوئی فضول خرچی ہورہی ہے اور بوا آپ کو خدا موقع دے میرے میاں کے کان بھرنے کا۔" چبا چبا کر بولتے ہوئے اب کے روئے سخن بوا کی طرف مڑا' بوا تو گھبرا گئیں۔

"ارے نہیں دلہن! خدانخواستہ میں کیوں عدیل بیٹے کے کان بھروں گی' میں تو صرف اسے یہ بتا رہی تھی کہ......"

"یہی کہ میں اور میرے بچے سارا دن فضول خرچیاں کرتے رہتے ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے بولی' بوا کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف فریحہ! تم بوا سے کس طرح بات کررہی ہو؟" عدیل نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"بالکل ٹھیک بات کررہی ہوں' یہ صرف آپ کے سامنے نہیں بلکہ ہر آئے گئے کے سامنے میری فضول خرچیوں کے کھاتے کھول کر بیٹھ جاتی ہیں۔" وہ غصے سے بولی۔ بوا نے کپڑے اٹھائے اور بنا کچھ کہے ڈھیلے قدموں سے اندر کمرے میں چل دیں۔

"دیکھا آپ نے' میاں بیوی میں چنگاری بھڑکا کر خود اٹھ کر چل دیں۔" طنز سے بولتے ہوئے فریحہ نے اس کمرے کو دیکھا جس میں ابھی بوا اٹھ کر گئی تھیں۔

"آخر تمہیں پرابلم کیا ہے' کیوں بوا سے الجھتی ہو؟" عدیل کو بھی بالآخر غصہ آ گیا۔

"پرابلم مجھے نہیں انہیں ہے' میرے اور بچوں کے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ آنے جانے پر بھی نظر رکھتی ہیں' ہر بات پر اعتراض۔" وہ منہ بنا کر بولی۔



"پلیز......وہ بزرگ ہیں اور نہیں تو میری ہی وجہ سے ان کا ادب کرلیا کرو۔" عدیل اب کے کچھ نرم پڑا۔

"بہت ہوگیا ادب آداب...... پورے بارہ سال ہوگئے ہیں مجھے انہیں برداشت کرتے کرتے' ہر وقت کفایت شعاری کا لیکچر تیار ہوتا ہے۔" اس نے طنز سے ہنکارہ بھرا۔

"وہ صرف بوا نہیں' میری محسن بھی ہیں۔" عدیل نے اسے کچھ باور کرانا چاہا۔

"جی جی' مجھے سب علم ہے۔ وہ آپ کی محسن ہی نہیں بلکہ ماں باپ کی جگہ ہیں آخر انہوں نے ہی تو آپ کو پالا پوسا ہے' جب آپ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے تو انہوں نے ہی اپنے سایہ شفقت میں آپ کو پناہ دی تھی پھر مجھے بیاہ کر لائیں وغیرہ وغیرہ......مگر اب آپ کے اس ایور گرین الاپ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا' سمجھا دیں آپ بوا کو میرے معاملات میں مداخلت سے گریز ہی کیا کریں۔" قطعیت سے کہتی وہ اٹھ گئی' عدیل نے بے بسی سے سر صوفے کی بیک پر ڈال لیا۔

ایک طرف تو ماں جیسی بوا جنہوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر اسے چاہا تھا محض پانچ سال کی عمر ہی میں اماں' ابا اسے چھوڑ کر دور دنیا میں جا بسے تھے۔ یہ بوا کا وجود ہی تھا جو اس کے لیے ٹھنڈی چھتنار چھاؤں ثابت ہوا تھا مگر فریحہ کو وہ کیسے سمجھا پاتا جس کی بوا سے پرخاش بڑھتی جارہی تھی۔ پچھلے بارہ سالوں میں اس نے بوا اور فریحہ کے درمیان مفاہمت کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر نتیجہ صفر' نہ فریحہ انہیں دل سے عزت دینے پر تیار تھی نہ بوا کو فریحہ کی بے پروائی پر ٹوکنا بھولتا......گھر کا ماحول متاثر نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔

❀......❀......❀

"ہاں یار' کوئی اور نئی تازی۔" بے حد خوشگوار موڈ میں موبائل پر اپنی فرینڈ عروسہ سے بات کرتے ہوئے اس نے پردے سمیٹ کر اکٹھے کیے تھے' دھوپ نے پورے بیڈ روم کو منور کردیا تھا۔

ریموٹ سے ٹی وی آن کر کے وہ صوفے پر نیم دراز ہوگئی' نظریں مارننگ شو کی اینکر پرسن کے ڈریس کا ناقدانہ جائزہ لے رہی تھیں اور کان عروسہ کے ساتھ مصروف تھے۔

"اچھا تمہیں ایک گڈ نیوز سناؤں' مشال کے پاس زبردست لان کلیکشن آئی ہے کیوں نہ کسی دن فری ہو کر چکر لگائیں۔" وہ ایک دم پُرجوش ہو کر بولی' جواب میں عروسہ کی بات خاص واضح سنائی نہ دے سکی کیونکہ باہر لاؤنج سے زور زور کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے الجھ کر دروازے کی سمت دیکھا مگر بند دروازے سے بوا اور ماسی کی ہی آواز آرہی تھی۔ اس نے عروسہ سے پھر بات کرنے کا کہہ کر فون بند کیا اور باہر آ گئی۔

"بی بی جی! دیکھیں ناں' یہ بوا میرے کاکے پر چوری کا الزام لگا رہی ہیں۔" پروین نے اسے دیکھتے ہی دہائی دی۔ پروین کے آٹھ سالہ بیٹے کا کان بوا کے ہاتھ میں تھا' لڑکے کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔

"ارے کاہے کا الزام' بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تیرا بیٹا چور ہے تو خود ہی اسے چوری کی ترغیب دیتی رہتی ہے' بول کم بخت بتا اپنی ماں کو کہ تو نے چپل چوری کیے یا نہیں؟" بوا نے غصے سے کہتے ہوئے لڑکے کی کمر پر مارا تو وہ بلبلا اٹھا۔

"چھوڑیں اسے کیوں پکڑ رکھا ہے۔" فریحہ نے آگے بڑھ کر لڑکے کو بوا کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"ہم بے شک غریب' مزدور لوگ ہیں پر چوری...... اللہ معاف کرے اتنا گندہ کام' توبہ توبہ آپ بی بی جی ہمارا حساب پورا کریں' ہم کوئی اور گھر دیکھ لیں گے۔" پروین مسکینی سے بولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

"ارے جاؤ' ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری' ہمیں بھی ماسیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔" بوا نے ہاتھ نچا کر پروین کو جتایا۔

"تو چلیں ہزاروں میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔" اور اس سے پہلے کہ فریحہ اسے روکتی یا حساب پورا کرتی وہ دروازہ پار کرگئی۔

"بوا! آپ کو کیا ملا معصوم بچے پر چوری کا الزام لگا کر؟"

وہ سخت انداز میں گویا ہوئی۔

"ارے دلہن! الزام کیسا...... میں نے خود اس لڑکے کو گھر کی کئی چیزیں اڑاتے دیکھا ہے۔ میں نے اسے فارس کے جوتے اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔" بوا اطمینان سے بولیں گویا اپنی کارکردگی پر بہت خوش ہوں۔

"تو اب کہاں سے ماسی لائیں گی' آج کل سونخرے کرتی ہیں یہ کام والیاں۔ اگر وہ پرانے جوتے اٹھا ہی رہا تھا تو کون سا لاکھوں کا نقصان ہو جاتا۔"

"ارے ایسے کیسے اٹھانے دیتی' میرا بچہ روزی کی خاطر بیوی بچوں سے دور ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے اس کی خون پسینے کی کمائی یوں آسانی سے اڑانے دیتی۔" بوا چمک کر بولیں' وہ محض ان پر تپتی نگاہ ڈال کر ہی رہ گئی تھی۔

صفائی ادھوری پڑی تھی' فارس اور وریشہ دونوں اسکول جا چکے تھے۔ بوا نے لنچ کے لیے گوشت چڑھا لیا تھا' دونوں ٹائم کھانا اور ناشتا بنانے کی ذمہ داری بوا کی تھی جو وہ برسوں سے نہایت خوش دلی اور احسن طریقے سے سرانجام دیتی آرہی تھیں۔ بچوں کے لنچ باکسز بھی وہی تیار کرتیں' برتن کپڑوں کی دھلائی اور گھر کی صفائی کے لیے پروین تھی جو آج بوا کی وجہ سے کام چھوڑ گئی تھی۔

کچھ دیر بوا کو ان کی مشکوک طبیعت اور بے جا مداخلت پر اونچا سنانے کے بعد راشدہ کا نمبر ملایا تاکہ وہ اپنی ماسی کو کام کے بعد ادھر بھیج دے۔

❁......❁......❁
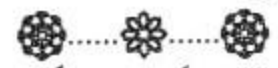
"سچ فریحہ! تم ندیم کی شادی پر گولڈن ساڑھی میں پوری ایشوریا لگ رہی تھیں' گولڈن آنکھیں' براؤن بال' دلہن سے زیادہ تو لوگ تمہیں دیکھ رہے تھے۔" ناظرہ بھابی کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح اس کے لیے بے حد توصیف تھی' وہ مسکرا کر رہ گئی۔

ناظرہ بھابی کی تعریف کچھ غلط بھی نہ تھی' وہ واقعی بے حد خوب صورت تھی۔ اونچا لمبا دبلا پتلا سراپا' شفاف گوری رنگت' ابھی سترھواں سن بمشکل لگا تھا کہ بھائیوں نے عدیل احمد کے سنگ بیاہ دیا۔ وریشہ اور فارس کی آمد نے اس کی دلکشی و رعنائی دوچند ہی کی۔

"ارے بھابی! آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں' تکلف کیوں کر رہی ہیں۔" باتوں کے دوران اس نے لوازمات سے بھری ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے نہیں فری! بہت کچھ لے لیا' بس تم کوئی ایک اچھا سا اپنا ڈریس دکھا دو' مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔"

"جی بھابی! آپ خود ہی اپنی مرضی کا سوٹ نکال لیں۔" وہ ناظرہ بھابی کی بات پر اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور وارڈ روب کھول دی۔ اس کے سارے ہی ملبوسات بے حد اعلیٰ' اسٹائلش اور بے حد مہنگے تھے کیونکہ وہ بہت خوش لباس واقع ہوئی تھی۔ ناظرہ کو انتخاب میں دشواری پیش آرہی تھی' سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اپنی بھانجی کی مہندی کے فنکشن پر وہ فریحہ کا کون سا سوٹ لے کر جائے۔

"فریحہ! میرا خیال ہے میں یہ تینوں سوٹ لے جاتی ہوں' ٹائم پر جو سوٹ مناسب لگا وہی پہن لوں گی۔" آخر کافی دیر بعد ناظرہ نے حل پیش کیا تھا۔

"جی ٹھیک ہے' جیسے آپ کو مناسب لگے' میں آپ کو ان کے میچنگ شوز اور جیولری بھی دے دیتی ہوں۔" فراخدلی سے کہتے ہوئے اس نے ساری چیزیں بیگ میں رکھ کر انہیں تھمائیں۔

"تھینک یو میری جان! تم واقعی بہت اچھی ہو۔" ناظرہ نے بہت نزاکت سے اس کا بوسہ لیا تو وہ جھینپ گئی۔

"پلیز بھابی ڈونٹ بی فارمل! میرے پاس تو کافی ڈریسز ہوتے ہیں۔ آپ کا جب بھی جو بھی دل چاہے منگا لیا کریں۔" وہ محبت سے ان کے ہاتھ تھام کر بولی۔

ناظرہ اس کی بھابی ہی نہیں بلکہ ماموں زاد بہن بھی تھی۔ وہ آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی جب ناظرہ دلہن بن کر ان کے گھر آئی تھی' اماں ابا کے آنکھیں بند کرتے ہی دونوں بھائیوں نے جہاں اسے شفقت پدری سے نوازا تھا وہیں دونوں بھابیوں نے بھی اسے کبھی اماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔



وہ ناظرہ ہی کی نہیں عالیہ کی بھی دل سے عزت کرتی تھی جو اس کی چھوٹی بھابی کے مرتبے پر فائز تھی۔

"فریحہ! کیا تمہارے گھر کا کوئی اور دروازہ ہے جہاں سے میں چپکے سے نکل لوں۔" بیگ شولڈر پر رکھتے ہوئے ناظرہ نے پوچھا تو وہ انہیں حیرانی سے دیکھنے لگی۔

کیوں بھابی؟"

"میری جان! تمہاری پھوپی ساس مجھے یوں مشکوک نظروں سے دیکھتی ہیں جیسے میں اس گھر سے کچھ چرا کر لے جا رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں نکلتے ہوئے ان کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔" ناظرہ نے نرم لہجے میں وضاحت کی تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"چھوڑیں بھابی! ان کی تو عادت ہے' ہر آئے گئے پر نظر رکھتی ہیں اسپیشلی میرے میکے والے تو انہیں بری طرح کھٹکتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"ہاں عالیہ بھی کہہ رہی تھی کہ بوا کو شاید ہمارا آنا ناگوار گزرتا ہے کبھی تو بیٹھ کر ہمارے ساتھ کبھی بات تک نہیں کی۔" باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں لاؤنج میں آئیں تو سبزی بناتی بوا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ ناظرہ کے کندھے پر رکھا بیگ انہیں بتانے کے لیے ہی کافی تھا کہ وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح اپنی چکنی چپڑی باتوں سے فریحہ سے کچھ نہ کچھ بٹور کر لے جا رہی ہے۔ انہوں نے تاسف بھری نظر فریحہ پر ڈالی جو اپنی بھابی کو گیٹ تک رخصت کرنے کے بعد مگن سی واپس آئی تھی۔

❁......❁......❁

"بیٹا! آج کون سا دن ہے؟" بوا نے وریشہ سے پوچھا جو ابھی ابھی اپنے روم سے باہر آئی تھی' بے حد ٹائٹ جینز پر اس نے وائٹ سلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی' گورے پیروں میں پنک سینڈل تھے۔

"بوا میرے خیال میں آج فرائیڈے ہے۔" وہ ان کے پاس تخت پر آبیٹھی' وہ اپنے کرتے کا ٹوٹا ہوا بٹن لگا رہی تھیں۔

"نہیں میری شہزادی آج جمعہ کا دن ہے۔" انہیں وریشہ کی بات کی سمجھ نہیں آئی تو اپنے حساب سے تصحیح کر دی' وریشہ ہنسنے لگی۔

"بوا...... فرائیڈے جمعے کو ہی کہتے ہیں؟"

"اچھا' تو آپ نے جمعے کی تیاری نہیں کی؟"

"جمعے کی تیاری...... وہ کس طرح کرنی ہوتی ہے' یہ کوئی اسپیشل دن ہے؟" وریشہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بیٹا یہ دن ہفتوں کا سردار ہے' سید الایام! آپ کو نمازِ جمعہ کی تیاری ابھی سے شروع کرنی چاہیے لیکن نہ تو آپ نے سر پر دوپٹہ لیا ہے اور نہ ہی وضو کر کے درود پاک کی تسبیح شروع کی ہے۔" وہ نرمی اور محبت سے اسے سمجھانے لگیں۔

"مجھے دوپٹہ اچھا نہیں لگتا' میں ایزی فیل نہیں کرتی پھر مجھ سے سنبھالا نہیں جاتا۔" وریشہ نے منہ بسور کر عذر پیش کیا۔

"مگر بیٹا! دوپٹہ تو عورت کی زینت ہوتا ہے' اس کی عزت اور وقار کا محافظ' بھلا یہ کیسے بوجھ ہو سکتا ہے۔" ان کے میٹھے لہجے کی تاثیر تھی کہ وریشہ سر جھکا کر ان کا پردے' شرم و حیا اور عفت و عصمت پر مبنی لیکچر سننے لگی۔

ان کے خیال میں فریحہ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں' صرف مہنگے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھانا اور صبح آدھے گھنٹے میں حافظ صاحب سے درسِ قرآن لینا تربیت میں شامل نہیں ہوتا ماں باپ کو خود یہ فریضہ انجام دینا ہوتا ہے۔ عدیل کو تو بسلسلہ روزگار شہر بہ شہر قیام کرنا پڑتا تھا' ایسے میں تربیت کی کلی ذمہ داری فریحہ پر عائد ہوتی تھی لیکن وہ خود کون سا عبادت و مذہبی معاملات میں دلچسپی لیتی تھی بازار' پارلر' بوتیکس اور طبقہ اشرافیہ کی آزاد خیال عورتوں سے دوستی ہی اس کی دلچسپی کا محور و مرکز تھے۔ ایسے میں خدیجہ بوا نے بچوں کی اصلاح و تربیت کا فریضہ خود کو تفویض کر دیا مگر بچے ہاتھ ہی نہ آتے الٹا ماں سے شکایت جڑ دیتے۔

"ماما! دیکھیں ناں' بوا جی صبح صبح اٹھا دیتی ہیں' ابھی نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی۔" فارس منہ بسور کر کہتا۔

"تو بیٹا جماعت بھی تو سویرے ہی ہوتی ہے' جلدی

مسجد نہ پہنچو گے تو نماز کیسے پڑھ پاؤ گے؟" وہ نرمی سے اسے سمجھاتیں۔

"مجھے نہیں پڑھنی نماز' اتنا اندھیرا اوپر سے ٹھنڈ' جب دن نارمل ہوں گے تو پھر پڑھوں گا۔"

"تو اور کیا...... اتنی جلدی اٹھا دیتی ہیں' رات کو دیر سے سوو پھر صبح یہ دروازہ بجانے آجاتی ہیں۔" وریشہ بھی اکتاہٹ سے بولی۔

"آپ ساری رات کمپیوٹر پر دوستوں سے گپ شپ لگائیں گی تو پھر صبح وقت پر کیسے جاگیں گی۔ دن چڑھے سونے والے اللہ کو سخت ناپسند ہوتے ہیں؟"

"آپ کیوں انہیں ایک ہی دن میں کان سے پکڑ کر مصلّے پر لانا چاہ رہی ہیں' جب بڑے ہوں گے خود ہی سمجھ جائیں گے۔ ان کی نیند پوری نہیں ہونے دے رہیں آپ' کہیں بیمار نہ پڑ جائیں۔ بہت ٹف پڑھائی ہے ڈسٹرب نہ کیا کریں انہیں۔" فریحہ نے دبے لفظوں سے گویا انہیں یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان کے بچوں کے لیے ہلکان نہ ہوں مگر وہ ان کی گود پالے عدیل کے بھی بچے تھے' ان کے حقیقی بھائی احمد حسن کے پوتا پوتی۔ ان کا اپنا خون پھر وہ کاہے کو فریحہ کی باتوں کا بُرا مناتیں۔

فریحہ کے میکے میں دعوت تھی' سبھی جانے کو پُرجوش' وریشہ نے تنگ چوڑی دار پاجامے کے اوپر گھیر دار فراک پہن رکھا تھا جس کا آگے پیچھے سے گہرا گلا تھا' فراک کی آستینیں غائب تھیں۔

"وریشہ بچے! کوئی ایسا لباس زیب تن کرتیں جو ستر کا پورا اہتمام تو رکھتا' یہ عریاں بازو تو سراسر فحاشی کے زمرے میں آرہے ہیں۔" انہوں نے بے حد نرمی سے وریشہ کے لباس پر نکتہ اعتراض اٹھایا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا...... کیا میں اچھی نہیں لگ رہی؟" وہ ٹھنک کر بولی۔ خود کو سنوارنے سجانے کا شوق اسے ماں سے ملا تھا' شکل وصورت میں بھی فریحہ کا پرتو تھی مگر خدیجہ بوا کو اس کی ڈریسنگ پر کافی اعتراضات تھے۔

گھر میں بھی جینز شرٹ پہنے رکھتی' اسی حلیے میں باہر فرینڈز کے ہاں بھی چلی جاتی۔ شلوار قمیص تو کبھی بنوائی ہی نہیں تھی اس لیے دوپٹہ پہننے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔

"نہیں میری پوتی بہت پیاری لگ رہی ہے مگر بہت پیاری اس وقت لگتی جب اس فراک کے بازو پورے ہوتے اور سر پر دوپٹہ ہوتا۔" بہت مشفق انداز میں انہوں نے اپنے دل کی بات اس کے سامنے رکھی' اس سے پہلے وریشہ کوئی جواب دیتی فریحہ نک سک سے تیار چلی آئی۔ فریحہ کی شرٹ کی بھی آستینیں غائب تھیں' دوپٹہ گلے میں پڑا گلے کے گہرے کٹاؤ کو نمایاں کررہا تھا اس نے بوا کا جملہ سن لیا تھا تبھی چہرے پر ناگواری چھاگئی۔

"خدا کے واسطے' اپنا یہ شرم وحیا کا فرسودہ لیکچر گاؤں چونتری میں اپنی نواسیوں کو سنائیں، میری بیٹی کو نہیں۔ کم آن سوئٹ ہارٹ! تمہارے ماموں انتظار کررہے ہوں' چلو۔" نخوت سے کہتے ہوئے فریحہ نے بیٹی کا بازو تھاما اور باہر چل دی۔

بوا خدیجہ ہمیشہ کی طرح فریحہ کی کم عقلی اور کوتاہ اندیشی پر کڑھ کر رہ گئیں۔

❀......❀......❀

شادو کام واقعی بہت دل لگا کر کرتی تھی' کپڑے ایسے دھوتی' کہ جگمگا اٹھتے۔ فرش پر یوں پوچھا لگاتی کہ صورت دکھنے لگے' برتنوں کی چمک بھی دیکھنے کے لائق ہوتی کیونکہ بوا خدیجہ سارا کام اس کے سر پر کھڑے ہوکر کرواتی تھیں۔

فریحہ کو بھی اپنا صاف ستھرا گھر بہت سکون دینے لگا' ہر چیز اجلی' بے داغ...... مگر یہ سکون بھی چند دنوں کا مہمان ہی ثابت ہوا۔

"بی بی جی! آپ میرا حساب پورا کرکے مجھے فارغ کریں' مجھے یہاں کام نہیں کرنا۔" شادو ایک دن اس کے پاس آکر قطعیت سے بولی تو وہ حیران رہ گئی۔

"مگر کیوں شادو...... کیا کوئی مسئلہ ہوگیا ہے؟"

"بس بی بی! یہ جو بڑی بی بی ہیں ناں مجھ پر چوری کا شک کرتی ہیں' میں نے یہاں کام نہیں کرنا۔"



"اُف خدایا...... میں کیا کروں بوا کا؟" طیش کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔

"اگر میں تمہیں یوں ہر چیز پر ہاتھ صاف کرنے دوں تو پھر تم خوشی سے کام کروگی۔" بوا اسی وقت ادھر آگئیں اور شادو کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

پہلے بھی کتنی ماسیاں بوا کی انہی عادتوں کی وجہ سے کام چھوڑ کر جاچکی تھیں' فریحہ ماسیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی تھی۔

"اسے پورا سرف کا پیکٹ دیتی ہوں' ذرا سے کپڑے کھنگال کر باقی سرف اپنی جیب میں۔ غسل خانے سے کیا شیمپو کیا صابن' نیل تک بغل میں دبالے جاتی ہے۔ جیسے یہاں تو سب نے آنکھیں بند کررکھی ہیں۔" بوا نے سختی سے شادو کی کلاس لی۔

"شادو تم اپنا کام کرتی رہو' بوا شاید بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گئی ہیں تبھی ہر وقت کیڑے نکالنے کا شغل جاری رکھتی ہیں۔" وہ گہرے طنز سے بولی۔ نہیں چاہتی تھی کہ شادو کام چھوڑ کر جائے' چور سہی پر کام چور ہرگز نہیں تھی اس کے خیال میں اگر اتنا دل لگا کر کام کرنے کے بعد وہ کوئی چیز لے بھی جاتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بوا کو تو خدا واسطے کا بیر تھا ماسیوں سے۔

"ہاں ضرور اپنا کام جاری رکھے مگر یوں بے دریغ کوئی چیز ضائع نہیں کرنے دوں گی' پورا حساب کتاب رکھوں گی۔ ہونہہ! میرے بھتیجے کی کوئی حرام کی آمدنی ہے جو یوں لٹ رہی ہے۔ ابھی میں زندہ ہوں آنکھیں بند نہیں کیں جو دن دہاڑے چیزیں غائب ہونے لگیں۔" بوا با آواز بلند بولتی رہیں۔

"ہیلو ایوری باڈی...... کیا ہورہا ہے؟" وریشہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی فریحہ کے گلے میں بانہیں حمائل کیں تو اس نے جواباً اس کا گال چوم لیا۔

"بیٹا کہاں تھیں' آپ کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں لگایا۔" ٹیبل پر پلیٹیں رکھتے ہوئے بوا نے فکرمندی سے استفسار کیا۔

"بس بوا فرینڈز کے ساتھ تھی' پہلے شاپنگ پھر آئس کریم کھانے چلے گئے۔" وریشہ نے بشاشت سے جواب دیا' بلیک جینز پر اس نے لیمن ایڈرڈ کرتی پہن رکھی تھی۔ ریشمی بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے' گلے میں نازک سی زنجیر جھول رہی تھی۔

"دلہن! وریشہ خیر سے بڑی ہوگئی ہے جوان بیٹی کا یوں شام ڈھلے تک گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" کھانے کے بعد برتن سمیٹتے ہوئے فریحہ کو مخاطب کیا جو چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔

"جوان ہوگئی ہے تو کیا برقع پہنا کر گھر میں بٹھالوں' اپنی دوستوں کے ساتھ رہتی ہے۔ خدانخواستہ کسی غلط جگہ پر تو نہیں چلی جاتی۔" ٹی وی سے نظر اٹھا کر فریحہ نے تیکھے چتونوں سے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر اتنی دیر بچی کا باہر رہنا' اگر عدیل میاں ہوتے تو ضرور ناراض ہوتے۔"

"اگر آپ اپنی عادت کے مطابق خوب مرچ مسالحہ لگا کر عدیل کو میری اور میری بیٹی کی سرگرمیاں بتائیں گی تو وہ ضرور ناراض ہوں گے۔" وہ گہرے طنز سے بولی۔

"آپ جو بھی کہو کچی عمر بڑی مشکل ہوتی ہے۔ ماں کو ہر دم چوکس رہنا پڑتا ہے' بیٹی کے انداز واطوار پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا' آنا جانا سب ماں کے علم میں ہونا چاہیے۔" بوا دھیرے دھیرے بولتی رہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ فریحہ کی ساری توجہ ٹی وی کی طرف مرکوز تھی۔ مگر اس کے بھینچے لب اور تنے ہوئے چہرے کے تاثرات بخوبی پتا دے رہے تھے کہ وہ بوا کی ساری باتیں حرف بہ حرف سن رہی ہے۔

"وہ سولہ برس کی بالغ' باشعور لڑکی ہے' اپنے اچھے بُرے کی بخوبی پہچان ہے' مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ ہے۔" اب کے وہ ہموار لہجے میں بولی۔

"آپ بھی تو سولہ سال کی تھیں جب بیاہ لائے تھے۔ بیٹیاں جلدی وداع ہوجائیں' اچھا ہوتا ہے۔" ٹیبل اچھی طرح صاف کرنے کے بعد بوا اس کے

قریب صوفے پرآ بیٹھیں۔

”میں رات جب دودھ دینے گئی تو دیکھا وریشہ کمپیوٹر پربیٹھی تھی۔“

”ہاں وہ تو روز کمپیوٹر استعمال کرتی ہے۔“ فریحہ نے بے پروائی سے ٹانگ جھلائی۔

”کمپیوٹر پر ایک گھبرو جوان لڑکا بیٹھا تھا۔“ بوا دھیمے سے بولیں۔

”تو یہ جو میں ٹی وی دیکھ رہی ہوں اس پر بھی تو مرد آرہے ہیں۔“ اس نے ان کی ٹی وی اسکرین کی طرف توجہ مبذول کروائی۔

”ارے نہیں دلہن! اتنا تو میں بھی جانتی ہوں مگر وریشہ نے فون والیا آلہ کانوں پر لگایا ہوا تھا لڑکے کی آواز تو مجھے نہیں آرہی تھی مگر وریشہ تو اس سے ہنس بول رہی تھی۔“ فریحہ کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بوا نے جھجکتے ہوئے بات مکمل کی۔

وہ کئی دنوں سے وریشہ کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھیں مگر کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ وریشہ ساری رات کبھی موبائل تو کبھی اسکائپ پر بزی رہتی۔ اسکول سے واپس آنے کے بعد بھی فریحہ کی گاڑی لے کر نکل جاتی۔ واپسی رات گئے تک ہوتی تھی‘ آنکھیں اور کان کھلے رکھنے کی وجہ سے انہیں وریشہ کی اطوار کھٹک رہے تھے۔ وریشہ کی بدلحاظ و بدتمیز فطرت کو دیکھتے ہوئے بجائے اسے براہ راست سمجھانے کے انہوں نے فریحہ سے بات کرنے کی ٹھانی کہ آخر نمک حلالی کا یہی تقاضا تھا۔

”آپ میری بچی پر الزام لگا رہی ہیں۔“ فریحہ دبے دبے لہجے میں غرائی تو بوا کا منہ کھل گیا۔ ”آپ کو شرم آنی چاہیے‘ وہ آپ کی پوتی ہے۔ آپ کا اپنا خون‘ آپ کا نہ دل کانپا نہ زبان لڑکھڑائی میری معصوم بچی پر شک کرتے ہوئے؟“

بوا کو فریحہ کا یوں برافروختہ ہونا سمجھ نہ آیا‘ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ فریحہ عقل کے ناخن لیتے ہوئے بیٹی پر نظر رکھے گی مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھی اور سرخ چہرے‘ تیز تنفس کے ساتھ وریشہ کے کمرے کا دروازہ زور سے کھولا۔ وریشہ بیڈ پر کتابیں بکھرائے اوندھی لیٹی کہنی پر چہرہ ٹکائے کتاب پڑھ رہی تھی۔

”کیا ہوا ماما...... کیا سب ٹھیک ہے؟“ ماں کے لال بھبھوکا چہرے کو دیکھ کر اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں‘ تم اپنی پڑھائی جاری رکھو۔“ وہ گہری سانس لے کر بولی۔

”ہونہہ...... میری تربیت کو خراب ثابت کرنے کے لیے میری بچی پر الزام لگا دیا؟“ وہ ایک نفرت بھری نظر بوا کے کمرے کے دروازے پر ڈال کے اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔

❁......❁......❁
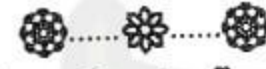
عالیہ بھابی اپنے تینوں بچوں کے ہمراہ کافی دنوں کے بعد اس سے ملنے آئیں تو اس نے بوا کو زبردست سے لنچ کا آرڈر دیا۔

”اگر میرے میکے والوں کے لیے کچھ بنانے کا جی نہیں چاہ رہا تو بتا دیں‘ میں باہر سے کھانا منگوالیتی ہوں۔“ اس نے دھیمے سے طنز بھرے انداز میں بوا سے پوچھا۔

”ارے نہیں دلہن! تم غلط سمجھتی ہو‘ میں بھلا مہمان داری سے کیوں کتراؤں گی۔ آپ کا میکہ تو میرے عدیل کا سسرال بھی تو ہے۔“ بوا آلو چھیلتے ہوئے سادگی سے بولیں تو وہ کندھے اچکا کر اپنے بیڈروم میں چلی آئی جہاں عالیہ بھابی ایک ایک چیز کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

”اللہ...... فریحہ تم کتنی لکی ہو‘ کتنا اچھا گھر ملا ہے تمہیں‘ خوب سجا سنوار‘ ہر چیز بہترین اور اعلیٰ۔“ کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر دھیرے دھیرے گھومتے ہوئے عالیہ نے اس کے قیمتی سامان سے سجے بیڈروم کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ عالیہ بھابی میں یہ خوبی تھی کہ وہ برملا اس کی ہر چیز کو سراہتیں‘ حسد کا شائبہ تک چہرے پر نظر نہ آتا تھا بھی تو وہ دل سے ان کی عزت کرتی تھی۔

”جی بھابی! اللہ کا کرم ہے‘ عدیل بہت اچھے ہیں‘ بہت



فراخ دل‘ کبھی انہوں نے مجھے کسی چیز کے لیے نہیں ترسایا۔“ وہ نرمی سے مسکرائی۔

”ہاں بھئی سب قسمت کا کھیل ہے‘ ایک ہم ہیں کہ ایک ضرورت پوری ہوتی ہے تو دوسری سر اٹھا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔“ عالیہ نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

”کیوں بھابی! گھر میں سب خیریت تو ہے ناں؟“ وہ متفکر سی ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

”بس فری! کیا بتاؤں‘ تمہارے بھائی کا کاروبار آج کل کافی ڈاؤن جا رہا ہے۔ ہر وقت چڑچڑے سے رہتے ہیں‘ خوامخواہ مجھے اور بچوں کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔“ عالیہ معصوم لہجے میں بولی تو وہ بھی افسردہ ہو گئی۔

”ماما! مجھے بوا نے تھپڑ مارا ہے۔“ اسی لمحے عالیہ کا چھ سالہ بیٹا حماد روتا ہوا اندر آیا۔ ”فری! تمہاری ساس نے میرے بچوں پر غصہ نکالا ہے‘ گھر میں مجال ہے جو کوئی اسے اونچی آواز سے ڈانٹ دے اور یہاں میرے بچے کو اس بڑھیا نے اس زور سے مارا ہے۔“ عالیہ نے غصے سے دانت پیسے‘ فریحہ کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

”بس بھابی! بڑھاپے کی وجہ سے ان کی عقل جواب دیتی جا رہی ہے۔ میں پوچھتی ہوں انہوں نے میرے شہزادے کو کیوں مارا؟“ اس نے بھتیجے کو پچکارا۔

”داد دیتی ہوں تمہارے حوصلے و صبر کو جو اتنے برسوں سے اس بڑھیا کو بھگت رہی ہو۔ میں ہوتی ناں تو ایک دن میں گھر سے باہر نکال کرتی‘ کوئی حقیقی ساس تھوڑی ہے جو لحاظ برتنا ہے۔“ عالیہ کا غصہ کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

”ارے بھابی! یہ کام تو میں بھی کر لیتی‘ مگر عدیل کے سر سے ان کی محبت و عقیدت کا بھوت کون اتارے۔ آتے ہی بوا کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ آخر کو ان کے ابا کی بڑی بہن جو ٹھہریں۔“ فریحہ جل کر بولی۔

”ارے عدیل کون سا ہر وقت تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے‘ مہینے میں دو دن تو وہ گھر آتا ہے۔ ایسا جینا حرام کرو اس بڑھیا کا کہ خود ہی گاؤں کی راہ لے‘ تم پر بھی کوئی الزام نہ آئے۔“ عالیہ نے اسے راہ سجھائی تھی۔ اسی دوران بوا نے کھانا لگنے کا اعلان کیا۔

عالیہ کے تینوں بچوں نے یوں لپک جھپک کر کھانا کھایا کہ آدھا سے زیادہ نیچے گر گیا۔ عالیہ نے بچوں پر تنبیہی نظر تک نہ ڈالی بس ہر چیز سے خوب انصاف کرتے ہوئے بوا پر ان کے جبر و تشدد کو جتانا نہ بھولی تھی۔

”بچوں کو پیار سے سمجھایا جاتا ہے ناں کہ بُری طرح پیٹ ڈالا جائے۔“ خوب طنز میں بھگوئے جملوں نے بوا کا چہرہ اہانت سے سرخ کر دیا۔

”ارے بیٹا! بہت سمجھایا حماد بچے کو‘ گیند اتنے زور سے ماری کہ وریشہ کے کمرے کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ میری عینک توڑ کے رکھ دی‘ پودوں کے پتے نوچ ڈالے‘ ایسے آفت کے پرکالے کو گھر چھوڑ آتیں تو بہتر تھا۔“ بوا تو کہہ کر کچن میں چلی گئیں لیکن عالیہ کھول کر رہ گئی۔ فریحہ نے البتہ کچھ کہنے سے گریز ہی کیا کیونکہ حماد نے واقعی بہت ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی۔

”چلیں آئیں بھابی اندر اے سی میں چل کر بیٹھتے ہیں یہاں بہت گرمی ہے۔“ وہ انہیں لے کر اپنے روم میں چلی آئی۔

”فریحہ! ناظرہ نے تمہارا گولڈ کا سیٹ واپس کر دیا؟“ عالیہ نے پوچھا تو وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی کہ کب ناظرہ بھابی نے اس سے جیولری مستعار لی تھی کیونکہ وہ اکثر اس سے استعمال کی چیزیں منگواتی رہتی تھیں‘ جیولری‘ کپڑے کاسمیٹکس کی اشیا اور جوتے وغیرہ۔

”نہیں بھابی! انہوں نے سیٹ تو واپس نہیں کیا البتہ کنگن واپس کر دیئے تھے۔“

”ارے تو واپس لو ناں...... سونے کی چیز ہے کوئی آرٹیفیشل تو نہیں جو یوں بھولے بیٹھی ہو۔“ انہوں نے پیار سے اسے ڈپٹا۔

”وہ فریحہ تمہارے بھائی کو کچھ پیسے چاہیے تھے تمہیں بتایا ناں‘ ان کا کاروبار کافی مندا جا رہا ہے۔“ کافی دیر گپ شپ کے بعد عالیہ نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

"بھائی کو اندازاً کتنے روپوں کی ضرورت ہے؟"

"یہی کوئی ستر ہزار' اگلے ماہ ہی تمہارا ادھار اتار دیں گے مگر آج کل ہاتھ کافی تنگ ہے۔" عالیہ لجاجت سے بولی تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہنے لگی۔

"ارے بھابی! میرا بھائی مشکل میں ہے تو میں کچھ نہ کچھ تو کرسکتی ہوں' ایسا ہے کہ ستر تو نہیں پچاس ہزار آپ لے جائیں کیونکہ میرے پاس فی الحال اتنی ہی رقم ہے۔" وہ دراز میں سے رقم نکال لائی اور عالیہ کے ہاتھوں میں رکھی جو عالیہ نے فوراً پرس میں رکھ لی۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے' اللہ عدیل کو اتنا دے کہ ہم جیسے ضرورت مندوں کی دعائیں تم ہمیشہ سمیٹتی رہو۔" عالیہ ممنونیت سے بولی جبکہ وہ محض عاجزی سے مسکرا دی۔

"اچھا میں چلتی ہوں' سارا دن بہت مزے میں گزرا اے سی کی ٹھنڈک سے لطف لیا۔ ہمارا یو پی ایس کئی مہینوں سے خراب پڑا ہے مگر تمہارے بھائی کے پاس اس کی مرمت کا خرچہ نہیں ہے۔" عالیہ بیگ کندھے پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁

فل ایئر کنڈیشنڈ بیڈ روم میں سخت تپتی گرمی میں بھی ٹھنڈک کا مزہ لیتے ہوئے اس نے بے اختیار بھائی سجاد اور ان کے بیوی بچوں کے بارے میں سوچا تھا کہ وہ پتا نہیں کیسے اس سخت گرمی اور طویل لوڈشیڈنگ میں گزارا کررہے ہوں گے جبکہ ان کا یو پی ایس خراب پڑا ہے۔

"کیوں نہ پرانا یو پی ایس بھائی کو دے دوں' ان کے بچے کم از کم دعائیں تو دیں گے۔" اس سوچ کے ساتھ ہی وہ پھرتی سے اٹھ کر اسٹور روم میں آئی۔

"بھابی! اگر گھر میں کوئی فارغ ہے تو آپ ہمارا یو پی ایس منگوالیں۔" اسی وقت موبائل پر اس نے عالیہ کو مژدہ سنایا۔

"بوا! میں ذرا سونے جارہی ہوں' سجاد بھائی کے گھر سے کام والا لڑکا آئے گا اسے یہ یو پی ایس اٹھانے دیجیے گا۔"

"کیوں' انہیں کیا ضرورت آپڑی؟" وہ سوالیہ گویا ہوئیں۔

"کیا مطلب..... آپ زیادہ سوال جواب نہ کیا کریں جو کہا ہے بس اسی پر عمل کریں تو بہتر ہوگا۔" رکھائی سے کہتی وہ اپنی خواب گاہ میں چلی آئی' بھرپور اور پرسکون نیند لینے کے بعد وہ ابھی بیدار ہوئی تھی کہ عالیہ بھابی کی کال آئی۔

"فریحہ! میں نے مزمل کو یو پی ایس لینے تمہارے گھر بھیجا مگر خدیجہ بوا نے اسے دروازے سے لوٹا دیا کہ یو پی ایس فالتو نہیں پڑا ہوا۔"

"او میرے خدایا' یہ بوا کا میں کیا کروں۔" وہ بھنا اٹھی۔

"جب میں نے آپ سے کہا تھا تو پھر لڑکے کو آپ نے کیوں خالی ہاتھ واپس بھیج دیا۔" وہ ان کے سر پر جا کر چلائی۔

"تو کیوں اٹھانے دیتی ذرا سا خراب ہے' بے کار تو نہیں ہوا تاں۔ تھوڑی سی مرمت سے اپنے گھر کام آجاتا۔" بوا اس کے غصے سے بے نیاز آرام سے برتن دھوتی رہیں۔

"اس گھر کی مالکن میں ہوں تاں کہ آپ' میرے شوہر کی کمائی ہے میں جیسے چاہوں خرچ کروں۔ آپ کیوں خوامخواہ زچ کرنے پر تلی ہیں۔" وہ جیسے عاجز آ کر بولی تھی۔

"شوہر کی کمائی خرچ کرنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں' یہ نہیں کہ بس میکے والے کا منہ بھرتے رہو' خواہ اپنے گھر میں کچھ نہ رہے۔"

"تو آپ کو تکلیف میرے میکے والوں سے ہے۔ جب میرے شوہر کو میرے کچھ دینے دلانے پر اعتراض نہیں ہے تو آپ کیوں بے چین ہوتی ہیں؟"

"کیا آپ نے واقعی کبھی عدیل سے اجازت لی ہے گھر کی چیزیں اٹھا کر دینے سے پہلے' خواہ وہ آپ کا میکے والا ہو یا کوئی اور۔" بوا پیچھے مڑیں اور براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کو چپ سی رہ گئی تھی۔



"مجھے عدیل نے ہمیشہ کھلا خرچ دیا ہے' کبھی کوئی تنگی نہیں دی' وہ بہت فراخ دل ہیں۔ بہت کھلا ہاتھ ہے ان کا' وہ کیوں بھلا کسی کی مدد پر نکتہ اعتراض اٹھائیں گے' چاہے کوئی ضرورت مند میرے میکے والا ہی کیوں نہ ہو۔"

"دلہن! تمہیں کیوں لگتا ہے تمہارے بھائی بھابی ضرورت مندوں میں شمار ہوتے ہیں' عالیہ ہو یا ناظرہ ماشاءاللہ سونے کے زیورات سے لدی پھندی' اعلیٰ پوشاکیں زیب تن کیے جب تم سے کبھی دس ہزار تو کبھی بیس ہزار روپے اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر بٹور لے جاتی ہیں' کوئی کم عقل بھی صاف سمجھ سکتا ہے اور تم ہو کہ نہ جانے نادانی اور نا سمجھی کی کس سیڑھی پر کھڑی ہو۔" بوا نے پیار سے سمجھایا۔

"اصل میں آپ کا مسئلہ کیا ہے گھر' گرہستی' مان' میکہ یہ سارے شادی شدہ زندگی کے لوازمات ہوتے ہیں جن سے آپ بدقسمتی سے محروم رہیں۔ شوہر جوانی میں چل بسے' اولاد کے نام پر صرف ایک بیٹی' بجائے بیوی کی زندگی اپنے شوہر کے گھر پر گزارنے کے یہاں عدیل کی پرورش کی ذمہ داری خود اپنے کندھوں پر اٹھالی' تو یہ ازدواجی ناآسودگی آپ کو بلاوجہ کی نکتہ چینی پر مجبور کیے رکھتی ہیں۔" اس نے بڑی بے رحمی سے بوا کی زندگی کا تجزیہ کیا تھا' بوا کے چہرے پر لحہ بھر کو سایہ لہرایا پھر معدوم ہوگیا۔

"بیٹا! بیوی شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت' ناموس' گھر' اولاد اور مال کی امین ہوتی ہے اگر اس کے علم میں لائے بغیر وہ کوئی سوئی جتنی چیز بھی کسی کے حوالے کرے گی تو اللہ کے ہاں سخت مواخذہ ہے اگر عدیل میاں یہاں ہوتے تو آپ بے فکر ہوکر جو چاہے کرتیں' پھر میں کون ہوتی ناراض ہونے والی۔"

"آپ نے عدیل کو پانچ سال کی عمر میں سنبھالا' پالا' پوسا پرورش کی' شادی کی اب تو عدیل کے بچے بھی جوان ہوگئے' کیا آپ نے کبھی اپنے نواسے' نواسیوں کے بارے میں بھی سوچا ہے کہ ان کو اپنی خدمت کا بہت کم موقع دیا ہے۔" سینے پر بازو لپیٹے وہ تمسخرانہ انداز میں کہنے لگی' وہ جانتی تھی بوا کو یہاں کی پرآسائش زندگی چھوڑ کر دور دیہات کی بنیادی سہولتوں سے محروم زندگی میں اب بچے کچھے دن گزارنا مشکل لگ رہا ہے' تبھی تو وہ چوٹ کیے بنا رہ نہ پائی۔

"سچ کہتی ہو انہیں بھی تو میری خدمت کر کے دعائیں لینی چاہئیں۔" بوا پھیکے سے مسکرائی تھیں۔

❁......❁......❁

"فریحہ! وریشہ کہاں ہے' میں نے صبح سے اسے نہیں دیکھا۔" اخبار پڑھتے ہوئے عدیل نے اِدھر اُدھر لاؤنج میں نظریں گھما کر بیٹی کی بابت پوچھا۔

"اس کی فرینڈ مایا کی برتھ ڈے ہے ناں' بس اسی کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی ہے۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"کمال ہے دن کا ایک بج گیا ہے اور اس کی شاپنگ ہی مکمل نہیں ہورہی۔" عدیل حیرانی سے بولے۔

"اچھا چھوڑیں ناں' مجھے آپ شاپنگ کب کروانے جارہے ہیں؟" وہ ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی اور لاڈ سے بولی تو عدیل مسکرا دیے۔

"یار کتنا کریز ہے تمہیں شاپنگ کا' ہر چیز تو تمہارے پاس موجود ہے پھر کیا کرنا ہے بازار جا کر۔"

"ہاں وہ تو میں اپنی فرینڈز کے ساتھ جاتی ہوں' آپ کے ساتھ بازار جانے کی تو اور ہی بات ہے۔" وہ قدرے اٹھلا کر بولی۔

"او کے نصف بہتر' ٹائم ملتے ہی آپ کو بازار لے چلتے ہیں۔" عدیل مسکراتے ہوئے شرارت سے بولے تو وہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"ارے آؤ آؤ..... اندر آجاؤ' اپنا ہی گھر ہے' شرما کیوں رہے ہو۔" بوا اپنی معیت میں کسی کو اندر لارہی تھیں' وہ دونوں چونک کر سیدھے ہو بیٹھے۔

اونچا لمبا' پچیس سال کا نوجوان بوا کے ساتھ لاؤنج میں آیا تھا' گہری سانولی رنگت' بڑی بڑی مونچھیں' گلے میں چاندی کا تعویذ اور سر پر پگڑی' نظریں البتہ جھکی ہوئی تھیں۔

"بوا یہ کون ہے؟" لڑکے کا سرتاپا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے عدیل نے پوچھا۔

"ارے پہچانا نہیں' اپنا صدیق ہے میری فاطمہ کا پتر۔" بوا ہنس کر بولیں تو پہچان کی چمک عدیل کے چہرے پر لہرائی۔

"ارے یہ صدیق ہے' کتنا بڑا ہوگیا ہے۔" خوشگواریت سے کہتے ہوئے عدیل نے صدیق کو اٹھ کر گلے لگایا۔

"ارے اپنی مامی سے بھی تو مل' عدیل کی دلہن۔" بوا نے بُت بنے نواسے کا رخ پھیرتے ہوئے فریحہ کی طرف موڑا تھا۔

"سلام مامی!" ہنوز جھکے سر سے سلام کیا گیا جس کا سر ہلا کر فریحہ نے جواب دیا۔

"بڑا ہی شرمیلا ہے' ہر وقت گونگے کا گڑ کھائے رہتا ہے' اب بیوی آرہی ہے ناں شاید وہی کچھ بولنا سکھا دے۔" بوا ہنستے ہوئے بتانے لگیں۔

"کیا مطلب...... صدیق کی شادی ہے؟" عدیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! فاطمہ نے اپنی نند کی بیٹی لی ہے۔ اسی لیے مجھے بلا رہی ہے کہ کچھ کام کاج میں مدد کردوں' وہ اکیلی' اوپر سے پہلے بچے کی شادی' بے چاری باؤلی ہوئی جارہی ہے۔"

"کیا مطلب بوا! آپ جارہی ہیں؟" عدیل نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ہاں بچے' بس اب فاطمہ کی طرف چلتی ہوں۔"

"یہ ٹھیک نہیں ہے' میرا تو گھر خالی ہوجائے گا' اس کا کون خیال رکھے گا۔" عدیل کو ان کے جانے کا فیصلہ پسند نہ آیا تھا البتہ فریحہ کو بوا کے جانے کا سن کر بے حد خوشی ہورہی تھی۔

"خدانخواستہ خالی کیوں ہو' بچے ہیں' دلہن ہے پھر بیٹا ساری زندگی یہاں رہ لی' اچھا کھایا' بہترین پہنا اگر اپنا سگا بیٹا بھی ہوتا ناں تو اتنا آرام سکھ نہ دکھاتا جتنا بھتیجا ہوکر تم نے دکھائے ہیں' اللہ تمہیں آباد رکھے۔" بوا آبدیدہ ہوکر رونے لگیں۔ عدیل اٹھ کر ان کے پاس بیٹھ گئے اور محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بھتیجا کیوں...... میں بھی تو آپ کا اپنا بیٹا ہوں اگر آپ نہ ہوتیں تو اماں ابا کے بعد کون مجھے سنبھالتا' کھلاتا پلاتا اپنے ساتھ سلاتا...... آپ کے احسانوں کا تو میں زندگی بھر بدلہ نہیں چکا سکتا۔ آپ ہی میری جنت ہیں۔" بھیگے لہجے میں بولتے ہوئے عدیل نے اپنے لب ان کے ہاتھوں پر رکھ دیئے تھے۔ بوا نے بھی جواباً اپنے ہونٹ ان کے جھکے سر پر رکھ کر بوسہ دیا تھا۔

"جیتے رہو' اپنے بچوں کے ساتھ آباد رہو۔" بوا ڈھیر ساری دعائیں دیتیں نواسے کے ہمراہ چک چونتری روانہ ہوگئیں۔

ان کے جانے کے بعد فریحہ نے یوں اطمینان بھرا گہرا سانس لیا گویا عرصے سے وہ کسی قید خانے میں بند کردی گئی ہو اور اب تازہ ہوا کے جھونکے نے اسے آزاد فضا میں بسنے کا مژدہ سنایا ہو۔

❁......❁......❁

عروسہ نے گھر تبدیل کروایا تو نئے گھر کی ہر چیز تقریباً نئی خریدی' وہ اس سے کئی دنوں سے مارکیٹ کا کہہ رہی تھی۔ شادو نے کچن میں کئی چیزوں کے ختم ہونے کا بتایا تو وہ لسٹ بنا کر عروسہ کے ہمراہ مارکیٹ آ گئی۔

تنگ چوڑی دار پاجامے کے اوپر لانگ سلیولیس بلیک شرٹ پہنے بلاشبہ وہ وریشہ ہی تھی جس کا ہاتھ بہت محبت سے تھامے ایک ہینڈسم سا لڑکا اسے اپر فلور پر لے جارہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں مگن' ہنستے مسکراتے جارہے تھے' فریحہ کی نظر اپنی بیٹی پر پڑی تو ہنسنا ہی بھول گئی' وہ سانس روکے' ساکت کھڑی اپنی لاڈلی کو دیکھ رہی تھی جس نے اب بے تکلفی سے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

شاپنگ مال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' مگر نہ تو اسے کچھ سنائی دے رہا تھا نہ دکھائی' اسے تو یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لیے اور کس کے ساتھ آئی ہے'

نظریں تو بس اتنے مجمع میں ان دونوں پر جمی تھیں۔

"یہ اپنی وریشہ ہے ناں؟ شاید اس کے ساتھ لڑکا اس کا کلاس فیلو ہے۔" عروسہ دھیمے مگر معنی خیز انداز میں بولی۔ فریحہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اس کے دماغ میں تو جھکڑ چل رہے تھے۔

❁......❁......❁

"چٹاخ......" وریشہ کے نرم و نازک گال پر فریحہ کا تھپڑ بڑے زور سے پڑا تھا۔ "تمہاری جرأت کیسے ہوئی میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی' میری نرمی اور محبت کا بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے تم نے۔" فریحہ دونوں ہاتھوں سے وریشہ کو پیٹتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھی۔

"ماما پلیز...... اسٹاپ دس نان سینس......" وریشہ اپنے بچاؤ کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے بُری طرح چلائی تھی۔

"بتاؤ......کون ہے وہ لڑکا جس کا ہاتھ تھامے تم مال میں گھوم رہی تھیں' بولو......؟" بے ہنگم سانسوں کے درمیان فریحہ نے پوچھا۔

"وہ اشعر ہے' سدرہ کے گھر پارٹی میں ملا تھا بہت اچھا لڑکا ہے' وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔" وریشہ نظریں جھکائے دھیرے سے بولی۔

"وریشہ...... میں تمہیں خبردار کررہی ہوں اس فلرٹی لڑکے سے فرینڈ شپ ختم کرو اور اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ عدیل تم دونوں کا برائٹ فیوچر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"مگر میرا فیوچر بس اشعر سے شادی ہے' اسٹڈیز میں مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" وریشہ اب کے بے باکی سے بولی۔

فریحہ کا تو منہ کھل گیا' کل ہی کی تو بات لگ رہی تھی جب وریشہ نام کی ننھی کلی اس کے آنگن میں کھلی تھی اب وہ اتنی بڑی اور خودمختار ہوگئی تھی کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنی مرضی سے کرلیا' ماں باپ کو ہلکا سا اشارہ دیئے بغیر۔

"میرے خیال میں تمہارے سر سے اس لڑکے کا بھوت آسانی سے نہیں اترے گا' تمہارا آج سے کالج جانا بند' میں دیکھتی ہوں تم کیسے باہر نکلتی ہو۔" وریشہ کی خودسری نے اسے آگ لگادی تھی' بے حد طیش میں اس نے وریشہ کے روم کا دروازہ باہر سے لاک کردیا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف ماما...... میں آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی' میں خودکشی کرلوں گی۔" دروازہ پیٹتے ہوئے وریشہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

❁......❁......❁
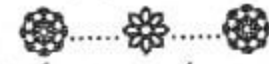
"میری نصف بہتر بلکہ بہت بہتر کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" عدیل نے ذرا سا مسکراتے ہوئے فریحہ کو بغور دیکھا تھا' وہ جب سے آئے تھے انہیں فریحہ بجھی بجھی سی دکھائی دی تھی نہ چہرے پر نکھار اور تازگی تھی جسے وہ برسوں سے دیکھتے چلے آرہے تھے نہ ہی ان کا پُرجوش و والہانہ استقبال۔

"کچھ نہیں بس سر میں درد ہے' میں نے دوائی لے لی ہے' ڈونٹ وری۔" مضمحل سا مسکراتے ہوئے اس نے ان کو مطمئن کرنا چاہا۔

اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ ان کی جواں سال لاڈلی بیٹی کن راہوں پر چل نکلی ہے۔ اس کے باغیانہ تیور نجانے کیا رنگ لانے والے تھے اس کی راتوں کی نیند تک اڑ چکی تھی۔ واقعی بوا صحیح کہتی تھیں جب بیٹی جوان ہوتی ہے تو ماں چوکیدار بن جاتی ہے' سارے حواس چوکنا ہوجاتے ہیں لیکن اس نے اپنی بیٹی کی ناموس کی حفاظت کے لیے ذرا بھی تو تردد نہیں کیا تھا۔ وریشہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتی چلی جاتی' جیسی ڈریسنگ اس کی ہوتی اس پر صنف مخالف کا متوجہ ہونا لازمی امر تھا۔

عروسہ نے بھی تو وریشہ اور اشعر کی حد سے بڑھتی ہوئی بے تکلفی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ عروسہ کی ہلکے پیٹ کی عادت سے بخوبی واقف تھی' جھوٹ اور مبالغہ آمیزی سے زیب داستان کو بڑھانا اس کا مشغلہ تھا۔ زندگی میں فریحہ نے اپنے آپ کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا جتنا اب کررہی تھی۔

وریشہ کے روم سے اس نے کمپیوٹر نکلوالیا' موبائل تو اسی



دن چھین چکی تھی۔ وریشہ اپنے ساتھ اس سلوک کو سراسر ظلم گردانتے ہوئے اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتی رہی مگر وہ کان لپیٹے اس کا سارا واویلا خاموشی سے سنتی رہی۔

"بی بی جی۔" شادو اس کے پاس آکر مودب ہوکر بولی تو وہ چونک کر خیالوں سے نکلی تھی۔

"بی بی جی! وہ سرف صابن منگادیں' میں نے کپڑے دھونے ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شادو! ابھی پچھلے ہفتے تو میں مہینے بھر کا سودا لائی ہوں' اتنی جلدی کیسے ختم ہوگیا۔" اس نے تیز نظروں سے شادو کو دیکھا تو وہ خائف ہوکر بولی۔

"بی بی جی! ہر دوسرے دن تو کپڑے دھلتے ہیں پھر ختم تو چیز ہونی ہے ناں۔"

"ذرا دھیان سے استعمال کیا کرو' کوئی مفت نہیں مل رہے جو تم پانی کی طرح ہر چیز بہادیتی ہو۔" کیبنٹ سے سرف صابن نکال کر شادو کے حوالے کرتے ہوئے اس نے سختی سے تاکید کی۔

"اور سنو...... کپڑے دھو کر جو صابن سرف بچے وہ مجھے دینا ہے پھر استعمال کی ضرورت ہوئی تو میں خود اٹھا کر دوں گی۔" شادو نے حیرانی سے فریحہ کو دیکھا تھا۔

"فریحہ کم از کم شیمپو تو واش روم میں رکھ دیا کرو اب دیکھو میں صابن سے بال واش کرکے آیا ہوں۔" تولیے سے گیلا سر رگڑتے ہوئے عدیل ادھر چلے آئے اور قدرے خفگی سے بولے فریحہ کا تو منہ کھل گیا تھا۔

"عدیل ابھی دو دن پہلے تو میں نے شمپو کی کنگ سائز بوتل نکال کر واش روم میں رکھی تھی اب اتنی جلدی خالی ہوگئی۔"

"خالی کہاں...... وہاں تو بوتل کا وجود ہی نظر نہیں آیا شاید خالی بوتل ہونے پر ماسی نے ڈسٹ بن میں ڈال دی ہو۔" بالوں میں برش چلاتے ہوئے وہ آرام سے بولے تو فریحہ کا سر نفی میں ہل گیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتی مہینوں استعمال ہونے والی چیز دنوں میں ختم ہو۔ میں شادو سے پوچھتی ہوں' بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے۔" غصے سے دانت پیستے ہوئے شادو کی تلاش میں وہ باہر آئی تو عدیل کو صدیق سے باتیں کرتا پایا تھا' وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ صدیق اپنی شادی کا بلاوا دینے آیا تھا' ویسے ہی سہما سہما' جھینپا جھینپا سا...... اس کی شادی اگلے ماہ کی آخری ہفتے میں ٹھہر گئی تھی۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں' ہم سب ضرور آئیں گے۔" عدیل اس کی شادی میں بھرپور شرکت کا وعدہ کرتے ہوئے اسے گیٹ تک رخصت کرآئے تھے۔

"ہاں بھئی تو اگلے ماہ گاؤں چونتری چلنے کی تیاری کرنی ہے اپنے صدیق کی شادی پر۔" عدیل اس سے مسکراتے ہوئے بولے تو فریحہ نخوت سے بولی۔

"ہونہہ...... میں نہیں جارہی اس دھول مٹی والے ماحول میں' جہاں سڑکیں ہیں تو موت کا کنواں' میرا انجر پنجر ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے جانا ہے تو شوق سے جائیں۔" شادی کے فوراً عدیل اسے بوا کے گاؤں لے گئے تھے نئی نویلی' سجی سنوری شہری دلہن کو دیکھنے کے لیے پورے پنڈ کی عورتیں امڈ آئی تھی۔

"جیسے چڑیا گھر میں لایا گیا کوئی نیا جانور ہوں جو یہ لوگ ایسے بڑھ چڑھ کر دیکھ رہے ہیں۔" فریحہ عورتوں کے اشتیاق پر خوب کھولتی تھی۔

بجلی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم گاؤں میں پنکھا نام کی کوئی چیز نہ تھی' رات کو مچھروں سے بچاؤ کے لیے گوبر کے ڈھیر کو سلگا لیا جاتا تھا۔ فریحہ کا تو کھانس کھانس کر بُرا حال ہوگیا تھا' پانی بھی دور ندی سے گھڑوں میں بھر کر لایا جاتا تھا جو اتنا کثیف اور گدلا کہ ایک گھونٹ کے بعد دوسرا گھونٹ لینا محال ہوتا۔

پورے ہفتے کی تیاری کرکے گئے تھے مگر فریحہ نے دوسرے ہی دن واپسی کی رٹ لگادی۔ عدیل کو ناچار واپسی کا قصد کرنا پڑا تھا' اتنے برس گزرنے کے بعد بھی گاؤں چونتری کا ذکر آتے ہی فریحہ کی حالت غیر ہوگئی تھی۔

"ارے بھئی تم خوامخواہ کترا رہی ہو اب وہاں کافی ترقی ہوچکی ہے' پکی سڑکیں' پائپ لائن سب کچھ اتنا بدل چکا

ہے کہ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔" عدیل نے ہنس کر اسے آمادہ کرنا چاہا۔

"بھلا کیا بہتری آئی ہوگی' صدیق کو دیکھ کر ہی پتا چل رہا تھا وہی پینڈو کا پینڈو...... لائٹ اور پانی آ جانے سے کیا روم و پیرس بن گیا ہے۔" فریحہ کا فیصلہ اٹل تھا۔

❁......❁......❁

"کہاں چلی گئیں...... کل صبح ہی تو یہی اتاری تھی۔" وہ کافی دیر سے اپنی بلیک سینڈل ڈھونڈ رہی تھی مگر مل نہیں رہی تھی' اسٹور گیلری ہر جگہ دیکھ لیا۔

"شاید وریشہ نے پہن لی ہو۔" وریشہ نے کئی دنوں کی بھوک ہڑتال موقوف کر دی تھی۔ بھائی کے ساتھ ہنسنا بولنا شروع کر دیا تھا البتہ فریحہ سے بول چال بند تھی۔ فریحہ کے لیے یہ بھی غنیمت تھا ورنہ تو وریشہ کے تیور ہولائے دے رہے تھے۔

"ماما آپ نے میری وائٹ رسٹ واچ دیکھی؟" فارس آ کر پوچھنے لگا' وہ اپنی تلاش موقوف کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مائی سن! آپ کے اپنے روم میں ہوگی۔"

"نہیں ماما! میرے روم میں کہیں نہیں ہے' ڈریسنگ ٹیبل پر اتار کے رکھی تھی' پتا نہیں کہاں چلی گئی۔" فارس متفکر سا بولا یہ واچ اسے عدیل نے رزلٹ پر گفٹ کی تھی' کافی قلبی لگاؤ تھا اس گھڑی سے۔

"کوئی پاؤں تھوڑی ہیں جو چل کر کہیں گئی ہوگی' ضرور کسی نے اٹھائی ہے۔" وہ ٹھوس انداز میں بولی۔

"کیا مطلب چوری...... یہاں کون چوری کر سکتا ہے؟" فارس حیران تھا۔

اگلے دن اس کے جاگنگ کے جوگرز غائب تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے...... میرا گولڈ بریسلیٹ کسی نے ٹیبل سے اٹھا لیا۔" وریشہ بھی حیرانی سے چلائی تھی' یہ بریسلیٹ اسے اشعر نے گفٹ کیا تھا' بہت عزیز تھا وہ تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو چکی تھی۔

فریحہ کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سی نادیدہ قوت ان کے گھر سے چیزیں غائب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ وہی گنتی کے چار افراد اور شادو......

"ہاں شادو......" وہ ایک دم چونکی تھی' محنتی' صاف ستھری' ہر کام دل لگا کر کرنے والی کیا تھا جو چھوٹی چھوٹی چیزیں اپنے ساتھ گھر لے جاتی تھی بنا کسی کو بتائے۔

فریحہ نے خود بوا کو شادو کی کھنچائی کرنے پر بُری طرح جھاڑ دیا تھا۔ انہیں وہمی شکی کہہ کر شادو کی گلوخلاصی کروا لیا کرتی تھی تو شادو کو فریحہ بی بی بہت فیاض اور مہربان ہستی لگا کرتی تھی اب اسی مہربان فریحہ کو اپنے اوپر غصے سے گرجتا برستا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کانپتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ آج فریحہ کے عتاب سے اسے کون بچائے گا' بوا سے تو فریحہ پیچھا چھڑوا لیا کرتی تھی۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں' ہر سال تمہاری تنخواہ بڑھاتی ہوں پھر کھانا کپڑے الگ...... پھر بھی چوری لازمی کرنی ہوتی ہے۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی' وہ ابھی کچھ دن اور مخمصے میں رہتی اگر جو اس دن اپنی آنکھوں سے شادو کو ڈریسنگ ٹیبل سے لپ اسٹک اٹھاتے نہ دیکھ لیا ہوتا' وہ شادو پر اندھا اعتماد کرتی تھی اب اسی اعتماد کی ٹوٹی کرچیاں ہی اس کا پارہ ہائی کر رہی تھیں۔

"بی بی جی! معاف کر دیں' غلطی ہوگئی' آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" شادو ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے منمنائی تھی' پہلے تو فریحہ کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بوا کے سامنے مکر جایا کرتی تھی اب تو خود فریحہ نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا' جائے فرار ممکن نہ تھی۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے' آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ دفع ہو جاؤ۔" غصے سے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے شادو کو باہر کی راہ دکھائی۔

"اُف خدایا...... ہر بندہ اپنی عیاری کا گر مجھ پر آزما رہا ہے' جیسے مجھ سے زیادہ بے وقوف تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔" بے تحاشہ درد سے دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے وہ آزردگی میں گھر کر بولی تھی۔

❁......❁......❁



"کیا ہوا جان! آپ ٹھیک طرح سے کھا کیوں نہیں رہے۔" فریحہ نے پیار سے پوچھا' وہ کب سے بیٹے کو بے دلی سے چمچ گھماتے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے کھانا ٹیسٹی نہیں لگ رہا۔" وہ گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی یہ چکن ذرا اچھا نہیں لگ رہا۔" وریشہ نے بھی منہ بنا کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"بوا جیسا ٹیسٹ آپ کے ہاتھوں میں نہیں ہے' کتنے مزے کے چاول پکاتی تھیں۔" فارس بوا کے ہاتھ کا ذائقہ یاد کرنے لگا۔

"بس پیٹ بھرا ہوا ہے ناں' تبھی ماں کے کھانے میں کیڑے نکال رہے ہیں اگر بھوک ہو تو سوکھی روٹی بھی اچھی لگتی ہے۔" وہ خفت زدہ سی ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی۔

یہ سچ تھا وہ چولہے کے قریب کبھی نہیں گئی تھی جس دن سے بیاہ کر آئی بوا کو ہی چولہا سنبھالے دیکھا۔ عدیل کو بوا کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا اس لیے اس نے بھی کھانا پکانے میں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ عدیل کے بعد بچے بھی ان کی کوکنگ کے معترف تھے پھر وہ کیوں خوامخواہ کا سگھڑاپا ظاہر کرنے کو کچن میں گھسی رہتی۔ شادو کو بھی فارغ کرنے کے بعد غصے اور جوش کی ملی جلی کیفیت میں اس نے کھانا پکانا شروع تو کیا مگر اس کے ہاتھ کا پکا کھانا بچوں کو تو کیا خود اسے بھی اچھا نہ لگتا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی بوا کے ہاتھ کے ذائقے کی عادی ہو چکی تھی۔

بوا کا وجود اسے گھر میں خارِ ناگوار کی طرح چبھتا تھا' ان کی ہوشیار و محتاط طبیعت پر خاصا تاؤ آتا تھا۔ بچوں' ماسی اور خود اس کی روٹین پر جب بھی تنقید کرتیں تو وہ بے اختیار ان کے گھر کے لیے دعا مانگتی تھی۔ وہ بوا کے جانے کے بعد واقعی بہت خوش تھی جیسے بہت بڑا بوجھ سر سے ہٹ گیا ہو۔

مگر یہ خوشی ہر گزرتے دن کے ساتھ معدوم ہوتی جا رہی تھی' بچوں کی کھانوں پر تنقید نے دل خاصا برا کر دیا تھا۔ طبیعت پر عجیب سی بے کلی چھائی ہوئی تھی' کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ دل کا بوجھل پن دور کرنے کی خاطر وہ گاڑی نکال کر بھابیوں کی طرف چلی آئی کہ شاید ان سے ہنس بول کر اس کی پژمردہ طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے۔

گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا اس لیے گاڑی مین روڈ پر چھوڑ کر پیدل ہی چلنے لگی۔ گیٹ عبور کر کے وہ پہلے ناظرہ بھابی کے پورشن کی طرف چلی آئی' ڈرائنگ روم میں ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ارے عالیہ! زبیدہ خالہ کے پوتے کی آمین ہے' پھر

دسمبر

کیسے بتاؤں کہ دسمبر کیا ہے؟
دسمبر نام ہے اذیت کا
رستے ہوئے زخموں کا
بچھڑے ہوئے لوگوں کا
الجھے ہوئے رشتوں کا
روتی ہوئی آنکھوں کا
درد میں ڈوبی ہوئی سانسوں کا
تڑپتی ہوئی یادوں کا
دل چیرتی تنہائی کا
ویرانی دل کا
اداس شاموں کا
کرلاتی تمناؤں کا
بین کرتی وفاؤں کا
بے توقیر چاہتوں کا
ٹوٹے ہوئے خوابوں کا
تھکن سے چُور دھڑکنوں کا
دم توڑتی دعاؤں کا
اور......
دسمبر نام ہے
ہر زخم کے ٹانکوں کے اُدھڑ جانے کا
اور......
ہر پل مر مر کر جیے جانے کا

شگفتہ خان ٹوفی...... بھلوال

کچھ دینا دلانا بھی تو ہوگا۔" ناظرہ نے پوچھا تھا۔

"آمین کو چھوڑیں مجھے تو اپنی بھانجی صبا کی شادی کی فکر کھائے جارہی ہے۔ کوئی بھاری سا گفٹ دینا ہوگا پھر اپنے اور بچوں کے بھی تو کپڑے لینے ہوں گے۔" عالیہ متفکر سی بولی۔

"تم خوامخواہ پریشان ہورہی ہو ہمیشہ کی طرح فریحہ سے ایک دو جوڑے مانگ لو ذرا سا مکھن لگا کے۔" ناظرہ تمسخر سے ہنسی تو عالیہ نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

"سچ کہتی ہو فریحہ تو ہمارے لیے ورلڈ بینک ہے جب دل چاہا پیسے نکلوا لیے ذرا سی خوشامد...... اور جس چیز پر ہاتھ رکھو وہ اپنی۔" باہر کھڑی فریحہ کا تو کاٹو تو لہو نہیں والا حال تھا۔ بے یقینی کا بگولہ اتنا تیز تھا کہ اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"میرا خود فریحہ سے وہ جھمکے لینے کو جی چاہ رہا ہے جو اس نے پچھلی عید پر لیے تھے۔"

"جھمکوں سے یاد آیا آپ نے فریحہ کا گولڈ سیٹ واپس کردیا تھا۔" عالیہ نے پوچھا۔

"ارے کہاں واپس کیا اس بھلکو نے مانگا نہیں تو میں ایسے خوامخواہ کیوں دے دیتی۔ ویسے اپنی فری ہے پوری ڈفر اگر میں اس سے کہہ دوں کہ میں نے سیٹ واپس کردیا تھا تو وہ فوراً کہہ دے گی اچھا شاید میں نے کہیں رکھ دیا ہوگا۔" ناظرہ نے فریحہ کی نقل اتاری۔

"تو اور کیا عدیل ہی بھلا مانس آدمی ہے جو ایسی بے پروا اور پھوہڑ کے ساتھ گزارہ کررہا ہے ورنہ ہوتے ہمارے آدمی ناں تو ایک دن میں گھر سے باہر کردیتے۔" وہ مگن سی اور بھی باتیں کررہی تھی مگر مزید اس سے زیادہ اس میں سننے کا یارانہ تھا' برستی آنکھوں سے ڈرائیو کرتی وہ بمشکل گھر لوٹی تھی۔

❁......❁......❁
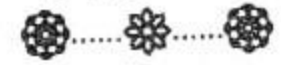
"یہ چائے ہے؟" عدیل نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"تو اور کیا میں نے پائے پکائے ہیں پھر؟" اس نے تیز لہجے میں پوچھا تھا' وہ آج کل ویسے ہی بہت چڑی ہوئی تھی' بگڑنے کا تو بہانہ چاہیے تھا۔

"اتنی کڑوی اور بدمزا......" عدیل نے کپ اس کی طرف بڑھایا' انہیں گھورتے ہوئے اس نے گھونٹ بھرا مگر پھر اسے بھی تھوکنا ہی پڑا۔

"شاید میں نے کچھ غلط ڈال دیا۔"

وہ جب سے بھائیوں کے گھر سے آئی تھی اس وقت سے غائب دماغی سے سارے کام نمٹا رہی تھی۔ اپنی محبت' خلوص اور اپنائیت کی اتنی تذلیل نے اسے رلا رلا کر بیمار کرڈالا تھا۔ وہ اپنی بھابیوں کو بڑی بہنوں سا مقام دیتی تھی اور وہ کتنی ہوشیاری سے اس کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی آرہی تھیں۔ ان کی دھوکے باز فطرت کو کوسنے کی بجائے وہ اپنی لاابالی فطرت کو کوستی رہی کہ دو جوان بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی اسے خوشامد اور محبت میں فرق نہ کرنا آیا تھا۔

"سچ کہتی تھیں بوا' دونوں بھابیاں بہت عیار فطرت اور چاپلوس ہیں' یہ میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھارہی ہیں۔" اس کے دل نے چپکے سے اعتراف کیا تھا۔

"یہ وریشہ کہاں ہے' صبح سے نظر نہیں آرہی؟" پائپ سے پودوں کو پانی دیتے ہوئے عدیل پوچھ رہے تھے۔

"اس کے ایگزام کی ڈیٹ آگئی ہے' رول نمبر سلپ لینے کالج گئی ہے۔" لان میں چیئرز ترتیب دیتے ہوئے وہ بولی اب اس کا گھر کے کاموں میں جی لگنے لگا تھا' گھر کو سنوارنا سجانا' اسے انوکھا لطف دے رہے تھے۔ پارٹیز' شاپنگ اور آؤٹنگ وہ سب قصہ پارینہ بن چکے تھے۔

"تو شام چار بجے تک کون سا کالج کھلا رہتا ہے' اسے بارہ بجے تک واپس آجانا چاہیے تھا۔" وہ پائپ کیاری میں پھینک کر اس کی طرف آگئے' لہجے میں تشویش تھی۔

"میں پتا کرتی ہوں وریشہ سے۔" موبائل اٹھا کر نمبر ملایا مگر نمبر بند جارہا تھا۔

"تم دوبارہ ٹرائی کرو' آخر اتنی لیٹ کیوں ہے وہ پہلے بھی اتنی دیر باہر رہی ہے؟" وہ اب اس سے پوچھ رہے



تھے۔ وہ چور سی بن گئی' کیا بتاتی وہ تو اکثر رات گئے بھی لوٹتی تھی۔ یہ تو اس نے اشعر کے ساتھ دیکھنے پر اسے گھر میں بند کردیا تھا' اس بات کو بھی تقریباً ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا۔ وریشہ اپنی نارمل روٹین پر آگئی تھی گھر میں ہی اسٹڈی کرتی رہتی۔ ناں کمپیوٹر دوبارہ سیٹ کیا نہ باہر جانے کی ضد کی' وہ قدرے پُرسکون ہوگئی تھی۔

آج صبح ہی اس سے کالج جانے کی اجازت لی تھی اور وہ خود اسے کالج چھوڑنے گئی تھی۔

"میں آپ کو کال کردوں گی پھر مجھے لینے آجایئے گا۔" گاڑی سے اترتے ہوئے وریشہ نے کہا تھا۔

وہ اس کی کال کا انتظار کرتی رہی مگر شام ہوگئی' کافی بار ٹرائی کرنے کے بعد اس نے کلاس انچارج کا نمبر ملایا۔

"جی مسز عدیل! وریشہ آج کالج آئی تھی' رول نمبر تو اگلے ہفتے ہی ایشو ہوگا' وہ ہاف ٹائم کے بعد چلی گئی تھی۔"

"چلی گئی مگر کہاں......؟" مسز شکیل کے جواب نے تو اس کے اوسان ہی خطا کر ڈالے تھے۔ اندھیرے کی چادر دھیرے دھیرے اترنے لگی تھی مگر وریشہ کا تا حال کچھ پتا نہ تھا۔ فریحہ کا تو رو رو کر بُرا حال تھا' عدیل بھی کم پریشان نہ تھے۔

"عدیل اب کیا ہوگا' ہماری وریشہ کہاں چلی گئی؟" فریحہ نے بھیگی آنکھیں پونچھتے ہوئے عدیل سے پوچھا۔

"یہ تم بتاؤ' وہ کہاں جاسکتی ہے' کتنی فرینڈز ہیں اس کی جن سے وہ ملتی رہتی ہے۔" وہ اب اس سے پوچھ رہے تھے۔ وہ تو بولنے کے قابل نہ تھی اگر اشعر کا نام لیتی تو وہ یقیناً اسے تھپڑ مارنے سے بھی گریز نہ کرتے کہ اس نے اتنی بڑی بات اب آکر بتائی ہے جب پانی سر سے اوپر جاچکا تھا۔ چپ رہنے میں بھی عافیت نہ تھی ایسے تو وریشہ کے ملنے کا کوئی کلیو ہاتھ نہ لگ رہا تھا' وہ دہری مصیبت میں گرفتار تھی۔

رات بھیگتی جارہی تھی اب تو عدیل کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔ بدنامی اور رسوائی کے مہیب سائے انہیں اپنی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھوں کے

### رباب ثالث

السلام علیکم! میرا نام رباب ثالث ہے اور میں لاہور کے علاقے مریدکے میں 19 دسمبر 1992ء کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی اور میں تین بھائیوں کی ایک بہن کی اکلوتی بہن ہوں' ایم کام کررہی ہوں اور ساتھ عالمہ کا کورس جاری ہے جس کی وجہ سے بہت مصروف رہتی ہوں۔ کھانے میں بریانی' قورمہ اور کریلے بہت پسند ہیں۔ میٹھا پسند نہیں اس لیے اسمارٹ ہوں۔ پُرخلوص اور چاہت کرنے والے لوگ بہت پسند ہیں۔ سب سے بڑی خواہش حج کرنے کی ہے' ڈائجسٹ پڑھنا میرا مشغلہ ہے۔ میری ماں جو اس دنیا میں نہیں ہیں ان کے لیے دعاگو ہوں کہ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین۔ میں بہت بارعب اور باوقار لڑکی ہوں۔ اپنے ڈیڈی سے بہت محبت کرتی ہوں جنہوں نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی' مجھے گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔ لباس شلوار قمیص اچھا لگتا ہے اور ستاروں پر بالکل یقین نہیں۔ غصے کی بہت تیز ہوں مگر خود کو کنٹرول کرنا مجھے حالات نے سکھادیا ہے' بات کرنے کا انداز' رویہ' لہجہ سب کچھ میرے استاد نے سکھایا ہے' اللہ ان کو کامیاب کرے آمین۔ اللہ حافظ۔

سامنے ٹی وی پر دیکھنے اور اخباروں میں پڑھی ہوئی تمام خبریں گھوم رہی تھیں جس میں کسی دوشیزہ کے اغواء' آبرو ریزی اور پھر قتل کے واقعات چھپے ہوتے تھے۔

"خدایا! اے مشکل کشا...... ہمیں اس آزمائش سے بچا' ہماری بچی کو اپنی حفظ و امان میں رکھ۔ اس کے جوہر ناموس کو محفوظ رکھ۔" دونوں ہی آنسو بہاتے خدائے لم یزل کے حضور دست دعا تھے' گڑگڑا رہے تھے' فارس افسردہ سا ماں باپ کو پریشانی سے چکراتا دیکھ رہا تھا۔

"میں بھائیوں کو فون کرتی ہوں شاید وہ میری بچی کو کہیں سے ڈھونڈ لائیں۔" فریحہ موبائل کی طرف لپکی۔

"ہرگز نہیں' انہیں کچھ نہیں بتانا' فیملی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔" عدیل نے اسے راستے میں روک دیا۔

''میں پولیس اسٹیشن میں رپورٹ کرتا ہوں۔''

''خدا کے واسطے عدیل! کیوں اپنی عزت کا جنازہ نکلوانا چاہ رہے ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے عدیل کے ہاتھ سے موبائل چھینا۔

''پتا نہیں میری بچی کہاں ہے' کس حال میں ہے؟'' فریحہ کی سسکیاں وقفے وقفے سے لاؤنج میں ابھر رہی تھیں۔

''میرے خدایا...... مالک کل کائنات! ہماری بچی کو بخیر و عافیت لوٹا دے۔'' باوضو ہوکے وہ جائے نماز پر آ بیٹھی اور گڑگڑا کر رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگی۔

وریشہ کم عقل' نادان تھی مگر اسے اپنے خون پر بھروسہ تھا' اسے یقین تھا اس کی بیٹی کوئی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ وہ عدیل احمد کی بیٹی تھی جن کی شرافت و اعلیٰ کردار کا ہر کوئی معترف تھا۔ ہاں اس سے بیٹی کی پرورش میں کوتاہی ہوئی' اس کی آنکھ چھپلی تھی ہرماں کی طرح اسے بھی اپنی بیٹی بھولی بھالی' معصوم اور انجان سمجھتی تھی ایسے میں بوا کا ہر وقت وریشہ کو روکنا ٹوکنا اسے سخت بُرا لگتا تھا۔ وہ بوا سے انتہائی اہانت آمیز رویہ رکھتی' کتنی نادان اور کم عقل تھی۔

''یا خدا! میں بوا کے پاؤں پڑ کر رو کر عاجزی سے معافی مانگ لوں گی' ان ساری بدتمیزیوں اور گستاخیوں پر جو میں نے اتنے سالوں میں ان کے ساتھ روا رکھی تھی۔ انہیں عدیل کی بوا تو کیا بزرگ سمجھ کر بھی عزت' مان دینے کا تکلف نہیں کیا تھا ایک ان چاہا بوجھ سمجھا تھا۔ اپنی آزادی کی راہ میں حائل رکاوٹ' اپنی ازدواجی زندگی کی خوشیوں کی دشمن...... کتنی بڑی خیر خواہ تھیں وہ اس گھر کی' ہمدرد' عزت کے آبگینے کی رکھوالی کرنے والی...... وہ سخت شرمندہ تھی اپنے رب کے حضور' بوا خدیجہ کے سامنے پچھتاؤوں کی آگ کو اپنے عرقِ انفعال سے بجھاتے ہوئے وہ کتنی دیر جائے نماز پر آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی' صبح صادق کے وقت عدیل کے موبائل پر گھنٹی بجی تھی۔

''ہیلو' عدیل احمد بات کر رہے ہیں؟'' نرم و ہمدردانداز۔

''جی جی' میں ہی عدیل احمد ہوں۔'' وہ ایک دم الرٹ ہوکر بولے۔

''آپ کی بیٹی وریشہ میرے پاس ہے۔''

❀......❀......❀

نوعمر' نادان وریشہ کی آنکھوں میں اشعر جیسے بے راہ رو اور فلرٹی لڑکے نے کچھ اس مہارت سے اپنی چاہت کے دیپ جلائے کہ وہ کم عقل محبت کی رنگین تتلی کے پیچھے سرپٹ دوڑ پڑی...... بے تحاشہ تعریف نوعمری کے لیے خاصی مہلک ثابت ہوتی ہے' وریشہ کے کانوں کو اشعر کا خوشبو لٹاتا لہجہ مدہوش کیے رکھتا۔ اشعر پہلے بھی نجانے کتنی ہی لڑکیوں کو محبت کے نام پر ان کے دامنِ عصمت کو تار تار کر چکا تھا ایسے میں وہ اس نوخیز پھول کو مسلے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

گھر والوں کی بے توجہی کا شکار وریشہ اس کے لیے اتنی بھی تر نوالہ ثابت نہ ہو پارہی تھی۔ ادھر وریشہ کو بھی اشعر کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے' اشعر کی گستاخیاں بڑھتی جارہی تھیں۔

فریحہ کے سامنے تو اس نے بے باکی سے اپنی اشعر سے بے تحاشہ محبت کا اعتراف کرلیا تھا مگر شاید اشعر اس سے اس محبت کا خواہاں تھا جسے سیدھے سیدھے ہوس کا نام دیا جاسکتا تھا۔ لاکھ وہ نادان و کم عقل سہی پر محبت و ہوس میں فرق کو بخوبی سمجھتی تھی' فریحہ کے خود پر اعتماد کے بحال ہوتے ہی اس نے اشعر سے رابطہ کیا تھا مگر اس کا وہی مطالبہ تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری سو کالڈ محبت۔'' اس نے پورے دل سے اشعر پر لعنت بھیجی اور جی جان سے پڑھائی میں لگ گئی۔

کچھ بھی ہو اپنے شریف' معزز اور صاف ستھرے کردار کے حامل باپ کی عزت بہرحال ہر چیز پر مقدم تھی۔

فریحہ اسے خود کالج چھوڑنے آئی' کچھ وجوہات کی بناء پر تو اس نے ٹیکسی لے کر گھر جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ روڈ پر آئی ہی تھی کہ بہت قریب کسی گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے' وہ اچھل کے پیچھے ہٹی تھی۔ گاڑی کا شیشہ تیزی سے نیچے ہوا اور اندر اشعر کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا۔

''جانِ من! کہاں کے ارادے ہیں' آؤ میں چھوڑ دوں۔''

''ہونہہ......'' وہ نفرت بھری نظر ڈال کے آگے بڑھنے لگی۔

''وریشہ ڈیئر! کم آن' کس لیے اتنی ناراض ہو ایسی کیا خطا ہوگئی ہے مجھ سے؟'' وہ گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے آیا اور بے حد محبت سے پوچھنے لگا۔

''اشعر میں کہہ رہی ہوں مجھے فالو کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں' اپنا رستہ ناپو۔'' اس کی طرف دیکھے بنا سختی سے بولی۔

''پلیز مجھے معاف کردو' میں واقعی بہت جذباتی اور بے صبرا ہوں لیکن یقین کرو تمہاری چاہت ہی نے مجھے اتنی جرأت بخشی ہے کہ......''

''شٹ اپ' اشعر حسن! بہتر یہی ہے کہ یہیں سے پلٹ جاؤ' میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ غصے سے غرائی تھی۔ اس کی فرینڈ رافعہ اپنے بیسٹ فرینڈ کی تعریف میں قلابے ملایا کرتی تھی فطرتاً اسے بھی اشتیاق ہوا کہ دیکھیں تو سہی آخر وہ کون سا پرنس ہے جس پر رافعہ اپنے موبائل پر کھٹا کھٹ کئی پکس کھولتی گئی' سامنے کوئی اور نہیں یہی اشعر حسن تھا جو اَب بھی اس کی محبت کا دعویدار بنا کھڑا تھا۔

''تمہاری ناراضگی بجا' مگر مجھے ایک موقع تو دو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا' میں حقیقتاً بہت شرمندہ ہوں۔ اپنی بے اختیاری پر خود بھی کافی نادم ہوں' پلیز میری ایک ریکوئسٹ تو سن لو۔'' چلتے چلتے وہ اس کے سامنے آ گیا اور ملتجیانہ لہجے میں کہنے لگا۔

''چلو آؤ میری گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں' یہاں کھڑے مناسب نہیں لگ رہا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے اپنی گاڑی تک لے آیا اور وریشہ کی بھرپور مزاحمت کے باوجود فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے اندر منتقل کیا اور پھر زن سے گاڑی بھگا دی۔ وریشہ آٹو میٹک لاکڈ دروازہ کھولنے کی کوشش میں بھی اس پر چیختی چلاتی رہی اس کا دل اسے بخوبی باور کرا رہا تھا کہ وہ بڑی مصیبت میں پھنس چکی ہے۔ اس کا واویلا یونہی بے کار گیا' اشعر اسے ایک بے حد خوب صورت بنگلے کے ایک بے حد فرنشڈ روم میں لے آیا۔

''سویٹ ہارٹ! تم نے کیا سوچا تھا کہ تمہارا یہ حسن ہم سے داد پائے بنا نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔'' وہ خباثت و کمینگی سے مسکراتا ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی طرف آرہا تھا۔ وریشہ کی تو روح فنا ہوچکی تھی' اشعر کے ارادے اسے بدنامی اور گناہ کی دلدل میں دھکیلنے کے تھے۔

''دیکھو اشعر مجھ سے دور رہو' ورنہ بہت برا ہوگا۔'' وہ کانپتی ہوئی انگلی سے وارن کرتے ہوئے قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی' اشعر دل کھول کر ہنسا تھا جیسے اس کے منہ سے کوئی بچکانہ بات سن لی ہو۔

پیچھے ہٹتے ہٹتے وریشہ کی پشت ونڈو سے جا ٹکرائی تھی'

خوابوں کو باتیں کرنے دو

آنکھوں میں جو خواب ہیں' ان کو باتیں کرنے دو
ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے
موسم جو سندیسہ لایا اس کو پڑھ تو لو
سن تو لو وہ راز جو پیاسا ساحل کہتا ہے
آتی جاتی لہروں سے کیا پوچھ رہی ہے ریت؟
بادل کی دہلیز پر تارے کیوں کر بیٹھے ہیں
جھرنوں نے اس گیت کا مکھڑا کیسے یاد کیا
جس کے ہر اک بول میں ہم تم باتیں کرتے ہیں
راہ گزر کا' موسم کا' نہ بارش کا محتاج
وہ دریا جو ہر اک دل کے اندر بہتا ہے
کھا جاتا ہر اک شعلہ وقت کا آتش دان
آنکھوں میں جو خواب ہیں ان کو باتیں کرنے دو
ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے

امجد اسلام امجد

ناہید بشیر رانا...... رحمان گڑھ

اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے قدرت نے ایک پل اسے فراہم کیا تھا۔ وٹڈو کی چٹخنی گرا کر وہ باہر کودی، اشعر اس پر جھپٹا تھا مگر وریشہ کا دوپٹہ ہی اس کے ہاتھ لگ سکا۔ دوپٹہ کمرے میں رہ گیا، کودنے سے جوتے کا اسٹریپ ٹوٹ گیا۔ الجھے بال، دھڑکتے دل اور پھولی سانسوں کی ساتھ سرپٹ دوڑتے وریشہ کے حلق سے نکلنے والی چیخیں اتنی بلند تھیں کہ ساتھ والی کوٹھی کے چوکیدار اللہ یار نے بخوبی سن لیں۔

❀……❀……❀

"اس گھر کا مالک بیرون ملک میں رہتا ہے، اشعر حسن پہلے بھی کتنی ہی لڑکیوں کو یہاں لا چکا ہے، کچھ بدچلن خود ہی بن سنور کر آتی ہیں، کچھ کو اغوا کر کے اور کچھ کو بہلا پھسلا کر لاتا ہے۔" اللہ یار دھیمی آواز میں بول رہا تھا، عدیل گہرا سانس بھر کر بولے۔

"بھائی اللہ یار! جو بھی ہو آپ میری بچی کے لیے تو رحمت کا فرشتہ بن کر آئے، اگر آج آپ اس کی مدد کو نہ پہنچتے تو نجانے کیا ہو جاتا۔" عدیل کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"مجھے شرمندہ نہ کریں، عزت، ذلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ صرف وسیلہ بن جاتا ہے اگر میں نہ پہنچتا تو کوئی اور پہنچ جاتا، آپ کی بچی کی عزت اللہ نے محفوظ رکھنی تھی سو رکھ لی۔" اللہ یار عاجزی سے بولا اس مہربان شخص کے سامنے سارے گھر والے احسان مندی سے بچھے جا رہے تھے۔

وریشہ تو جب سے گھر آئی تھی گم تھی، اسے یہ یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا کہ وہ بخیر و عافیت اپنے گھر اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ فریحہ بھی بار بار بیٹی کو چوم کر اس کے اپنی نظروں کے سامنے موجود ہونے کا خود کو یقین دلا رہی تھی۔

❀……❀……❀

"عدیل! آپ کے پانچ شلوار سوٹس رکھ دیئے ہیں، کافی رہیں گے ناں؟" پیکنگ سے فارغ ہو کر وہ عدیل سے پوچھنے لگی۔

"ہاں کافی ہیں، اگر تمہارا گدلے پانی اور دھوئیں کی وجہ سے دوسرے دن ہی واپسی کا ارادہ نہ بن جائے تو......" وہ مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں اسے بہت پرانی بات کا حوالہ دے رہے تھے، وہ انہیں گھور کر رہ گئی۔

"ماما! میرے ریڈ فراک کی میچنگ چوڑیاں نہیں مل رہیں۔" وریشہ اندر سے آ کر منہ بسور کر بولی، اس کی تیاری ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ شادی کی مناسبت سے سارے کپڑے اسٹائلش اور مکمل تھے، فل آستینوں والے فراک اور لانگ شرٹس، بڑے بڑے دوپٹے، وہ بوا خدیجہ کو اس روپ میں خود کو دکھانا چاہتی تھی جیسا وہ چاہتی تھیں۔ بچوں اور شادی کے بھرے پرے گھر میں سب کے سامنے بوا سے اپنی تمام غلطیوں اور ناروا رویے کی معافی مانگے گی اور انہیں شادی کے بعد واپس اپنے گھر لے آئے گی تو زندگی کتنی روشن آسودہ اور مکمل ہو جائے گی۔

"پاپا ہم اتنے لیٹ کیوں ہو رہے ہیں، کافی لمبا سفر ہے۔" فارس کا بوا سے ملنے اور خالص دیہات کی روایتی شادی کی رسموں سے لطف اندوز ہونے کا شدت سے دل چاہ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا! ہیلی کاپٹر آ جائے تو پھر چلتے ہیں۔" عدیل بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہیلی کاپٹر کیوں؟" سب کے منہ سے حیرانی سے نکلا۔

"بھئی گاڑی میں کیسے جا سکتے ہیں، گاؤں چنتری کی سڑکیں اتنی ٹیڑھی میڑھی ہیں کہ تمہاری ماما کا تو انجر پنجر ہل جاتا ہے۔" وہ شوخ نگاہوں سے فریحہ کو تکتے ہوئے بولے تھے۔

"جی نہیں اب کافی ترقی ہو چکی ہے، نئی سڑکیں بھی بن چکی ہیں، پانی بجلی ساری بنیادی سہولتیں وہاں موجود ہیں۔" وہ تڑخ کر بولی تو عدیل کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا تھا۔

❀



ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے
کہ تم ایک دن جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ
بہت جلدی سمجھ میں آنے لگتے ہو زمانے کو
بہت آسان ہو تھوڑے بہت دشوار ہو جاؤ

"ممما! یہ شرٹ پیس کس کا ہے؟ اوہ مائی گاڈ زبردست کڑھائی ہے۔ میں اس کا کرتا بنوا کر پہن لوں؟" ارج نے نیلے کاٹن کے شرٹ پیس کو اپنے ساتھ لگا کر دیکھا اور اشتیاق سے ہادیہ سے پوچھنے لگی۔ وہ ایک دم چونکی، بیٹی کے مجبور کرنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بیٹا! یہ آپ کی نانی نے اپنے ہاتھوں سے کاڑھا تھا۔" ہادیہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا نانو ماں کو اتنا اچھا کام آتا ہے۔ کمال ہے بتایا ہی نہیں۔ میں جب رحیم یار خان جاؤں گی تو ان سے فرمائش کر کے بہت سارے کرتوں اور دوپٹوں پر ایسے کام بنواؤں گی۔" ارج کا لہجہ پر اشتیاق ہوا، وہ چہک رہی تھی اسی لیے اسے ماں کا انکار میں ہلتا ہوا سر دکھائی نہیں دیا۔

"نہیں بیٹا! یہ آپ کی دوسری نانی، خالہ نزہت نے بنا کر دیا تھا۔" ہادیہ کا چہرہ جذبات کی یورش سے سرخ پڑ گیا، ارج بھی لمحہ بھر کو چپ رہ گئی پھر ماں کا دھیان بٹانے کے لیے ایک دم بولنے لگی۔

"ٹھیک ہے کل آپ اسے ٹیلر کو دے دیجیے گا، سچ میں، آج کل اس طرح کی ہاتھ سے کی جانے والی کڑھائی کا کام بہت "اِن" ہے، ماسٹر صاحب کو کہہ دیجیے گا، نیکسٹ فرائی ڈے تک سی دیں۔ وہ جو پھپھو کے یہاں گیٹ ٹو گیدر ہونے والا ہے میں اس میں پہنوں گی۔" ہادیہ بیٹی کے فیصلہ کن انداز پر اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ نئی نسل کی نمائندہ تھی ماں کے مقابلے میں اس کا اعتماد اور قوت فیصلہ قابل دید تھا۔ اوپر سے باپ اور اس کے ددھیال والے اس نخرے باز کو سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتے، تاہم ارج پر خاصی حد تک ہادیہ کی تربیت کی بھی چھاپ تھی، یہ ہی وجہ تھی کہ سب اس کی اچھی عادتوں کو سراہتے تو ہادیہ کا دل خوشی سے بھر جاتا۔

اس کپڑے کو ہاتھ میں لیتے ہی ہادیہ کے دل کو کچھ ہوا، اس نے یہ پیس یادگار کے طور پر بہت سنبھال کر پرانے کپڑوں کے سوٹ کیس میں رکھ دیا تھا، جو اسٹور کے کونے میں پھنسا ہوا تھا، آج پتا نہیں کیسے اس کی سب سے بڑی بیٹی ارج جس کی عمر صرف سولہ سال تھی چھاپہ مارنے وہاں

پہنچ گئی اور وہ یہ پیس برآمد کرلائی۔

ہادیہ نے اپنی نازک انگلیاں محبت سے کپڑے پر کی جانے والی نفیس کڑھائی پر پھیریں۔ ایک دم یادوں کی گن من بارش اس کے من آنگن کو سیراب کرنے لگی۔ کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو معصوم پنچھیوں کی طرح انسانی قلب کی وسعتوں تک پرواز کرتی ہیں۔ نزہت خالہ کا وجود بھی ایک ایسی ہی سنہری یاد تھی۔ آج بھی وہ معطر پل ہادیہ کے دل و دماغ پر چھائے رہتے۔ اس دور میں جب خود غرضی نے سگے رشتوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اپنوں کی تعریف کچھ بدل سی گئی ہے، اب اپنے صرف وہ ہی نہیں سمجھے جاتے، جن سے خون کا رشتہ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات کسی کا خلوص اور بے ریا محبت اتنی قوت و شدت سے اثر انداز ہوتی ہے کہ ایسا وجود دل میں اپنوں سے بڑھ کر مقام پا جاتا ہے۔ ہادیہ کے دل میں بھی خالہ نزہت کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات تھے۔ وہ ایک دم ان لمحوں میں کھوگئی جو اس نے ان کی سنگت میں گزارے تھے، یوں استفادہ حاصل کیا کہ اس کی زندگی گزارنے کا انداز بدل کر رہ گیا۔ آج ہادیہ کی کامیاب زندگی کے پس پردہ ان کی کاوشوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ خیالوں کے دوش پر سوار سترہ سال قبل گزرنے والی اس ریل گاڑی میں جا بیٹھی جہاں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

......☆☆☆......

ٹرین مسلسل چھکا چھک کی آواز سے کبھی تیز تو کبھی ہلکے بھاگے جارہی تھی، ویسے ہی جیسے زندگی کی گاڑی اپنی راہ پر گامزن رہتی ہے، یہ ایک ایسا سفر ہے جو آگے کی طرف ہی جاتا ہے، اس میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، بس بڑھتے چلے جانا ہے۔ یہاں تک کے اپنے آخری پڑاؤ تک پہنچ کر یہ سفر اختتام پزیر ہوجاتا ہے۔

ہادیہ کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، چھوٹی سی ارج اس کی گود میں تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار تنہا دوسرے شہر جارہی تھی، اگر بھائی کی شادی کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسی ہمت نہ کرپاتی مگر اس وقت تو گویا ”مجبوری کا نام شکریہ“ جانا پڑا۔

اس کے شوہر عباد ملک کو آفس سے ایک ساتھ اتنی چھٹیاں نہیں مل پائیں، مگر ہادیہ کا شادی کی تیاری کے سلسلے میں ایک ماہ قبل جانا ضروری تھا۔ اس کا میکہ رحیم یار خان میں تھا۔ وہ شادی ہوکر کراچی آئی تھی۔ جب سے بھائی کی ڈیٹ فکس ہوئی وہاں سب اس کی آمد کے بے چینی سے منتظر تھے۔

ہادیہ کی امی اور بہنوں کے مسلسل فون آرہے تھے کہ جلدی پہنچو، تاکہ عروسی لباس اور دوسری اشیاء کی خریداری کا کام شروع کیا جائے۔ گھر کے پہلے بیٹے کی شادی تھی۔ دانیال بھائی بہنوں میں سب سے بڑا تھا۔ ان چاروں بہنوں کے ارمان پھوٹے پڑ رہے تھے۔ فون پر تفصیلات سن سن کر ہادیہ بھی جانے کو بے چین ہو اٹھی۔ ویسے بھی اوپر تلے کا ہونے کی وجہ سے ان دونوں بھائی، بہن میں جمتی بھی خوب تھی مگر شوہر کی چھٹی کا مسئلہ ایسا اٹھا کے وہ چڑ گئی۔ ویسے بھی وہ حد سے زیادہ حساس اور زودرنج واقع ہوئی تھی۔ اسے کسی کی بات برداشت کرنا خاصہ مشکل کام لگتا، یہ ہی وجہ تھی کے اس بات پر بھی میاں بیوی میں کافی جھگڑا ہوچکا تھا۔

”آپ کے بھائی کی شادی ہوتی پھر تو چل کر بھی نہیں بلکہ اڑ کر پہنچتے۔ کمال ہے اب میرے جذبات کا کوئی خیال ہی نہیں۔“ ہادیہ میکے کی محبت میں اس قدر دیوانی ہوگئی کہ اسے شوہر کی جائز بات بھی سمجھ میں نہیں آئی۔

دانیال نے روز روز کے لڑائی جھگڑوں اور سسرال والوں کے تقاضوں سے تنگ آکر اس کے اکیلے کے ہی ٹکٹ کروادیئے۔ ہادیہ چھوٹی بچی کے ساتھ تنہا سفر کرنے کا سن کر ہی کپکپا اٹھی۔ میکے جانے کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ٹکٹ ہاتھ میں تھامے وہ منہ لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس نے کافی سوچ بچار کے بعد جانے سے انکار کردیا۔ دانیال نے حقیقتاً ماتھا پیٹ لیا۔ وہ بیوی کے ایسے بچپنے پر اکثر چڑ جاتا مگر نئی نئی شادی تھی تو وہ ابھی ہادیہ کو حالات کو سمجھنے کا وقت دینا چاہتا تھا' ویسے بھی وہ اتنی پیاری تھی کہ دانیال پہلی نگاہ میں ہی اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ اس میں اور کوئی برائی نہ تھی ہر لحاظ سے بہت اچھی تھی تاہم اس کی ضد کبھی کبھی دانیال کو مشکل میں گرفتار کردیتی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا، سیزن تھا اتنی مشکل سے بکنگ کرائی اور اب وہ انکار کررہی تھی۔ دانیال نے غصہ کرنے کی جگہ کافی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے بیوی کو پیار سے منایا تو وہ بادل نخواستہ راضی ہوگئی۔

دانیال نے اسٹیشن پہنچ کر اسے گاڑی میں بٹھایا۔ ارج کو خوب پیار کیا اور شادی سے ایک ہفتہ قبل سسرال پہنچنے کے وعدے کے ساتھ ساتھ کئی امید دلا سے ہادیہ کی چادر کے پلو سے باندھ کر وہ واپس لوٹ گیا۔ ٹرین جیسے ہی چلنا شروع ہوئی، بڑھتی رفتار کے ساتھ ساتھ ہادیہ کا دل بھی بڑی زور سے دھڑ دھڑ کرنے لگا، گود میں ایک سال کی ارج تھی خود کو حوصلہ دینے کے لیے اس نے ہراساں نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ پوری ٹرین میں مسافروں کی تعداد برتھ اور سیٹوں کی بانسبت کچھ زیادہ تھی۔ جن کو سیٹیں اور برتھ میسر تھیں وہ آرام سے لیٹے بیٹھے اونگ رہے تھے جبکہ اضافی افراد ٹرین کے دروازوں اور آنے جانے والے راستوں پر الٹے سیدھے بیٹھے اس سفر کو طے کرنا چاہ رہے تھے۔ سردیوں کی چھٹیاں شروع ہوگئی تھیں۔ سیزن کی وجہ سے انہیں فرسٹ کلاس کا ٹکٹ نہیں مل پایا۔ اب رش دیکھ دیکھ کر اس کا جی الٹ رہا تھا۔ مسافر سامان ہاتھ میں لیے سیٹ کی تلاش میں کبھی ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے کی طرف جاتے تو کبھی واپس آتے، آنے جانے کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے بیٹھی ہوئی ایک بڑی عمر کی خاتون سے ٹکرائیں، ایک نرم سی کیفیت ان کے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

”بیٹی! کیوں پریشان ہورہی ہو میں یہاں ہوں نا۔“ ہادیہ نے بغور دیکھا تو لگا جیسے انہوں نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک پیغام دیا ہو۔ اس کو تھوڑا سکون میسر ہوا۔ ارج کو کھڑکی سے باہر دکھاتے ہوئے وہ دوبارہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دور سے ہی کسی معزز گھرانے کی فرد دکھائی دے رہی تھیں، آسمانی چکن کے قیمتی لباس پر سفید براق چادر پہنے، ہاتھ میں موتی کے دانے کے جیسی تسبیح تھامے۔ وہ سامنے والی سیٹ پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھیں۔ اتفاق سے ان کی سیٹ ایسے رخ پر واقع تھی کہ اکثر آنے جانے والے وہاں سے گزرتے ہوئے ان کے پاؤں کے پاس رکھے چھوٹے سے بیگ سے ٹکرا جاتے، مگر وہ لڑنے کی بجائے خاموشی سے بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف رہیں۔ ہادیہ نے اس عورت کے صبر کو داد پیش کی، ورنہ دوران سفر ایسی باتوں پر لڑائی جھگڑے ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

ارج منہ بسورنے لگی تو وہ ایک بار پھر بیٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔ بیگ سے فیڈر نکال کر اسے پلانا چاہا۔ اس نے دودھ پینے کے بجائے اچانک زور زور سے رونا شروع کردیا، ہادیہ نے فوراً کاندھے سے لگا کر بہلانا چاہا مگر وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر روئے جارہی تھی۔ ایک دو اونگھنے والے مسافروں نے قہر بھری نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا۔ ہادیہ کے تو ایک دم ہاتھ پیر پھول گئے سمجھ میں نہیں آیا کہ چلتی ٹرین میں کیا کرے کیوں کر اسے چپ کرائے۔

”بیٹی! لاؤ بچی کو مجھے دے دو، میں چپ کراتی ہوں۔“ سامنے بیٹھی عورت نے ہاتھ بڑھا کر ہادیہ کو بڑی نرمی سے مخاطب کیا۔

”جی...... اچھا یہ لیں۔“ ہادیہ کو کوئی چارہ دکھائی نہ دیا تو مجبوراً ارج کو ان کی گود میں دے دیا۔ انہوں نے چاروں قل پڑھ کر ارج پر دم کیا اور اسے تھپکنا شروع کردیا، تھوڑی ہی دیر میں اسے جیسے قرار حاصل ہوگیا، اس کے بعد ہادیہ سے دودھ مانگ کر اپنی چادر میں لپیٹ کر ارج کے منہ سے نپل بھی لگادی، ارج نے سکون سے دودھ ختم کیا اور ان کے مسلسل تھپکی دینے سے نیند کی وادیوں میں کھوگئی۔

ارج ایسی بچی تھی کہ ماں کے علاوہ کسی کی گود میں نہیں جاتی، پھوپھیاں، خالائیں لاڈ میں اسے اٹھاتیں مگر وہ ماں کی طرف ہاتھ پھیلا پھیلا کر یوں روتی جیسے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا جارہا ہو مجبوراً ہادیہ کو اسے لیتے ہی بنتی مگر اس وقت

ئی اپنی گود میں بچی کو یوں سوتے دیکھنا، ہادیہ کے لیے حیرت انگیز نظارہ تھا، تاہم سکون کا سانس لیا۔ اسے دوران سفر ان خاتون کا ساتھ بہت غنیمت لگا۔ ایک خدشہ بہرحال تھا وہ یہ کہ یوں راہ چلتے کسی اجنبی کا اعتبار کرنا مشکل ہوتا ہے ویسے بھی وہ خاصی محتاط لڑکی تھی مگر جانے کیا ہوا؟ ہادیہ کا دل ایک دم سامنے بیٹھی عورت کی طرف جھکنے لگا۔ وہ صاف رنگت کی حامل پرکشش سی خاتون تھیں، چہرے پر سوچ کی مثبت لکیریں، بات چیت میں ٹھہراؤ۔ غرض کے انداز واطوار شرافت کی گواہی دے رہے تھے۔

......☆☆☆......

چھوٹا سا ایک راستہ اس وقت کٹھن ہوجاتا ہے، جب ہم سفر اچھا نہ ملے لیکن طویل اور پرپیچ راہ اس وقت سہل ہونے لگتی ہے جب بے غرض اور پرخلوص لوگوں کا ساتھ میسر آجائے، بالکل یہ ہی ہادیہ کے ساتھ ہوا، وہ جو شروع میں گھبرا رہی تھی خالہ نزہت کی سنگت میں اس کے تنہا سفر کرنے کی کوفت اڑن چھو ہوگئی۔

''خالہ! آپ وہاں اکیلی بیٹھی ہیں۔ ایسا کریں یہاں میری سیٹ پر آجائیں باتوں میں راستہ اچھا کٹ جائے گا۔'' ہادیہ نے ارج کو برتھ پر لٹا کر انہیں اپنے برابر میں جگہ دے دی۔ ہادیہ کے آرام کا خیال کرتے ہوئے عباد نے یہ عقلمندی دکھائی کے اس کی سیٹ کے اوپر کی بھی دونوں برتھیں بک کروالی تھیں، اس طرح وہاں کوئی اور اجنبی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

''آپ کہاں جارہی ہیں؟'' ہادیہ نے وقت گزاری کے لیے تھوڑی دیر بعد خود ہی انہیں مخاطب کیا اور فلاسک سے کافی نکالی، زبردستی ایک کپ انہیں دیا دوسرا خود تھاما۔ وہ چائے بالکل نہیں پیتی تھی اسی لیے راستے کے لیے کافی بنا کرلیتی آئی تھی۔

''بیٹی! میں لاہور جارہی ہوں، وہاں میری بہن رہتی ہے۔ آج کل بہت بیمار ہے، اس کے گھر کو دیکھنے والا کوئی نہیں تو مجھے ایک دو مہینہ تو وہاں رہنا پڑے گا۔ جب تک اس کی طبعیت بہتر نہیں ہوگی کراچی واپسی مشکل ہوجائے گی۔'' انہوں نے مسکرا کر گرما گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے بتایا۔

''اچھا' واہ میں بھی کراچی میں رہتی ہوں، چلیں یہ تو اچھی بات ہوگئی۔ ہم ایک ہی شہر کے رہنے والے آج یوں ٹرین میں مل بیٹھے۔'' ہادیہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ بھی متانت سے ہنس دیں۔

ہادیہ کی خالہ نزہت سے یہ پہلی ملاقات تھی، جس میں وہ ان کی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہوگئی، اپنا اسٹیشن آنے پر اترنے سے قبل اس نے انہیں اپنا ایڈریس اور فون نمبر لکھ کر بطور خاص دیا کہ وہ جب واپس آئیں تو اس کے گھر ضرور آئیں۔

خالہ نزہت کی معیت میں گزارے ہوئے یہ چند گھنٹے اس کو تاعمر بھلائے نہ بھولے۔ ان کی باتیں، پیار بھری نصیحتیں زندگی کے سفر میں اس کے بہت کام آئیں۔ وہ برداشت کی ایک زندہ مثال تھیں۔ اس دور میں ایسے لوگ خال ہی خال رہ گئے تھے۔

شادی ختم ہونے کے بعد ہادیہ واپس گھر لوٹ آئی مگر وہ اس بار اپنے ساتھ خالہ نزہت کے قصے بھی لے آئی۔ اکثر بات بہ بات ان کی باتیں یاد آجاتیں تو اس کا دل خالہ سے ملنے کے لیے بے قرار ہو اٹھتا۔ اس نے کئی باتیں تو عباد سے بھی شیئر کی۔ وہ بیوی پر ہنستا تو کبھی قائل ہوجاتا۔

''خالہ! ایک بات پوچھوں؟'' ہادیہ نے ہاٹ پاٹ کھولا اور انہیں زبردستی کباب پراٹھا تھماتے ہوئے کہا۔ جو انہوں نے بڑے تکلف کے بعد کھانا شروع کردیا۔

''بیٹی! ضرور پوچھو۔'' خالہ نزہت نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''جب آپ وہاں کونے والی سیٹ پر بیٹھی تھیں تو لوگ بے فکری سے گزر رہے تھے، کسی کا بیگ آپ سے ٹکرا رہا تھا میں نے خود دیکھا چائے والا جب آپ کے قریب بیٹھی ایک خاتون کو چائے دے رہا تھا تو کپ میں سے قطرے چھلک پڑے اور آپ کی سفید چادر کو داغ دار کردیا، اس کے باوجود آپ نے غصہ کرنے کی جگہ ان سے ایک گلاس پانی



مانگ کر کھڑکی میں جا کر چادر کا کونا دھولیا۔ آپ چیزوں کو اتنے آرام سے کیسے برداشت کرلیتی ہیں؟'' ہادیہ کے چہرے پر اشتیاق پھیل گیا۔ ایک شفیق سی مسکراہٹ کرن بن کر ان کے چہرے پر پھوٹی۔

''بات یہ ہے کہ ٹرین کے اتنے مختصر سے سفر پر غور کیا جائے تو بڑی گہرائی دکھائی دے گی۔ ہماری حیات کا سفر بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اگر ہم اس میں لڑنے جھگڑنے لگ جائیں تو پورا راستہ اسی لڑائی، بھڑائی میں گزرتا ہے اتنے کم وقت کے لیے میں فضول میں کیوں اپنے آپ کو تھکاتی پھروں' جو ہورہا ہے وہ تو ہوکر رہے گا میرے چیخنے چلانے سے کوئی باز تو نہیں آجائے گا۔ میرا فرض ہے کے انہیں پیار سے سمجھادوں نگران کے جیسا رویہ اختیار کرکے خوامخواہ میں اپنے اخلاق کیوں خراب کروں؟ اور بیٹی بات صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ عام حالات میں بھی میرا یہ ہی فلسفہ حیات ہے۔'' نزہت خالہ نے اتنے رسان سے سمجھایا کہ ہادیہ کے دماغ کی تمام کھڑکیاں کھلنے لگیں۔ اندر کی گھٹن حبس کا خاتمہ ہوا تازہ ہوا چلنے لگی۔

''خالہ! انسان اپنی انا کو کیسے مارے۔ وہ کسی کی بات کیوں برداشت کرے۔ اگر ایسا کرتا بھی ہے تو اسے نفس کی للکار بے چین رکھتی ہے۔'' ہادیہ نے اپنے اندر موجود گرہوں کو سلجھانا شروع کردیا۔

''دیکھو' ہم خود کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھا کر بلاوجہ تھکاتے ہیں۔ اپنے آپ کو بدلنے کی جگہ سامنے والے سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں، نتیجہ ایک دوسرے کا منہ تکتے تکتے زندگی کے خوب صورت پل بیت جاتے ہیں۔ بے ثمر شجر بننے سے اچھا نہیں کے ایسے بن جائیں کہ ہماری ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔'' ہادیہ نے چونک کر انہیں دیکھا، بظاہر سیدھی سادھی دکھائی دینے والی خالہ کی باتیں کافی گہری تھیں۔ اس نے سر تسلیم خم کیا۔

''خالہ! یہ تو ٹھیک ہے پر یہ بتائیں کہ ہم کسی کے لیے اتنی قربانیاں دیں، اس کے باوجود وہ ہماری قدر نہ کرے تو کیسے دل نہیں دکھے گا؟'' ہادیہ نے آخری پھانس بھی نکالنا ضروری سمجھی۔ اس کی مختصر شادی شدہ زندگی میں ایسے کئی مواقع آئے جب وہ اپنی برداشت کھو بیٹھی، عباد سے لڑ بیٹھی یا کسی بات پر اس کے غصہ کرنے پر زبان درازی کے جرم میں کئی دن تک اس کی طرف سے بائیکاٹ کا شکار ہوئی۔

''بیٹی! حالات کو بدلنا مشکل ہوجائے تو خود کو بدل لو جب ہی تم کامیاب زندگی حاصل کر پاؤ گی۔ ہمیں اپنی زندگی میں ہر اس چیز پر خود کو راضی کرنا ہوگا جو ہماری پہنچ میں ہے' خوامخواہ اس چیز کی تمنا نہیں کرنی چاہیے جو ہماری دسترس سے دور ہو تو یقیناً زندگی سے گلے کم ہوجائیں گے۔ ایک بات اور ذہن نشین کرلو میری بیٹی کے لوگوں سے امیدیں وابستہ کرنا چھوڑ دو کیوں کہ جب وہ پوری نہیں ہوتی تو انسان کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس وقت اپنا آپ بھی اسے بکھرنے سے نہیں بچا پاتا۔ یاد رکھو یہ عارضی پڑاؤ ہے جہاں ہمیں ٹھوکریں بھی ملیں گی پریشانیوں کا بھی سامنا ہوگا ہمیں اِن عارضی مصائب سے نبرد آزما ہوکر اپنی زندگی کو پرسکون وخوشیوں سے بھرپور رکھنے کے لیے صبر سے کام لینا ہوگا اِسی میں ہماری دنیا وآخرت کی کامیابی چھپی ہوئی ہے۔'' خالہ نزہت نے نماز کی نیت باندھنے سے قبل ہادیہ کو اس طرح سے سمجھایا کہ سکون کی لہریں اس کے وجود میں دوڑ گئیں۔

ہادیہ جب گھر لوٹی تو نزہت خالہ کی باتوں کے سحر میں گرفتار اپنا محاسبہ کر بیٹھی کئی جگہ اپنا آپ غلط بجھائی دیا۔ بس خود کو بدلنے کی کوششوں میں مشغول ہوگئی۔ کئی موقع پر انا نے سر اٹھایا۔ بہت سے معاملات میں دل نے اپنی کرنے کی ٹھانی۔ پر نہ جی، اس نے تو جیسے خود کو پانی کر کے شوہر کی پسند کے سانچے میں ڈھلال لیا ایسا شاہکار باہر نکلا جیسا عباد چاہتا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ غصہ و چیخ و پکار کرنے والی ہادیہ کی جگہ نرم مزاج دھیمے لہجے میں بات کرنے والی ہادیہ جسے پورے سسرال میں سمجھداری اور ذمہ داری پر نمبر ون بہو کے خطاب سے نوازا گیا۔ ہادیہ نے قربانیاں دی تو بدلے میں وہ سب کچھ مل گیا جس کی اسے تلاش تھی سب سے بڑھ کر عباد کا دل۔ وہ پہلے صرف اس کی خوب صورتی کا

اسیر تھا مگر سیرت کی اچھائیوں نے تو جیسے اسے دیوانہ بنا کر رکھ دیا۔ گھر میں گھستے ہی ہادیہ کی پکار اس کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا بیوی کے لیے اس کی محبت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔

......☆☆☆......

"خالہ نزہت! آپ...... اندر آیئے نا...... باہر کیوں کھڑی ہیں؟" ہادیہ کی ملازمہ سکینہ نے اسے آ کر بتایا کے گیٹ پر کوئی عورت آئی ہوئی ہے۔ اپنا نام خالہ نزہت بتا رہی ہے یہ سننا تھا کہ وہ ننگے پاؤں ان کے استقبال کو دوڑی۔

"کیسی ہو بیٹی؟ میں یہاں قریب ہی اپنی رشتے دار خاتون کے یہاں آئی ہوئی تھی تو پتا ڈھونڈتی ڈھونڈتی تمہارے گھر بھی آ گئی۔" خالہ نزہت نے جھجکتے ہوئے بتایا۔ پورے دو سال بعد ہادیہ نے انہیں دیکھا تھا اس کا تو خوشی سے برا حال ہو گیا۔

"اچھا کیا...... اندر تو آئیں کیا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔" ہادیہ کا جوش بڑھتا جا رہا تھا، انتہائی بے تکلفی سے بولتے ہوئے وہ انہیں لے کر اندر کی طرف بڑھی۔

"سکینہ جلدی سے شربت بنا کر لاؤ، ساتھ میں فریج میں جو کیک رکھا ہے وہ بھی لانا۔ چکن کا سالن تو پکا ہوا ہے، ساتھ ساتھ گرم پھلکے بھی ڈال دینا۔" وہ سکینہ کو ہدایت دیتی شیشے کی چھوٹی سی ٹرے پر پانی کا گلاس رکھ کر ڈرائنگ روم میں واپس پلٹی جہاں خالہ نزہت اب تھوڑی آرام وہ حالت میں بیٹھی دکھائی دیں۔

"اس علاقے میں آپ کا کوئی قریبی رشتے دار رہتا ہے؟" ہادیہ نے پانی پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں بیٹی! بس جان پہچان والی ہیں، ہمارے گاؤں کی ہیں۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے اسی لیے جہیز وغیرہ کے لیے روزانہ آ رہی ہوں۔ روز سوچتی تھی کے تم سے ملوں مگر واپسی میں دیر ہو جاتی تھی۔ آج پورا ارادہ کر کے نکلی تو پہلے تمہاری طرف آ گئی۔ اب یہاں سے ان کی طرف جاؤں گی۔" نزہت نے تفصیل سے بتایا تو ہادیہ مسکرا دی۔ خالہ کا سوشل ورک جاری تھا۔

ہادیہ نے زبردستی ان کو کئی گھنٹے بٹھایا، کھانا کھلا کر پھر آنے کی تاکید اور ڈرائیور کے ساتھ ان کی منزل مقصود تک چھڑوا دیا۔

......☆☆☆......

"بیٹی! تمہارے خالو الطاف علی ایک گورنمنٹ ادارے میں اچھے عہدے پر فائز تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جو بھی پیسہ ملا اس سے گھر بنایا۔ دونوں بیٹوں کی شادیاں کر دیں۔ خاموشی سے رقم کا مخصوص حصہ میرے نام پر بینک میں رکھوا دیا کہ برے وقت پر کام آئے گا۔" خالہ نزہت نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولنا شروع کیا۔ شاید انہیں ماضی کی یادیں بے چین کر رہی تھیں۔ وہ آج بہت دنوں بعد ہادیہ کی طرف آئی تھیں۔ اس کے بے پناہ اصرار پر پہلی بار انہوں نے اپنی زندگی کے دکھوں پر زبان کھولی۔

"اچھا...... آپ کے بس دو بیٹے ہیں؟" ہادیہ نے ان کے ساتھ مل کر عباد کے کپڑوں کی مرمت کرواتے ہوئے پوچھا، وہ ایک بار پھر امید سے تھی۔ طبعیت پر ایسی سستی چھائی ہوئی تھی کہ ہلکے ہلکے کام بھی بھاری محسوس ہوتے۔

"ہاں بڑے والے کا نام آفتاب اور چھوٹے کا مہتاب ہے، خیر اتنی مصروف اور رعب داب کے ساتھ زندگی گزارنے والے کے لیے ایک دم فالتو ہو جانے کا احساس بہت جان لیوا تھا۔ یوں فارغ بیٹھا دیکھ کر بڑھاپے نے اپنے جوہر دکھانا شروع کر دیے۔ انہیں ایسی زوردار چوٹ پہنچائی۔ وہ کھانسی کے مستقل مریض بن گئے، ان کی کھو...... کھو دن رات جاری رہتی۔ اب بہوؤں نے منہ بنانا شروع کر دیا' وہ اسے چھوت کا مرض سمجھنے لگیں۔ پوتے' پوتیوں کا داخلہ ہمارے کمرے میں کم کر دیا گیا۔ ان حالات نے الطاف علی پر اور برا اثر ڈالا۔ وہ بجھ کر رہ گئے، ہمارے دونوں بیٹے' بیویوں کو سمجھاتے تو وہ ان کے سامنے تو بچوں کو کچھ نہیں کہتیں مگر بعد میں اپنے من کی کرتیں۔ مجھے شکوے شکایت کی عادت نہیں تھی، اس کا فائدہ ان دونوں نے بھرپور طریقے سے اٹھانا شروع کر دیا۔ وہ پوتا' پوتی جو



دادا سے ناز نخرے اٹھواتے تھے، مہنگی مہنگی فرمائشیں پوری کرواتے تھے، اب پکارنے پر ماؤں کے خوف سے نگاہیں چرا کر بھاگ جاتے۔ الطاف علی ان حالات کو برداشت نہ کر پائے۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

"آپ کے بیٹے' بہوؤں کو کچھ نہیں کہتے؟" ہادیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"اگر وہ کچھ کہتے تو پھر کس بات کا رونا تھا۔ بہوئیں تو پرائی ہوتی ہیں مگر جب بیٹے پرائے بن جائیں تو دل پھٹنے لگتا ہے۔ باپ کو لے جا کر اسپتال میں داخل کرا دیا۔ بس تمہارے خالو کو دونوں بیٹوں کی ناخلفی اور دور دور رہنے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے ان کی دونوں بیساکھیاں چھن گئی ہوں۔ بچوں کے سہارے ہی تو باقی کی عمر گزارنے کی خواہش، جینے کی امنگ پیدا کر سکتی تھی، ورنہ ان سے کسی مالی فائدہ کی امید بالکل نہیں تھی۔ میرے پاس اچھی خاصی رقم بینک میں موجود ہونے کی وجہ سے خرچے کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ والدین کو تو اولاد کی قربت کے چند لمحوں کی حاجت ہوتی ہے، بس وہ ہی نہ مل سکی۔ انہوں نے چپ سادھ لی۔" خالہ نزہت کے لہجے میں درد تھا، اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ہادیہ بھی چپ چاپ ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

"اس کے بعد کیا ہوا خالہ......! میرا مطلب خالو کیسے......؟" ہادیہ نے عباد کے کرتے میں بٹن لگاتے ہوئے دانت سے دھاگا توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ایک عجیب سا دن تھا، دل صبح سے اداس تھا بیٹی! میں تمہارے خالو کے لیے سوپ بنانے گھر آئی ہوئی تھی۔ واپسی میں تھوڑی دیر ہو گئی، آفتاب کو منتیں کر کے اسپتال بھیجا، کے خبر آ گئی۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مجھے بھری دنیا میں تنہا کر کے وہ پرسکون نیند سونے چلے گئے۔ اتنے سالوں کا ساتھ' لگتا تھا کبھی ایک دوسرے سے الگ ہی نہ ہوں گے، پل میں مٹی ہو گیا۔ اس دن مجھے پتا چلا کے زندگی کتنی بے وفا ہے۔ ان کے گزر جانے کے بعد جب بچوں کو پتا چلا کہ انہوں نے ایک خطیر رقم اور بڑا سا مکان مجھے اپنی زندگی میں ہی گفٹ کر دیا تھا تو ان سب کو پشیمانی ہوئی۔ اب سب میری آؤ بھگت میں لگ گئے مگر میرا دل ایسا ٹوٹا کے پھر نہ جڑ سکا۔ اب سب باتیں بے کار ثابت ہوتیں۔ دوران عدت جب تنہائی میں سوچنے کا موقع ملا تو احساس ہوا، اب تک جو گزاری وہ زندگی صرف اپنے لیے تھی۔ جینے کا یہ فلسفہ بے کار ہے۔ بس اسی وقت دل میں پکا عہد کیا آج کے بعد اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے جیوں گی۔ آج تک اسی بات پر قائم ہوں۔ میں نے بچوں کو معاف بھی کر دیا مگر ان پر اعتبار نہ کیا اس لیے اب جس کو بھی میری ضرورت ہوتی ہے بلا جھجک وہاں چلی جاتی ہوں۔" خالہ نزہت کے الفاظ سے درد چھلک رہا تھا، اس درد میں تنہائی کی چبھن کے ساتھ ساتھ انسانیت کا درد بھی تھا۔ ایک عزم ان کے چہرے سے چھلک اٹھا۔

"خالہ! معاف کر دیں، میرے اصرار پر آپ کو ان دکھی کر دینے والی باتوں اور یادوں سے گزرنا پڑا۔" ہادیہ کو ایک دم شرمندگی نے آ گھیرا۔

"بیٹی! کوئی مسئلہ نہیں، تمہیں پتا ہے میں نے اپنے دماغ میں ایک چھلنی لگائی ہوئی ہے جہاں سے چھان کر بری یادوں کو باہر نکال دیتی ہوں، تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔" نزہت نے ہادیہ کی تھوڑی پیار سے تھام کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"خالہ! آپ بہت عظیم ہیں۔" ہادیہ نے ان کے ہاتھ چوم کر کہا تو انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا، شاید برسوں

نظم

یہ بستی کاش ہماری ہو
وہاں خون کی ہولی عام نہ ہو
اس آنگن غم کی شام نہ ہو
جہاں منصف سے انصاف ملے
دل سب کو سب کا صاف ملے
اک آس ہے ایسی بستی ہو
جہاں روٹی زہر سے سستی ہو

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں جہلم

سے بیٹی کی کمی کا خلاء ہادیہ کے وجود سے بھر گیا تھا۔

......☆☆☆......

حنان کی پیدائش پر کچھ ایسی پیچیدگیاں ہوگئیں کہ ڈاکٹر نے ہادیہ کو بستر سے نیچے قدم رکھنے کو بھی منع کردیا۔ میکہ دور تھا۔ سسرال میں بھی کوئی ایسا نہ تھا جو مسلسل یہاں آکر اس کے ساتھ رہ سکے۔ سب گھر بار والے لوگ اپنے مسئلے مسائل میں الجھے ہوئے، گھنٹہ دو گھنٹہ تو آسکتے تھے مگر مسلسل رہنا مشکل بات تھی۔ عباد نے ایک ہفتے مسلسل چھٹی کرکے ہادیہ اور نوزائیدہ حنان کی دیکھ بھال کی۔ گھر میں نوکر چاکر تو تھے پر ہادیہ کو فل ٹائم ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو اس کے پاس ہی رہے۔ دونوں میاں بیوی پریشان سوچ میں گم بیٹھے تھے۔ ایک دم عباد کے ذہن میں خالہ نزہت کا نام چمکا۔ اس نے ہادیہ سے ان کا موبائل نمبر لے کر کال ملائی۔ وہ ایک گھنٹے میں ہی وہاں پہنچ گئیں۔ ہادیہ کو خوب ڈانٹ پلائی کہ اتنی حالت خراب ہونے پر بھی انہیں خبر کیوں نہ کی۔ ان کے اپنائیت بھرے انداز پر ہادیہ کا دل بھرنے لگا۔ چھوٹی بچی کی طرح ان سے چمٹ گئی۔

دوپہر میں عباد نے انہیں حنان کو دھوپ میں لٹائے، تیل ملتے دیکھا تو مسکرادیا۔ ہادیہ ان کی بے جا تعریف نہیں کرتی تھی وہ واقعی اس قابل تھیں۔ اب وہ بے فکری سے آفس جوائن کرسکتا تھا۔ نزہت خالہ نے پورے مہینے بھر کے لیے یہاں ٹھہرنے کا عندیہ دے کر ان کے ذہن سے جیسے ایک بڑا بوجھ اتار دیا۔

......☆☆☆......

"کھالو بیٹا! ورنہ بہت ماروں گی۔" ہادیہ پچھلے ایک گھنٹے سے ارج کو کھانا کھلانے کی کوششوں میں مصروف تھی مگر مجال ہے جو اس لڑکی نے منہ میں ایک نوالہ بھی رکھا ہو۔ آج کل ماں کی توجہ بٹ جانے کی وجہ سے ارج بہت چڑچڑی ہورہی تھی۔ اسے اپنا چھوٹا بھائی بالکل پسند نہیں آیا، جس نے ماں پر پورا کا پورا قبضہ جمایا ہوا تھا۔ ارج کے ٹھنکنے پر ہادیہ نے اس کی کمر پر ایک زوردار دھموکا لگایا، اس کو تو پہلے ہی رونا آرہا تھا، ماں سے پٹنے کے بعد ایک دم حلق پھاڑ کر جو شروع ہوئی تو نزہت جو ہادیہ کے لیے کچن میں کھڑی یخنی پکا رہی تھیں، الٹے پیروں دوڑیں۔

"کیا ہوا...... میری گڑیا رانی کو کیوں رو رہی ہے؟ آ...... آجاؤ...... نانی کی گود میں۔" نزہت نے ارج کو گود میں بٹھایا اور بہلانے لگیں۔

"مما نے بوت جول سے مالا (بہت زور سے مارا) ہے۔" ارج نے ماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے شکایت لگائی۔

"ارے میرا بچہ! مما...... نانی آپ کی پٹائی کریں گی، تم چپ ہوجاؤ۔" خالہ نزہت نے ارج کو خوش کرنے کے لیے ہادیہ کو دھمکایا۔

"کیا کروں خالہ! کچھ کھانے کو تیار نہیں۔ دیکھیں کیسی ہڈی ہڈی ہورہی ہے۔" ہادیہ نے سر پکڑ کر نزہت سے بیٹی کی شکایت لگائی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔ ارج کو اس کے پاس بٹھایا اور خود باہر نکل گئیں۔ ہادیہ نے بیٹی کو بھینچ کر پیار کیا۔ ان کی واپسی جلد ہی ہوئی۔ اب وہ شیشے کی پیالی میں کچھ لے کر تیزی سے چلی آرہی تھیں۔

"ہادیہ! پتا ہے یہ کھانا پاور پف گرلز کھاتی ہیں، جب ہی تو سب کو ہرا دیتی ہیں۔" نزہت نے پیالے میں چمچ چلاتے ہوئے، ارج کو بغور دیکھتے ہوئے ہادیہ کو بتایا۔ یہ وہ مشہور کارٹون کی کردار تھی جو ارج کی پسندیدہ تھی۔

"نانی! مجھے تھانا (کھانا) ہے۔" ارج دوڑ کر ان کی گود میں بیٹھ گئی۔ نزہت نے فلیورڈ دہی میں کیلا، سیب کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر اور انگور کے دانے ملا کر پھرتی سے مزیدار اور صحت بخش کھانا بنالیا، پاور پف کے نام پر ارج نے خوشی خوشی سارا پیالا ختم کیا اور منہ پونچھتی باہر کھیلنے نکل گئی۔

"آپ تو کمال ہیں۔ یہ ایک نوالا بھی منہ میں رکھنے کو تیار نہیں ہورہی تھی، کیسے آرام سے اس لڑکی کو ہینڈل کیا۔ وہ تو بلاوجہ کی ضد باندھے بیٹھی تھی کہ بھائی گندا ہے۔ ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اسے اسپتال والوں کو واپس کر آئیں۔" ہادیہ نے مسکرا کر چھوٹے حنان کے



لیے کپڑے بدلتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! ایسے ذہین بچوں کو خاص حکمت عملی سے کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ ان پر غصہ، زبردستی یا دباؤ ڈال کر اپنی بات منوانا مشکل ہے ان کی نفسیات کو مدنظر رکھنا اہم بات ہے۔" نزہت نے برتن سمیٹتے ہوئے ہادیہ کو سمجھایا تو وہ ایک بار پھر سے ان کی دانش مندی کی قائل ہوگئی۔ ان کے وجود نے ہادیہ کے لیے ماں سے دوری کے احساس کو کم کردیا تھا۔ ہادیہ، حنان کو سلاتے سلاتے خود بھی سوگئی۔ نزہت واپس کمرے میں آئیں تو ماں، بیٹے کو یوں سوتا دیکھ کر مسکرادیں۔ ایک چادر ان دونوں پر ڈال کر کھڑکی کے پردے برابر کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

......☆☆☆......

"مما! بہت دن ہوگئے نانی نہیں آئیں۔" ہادیہ ارج اور حنان کو پڑھا رہی تھی تو ایک دم بیٹی نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"ہاں کافی دن ہوگئے وہ آئیں نہیں۔ فون کرتی ہوں۔" ہادیہ کو بھی خیال آیا۔ ان دونوں کے ساتھ کو آٹھ سال ہوگئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے خاندان کا حصہ بن گئی تھیں۔ اب تو بچے بھی انہیں یاد کرتے تھے۔

ہادیہ نے ان کو کال کی تو پتا چلا وہ ایک ہفتے سے بخار میں مبتلا ہیں۔ وہ اسی وقت ڈرائیور کے ساتھ ان کے گھر پہنچی۔

"ہائیں...... ہائیں...... بیٹی! طبیعت ٹھیک ہوجائے گی تو میں خود ہی آجاؤں گی۔" ہادیہ نے ان کی بات سنی ان سنی کی خود ہی ان کا بیگ تیار کیا اور انہیں زبردستی اپنے ساتھ گھر لے آئی۔ اس نے نزہت خالہ کی اتنی خدمت کی کہ وہ چند دنوں میں ہی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عباد بھی اس دوران باقاعدگی سے انہیں ڈاکٹر کے یہاں لے کر جاتا اور دوا کا دھیان رکھتا۔ دونوں بچے بھی نانی کے کمرے میں موجود رہتے۔ ان سے ضد کرکے کہانیاں سنتے۔ اتنی عزت، اتنا پیار ملا۔ وہ چند دنوں میں ہی بھلی چنگی ہوگئیں۔

......☆☆☆......

**دل کا دروازہ**

آرٹسٹ سے دل کا دروازہ کی تصویر بنانے کو کہا گیا۔ اس نے نہایت حسین گھر بنایا۔ اس میں چھوٹا سا خوب صورت دروازہ لگایا لیکن اس کا ہینڈل نہیں تھا۔
کسی نے پوچھا: ہینڈل کیوں نہیں لگایا تو وہ بولا۔
دل کا دروازہ اندر سے کھولا جاتا ہے باہر سے نہیں۔
(ہالہ و عائشہ سلیم...... اورنگی کراچی)

"بیٹی! میں جارہی ہوں۔ ہمارے گاؤں میں سیلاب آیا ہوا ہے، وہاں لوگوں کو میری مدد کی ضرورت ہے۔" ہادیہ اپنے میکے جانے کی تیاری کررہی تھی کہ اچانک فون بج اٹھا۔ دوسری طرف نزہت خالہ تھیں۔

"اچھا...... واہ میں بھی رحیم یار خان جارہی ہوں، امی کے گھر۔ بچوں کے امتحان ختم ہوگئے ہیں۔ سوچا چکر لگالوں۔ آپ کب جارہی ہیں؟ ساتھ چلتے ہیں نا۔" ہادیہ خوشی سے جھوم اٹھی فوراً ہی آفر کی۔

"اچھا تم کب جارہی ہو؟" وہ لحظہ بھر رک کر سوچنے کے بعد بولیں۔

"میں تو کل نکل رہی ہوں۔ ارج کے پاپا نے ٹکٹ بک کروادیے ہیں۔" ہادیہ بڑے جوش سے بتانے لگی۔

"بیٹی! کل نہیں مجھے تو یہاں سے نکلنے میں ایک ہفتہ لگے گا۔ ابھی یہاں سیلاب زدگان کے لیے پیسے اور گرم کپڑے وغیرہ جمع کرنے ہیں۔ تمہیں بھی اسی لیے فون کیا تھا۔ کچھ پرانے کپڑے جو اچھی حالت میں ہوں نکال دینا میں لے جاؤں گی۔" نزہت تذبذب کا شکار ہوئیں پھر اپنی مجبوری بیان کی۔

"آپ کل آسکتی ہیں؟ کیوں کہ ہماری تین بجے کی ٹرین ہے۔ ہم گھنٹہ بھر قبل گھر سے نکل جائیں گے۔" ہادیہ نے کچھ سوچ کر حامی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو مشکل ہوگا۔ مجھے ایک اسکول میں جاکر سیلاب زدگان کے لیے فنڈ جمع کرنا ہے۔ ان سے پہلے ہی وقت طے ہوچکا ہے۔ اچھا رہنے دو اللہ مالک ہے۔" نزہت

کے لہجے کی اداسی پر ہادیہ پریشان ہوکر سوچنے لگی۔

"خالہ! ٹھیک ہے ہم لوگ تو نہیں ہوں گے مگر میں چوکیدار کو سامان دے جاؤں گی۔ آپ لے جائیے گا۔" ہادیہ چہک کر بولی۔ اس کو خیال آیا کہ نواز خان تو باہر موجود ہوگا۔

"ہاں یہ ٹھیک کام ہوجائے گا۔ اچھا میں پرسوں آکر سارا سامان لے جاؤں گی۔" نزہت ایک دم خوش ہوکر بولی پھر دونوں ادھر ادھر کے حال احوال میں لگ گئیں۔

......☆☆☆......

"مما! کیا کررہی ہیں؟" ہادیہ اسٹور میں گھسی پرانے گرم کپڑوں کو چھانٹنے کا کام شروع کرنے والی تھی کہ ارج شور مچاتی ہوئی پہنچ گئی۔

"بیٹا! کچھ کام کررہی تھی۔" اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"اوہ چھوڑیں سارے کام۔ پاپا بلا رہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ اپنی ماں کو یاد دلاؤ مجھے انہیں پارلر چھوڑ کر ایک جگہ کام سے بھی جانا ہے۔" ہادیہ چونکی، ارج صحیح کہہ رہی تھی، اس کا پارلر کا اپائنٹمنٹ تھا جو گھر سے خاصے فاصلے پر تھا اگر عباد چھوڑ دیتے تو آسانی ہوجاتی ورنہ بلاوجہ رکشے ٹیکسی والوں کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ ویسے بھی وہاں کئی گھنٹے لگنے تھے۔ ابھی نکل جاتی تو ٹھیک رہتا۔

وہ فوراً سارے کام چھوڑ کر کمرے کی طرف دوڑی پرس اٹھایا، چادر پہنی اور ایسے ہی ہاتھوں سے بال سلجھاتی گاڑی میں جابیٹھی۔ اس نے ارادہ کیا کے واپسی پر سیلاب زدگان کے لیے گرم کپڑے نکال دے گی۔ پارلر میں اپنا فیشل مینی کیور پیڈی کیور اور ارج کے بالوں کی کٹنگ کروانے میں ہی تین گھنٹے گزر گئے۔ وہ لوگ جب باہر نکلے تو ارج ضد کرکے قریبی بازار چلی آئی۔ اسے اپنے ننھیالی کزنز کے لیے گفٹ خریدنے تھے۔ گھر میں گھستے ہی سب نے بھوک بھوک کا نعرہ لگانا شروع کردیا۔ وہ چادر ایک طرف رکھ کر کھانا پکانے میں لگ گئی۔ رات گئے تک اپنی اور بچوں کی پیکنگ میں لگی رہی۔

آج تو گرم کپڑے نہیں نکال سکی صبح پہلا کام یہ ہی کروں گی۔ ہادیہ نے نیند کی وادی میں جانے سے پہلے دوبارہ عہد کیا اور مطمئن ہوکر سوگئی۔ دوسرے دن کی صبح بڑی ہنگامہ آور ثابت ہوئی اتنے دنوں بعد میکے جانے کی خوشی اور بچوں کی ٹرین میں جانے کی ایکسائٹمنٹ میں کچھ اور یاد ہی نہیں رہا۔ وہ لوگ خوشی خوشی اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ ہادیہ اس لیے بھی مسرور تھی کہ اس سفر میں عباد بھی ان لوگوں کے ساتھ جارہا تھا۔

......☆☆☆......

باجی! یہ خالہ آپ کے لیے دے کرگیا تھا۔ پتا نہیں کون سے گرم کپڑوں کا پوچھ رہا تھا۔ ہم نے بولا۔ ام کو مالوم نہیں۔ باجی آئے گا تو آجانا۔" ہادیہ کی کراچی واپسی کے دوسرے دن نواز خان نے ایک شاپر نکال کر اسے تھمادیا۔ ہادیہ پر گھڑوں پانی پڑگیا۔ ایک دم ساری باتیں یاد آگئیں۔ وہ تو خالہ نزہت کا کام بھول ہی گئی، وہ بیچاری کپڑے لینے بھی آئیں ہوں گی۔

"اس میں کیا ہے دیکھوں تو ذرا؟" ہادیہ شرمندہ شرمندہ سی شاپر کھول کر دیکھنے لگی تو نیلے رنگ کی شرٹ پیس اس کے سامنے آگئی جس پر ہاتھ سے بہت خوب صورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ خالہ نزہت کی محبت پر اس کا دل بھر آیا۔ فوراً معذرت کے لیے ان کا نمبر ملایا۔ وہ مسلسل بند جارہا تھا۔ شام تک اس نے کئی بار کوشش کی مگر فون پر رابطہ نہ ہوسکا۔

یا اللہ! خیر، پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ خالہ کا نمبر بند ہے، کہیں بیمار وغیرہ تو نہیں ہوگئیں۔ ہادیہ کا دل اتنا گھبرایا کے عباد کے آفس سے لوٹتے ہی وہ ضد کرکے نزہت خالہ کے گھر چلی آئی۔

......☆☆☆......

"کیا...... کب......! میرا مطلب یہ کیسے ہوا؟" خالہ نزہت کی بڑی بہو نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد جب ہادیہ کے پوچھنے پر ان کے انتقال کی خبر دی تو وہ اور عباد حیران رہ گئے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین ہی

نہیں آ رہا تھا۔

”بس جی! آپ تو جانتی ہوں گی کہ جنت مکانی اماں جی نے کبھی کسی کی بات نہ مانی۔ خدمت خلق کے کاموں میں لگی رہتیں۔ پھر کینسر جیسی بڑی بیماری کا مقابلہ کرنا کہاں آسان تھا۔“ ثروت نے دوپٹے کو سر پر ٹکاتے ہوئے بتایا۔

”او میرے اللہ! خالہ کو کینسر تھا۔“ ہادیہ ثروت کے منہ سے نکلنے والے انکشافات پر حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

”کمال ہے۔ وہ تو آپ کو اپنی بیٹی کہتی تھیں۔ آپ کو خبر ہی نہیں‘ خیر ان کی طبعیت خرابی کی وجہ سے بیٹوں نے انہیں گاؤں جانے سے روک دیا۔ وہ ایسی بے چین رہنے لگی جیسے کسی بچے سے اس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہو۔ اس خطرناک بیماری کو جھیلتے ہوئے بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے جمع کیا گیا سارا سامان سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں بھجوایا۔ ان کی اسی بھاگ دوڑ میں حالت مزید خراب ہوگئی۔ ایک رات اتنی طبعیت خراب ہوئی کہ اسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ بس اس کے بعد زندہ واپس نہ آسکیں۔ ہم نے موت کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے گھر فون کیا تو کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔“ ثروت نے ہادیہ کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ اسے لگا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے کھینچ لی گئی ہو۔ دل و دماغ اس بات کو قبول کرنے سے انکاری ہوگئے۔ عباد نے اس کی بگڑتی حالت دیکھی تو نرمی سے ہاتھ سہلایا۔ وہ ایک دم ثروت سے لپٹ کر یوں رو دی جیسے اس کا کوئی سگا مر گیا ہو۔

”ویسے میری ساس بڑی نفیس خاتون تھی۔ ان کی ساری عمر نیک کاموں میں گزری۔“ ثروت نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ ہادیہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ عباد کا سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

......☆☆☆......

”خالہ! اس خود غرضی کے دور میں آپ دوسروں کے لیے اتنا حساس دل رکھتی ہیں۔ کیا آپ کو برے رویے دکھی نہیں کرتے۔ خود کو تکلیف دے کر بھی کیسے خوش رہ لیتی ہیں؟“ ہادیہ نے ایک دن خالہ سے سوال کیا تھا۔

”بیٹی! غور کرو تو زندگی کا سفر بھی کچھ ایسا ہی ہے مگر ہم نے اسے خود تکلیف دہ بنایا ہوا ہے۔ کل کی خبر نہیں مگر خواہشات نفس نے ہمیں اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ ہم ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، اس کے لیے سیدھے راستے کی جگہ الٹی راہ پر بھی چلنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہمیں اپنے ہونے اور حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ عارضی پناہ گاہ ہے یہاں تھوڑی سی برداشت ہمارے ایمان کو بچا سکتی ہے۔“ خالہ نزہت کے چہرے پر پھیلا ہوا سکون ان کے الفاظ کی عکاسی کر رہا تھا۔ ہادیہ ہمیشہ ان کے الفاظ سے خوب متاثر ہوتی نظر آئی مگر اسے یہ سوچ کر بڑا دکھ ہو رہا تھا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح صرف اچھے الفاظ کی شیدائی نکلی۔ عملی میدان میں خود کو اتنے کمتر درجے پر دیکھا کہ شرمندگی سے برا حال ہونے لگا۔ کیا ہو جاتا کے وہ ان کی خواہش پوری کر دیتی مگر اسے تو دنیا عزیز تھی اسی میں کھوئی رہی ہادیہ نے ایک بار پھر خود کو بدلنے کا سوچا۔

اس نے خود سے پہلا عہد اپنی زندگی میں خوشیاں لانے کے لیے کیا تھا۔ دوسرا عہد اس نے دوسروں کی زندگی میں رنگ بکھیرنے کے لیے کیا۔

”باجی! وہ سارے بچے پڑھنے آگئے ہیں‘ آپ بھی آجائیں۔“ سکینہ کی بیٹی چھیمو نے اسے خیالوں میں کھویا دیکھا تو ڈرتے ڈرتے آواز دی۔

وہ اپنے علاقے سے متصل غریب آبادی میں رہائش پذیر ان تمام چھوٹی بچیوں کو مفت پڑھانے لگی تھی جن کے والدین غربت کی وجہ سے انہیں اسکول بھیجنے کے قابل نہیں تھے۔ ہادیہ چونکی نزہت خالہ کی باتیں اس کے لیے مشعل راہ تھیں۔

”آپ لوگ قاعدہ پڑھو میں آ رہی ہوں۔“ ہادیہ نے مسکرا کر چھیمو کو دیکھا اور نزہت خالہ کا دیا وہ نیلا کپڑا اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

مجھے ہے حکم اذاں

ام مریم

ہیں رنگ کئی ان کے پر پختہ نہیں ہوتے
یہ لوگ بھی کیا شے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے
گل کے رخ رنگیں پہ بھی آنسو ہیں صبح دم
یہ کس نے کہا ہنستے ہوئے چہرے نہیں روتے

## گزشتہ قسط کا خلاصہ

بدلے کی آگ میں جلتا سکندر لاریب کو بھی اپنے طنزیہ جملوں کی بدولت جھلسائے دیتا ہے جبکہ لاریب اس کے ہر ستم کو اپنی غلطیوں کا ازالہ تصور کرتے خاموشی سے برداشت کرجاتی ہے۔ فاطمہ اپنے بھائی ابراہیم احمد کے گھر عباس کو بنا بتائے چلی آتی ہے اس کا مقصد ابراہیم سے دین کی آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے عباس اپنے بچوں اور خود سے برتی گئی یہ بے نیازی قطعاً برداشت نہیں کرپاتا اور وہاں پہنچ کر اسے سخت سناتا ہے جبکہ ابراہیم احمد عباس کا یہ روپ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ ایسے عالم میں وہ فاطمہ کو اپنے ہمراہ حویلی لے جانا چاہتا ہے جہاں گھر والوں نے انہیں مدعو کیا ہوتا ہے۔ ایمان کا فاطمہ سے سامنا ہونے پر وہ اپنی بہن لاریب کے لیے مضطرب ہوتی ہے اسے لگتا ہے کہ اس لڑکی کی خاطر عباس نے اس کی بہن کو نظر انداز کیا تھا جبکہ فاطمہ کی خوش اخلاقی ایمان کی رائے بدل دیتی ہے۔ اس کی صحت یابی کی خوشی میں بابا جان حویلی میں چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کرتے ہیں۔ جس میں سب لوگ ہی شرکت کرتے ہیں۔ سکندر وہاں عباس کو دیکھ کر مشتعل ہوجاتا ہے وہ لاریب پر عباس اور وقاص دونوں کے سامنے جانے پر پابندی عائد کرتا ہے جبکہ نا چاہتے ہوئے بھی لاریب کا سامنا وقاص سے ہوجاتا ہے وہ اپنے گزشتہ رویوں کی معافی طلب کرتا ہے لیکن سکندر یہ منظر دیکھ کر اشتعال میں آجاتا ہے دوسری طرف لاریب اس کی بدگمانی پر ہلکان ہوجاتی ہے۔ جبکہ ایمان اس کی حالت دیکھ کر اسے ڈاکٹر سے رجوع کرنے اور کسی خوشی سے تعبیر کرتی ہے جبکہ لاریب مزید بوکھلا جاتی ہے۔ فاطمہ اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتے عباس کی ہر بات کو اور اس کی ذات کو نظر انداز کردیتی ہے جبکہ فاطمہ کی جانب سے یہ بے نیازی کا رویہ عباس کو اشتعال دلاتا ہے۔ حویلی میں بھی فاطمہ اپنا سارا وقت اپنے بھائی ابراہیم کے ساتھ گزارتی ہے جبکہ عباس فاطمہ کے اس سلوک پر سلگتا رہتا ہے۔ فاطمہ ابراہیم سے اپنی ماں کی بابت استفسار کرتی ہے اور اس سے بات کرنا چاہتی ہے اس کی خواہش ہے کہ ان دونوں کی طرح اس کی ماں بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے لیکن ابراہیم اسے فی الحال اس موضوع پر بات کردیتے سے منع کردیتا ہے۔ فاطمہ کے گریز کو محسوس کرتے عباس اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی توجہ اور محبت کے ذریعے فاطمہ کو اپنی جانب جھکاؤ پر مجبور کرتا ہے لیکن فاطمہ اب کسی طور اس کے دام الفت میں آنے کو تیار نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اماں جی ان دونوں کے رویوں میں تلخی محسوس کرتے عباس اور فاطمہ دونوں کو الگ الگ سمجھاتی ہیں انہیں لگتا ہے کہ عباس شاید کسی اور کو پسند کرنے لگا ہے۔ اسی لیے فاطمہ کی جانب سے غیر ذمہ دار ہے۔ جبکہ اماں بی کی اس سوچ پر عباس بے حد نادم ہوتا ہے۔ وہ اماں جی کی باتوں پر عمل کرتے فاطمہ سے ایک نیا رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ جس کی بنیاد محبت پر ہو اپنی انا کو ایک طرف رکھتے وہ فاطمہ سے برملا اظہار بھی کرتا ہے جبکہ فاطمہ اس کے والہانہ انداز محبت پر حیران رہ جاتی ہے حویلی سے گھر واپسی پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کردی جاتی ہے جس میں فاطمہ شدید زخمی ہوجاتی ہے۔



### (اب آگے پڑھیے)

❁......❁❁......❁

یہ سب کچھ اچانک اور اتنا غیر متوقع تھا کہ عباس کسی طرح بھی اپنے حواس قائم نہیں رکھ سکا۔ بلیک کرولا دھول اڑاتی سڑک کا موڑ مڑ چکی تھی۔ ایک دلخراش چیخ کے بعد فاطمہ کے ہونٹوں سے دم توڑتی سی چند کراہیں نکلی تھیں پھر وہ مکمل طور پر حواس کھوگئی تھی۔ عباس سکتہ زدہ کھڑا تھا اسے سکتے میں مبتلا کرنے کو یہی کافی تھا کہ عین موقع پر نشانے کی زد سے اسے دھکیل کر فاطمہ خود کیوں سامنے آگئی تھی۔ یعنی وہ اس سے قبل اس گاڑی اور اس گاڑی سے فائر کرنے والوں کو دیکھ چکی تھی۔ یعنی وہ جاتے جاتے بھی آخری احسان اس پر کرگئی تھی۔

❁......❁❁......❁

''سکندر'' دودھ کا گلاس اس کے پاس میز پر رکھتے لاریب نے اسے پکارا۔ سکندر نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی۔ اس کا نزاکت سے بھرا سراپا اس کا وجود جیسے چاندنی کی کرنوں سے گندھا تھا۔ وہ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی مگر وہ کررہا تھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے باجو کہتی ہیں چیک اپ کرانا چاہیے۔ صبح ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے؟'' اس کی نظریں یہ سوال کرتے جھکی ہوئی تھیں صرف نظر ہی نہیں وہ تو اپنا دل بھی جھکا چکی تھی مگر سکندر کا دل اب ہر جذبے سے گویا عاری تھا۔

''میرے پاس ان چونچلوں کے لیے وقت نہیں ہے محترمہ، دل چاہے تو اماں کو ساتھ لے جانا، ورنہ مرضی ہے تمہاری۔'' آف موڈ کے ساتھ اس نے زور سے کتاب بند کرکے سائیڈ پر رکھ دی۔ لاریب لمحہ بھر کو شرمندگی کے باعث گڑھ سی گئی مگر خود کو جلد سنبھال لیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔'' اس کے مدھم لہجے میں کہنے پر سکندر نے بھنوئیں اچکا کر اسے دیکھا اور زہر خند سے مسکرایا۔

''یہ بھی بتا دینا کہ ان کا بیٹا اب اس قابل ہوچکا ہے کہ تم اسے منہ لگانا پسند کرتی ہو۔'' اس کے سرد لہجے میں چھپی پھنکار لاریب کی پور پور کو زہریلا کرکے رکھ گئی۔ اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگی تھیں وہ انہیں چھلکنے سے کس طرح بھی روک نہیں سکی تو انتہائی بے بسی کا شکار ہوتے رخ پھیر لیا اس کے باوجود سکندر بھڑک کر چیخ اٹھا تھا۔

''میرے سامنے یہ مگر مچھ کے آنسو نہ بہایا کرو۔'' وہ جیسے مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ لاریب کے اعصاب شل ہونے لگے۔ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ جیسے ہی اٹھنے لگی سکندر نے تیزی سے حرکت میں آتے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے اس جارحیت بھرے جھٹکے کے نتیجے میں وہ دوبارہ بستر پر گری تھی تو حواس جھنجھنا اٹھے تھے۔

''بہت مظلوم بنتی ہونا، یاد کرو کبھی اس سے بھی زیادہ برا سلوک تم کرچکی ہو میرے ساتھ۔'' اس کی خوف سے پوری کھلی آنکھوں میں اپنی طنزیہ سفاک نظریں گاڑھتا ہوا وہ بے رحم لہجے میں بولا تھا۔ لاریب کے چہرے پر بے بسی اور غم کی شدید کیفیت کا غلبہ چھانے لگا۔

''میں آپ سے شکایت نہیں کررہی ہ آپ کو حق حاصل ہے ہر طرح کا۔'' وہ بولی تو آواز میں بھراہٹ اتری ہوئی تھی۔ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے دیکھتا رہ ہی گیا۔ وہ سرتاپا نئے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی۔

خاموش......لب بستہ......راضی بارضا......نہ گلہ نہ شکایت......وہ ایسی کب تھی؟ وہ ایسی کبھی نہیں تھی پھر......؟

سکندر کے اندر عجیب سے سوال اٹھے جن کا انتشار و اضطراب چہرے و آنکھوں سے چھلکنے لگا۔ وہ ہونٹ بھینچے اپنے اندر ہونے والی جنگ سے نبرد آزما تھا۔ لاریب اٹھ کر واش روم میں گئی۔ کچھ توقف سے وہ کمرے میں لوٹی تو انداز پھر پہلے کی طرح نارمل تھا۔ سکندر نے اسے صبح کے کام نمٹاتے دیکھا۔ وہ اس کے

کپڑے استری کررہی تھی جوتے بھی خود پالش کرتی تھی۔ ناشتا بنا کر پیش کرتی، وہ عجیب سی نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا مگر وہ کلس رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جوار بھاٹے کی طرح پکتا تھا اور ایسی کیفیت میں وہ ہمیشہ اپنے ساتھ لاریب کو بھی جھلسانا فرض سمجھا کرتا۔

''اگر تم بہتر فیصلہ کرلیتی تو اس طرح تختہ مشق نہ بننا پڑتا۔'' اس کا لہجہ مدہم مگر چبھتا ہوا تھا۔ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا اس کی نظروں میں کیسی بے بسی تھی۔

''اب کی بار میں نے خالصتاً اپنی مرضی سے فیصلہ کیا ہے، بغیر کسی جبر کے۔'' اس کا مدلل دوٹوک لہجہ ہر قسم کے شک و بناوٹ سے پاک تھا۔ سکندر کو پھر سے جھنجلاہٹ نے گھیرا۔

''اپنے ان مظالم کا ازالہ کرنا چاہتی ہوگی۔'' وہ اسی تنفر سے بولا۔

''اس کے علاوہ بھی ایک وجہ تھی۔'' لاریب نے کھڑکیاں بند کرکے پردے برابر کیے اور اسی مضبوطی سے بولی۔ سکندر ٹھٹک کر اسے تکنے لگا۔

''اور وجہ؟'' اس کا انداز مستفرانہ تھا۔ مگر لاریب اس کا سوال نظر انداز کرگئی، سکندر کو جیسے یہ نظر اندازی آگ لگانے لگی۔

''بتاؤ کیا وجہ تھی؟'' وہ تلملا اٹھا اور اس کی کلائی پکڑ کر بے رحمی سے مروڑی، لاریب نے ساری تکلیف کو ہونٹوں کو باہم بھینچ کر برداشت کیا البتہ کوئی مزاحمت نہیں کی اس کی نظروں میں ہنوز سوال تھا۔

''اس بات کو چھوڑ دیں۔''

''بکواس بند کرو سمجھیں، جو پوچھا ہے اس کا ہر حال میں جواب چاہیے۔'' وہ تیوری چڑھا کر بے حد رکھائی سے بولا۔ لاریب بے بس سی نظر آنے لگی۔

''میرے جیسی لڑکی محض ازالے یا سمجھوتے کی بنا پر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی، اس کی وجہ محبت ہی......!'' اس کی بات سکندر کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی بدولت ادھوری رہ گئی۔ لاریب محض ایک پل کو بھونچکی ہوئی تھی گال پر ہاتھ رکھے وہ اگلے لمحے نظریں اور چہرا جھکا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جبکہ سکندر شعلہ جوالہ ہی نہیں جنونی بھی نظر آنے لگا تھا۔

''بہت خوب، تو یہ ڈرامہ کروگی اب تم میرے ساتھ اپنا مقصد نکالنے کو۔'' وہ حلق کے بل غرایا۔ لاریب کا پورا وجود آنسو بن کر بہنے لگا۔

''میں اسی باعث تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی سکندر، جانتی تھی تم یقین نہیں کروگے۔ بالآخر اس جذبے کی تذلیل بھی میں نے خود ہی کرلی۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''کیا مقصد ہے اب تمہارا مجھ سے؟'' لاریب وہاں سے جانے کو جیسے ہی پلٹی سکندر نے ہیجان زدہ انداز میں کہتے اسے کاندھوں سے دبوچ کر اپنے مقابل کیا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں اس پل کتنی وحشت تھی لاریب کو عجیب سے دکھ نے آن لیا۔ اس کا بھی کا شدید رویہ سکندر کے لیے کتنے نقصان کا باعث بن گیا تھا۔ اس کی اچھائیاں اس کی خوبیاں اسی طیش و تلخی کی نذر ہوتی جارہی تھیں۔ وہ ذہنی اعتبار سے کم از کم اس کے حوالے سے تباہ ضرور ہوچکا تھا۔ نفرت وانتقام کے ساتھ بدگمانی کی آگ اسے بری طرح جلا کر خاک کررہی تھی۔

''کیا مقصد ہوسکتا ہے، آپ بہت جینئس ہیں خود سوچ لیں جو کچھ آج آپ کے پاس ہے وہ الحمدللہ مجھے ہمیشہ میسر رہا ہاں البتہ ہدایت نہیں تھی۔ عقل کا استعمال نہیں آتا تھا۔ وہ سیکھا تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔ غلطی کا احساس جاگا تو محبت کا وہ نوخیز پودا بھی سر اٹھا کر لہلہانے لگا جو ہمیشہ سے تھا مگر میں ہی محسوسات سے بے بہرہ رہی تھی۔ جس سکندر کو میں عزیز رکھتی تھی وہ میرا غم گسار، میرا ہم نوا اور دوست تھا۔ جسے میں بطور شوہر قبول نہیں کرسکی، کیوں؟ وجہ سے آپ لاعلم تو نہیں ہوں گے۔ ان دنوں میں کسی ذہنی پسماندگی اور اذیت کا شکار تھی یہ اس کیفیت کے برعکس تھا سکندر آپ نے جس طرح مجھے سمجھا مجھے سنبھالا اور مجھے سنبھلنے کا موقع دیا یہ چیزیں ہی میرے دل میں آپ کی محبت اور اس رشتے کی گنجائش پیدا کر



گئیں۔ میں نے آپ کے ساتھ جو آخری جھگڑا کیا اس پر سب سے زیادہ پچھتائی ہوں میں بہت روئی ہوں، آپ کی کامیابی، آپ کی واپسی میرے لیے ایک انعام تھا۔ میں نے آپ کو شوہر کے طور پر قبول کیا تو پوری آمادگی کے ساتھ۔ جبھی آپ کے تمام حقوق سے بھی آپ کو نوازا لیکن اب مجھے اندازہ ہوا اس روز جو بات میں نے جذباتیت میں کہی تھی مگر سچ کہی تھی۔ شوہر دوست نہیں ہوتا کبھی نہیں۔ میں نے پہلے اپنا دوست کھویا تھا۔ جبھی میں اب اپنا شوہر نہیں کھونا چاہتی میری خاموشی میں بس یہی مصلحت یہی خوف ہے میں انتظار کررہی ہوں اس وقت کا جب آپ کو میری باتوں کا یقین آجائے گا۔'' اپنی بات مکمل کرکے وہ رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی تو فراز کو دروازے کے باہر سکتہ زدہ کیفیت میں پاکر اسے شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ خفت اور شرمندگی جو بھی وہ الگ۔ اس سے ہی نہیں وہ اپنے آپ سے بھی نظریں چراتی وہاں سے بھاگی تھی۔ فراز نے متاسفانہ سانس بھرا اور کھلے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ سکندر بیڈ کی پائنتی کی جانب دونوں ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھا نظر آیا۔

''پچھتا رہے ہو؟'' فراز کے کاٹ دار طنز پر چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اگلے لمحے خفت وخجالت کے شدید ترین احساس سمیت نظر چرانی پڑ گئی تھی۔

''تم کب آئے؟'' وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

''تمہیں نہیں لگ رہا تم وقت برباد کررہے ہو؟'' فراز کا لہجہ ناصحانہ تھا جو سکندر کو آگ لگا گیا۔

''بکواس نہیں کرو، اس کی فیور کرنے آئے ہو تو جاسکتے ہو۔''

''ذرا سی گنجائش رکھ کر بھی سوچا جاسکتا ہے سکندر۔'' وہ الجھا ہوا اور سگریٹ سلگاتا سکندر خود بھی سلگ گیا۔

''نہیں ہے گنجائش بالکل بھی وہ جھوٹ بولتی ہے، میں جانتا ہوں ابھی بھی عبا......!'' معاً یکدم ہونٹ بھینچ گیا فراز نے چونک کر اسے دیکھا کتنی اذیت تھی اس کے چہرے پر۔

''اگر تم پیچھے مڑ کر ہی دیکھتے رہے تو کبھی آسودہ اور خوش نہیں رہ سکو گے اگر بھابی نے کمپرومائز بھی کیا ہے تو تمہیں ان کے اس جذبے کی قدر کرنی چاہیے۔ یاد کرو جب وہ تمہاری زندگی میں آئیں عباس بھائی تب بھی ان کی زندگی میں تھے۔ اگر تب انہیں درمیان میں رکھنے والی وہ تھیں تو اب انہیں فراموش کرکے بھی وہ تمہارے پاس آئی ہیں سکندر اگر تم اس وقت اتنے اعلیٰ ظرف تھے تو یہ اعلیٰ ظرفی اب کہاں چلی گئی؟ کیوں اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں زہر گھولتے ہو بھابی کو غور سے دیکھا ہے تم نے...... یقیناً نہیں محض چند ہفتوں میں وہ آدھی بھی نہیں رہی ہیں اگر یہی صورت حال رہی تو عین ممکن ہے یہ شدت پسندی تمہیں کسی پچھتاوے میں مبتلا کردے کیا تم کوئی نقصان افورڈ کرلوگے؟ یا تمہیں اقتدار کا نشہ اتنا زیادہ ہے کہ اس پر بہت آسانی سے محبت قربان کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ہے۔'' فراز ایک کے بعد ایک تیکھا اور سلگتا سوال اس کے سامنے رکھ رہا تھا اور وہ بھڑکتا جارہا تھا۔

❀......❀❀......❀
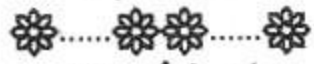
جب تک فاطمہ کو ہوش نہیں آگیا اور اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہوگئی عباس کتنا حواس باختہ نظر آتا رہا تھا۔ پولیس کو اپنا اسٹیٹمنٹ ریکارڈ کراتے اس نے صاف لفظوں میں سعید احمد کا نام لکھایا اور اس کی فوری گرفتاری پر اصرار کرتا رہا تھا۔

''آپ کو یقین ہے آپ نے خود دیکھا انہیں؟'' سب انسپکٹر کے سوال پر عباس نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

''اس کے علاوہ میرا اور کوئی دشمن نہیں ہے۔ وہ میرے گھر پر کھڑے ہوکر مجھے شوٹ کرنے کی دھمکی دے کر گیا تھا۔ میں نے بتایا تھا آپ کو وہ میرے بچوں کو بھی گن پوائنٹ پر کڈنیپ کرچکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ میرے گھر کا قیمتی ساز و سامان لوٹ چکے ہیں کیا کچھ بتاؤں آپ کو؟'' عباس اتنا مشتعل تھا کہ وہ ساری باتیں بھی کھول دیں جن کے متعلق اس سے قبل وہ کسی سے بھی سننا پسند نہیں کیا کرتا تھا۔

پولیس نے سعید احمد کے خلاف ایف آئی آر درج کی اور عباس کو انصاف ملنے کی روایتی یقین دہانی کرانے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگئی۔ تب ہی محمد شرجیل اور ابراہیم احمد پریشان چہروں کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ تب وہ کتنا ہراساں اور خود کو سنبھالتا ہوا کتنا نڈھال لگ رہا تھا۔

"فاطمہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ابراہیم احمد، عریشہ کے بعد اسے بھی کھونے کا مجھ میں ہرگز حوصلہ نہیں ہے۔ میں خود بھی مر جاؤں گا اگر اب کچھ بھی غلط ہوا۔" وہ تمام حوصلے اور ضبط گنواتا ابراہیم احمد کے گلے لگ گیا تھا۔ ابراہیم احمد اتنا اپ سیٹ تھا کہ عریشہ کے نام پر اگر الجھا بھی تو کوئی سوال کرنے کا خیال نہ آسکا۔

"حوصلہ کریں عباس بھائی، دعا کریں اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ۔" ابراہیم نے کاندھا تھپک کر جبکہ شرجیل نے الفاظ سے ڈھارس بندھائی تھی دوسری جانب عباس تھا جس نے بالآخر ہار مان لی تھی۔ خود سے بھاگتے اور نظریں چراتے بھی تھک گیا اس نے تسلیم کرلیا وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔ ہاں وہ اس سے محبت بھی کرنے لگا ہے ہار جیت، ہر انا و زعم بے معنی تھا جبھی اس کا ذہن شرجیل کے الفاظ میں اٹکا۔

"دعا......!" وہ ٹھٹک گیا۔

"ہاں مجھے دعا کرنی چاہیے، جب عریشہ مجھ سے چھنی میں اس قابل کہاں تھا کہ خدا سے اسے مانگ سکتا مگر تمہیں میں دور نہیں جانے دوں گا فاطمہ، اب کی بار میں اللہ کو منالوں گا۔" وہ نم آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے وہ ایک نئے عزم کے ساتھ وضو کر کے رب کے دربار میں حاضر ہوا۔

تو دعا کو ہاتھ پھیلاتے ہی دل کی کیفیت میں عاجزی و خشوع و خضوع اتر آیا۔

"اے سب فریادیوں کی فریاد سننے والے، میری فریاد سن لے۔" وہ گڑگڑاتا ہوا سسکتا ہوا دعا مانگ رہا تھا۔

فاطمہ کو ہوش آیا تو سب سے پہلے اس کے پاس وہ بھاگا بھاگا گیا، گولیاں فاطمہ کے کاندھے اور بازو پر لگی تھیں۔ زیادہ خون بہہ جانے کے باعث وہ بالکل زرد ہو رہی تھی۔ عباس اس کے بستر پر ٹک گیا اور اس کا ہاتھ اپنے مضبوط

**الوداع دسمبر**

الوداع......
الوداع......اے دسمبر
ایک بار پھر
لوٹ گیا
وہی تنہائیاں
وہی وحشتیں
وہی دکھ
وہی آس کے لمحے
پھر سے سونپ گیا
دسمبر......!
یاد رکھنا تم
بہت وحشت ہے
تیرے نام سے اب
بس! اتنا یاد رکھنا
کہ جب لوٹو دوبارہ
اپنے دامن میں
تنہائیاں
وحشتیں
دکھ
آس
اور......
انتظار کے لمحے
مت لانا
اے دسمبر الوداع......!

تحریم اشرف......خانیوال

ہاتھ میں لے لیا مگر فاطمہ کو منہ پھیرتے دیکھ کر وہ کیسے دھک سے رہ گیا تھا فاطمہ نے آنکھوں کی نمی کو بہنے دیا۔

"میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتی، میں کمزور ہونا نہیں چاہتی۔" عباس کا بجھا ہوا چہرا اس کا شکن آلود لباس، از خود اس کی پریشانی و اضطراب کا گواہ تھا۔ وہ اب ان احساسات کو ہی تو نہیں محسوس کرنا چاہتی تھی اسے سب سے بڑا خطرہ



اپنے ہار جانے کا ہی تو تھا۔

"بھائی۔" وہ سسکی۔

"مجھے بھائی سے ملنا ہے۔" وہ یونہی رخ پھیرے بولی تھی آواز میں کتنی بے چینی اور بھراہٹ تھی اس نے اپنا ہاتھ بھی عباس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا اور عباس کے اندر زور کا چھناکا ہوا تھا اور سب کچھ ٹوٹتا چلا گیا وہ بہت کچھ کھو چکا تھا اب مزید کچھ کھونے کا تصور ہی اسے وحشت میں مبتلا کرتا تھا۔

"تم ٹھیک ہو اب فاطمہ آئی ایم سوری میری وجہ سے۔"

"بھائی نہیں آئے کیا؟" وہ نقاہت سے چور آواز میں پوچھ رہی تھی عباس کے حوصلے پھر مسمار ہوئے جنہیں وہ دقتوں سے سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ چپ سا ہو گیا اور اسے دیکھتا رہ گیا جو شاید اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ ہاں، اس نے اس لڑکی کی تذلیل کی انتہا بھی تو کردی تھی لیکن وہ تو بہت باحوصلہ تھی۔ بہت اعلیٰ ظرف بھی اور......اور اس سے محبت بھی تو کرتی تھی۔ پھر کیا ہوا کیا وقت اتنی تیزی سے گزر گیا کہ وہ اس کی جانب سے مایوس ہوگئی۔ یا اتنی خفا کے اب از خود کوئی گنجائش نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ جبکہ وہ خود گواہ تھا کہ وہ اس شعر کی عملی تفسیر تھی۔

جانے کس کس پر پڑی ہوں گی نگاہیں تیری
میں نے چن چن کے تیرے شہر کے پتھر چومے

ایسی ہی دیوانگی کا شکار تھی وہ اس کے معاملے میں مگر یہ بھی تو سچ ہے ناں کہ ہر جذبہ ہر احساس جواباً ویسی ہی پذیرائی چاہتا ہے یہاں پذیرائی کیا ہونا تھی۔ یہاں تو ذلت کے لاتعداد قصے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آسکی فاطمہ کے اس رویے کی یہ بے دلی تھی، مایوسی تھی یا پھر واپسی کے راستوں پر قدموں کا مڑنا۔ جو بھی تھا عباس کے اندر زیاں کے احساس کو گہرا کرنے لگا۔

دوسری جانب فاطمہ نے محض ایک نظر میں اس کے چہرے کے کرب و اذیت کو پالیا تھا اور بے حد یاسیت میں گھرتے آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔ اس کا دل کراہنے لگا تھا عباس کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھ کر مگر وہ اسے روک نہیں سکی۔

"مجھے معاف کردیں عباس، میں آپ سے ہرگز انتقام نہیں لے رہی، لے ہی نہیں سکتی مگر یہ زندگی کا ایسا مقام ہے کہ میں آپ کو چن کر اپنے اللہ کی نظروں سے نہیں گر سکتی۔" اس نے دل میں کہا۔ وہ ایسا ہی کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ اب بھی عباس کو اللہ کے مقابلے پر جیتنے نہیں دے گی۔ وہ اس کوشش میں سردھڑ کی بازی لگا رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی مگر وہ خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو گڑیا! کہیں درد تو نہیں ہو رہا؟" ابراہیم احمد کی آواز پر اس نے اپنی سرخ آنکھیں کھولیں تو تب سے جمع شدہ آنسو کناروں سے پھسل کر بالوں اور تکیے میں جذب ہونے لگے۔

"مجھے گھر لے چلیں بھائی۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کتنی بے قراری سے رو پڑی تھی۔ ابراہیم احمد حیران ہونے لگا۔

"ابھی......؟ ڈاکٹر اجازت نہیں دیں گے۔"

"ان سے نہ پوچھیں لیکن مجھے لے جائیں، وہ سب غیر محرم ہیں میرے لیے۔ جب مجھے ہاتھ لگاتے ہیں تو بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آپ کو تو پتا ہے کہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ زینب نے بتایا تھا کہ غیر محرم سے ایسے بچنا چاہیے جیسے غلاظت سے، جیسے آگ سے۔" اس کے انداز میں جتنی بھی شدت تھی مگر اس کی ضد بے جا نہیں تھی۔ ابراہیم احمد کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

"آپ زینب کو مطلع کردیں بھائی۔ وہ میری ڈریسنگ کردیا کریں گی۔" گھر آنے کے بعد اس نے مزید کہا تھا ابراہیم احمد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"زینب یہ کام کہاں کرتی ہیں اپنی ویز میں کسی فی میل ڈاکٹر کا انتظام کردوں گا عباس بھائی سے کہہ کر۔"

"آپ گھر کا چکر لگالیں بھائی بہت تھکن ہوگئی ہے آپ کو میری وجہ سے۔" اس کی تمام تر توجہ کا مرکز وہی تھا۔ عباس کو عجیب سا احساس گھیرنے لگا۔ وہ واقعی بدل گئی تھی۔

اس نے اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں پر بھی توجہ نہیں دی تھی جو اس کے دائیں بائیں آ کر لپٹ گئے تھے اور ماں کی حالت دیکھ کر خاصے ہراساں تھے۔

"سیما! بچوں کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔" اس سے برداشت نہ ہوسکا تو بول پڑا۔ ملازمہ کی تعمیل پر بچے اینٹھ گئے تھے اور فاطمہ سے چپکے جانے لگے۔ تب فاطمہ نے اشارے سے سیما کو منع کیا اور بچوں کو مزید خود سے قریب کرلیا تھا۔

"مجھے ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے سیما، نو مینشن۔" سیما سر ہلاتی پلٹ گئی تھی۔

"میں شام میں آؤں گا فاطمہ سمعیہ کو لے کر اپنا خیال رکھنا فی امان اللہ۔" ابراہیم احمد عباس سے مصافحہ کر کے رخصت ہوگیا۔

"سیما ان کے لیے سوپ لے آؤ۔" عباس کے کہنے پر ملازمہ جیسے ہی باہر جانے کو مڑی فاطمہ نے ٹوک دیا۔

"نہیں فی الحال تم مجھے وضو کرادو، مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔" اس کی بات نے عباس کو بے حد حیران کیا اور جبھی وہ بے اختیار بول پڑا۔

"نماز؟" سوالیہ انداز میں فاطمہ نے پہلی بار اسے براہ راست دیکھا۔

"کیوں، کوئی اعتراض ہے آپ کو؟" اس کا لہجہ اس کا انداز کس قدر روٹھا تھا۔ عباس گڑبڑا سا گیا۔

"میرا مطلب ہے کہ ابھی تمہاری طبیعت بہتر نہیں ہے تو بعد میں قضا نمازوں کی ادائیگی......!"

"میں ہرگز اتنی بیمار نہیں کہ نماز چھوڑ دوں، نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو بھی پتا ہوگا۔" اس کا لہجہ گو کہ طنزیہ نہیں تھا اس کے باوجود عباس شرمندہ نظر آنے لگا۔ وضو کرنے سے لے کر نماز ادا کرنے کا مرحلہ بہت گہرے ضبط اور تکلیف کا مرحلہ تھا مگر فاطمہ نے ہمت نہیں ہاری۔ عباس اسے دیکھتا اور داد دیتا رہ گیا تھا۔

"آؤ، یہاں لیٹ جاؤ اور کچھ کھالو۔" وہ جائے نماز سے اٹھی تو عباس نے تیزی سے بڑھ کر اسے اپنی نرم گرفت میں لے کر اپنی پرحدت پناہوں میں لے لیا۔ وہ یونہی نرمی اور احتیاط سے تھامے اسے بیڈ تک لایا تھا۔ فاطمہ سن ہو کر رہ گئی۔ کس حد تک اور کہاں تک وہ خود کو سنبھالے رکھتی اور بچاتی جبکہ عباس نے تو جیسے طے کرلیا تھا اس کی ہمتیں توڑنے کا شکست سے دوچار کر کے اسے بے بس کرنے کا عباس جو اسی کی سمت متوجہ تھا اس کی اسی حیرانی اور بے یقینی کے ساتھ جز بز ہونے والے انداز کو سمجھ کر مسکرانے لگا۔

"میں چاہتا ہوں تم بہت جلد ٹھیک ہوجاؤ، اس کے لیے مجھے تمہاری کیئر تو کرنا پڑے گی نا؟" عباس کے مدہم گمبھیر لہجے کا حصار اس کے گرد نہ ٹوٹنے والا دائرہ بنا رہا تھا۔ وہ اس کی آنچ دیتی نظروں سے بہت سرعت سے پگھلنے لگی۔ جبھی بہت زیادہ گھبراہٹ محسوس کرنے لگی اور اس کا حصار توڑنے کی کوشش کی۔

"میں خود چل سکتی ہوں، آپ چھوڑیں مجھے۔" وہ جتنی وحشت اور بے چارگی میں مبتلا ہو کر بولی عباس اسی قدر ہرٹ ہوا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں فاطمہ، بیوی ہو تم میری۔" فاطمہ نے دیکھا اس کے خوبرو بے حد پرکشش چہرے پر سرخی چھانے لگی تھی۔ پتا نہیں وہ اسے سمجھ رہا تھا یا احتجاج کررہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قطعی قاصر رہی۔

"میں نے انکار نہیں کیا مگر میں آپ کے اس رویے کی عادی نہیں ہوں۔ مجھے یہ توجہ نہیں چاہیے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ کسی بھی طریقے سے اسے ہرٹ کر کے ہی سہی مگر اس کشمکش سے نکلنا چاہتی تھی۔ عباس گنگ ہونے لگا۔ حیرت ہی حیرت تھی۔ یہ توہین و سبکی کی انتہا تھی اس کے خیال میں وہ اسے جھٹلا رہی تھی اسے ٹھکرا رہی تھی جس کی خاطر اس نے خود در در کی خاک چھانی تھی اور ہرزیاں بہت حوصلے اور ہمت سے بڑھ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے خفا ہو، میں نے سلوک بھی ایسا کیا مگر فاطمہ مجھے ازالہ تو کرنے دو اس رویے کا۔" عباس حیدر کے مخصوص دبنگ لہجے میں التجا اور عاجزی اتر



آئی تھی۔ فاطمہ گھائل ہوتی چلی گئی اور دل جیسے بے اختیار سسک پڑا تھا سجدے میں گرتا ہوا۔

"اللہ، تجھ سے بڑھ کر بھی اپنے وعدوں میں کوئی سچا ہوسکتا ہے۔ ابھی میں پوری طرح تیری ہوئی نہیں اور دنیا کو تو نے میرے قدموں میں بھی بچھانا شروع کردیا...... یہ شخص...... بھلا سوچا تھا کبھی میں نے ایسا لیکن یہ ہورہا تھا بلکہ ہوگیا تھا معجزہ ہی تو تھا اور کرنے والا کون تھا اللہ کے سوا، کس غفلت میں ہے دنیا۔ اللہ کو چھوڑ کر ذلت کے کس خرابوں میں پڑی ہوئی ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور پھر اس کے آنسو بہنے لگے اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔ عباس اسی قدر بے چین اور بے قرار ہوا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، اللہ گواہ ہے، مجھے آپ سے کوئی شکوہ کوئی ناراضگی نہیں ہے۔" وہ جھکے سر کے ساتھ بے حد عاجزی سے کہہ رہی تھی عباس پہلے حیران نظر آیا پھر کسی قدر مطمئن۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ رکا اور ایک آسودگی سے بھرپور طویل سانس کھینچا۔

"بس اب جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ، پھر مجھے بھی تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔" اس نے جھک کر فاطمہ کے ہاتھ پر ایک مہکتا بوسہ ثبت کیا اور اٹھ گیا فاطمہ تو مبہوت ہی بیٹھی رہ گئی۔

❀......❀❀......❀
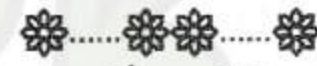
"لاریب......!" سکندر نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے سرگوشی سے ذرا بلند آواز میں اسے پکارا۔ کمرا نیم تاریک تھا اور ایئر فریشنر کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا، سکندر کے پرسکون اعصاب پر خوشگواریت غالب آنے لگی۔

"شاید فراز گھامڑ پہلے ہی آگاہ کرچکا ہے اسے کہ میں منانے آرہا ہوں اسے۔" وہ اپنی سوچ پر مسکرایا اور پھر لاریب کو آواز دی تھی اور آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ سے کئی بٹن دبائے۔ نیم تاریک کمرا یکلخت روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ وہ اپنے دھیان میں پلٹا مگر اپنے روبرو صالحہ کو پا کر اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بھلا اس کے بیڈ روم میں کیا کررہی تھی وہ بھی لاریب کی غیر موجودگی میں۔

"وہ نہیں ہے یہاں، مجھے حکم کریں، کیا خدمت کروں آپ کی؟" صالحہ کے انداز مخصوص بے باکی لیے تھے گفتگو سے لے کر انداز و اطوار تک، خصوصی تیاری کے ساتھ نوک پلک سنوارے، سکندر نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کررہی ہیں؟" اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا۔

"لاریب...... کہاں ہیں لاریب!" وہ زور سے پکارا مگر اس کی آواز مارے صدمے و غیر یقینی سے حلق میں گھٹ گئی۔ صالحہ نے لپک کر صرف اس کا راستہ نہیں روکا بلکہ سارے فاصلے مٹا کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔ سکندر کے اعصاب کھنچنے لگے۔ اس نے ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے قہر بار نظروں سے اسے دیکھا اور خود سے الگ کرنا چاہا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ وہ یہ سب یقیناً کسی منصوبے کے تحت ہی کررہی تھی۔

جبھی نہ صرف اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا حلیہ بگاڑا بلکہ پلٹ کر دروازہ بھی بند کردیا۔ اس کے بعد وہ سکندر کو نوچتے کھسوٹتے اس سے لپٹ کر ہسٹریائی انداز میں چیخنے اور شور مچانے لگی تھی۔ سکندر کے لیے چونکہ یہ سب کچھ بہت غیر متوقع تھا جبھی اسے صورت حال کو سمجھنے اور حواس بحال کرنے میں کچھ وقت لگا اور پھر اس کے بعد وہ طیش میں آکر ایسے بپھرا کہ صالحہ کی نسوانیت کی پروا کیے بغیر اسے دھنک کر رکھ ڈالا کچھ دیر بعد وہ اس کی اصلی چیخیں سن رہا تھا جن سے در و دیوار لرزے جاتے تھے مگر سکندر کے ہاتھ دروازے کے پار ہونے والی دستک اور سراسیمہ شور کو سن کر بھی نہیں رک سکے۔

"جان سے ماردوں گا تمہیں فاحشہ گھٹیا عورت، مجھ پر الزام لگاؤ گی، مجھ پر جو تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا تم پر۔" اس کی غراہٹوں میں وحشت درندگی، غم و تاسف کے علاوہ ایسا غضب ناک تاثر تھا کہ اس ڈرامے کا حصہ تائی ماں جو اپنے دیوہیکل وجود کے دو چار دھکوں سے لاک توڑ کر دیگر اہل خانہ کے ساتھ اندر گھس آئی تھیں اور واویلا کرتے

ہوئے باقاعدہ سکندر کو کوسنے لگیں۔

''ارے کوئی تو روکے اس کو مار ڈالے گا میری بچی کو۔'' ان کے شور مچانے پر فراز اور نبیل جو سرخ چہرے لیے کھڑے تھے نا چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھ آئے اور بامشکل بے قابو سکندر کو قابو کیا۔

''بس کرو سکندر، اتنا سبق کافی ہے۔'' فراز کی سرگوشی پر سکندر نے لہو چھلکاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری، میں ابھی بلواتی ہوں تیرے ابا کو، ارے ہم تو ملنے کے واسطے آئے تھے کیا پتا تھا گھر کے محافظ ہی نقیب نکلیں گے۔'' تائی ماں کی فریاد جاری تھی۔ صرف وہی تھیں جو صالحہ کے زخم سہلا کر چیخ چلا بھی رہی تھیں۔ باقی تو ہر سو سناٹا تھا۔ سکندر نے لاریب کی جانب دیکھا جس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ سخت مضطرب ہوتا اس کی جانب لپکا۔

''لاریب میں......!'' لاریب نے سہم کر اس کی جانب نگاہ کی تھی پھر اگلے لمحے سسکیاں دباتی پلٹ کر بھاگی اور کمرے سے نکل گئی۔ سکندر نے اضطراب بھری نظروں کا رخ فراز کی جانب پھیرا جو تسلی آمیز انداز میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی، میں دلاؤں گا بھابی کو تمہاری بے گناہی کا یقین۔'' اس کی تسلی کے باوجود سکندر کو گھیرتی وحشت میں اضافہ ہونے لگا۔ لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بھینچے۔ وہ پلٹ کر تیزی سے کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا زندگی کو شاید ابھی اس کی اور آزمائش درکار تھی۔

❀......❀❀......❀

وہ بتدریج ٹھیک ہو رہی تھی۔ گاؤں سے اماں جان بابا جان کے علاوہ زینی، مہرو اور امامہ بھی اس کی خیریت دریافت کرنے آچکی تھی۔ چھوٹی حویلی سے بھی ایمان بابا سائیں کے ہمراہ کل ہو کر گئی تھی۔ عباس ان دنوں بہت کم دکھائی دیتا البتہ اس نے فاطمہ کو کسی سے بھی کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ کراچی میں اس قسم کے واقعات عجیب لگتے بھی کہاں تھے۔ عباس اس کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔

''آپ کو اتنا انوالو نہیں ہونا چاہیے اس معاملے میں، ان لوگوں کا مقصد آپ کو ہی تو نقصان پہنچانا تھا۔'' فاطمہ چپ رہ نہیں سکی تھی یہ کہنے سے اس کی جانب سے آج کل ہر دم دل ہولتا ہی رہتا جب تک وہ گھر سے باہر ہوتا۔ فاطمہ کا دھیان اس کی جانب لگا رہتا۔ وہ گھر آجاتا نظر کے سامنے ہوتا تو جیسے پوری دنیا کا سکون و امن آبستا تھا اس کے دل میں اس وقت بھی وہ وارڈ روب کے سامنے کھڑا اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ فاطمہ کی اس بات پہ کام ادھورا چھوڑ کر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ پھر وارڈ روب کا دروازہ کھلا چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی فاطمہ مجھے سامنے سے ہٹا کر خود کو ان بلٹس کا نشانہ بنانے کی اگر تمہیں اس دن کچھ ہو جاتا۔'' عباس نے بات روک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہونٹوں سے چومنے کے بعد نم آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم نے یہ کیوں نہ سوچا فاطمہ کہ میرا کیا بنے گا، عریشہ کو کھو کر میں دیوانگی کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔ مگر تمہیں کھو کر واقعی ہی......!'' اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث فاطمہ کا بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے ہونٹوں پر رکھا ہاتھ تھا۔ کیسی تڑپ اور بے قراری تھی اس انداز میں آنکھوں میں جو وحشت ابھری تھی اس کا کیا شمار عباس نے اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں کو دیکھا۔ کپکپاتے ہونٹوں کو پھر کچھ کہے بغیر تھوڑا سا اس کی جانب سرکا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ یہ ایسی پیش رفت تھی جس نے فاطمہ کو سکتہ زدہ کر ڈالا۔

بھلا کبھی سوچا تھا اس نے...... یہ بے مہر شخص جس کی آنکھوں میں اس کے لیے صرف بیگانگی نفرت یا پھر تلخی ہوتی تھی۔ کبھی اس طرح اس کا قدردان بھی بن جائے گا۔ اس کا دل رو پڑا۔ رواں رواں فریاد کناں ہونے لگا۔ وہ جتنا اس آزمائش سے بچنے کو ہاتھ پیر مارتی تھی اس قدر اس دلدل میں دھنس رہی تھی۔ اس کا دل پانی بن کر پگھلنے لگا



تھا...... اب اس مقام پر وہ اس شخص کو جھٹلا سکتی تھی اسے ہرٹ کر سکتی تھی؟

اس کے پورے وجود میں نہیں...... نہیں کی پکار مچنے لگی۔ شاید وہ اس قابل نہیں تھی کہ اللہ کے لیے کچھ کر سکتی۔ عباس جانے اسے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سنتی تو سمجھتی نا، اس کا دل تو رنج و غم اور آزمائش کے احساس سے دوچار تھا۔ اس سے بھی بڑا احساس خوف کا احساس تھا۔ معاً اس کے نڈھال بے جان ہوتے جسم میں توانائی آ گئی۔ اس کے وجود میں تحریک پیدا ہوئی۔ وہ ایک جھٹکے سے تڑپ اٹھنے کے انداز میں عباس کے بازو جھٹک کر تیزی سے پیچھے ہوئی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مگر وہ بولنا چاہتی تھی اس کے باوجود کہ شدت غم کے باعث آواز بہت بھاری تھی۔

''میں آپ کی غلطی فہمی دور کرنا چاہوں گی۔ اس دن یہ سب بائی چانس ہوا، میں ہوش و حواس میں ایسا کیوں کرنے لگی؟'' اس نے دانستہ عباس کو دکھ سے دوچار کیا۔ ایسا دکھ جو نسبتاً بڑے غم سے معمولی تھا۔ وہ بس اب اس کے لیے اتنا ہی کر سکتی تھی۔ بات ایسی تھی کہ جس نے عباس کے چہرے کی رنگت ہی تبدیل نہیں کی ہونٹوں پر بھی چپ کی مہر لگا دی تھی۔ اس نے عباس کی صدمہ زدہ کیفیت کو دیکھا پھر اس بدگمانی کے سلسلے کو کچھ اور دراز کرنے لگی۔

''میری بات سنیں عباس، آپ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں، مجھے کبھی بھی آپ سے ایسی جنونی محبت نہیں رہی کہ جس کی بیس پر میں کوئی ایسا جنونی قدم اٹھاتی۔'' اس نے عباس سے نگاہ چار کیے بنا کہا۔ عباس اسے دیکھتا رہا۔ وہی جلن تھی اس پل اس کی سحر طراز آنکھوں میں۔ وہی بے خبری، وہی اجنبیت، وہی بے نیازی و لاتعلقی جو کبھی عباس نے اس کے لیے روا رکھی تھی۔

آج وقت نے پلٹا کر اس پر مسلط کر دی تھی۔ اس کی پیش رفت، پیش قدمی پھر بے کار گئی۔ اس کی قربت اس کی نگاہ عنایت نے بھی فاطمہ کو اسیر نہیں کیا کوئی فرق نہیں پڑا تھا اسے جیسے۔ عباس کچھ کہے بغیر ہونٹ بھینچے اٹھ گیا۔ باہر بالکونی میں آ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے ذہن پہ فاطمہ کی آواز خنجر بن کر ضرب کاری لگانے لگی۔ وہ ایک ایک لمحہ اس کی یادداشت کے پردے پر ڈولنے لگا۔ جب جب اس کی دیوانگی اس کی آنکھوں اس کے چہرے اور ہر ہر حرکت سے چھلکتی نظر آئی تھی...... مگر اب وہی فاطمہ تھی جو کچھ اور روپے کچھ اور انداز میں اس کے سامنے تھی کل صبح جب وہ کمرے میں آیا دیا اس کے پاس جانے کو رو رو کر ہلکان تھی۔

''اسے لے جاؤ یہاں سے سیما، میں تلاوت کے دوران ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی۔'' وہ ٹی وی آن کیے اسلامک چینل دیکھ رہی تھی۔ جہاں قرأت سکھائی جا رہی تھی فاطمہ باقاعدگی سے اس وقت قرأت سیکھتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی عباس اور بچوں سے بے رغبتی کے کئی مظاہرے تھے جو وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ چکا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا وہ بچوں سے بے زار نظر آیا کرتی زیادہ وقت جائے نماز پر گزارتی یا پھر قرآن پاک کھولے اپنا سبق دہرایا کرتی۔ جو ٹائم بچتا اس میں اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی رہتی۔

عباس کے لیے سب سے تکلیف دہ امر بچوں کا نظر انداز ہونا تھا۔ جو ماں کی اس بے پروائی کے نتیجے میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ڈسٹرب ہوتے اور بجھتے جا رہے تھے۔

''کیا میں نے تمہاری طرف رجوع کرنے میں اتنی دیر لگا دی فاطمہ کہ باقی کچھ نہیں بچا۔'' اس کے مضطرب ذہن نے تکلیف دہ سوچ کو جگہ دے کر اضطراب کو اور بڑھا دیا تھا۔ وہ وہیں ٹہلتا ہوا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

مغرب و عشا ادا کر کے وہ واپس گھر لوٹا تو فاطمہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ سر کے نیچے کشن اور گود میں دیا، اسامہ بیڈ پر سو رہا تھا۔ عباس کو سکون محسوس ہوا۔ کچھ کہے بغیر وہ آہستگی سے بڑھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ فاطمہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ اسے محض ایک نظر دیکھا تھا۔

''اپنے کمرے میں چلو فاطمہ۔'' اس نے بے حد نرمی سے اسے مخاطب کیا تھا۔ فاطمہ نے اچنبھے میں گھور کر اسے

دیکھا پھر سر کو نفی میں ہلانے لگی۔

"میرا کمرا یہی ہے۔"

"یہ ہمارے بچوں کا کمرا ہے۔" عباس کی مسکراہٹ بھی نرم تھی جو اس کے چہرے کو مزید نکھار رہی تھی۔ مزید حسین بنا کر دکھا رہی تھی مگر اب فاطمہ اسے دیکھا ہی کہاں کرتی تھی۔

"یہ بچے بھی آپ کے ہی ہیں، میں تو نہیں......!"

"فاطمہ پلیز...... پلیز لیو دس حالانکہ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے دیکھو میری بات سنو۔" وہ رکا اور پھر اس کے قریب جا بیٹھا۔ پھر سرک کر اس کے لیے بھی اپنے قریب گنجائش نکالی۔

"یہاں میرے پاس آؤ۔" فاطمہ اٹھی مگر اس کے پاس جانے کے بجائے واش روم میں بند ہوگئی۔ عباس اس کی ہر دم تیز ہوتی سسکیاں سنتا اپنے آپ کو الاؤ میں دہکتا محسوس کر رہا تھا۔

❁......❁❁......❁

اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ہونٹوں میں دہکتا ہوا سگریٹ، وہ کسی کام سے باہر جا رہا تھا مگر پورچ میں آ کر بے خیال سا کھڑا رہ گیا۔ یاد کرنے کے باوجود اسے سمجھ نہیں آ سکی اسے کہاں جانا تھا۔ گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں تھی اور چہرے پر بے بسی کا تاثر چھلکتا تھا۔ فاطمہ کا رویہ اسے اتنا ہی ڈسٹرب کر چکا تھا وہ یہ سوچ کر وحشت زدہ تھا وہ کیوں بدل گئی۔ وہ یہ سوچ کر خائف ہوتا اگر وہ بھی اسے چھوڑ گئی؟ اس کی مثال اس بے سمجھ بچے کی تھی جو توجہ کا طالب بن کر ماں کے آنچل میں پناہ ڈھونڈتا ہے ایسے میں اگر اسے مہربان گود میسر نہ آئے تو بے امانی کی کیفیت وارد ہوتی ہوگی اس پر۔

وہ اتنا ہی غائب دماغ تھا جب آہنی گیٹ کے پار کسی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا۔ عباس نے گردن موڑی سلور گرے ہنڈا سوک کھلے گیٹ سے اندر آتی اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔ عباس کی نظریں لاریب پر تھمنے لگیں۔ فیروزی لباس میں اس کی گلابی رنگت کا نکھار نگاہ کو چکا چوند کرتا تھا۔ عباس نے نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ اس کے باوجود کہ اسے یہاں پا کر وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"السلام علیکم! ہم لوگ فاطمہ کی عیادت کے سلسلے میں آئے ہیں۔ یہ سکندر کی والدہ ہیں میری ساس۔" نزدیک آنے پر اس نے ہی سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"اندر تشریف لایئے، آپ کیسی ہیں آنٹی؟" سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے مشفق و بزرگ خاتون کو ہاتھ کا سہارا دینے کی غرض سے تھام لیا۔

"جیتے رہو بیٹے، بچی کی طبیعت تو ٹھیک ہے اب؟" اماں اس غیر معمولی حسن و جمال کے حامل امیر کبیر اور بارعب شخصیت کے مالک شاندار نوجوان کے اخلاق سے متاثر نظر آئیں بے حد محبت بھرے انداز میں گفتگو شروع کر رہی تھیں۔

"الحمدللہ بہت بہتر ہے پہلے سے، آپ ٹھیک ہیں لاریب۔" عباس نے نرم روی سے جواب دیتے اچانک لاریب کو مخاطب کیا۔ جو خاموشی اور لیے دیے نظر آتی تھی۔ اس سوال پر چونک کر متوجہ ہوئی اور اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کر نگاہ کا زاویہ پھر بدل لیا۔ اب وہ اس شخص کے سامنے سے اسے دیکھنے سے اس لیے گریزاں رہا کرتی تھی کہ وہ سکندر کے حق میں بد دیانتی نہیں چاہتی تھی۔

"الحمدللہ ہر لحاظ سے کرم ہے اللہ کا مجھ پر۔" اس کا انداز کچھ جتلاتا ہوا محسوس کر کے عباس اندر ہی اندر وحشت کا شکار ہوا۔ جتنا بھی خود سے بھاگتا یہ احساس دامن چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ تھا کہ بہر حال وہ اس لڑکی کا دین دار تھا مگر اس پل وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا بھی قائل ہوا تھا جبھی اظہار میں ممانعت نہیں سمجھی۔

"مجھے اچھا لگا ہے لاریب کہ آپ نے مجھے معاف کر کے کشادہ دلی کا ثبوت پیش کیا، جزاک اللہ۔" اس کا اشارہ یہاں اس کے گھر آنے اور سابقہ باتوں کو فراموش کرنے کی جانب ہی تھا۔ وہ اتنا مدہم بولا تھا کہ لاریب بامشکل ہی سن سکی۔ اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں



عباس کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں ممنونیت تھی تشکر تھا لاریب نے ہونٹ باہم سختی سے دبائے اور جل اٹھنے والی نظروں کو جھکا لیا۔ زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں مگر وہ ضبط اور حوصلے میں اب ماہر ہو چکی تھی۔

"میں اب واپس پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی، عباس حیدر، ورنہ اللہ گواہ ہے تم تو آج بھی وہی ہو کہ قافلے راہ بھول جائیں میں نے جانا میں نے مانا کہ جو ہونا تھا ہو چکا یہ بھی تسلیم کر لیا کہ تم میری بہت کڑی آزمائش تھے۔ جس نے میری ہستی تاراج کر کے رکھ دی۔ دوبارہ تعمیر کا عمل جاری ہے۔ ایسے میں بس نہیں چلتا تھا تمہارا سامنا نہ ہو۔ میں خوفزدہ ہوں کہ پھر سے ہار نہ جاؤں، یہ صبر اور برداشت بڑی دقت کے کام ہیں۔ ان دقتوں سے میں کیسے گزری کہ روح پر پڑے آبلوں سے ابھی تلک ٹیسیں اٹھتی ہیں۔" عباس لاریب کی سوچوں سے بے خبر انہیں فاطمہ کے پاس اپنے بیڈ روم میں لے آیا تھا۔ تعارف کراتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مطمئن قسم کی مسکان تھی جبکہ لاریب ہنوز گم صم اور غائب دماغ لگتی تھی۔ جس روز صالحہ والا ہنگامہ ہوا اس روز سے ہی وہ حد سے زیادہ ذہنی دباؤ میں تھی جبھی ایمان کی ایسی کیفیت میں ہی کال ریسیو کر کے وہ خود پر مزید خول نہیں چڑھا سکی۔

اور اسے کہہ دیا ڈرائیور بھیج دے وہ ملنے آنا چاہتی ہے۔ سکندر کو بتائے بغیر وہاں جانے کے بعد اسے اس جذباتی حرکت کا احساس ہوا تھا۔ بگڑا ہوا معاملہ مزید بگڑ سکتا تھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی فراز کا فون اس کے لیے آ گیا تھا۔

"آپ کیوں اس طرح چلی گئی بھابی، آپ کو اندازہ ہے سکندر کن کرائسس سے گزر رہا ہے کتنا اپ سیٹ ہے وہ۔"

"مجھے ان سے اور ان کے معاملات سے ہرگز کوئی غرض نہیں ہے۔" وہ پھٹ پڑی تھی وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی سوائے اس ایک بات کے۔

"دس از ناٹ فیئر بھابی، کن لوگوں کی باتوں میں آ رہی ہیں آپ، جن کا مقصد ہی یہی ہے۔" فراز کتنا عاجز ہو چکا تھا۔ پھر صالحہ کے حوالے سے ایک ایک بات کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے آخر میں وہ بے حد عاجز ہو گیا تھا جواب میں لاریب خاموش تھی۔ فراز کو یہی خاموشی ٹینشن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"آپ کو اگر میری باتوں کا بھی یقین نہیں تو امی بھابی سے پوچھ لیں، بڑی اماں اور صالحہ کے ہر کارنامے سے وہ بھی آگاہ ہیں صالحہ کی یہ کوششیں نئی نہیں ہیں نہ ہی حرکتیں۔ بھلا کون محفوظ رہا اس کے شر سے میں یا پھر شرجیل بھائی، سکندر کی جان تک کو خطرہ ہے ان لوگوں سے بھابی، یہ تو بہت معمولی واقعہ ہے جو کچھ میں ان سے ایکسپیکٹ کر رہا تھا۔" اور پہلے سے مضطرب لاریب یہ سنتی مزید بے چینیاں بے قراریاں سمیٹ لائی، اب واقعی اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ وہ ایمان سے اپنی سب حماقتیں کہہ ڈالتی اور جواب میں ایمان سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

"فراز بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے لاریب، مجھے حیرانی ہے تم میں اتنی سی بھی عقل نہیں ہے۔ سکندر کو ایسے حالات میں مورل سپورٹ دینے کے بجائے تم نے اسے اور بھی تنہا کر ڈالا۔" وہ اسے ڈانٹنے پر مجبور ہوئی اور لاریب بجائے ہمدردی کے ڈانٹ سن کر روہانسی ہوگئی۔

"مجھے الہام تھوڑی ہوتے ہیں۔" اس کے نروٹھے پن سے کہنے پر ایمان نے اسے بے دریغ گھورا۔

"نہیں الہام ہوتے تو گھر سے اس طرح منہ اٹھا کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب تم شادی شدہ ہو لاریب، کچھ خیال رکھا کرو، فوراً واپس جاؤ، پتا نہیں کتنا ٹینس ہوگا سکندر۔" اور لاریب گڑبڑا کر رہ گئی یعنی سارا کیس ہی اس پر الٹ گیا تھا۔ ایمان نے اسے واپس بھجوا کے دم لیا تھا۔ جس وقت وہ گھر پہنچی اماں اور اریبہ ہی گھر پر تھیں۔ دونوں ہی اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھیں اور اٹھ کر اس کا پرجوش انداز میں ماتھا چوما۔

"میری بچی، شکر ہے آ گئی تو۔"

"سکندر ٹھیک ہیں؟" اس کے سوال پر اماں نے سرد

آہ بھری۔

"بہت پریشان لگتا ہے عجیب عورتیں ہیں اللہ معاف کرے ایسی بے حیائی ہم نے تو دیکھی نہ سنی۔" اماں کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔ لاریب انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کو سکندر پر اتنا یقین ہے اماں؟" اس کے سوال پر اماں کتنی طمانیت سے مسکرائی تھیں۔

"میری بچی اس کا لمحہ لمحہ میرے سامنے گزرا ہے۔ اس کے کردار کی تو میں قسم بھی اٹھا سکتی ہوں۔ تمہارے علاوہ اس نے تو کبھی ثانیہ کو بھی اس نظر سے نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ ہماری خواہش یہی تھی۔" اور لاریب ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی تھی۔

"امامہ دھی کے دیور کی گھر والی کو سنا ہے گولیاں لگ گئی ہیں۔ تمہارے سب رشتہ دار پتا لے آئے مجھے گھر ہی معلوم نہ تھا۔ سکندر سے جتنی بار کہا ٹال گیا تم لے چلو بیٹی مجھے وہاں جانا تو تمہارا بھی بنتا ہے۔" لاریب ہاتھ لے کھانا کھا چکی تھی جب اماں نے آ کر اپنا مدعا بیان کیا لاریب سوچ میں پڑ گئی۔ سکندر کی اجازت کے بغیر وہ اتنا بڑا اقدم کیسے اٹھا سکتی تھی۔

"آپ سکندر سے پوچھ لیں پہلے میں تب تک نماز پڑھ لوں۔"

"وہ منع تھوڑی کرے گا، خیر فون ملا کر بات کرا دو میری۔" لاریب نے نا چاہتے ہوئے بھی نمبر ملایا جو بند جا رہا تھا دو تین بار ٹرائی کرنے پر بھی وہی صورت حال لاریب نے آفس رابطہ قائم کیا مگر وہ آفس میں نہیں تھا۔

"آئے گا تو بتا دیں گے پتر، تو چل اس نے کیا کہنا ہے بھلا۔" وہ نماز پڑھ چکی تو اماں کا اصرار پھر سے شروع ہوا بلکہ اتنا بڑھا کہ اسے ٹالنا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔

"لاریب چائے لیں نا پلیز۔" فاطمہ کی آواز پر وہ جو سکندر کے متوقع ردعمل کو سوچ کر خائف ہو رہی تھی بری طرح چونکی۔ فاطمہ اس کی جانب ہی متوجہ تھی۔ نگاہ چار ہونے پر مسکرائی۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں سابقہ ملاقات کی کسی تلخی کا شائبہ نہیں تھا لاریب البتہ اپنے اس شدید ردعمل کو یاد کر کے خفت سے دوچار ہوئی۔

"شکریہ آپ کا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر مگ لے لیا۔

"فاطمہ بہت اچھی کافی بناتی ہیں اگلی بار آپ آئیں گی تو فاطمہ خود کافی بنا کر آپ کو پلائیں گی ہے نا فاطمہ۔" عباس کے گمبھیر لہجے میں مستقبل کے حوالے سے خوش آئند احساس تھا۔ لاریب نے دیکھا وہ فاطمہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ چائے لاریب کے حلق سے پھنس کر گزری، لاریب نے بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"یہ دوسری بار شادی کر کے بھی کتنا مطمئن اور مگن لگتا ہے اور میں...... مجھ سے اپنا ایک معاملہ بھی نہیں سنبھالا گیا۔ کوئی ہوگا مجھ سے بڑھ کر بھی کج فہم۔" زیاں اس کے اندر بارش برسنے لگا۔

عباس کی نظریں فاطمہ پر تھیں اور فاطمہ تب سے چہرے کا رخ دانستہ پھیرے ہوئے تھی۔ عباس کے دل کی عجیب کیفیات ہونے لگیں۔ یہ سچ تھا اب کہ اسے فاطمہ کی یہ بے رخی ہرٹ اور دکھی کرنے لگی تھی ذہن میں کبھی کی پڑھی نظم تلاطم برپا کرنے لگی۔ الٹ ہی کھیل ہوا تھا اس کے ساتھ بھی، انوکھا، غیر یقین اور عجیب تر اس کی نظریں عجیب سی یاسیت اور بے بسی لیے فاطمہ کے خدوخال میں الجھنے لگیں۔

عجیب سنجوگ ہے جاناں
یہ کیسا روگ ہے جاناں
بڑے بوڑھے بتاتے تھے
کئی قصے سناتے تھے
مگر ہم مانتے کب تھے
یہ سب کچھ جانتے کب تھے
کہ بہت پختہ ارادے کس طرح سے
ٹوٹ جاتے ہیں
ہمیں ادراک ہی کب تھا
ہمیں کامل بھروسہ تھا
ہمارے ساتھ کسی صورت بھی ایسا ہو نہیں سکتا
یہ دل قابو سے باہر ہو نہیں سکتا



مگر پھر یوں ہوا جاناں
نہ جانے کیوں ہوا جاناں
جگر کا خوں ہوا ایسا
تیرے ابرو کی جنبش پر
تیرے قدموں کی آہٹ پر
گلابی مسکراہٹ پر
تیرے سر کے اشارے پر
صدائے دلربانہ پر
چہرائے معصومانہ پر
نگاہ قاتلانہ پر
جفائے مجرمانہ پر
ادائے کافرانہ پر
گھائل ہو گئے ہم بھی
بڑے بے باک پھرتے تھے
مائل ہو گئے ہم بھی
سخاوت کرنے آئے تھے
سائل ہو گئے ہم بھی
بڑے بوڑھے کی ان باتوں کے
قائل ہو گئے ہم بھی

اس کی نظریں بے خود تھیں وارفتہ تھیں اور جذبات کے شدید احساس سے دہکتی ہوئی تھیں۔ فاطمہ بنا دیکھے بھی ان کی تپش کا احساس رکھتی تھی۔ جبھی حد سے زیادہ کنفیوز نظر آنے لگی۔ اس کی بدلتی متغیر ہوتی رنگت لاریب سے ہوتی گفتگو دونوں میں بوکھلاہٹ اترنے لگی۔ عباس نے محسوس کیا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔ یہ مسکراہٹ دل کی گہرائیوں سے آسودگی کے بھرپور احساس سمیت اٹھی تھی جبھی اس کی دلکشی کا سحر سر چڑھ کر بولتا تھا۔ فاطمہ کے بجائے لاریب کی نظر پڑی تھی اور دل جیسے دھک سے رہ گیا اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں نگاہ کا زاویہ بدلا۔

"سر...... سکندر صاحب تشریف لائے ہیں۔" ملازمہ پیغام لے کر آئی تھی عباس کے ساتھ ساتھ فاطمہ اور اماں بھی خوش گوار حیرت میں گھر گئیں جبکہ لاریب کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

"میرے خدا...... سکندر یہاں کیوں آ گئے کیا انہیں پتا تھا کہ ہم یہاں ہیں اور اب......؟"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میں خود لے کر آتا ہوں انہیں۔" عباس کے انداز میں خوشی تھی وہ مسکرا کر کہتا اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"مجھے لگتا ہے سکندر بھائی کو پتا چل گیا تھا یہیں ہیں آپ بہت اچھی بات ہے اس بہانے میں بھی مل لوں گی ان سے آپ کی شادی پر بھی نہیں آ سکے تھے ہم۔" دوپٹہ اچھی طرح پھیلا کر اوڑھتی ہوئی فاطمہ اپنے مخصوص معصومیت بھرے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لاریب کو زبردستی کی مسکراہٹ دانستہ، ہونٹوں تک لانی پڑی، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اندر تک خائف ہو چکی تھی۔

"یہ لیجیے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیجیے کہ آپ کی مسز یہیں ہیں مگر ان کے انداز دیکھ کر ضرور یہ لگتا ہے کہ آنٹی انہیں گن پوائنٹ پر یہاں لے کر آئی ہیں۔" عباس کا لہجہ اپنائیت آمیز بے تکلفی لیے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے سکندر نے ایک نظر لاریب کے جھکی پلکوں والے گلابی چہرے پر ڈالی اور فاطمہ سے خیریت دریافت کرنے لگا۔

"پتر تجھے بھی آنا تھا تو بتا دیتے ہم اکیلے نہ آتے۔" اماں کو اختلاج قلب ہونے لگا تھا۔ سکندر مبہم سا مسکرایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے اماں جی پریشانی تو نہیں ہونے دی نا آپ کی بہو کو ڈرائیونگ آتی ہو تو خود بخود بہت سے مسائل حل ہو جایا کرتے ہیں۔" اس نے سرد انداز میں لاریب کو دیکھا، چہرے پر پتھریلا جمود اور لہجہ برف میں ڈھلا ہوا تھا۔ لاریب کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑا۔ اس میں اس لمحے اتنی تاب بھی نہ رہی کہ سر اٹھا کر اسے ایک نگاہ دیکھ لے کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد سکندر چائے کا خالی مگ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عباس اور فاطمہ کے روکنے کے باوجود وہ جانے کو تیار تھے۔

"بات سنیں سکندر۔" عباس کے مخاطب کرنے پر

سکندر جو کسی سوچ میں گم تھا چونک کر متوجہ ہوا عباس ان کے ہمراہ ہی کمرے سے آیا تھا انہیں الوداع کہنے کے لیے۔

"جی عباس بھائی۔" سکندر ہر لحاظ سے اس سے متاثر نظر آرہا تھا۔ چاہے وہ عباس کی رواداری ہو یا بہترین اخلاق وملنسار انداز، حالانکہ وہ مرو تا بھی یہاں آنے کا سوچ کر کتنا اپ سیٹ ہو رہا تھا اب عباس کے دوستانہ اپنائیت آمیز انداز نے اس کے ہر خدشے کو بے بنیاد کرڈالا تھا۔

"یہ کارڈ رکھ لیں، سالانہ اجتماع ہے دنیا بھر سے علماء اس میں شرکت کرکے اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے آپ اس نورانی محفل سے محروم نہ رہیں۔" اس نے ایک کارڈ اس کی جانب بڑھایا۔ وہ اپنے مخصوص نرم خو انداز میں بات کر رہا تھا۔ سکندر نے بے اختیار کارڈ لے کر اسی وقت کھول کر دیکھا۔

"جی میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔"

"انشاء اللہ کہو سکندر، قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "نہ کہو میں کل یہ کام کرنے والا ہوں اور کہو ان شاء اللہ۔" عباس کا لہجہ ہنوز متوازن اور نرم تھا سکندر نے بے حد حیرت میں ڈوب کر اسے دیکھا وہ اسے یکسر تبدیل لگا تھا۔

"ان شاء اللہ...... ویسے آپ بہت بدل گئے ہیں۔" سکندر کے لہجے و انداز سے ستائش چھلک رہی تھی عباس کے انداز کی عاجزی کچھ اور بھی گہری ہوئی۔

"شاید...... میں اللہ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش و جدوجہد میں مبتلا ہوں اور یہ خواہش صرف اپنے لیے ہی نہیں بقول شاعر

حق نے کی ہیں دہری دہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے
خود سراپا نور بن جانے سے بھلا چلتا ہے کام
تم کو اس ظلمت کدے میں نور پھیلانا بھی ہے

"سکندر، اللہ نے ہمیں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور ہم بھول بیٹھے ہیں وہ مقصد اس دنیا کی رنگینی میں کھو کر مقصد کی تکمیل ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔"

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔" ان کے ہمراہ پورچ تک آتا وہ کتنے خوب صورت الفاظ میں بول رہا تھا۔ وہ باتیں جو کم از کم لاریب نے اس کے منہ سے کبھی نہیں سنی تھیں نہ کبھی وہ اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی۔

"آپ بالکل بدل گئے ہیں۔" بے اختیاری کیفیت میں اس کے ہونٹوں سے یہ فقرہ پھسل گیا تھا۔ جس پر عباس چونکا پھر آہستہ سے مسکرانے لگا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں لاریب، مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں صدیوں تک کسی بند گھٹن زدہ کمرے میں قید رہ کر اب کھلی فضاؤں میں آیا ہوں۔ شاید نہیں یقیناً غم برداشت کرنے سے جسم و روح میں توانائی آجاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے صرف غم نہیں دیا برداشت کرنے کی ہمت سے بھی نوازا۔ اس خالق کائنات کا احسان مند ہوں کہ اس نے ٹھوکر لگانے کے بعد سنبھالا دے دیا۔" اس کا لہجہ و انداز تشکرانہ تھا۔ سکندر ہاتھ ملا کر رخصت ہوا تب بھی عباس وہیں گول ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا وہاں ہلتے پتوں کی آواز کو سنتا آسمان کی وسعتوں میں کچھ کھوجتا رہا تھا۔

"وہ غم باعث رحمت ہے جس کے عوض ہدایت نصیب ہوا گر تمہیں کھو کر مجھے اللہ ملا ہے عریشہ تو آج مجھے یہ ملال بھی ختم ہوا۔ میں نے جان لیا کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت اور ہماری بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکا تھا تمہارے جانے سے کتنے اہم کام منسوب تھے مجھے ہدایت ملنی تھی اور فاطمہ کو نور ایمان کی روشنی۔ میں نے خود کو اللہ کی رضا میں راضی کرنے کی کوشش کی ہے اللہ بھی ضرور مجھے میری خوشی سے نوازے گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو وہ تمہیں مجھ سے الگ نہیں رکھے گا۔ اس دنیا میں ہمارا ساتھ اتنا ہی تھا مگر اگلی زندگی میں تمہارا مجھ سے ساتھ ان شاء اللہ دائمی ہوگا اور اللہ سے زیادہ کوئی اپنے وعدوں میں سچا نہیں۔"

❀......❀❀......❀



مہک میں سارے حروف دھو کے کر
ثنائے رب جلیل لکھوں
طویل تر سے طویل لکھوں
جمال لکھوں جمیل لکھوں
اسی کو اس کی دلیل لکھوں
کہاں نہیں تھا کہاں نہیں ہے
مجھے بتا وہ جہاں نہیں ہے
ازل سے ہے تا ابد رہے گا
وہ آپ اپنی سند رہے گا
وہی تو ہے لاشریک و یکتا
وہ سب کا خالق وہ سب کا آقا
وہ سب کے اندر وہ سب کے باہر
وہ سب سے اعلیٰ وہ سب سے برتر
رحیم و رحمان صفات اس کی
بڑی کریم ہے ذات اس کی

چینل سرچ کرتے فاطمہ کے ہاتھ تھمے تھے۔ حمد باری تعالیٰ پیش کی جارہی تھی۔ وہ پوری توجہ سے سننے لگی۔ پھر کوئی دینی پروگرام شروع ہوا تھا۔ ہوسٹ اپنے مہمانوں کا تعارف کرا رہا تھا۔ اسکرین پر جو چہرے تھے ان میں ایک صورت جانی پہچانی تھی۔ سانولی رنگت میں کھلی سرخیاں صحت مند باریش چہرا خوبروئی کے ساتھ انوکھی چمک لیے ہوئے تھا۔ اس کا ذہن الجھنے لگا شناسائی کا احساس شدت سے دامن پکڑ رہا تھا۔

"جی ہارون صاحب سب سے پہلے آپ کو دعوت دی جاتی ہے حق کی بات کی۔" اینکر کہہ رہا تھا مخاطب وہ ہی شناسا صورت تھی۔ فاطمہ کا ذہن اس قطعی اجنبی نام میں الجھا۔

"ہارون......؟" جبکہ وہ گلا کھنکار کر محو کلام ہوا تھا۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ رحمان وہ ذات جس نے تمہیں مٹی سے انسان بنایا...... وہ ذات جو تمہارے گناہوں کے باوجود تمہیں رزق دیتا ہے اور تم پر اپنی عنایتیں برساتا ہے۔ پھر وہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

"تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟"

اسی رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر احسان عظیم کی انتہا کردی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصول کا مکمل نمونہ پیش کیا۔

بحیثیت اک قانون ساز...... بحیثیت ماہر معاشیات و اقتصادیات...... بحیثیت اک جج اک کمانڈر ان چیف...... بحیثیت اک معلم اخلاق...... بحیثیت اک مصلح معاشرہ

غرض کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے انہیں کمال کی انتہائی بلندیوں پر دیکھے گی۔ بلکہ مقام نبوت کی وسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی ترقی کے لیے دامن کھلا رکھیں گی۔" یہ لہجہ بھی ہرگز انجان نہیں تھا وہ سن چکی تھی وہ بارہا سن چکی تھی مگر کب، کیسے، یہ سمجھ نہیں آئی تھی اس کی الجھن بڑھنے لگی گرہ تھی کہ کھل کر نہ دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ اس کی توجہ الفاظ سے ہٹ کر اس شناسائیت رکھنے والے لب و لہجے شکل و صورت میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی جبکہ وہ کہہ رہا تھا۔

"چودہ سو سال کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لیے اس سے بہتر سانچہ نہ تیار ہوا نہ ہوسکتا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے بگڑتے رہے۔ خطہ ارض مختلف رنگ و روپ مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف انداز معاشرت میں تبدیل ہوتا رہا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آئی سب کی ضرورت کی تکمیل ہوئی۔"

اسے دھیان و الجھن کے ساتھ سنتی فاطمہ کے ادراک نے بالآخر وہ الجھن سلجھالی۔ ذہن میں بنتے مٹتے دائروں نے آخر کار اس شبیہ کو شکل کا روپ دے دیا۔ اس نے جان لیا، اسکرین پر نظر آتا بارعب نورانی چہرہ دیو کا تھا وہ دیو جو مجھی

کا سوتیلا بیٹا تھا وہ دیو جو ہندو تھا۔ وہی دیو جو اس سے شادی کا خواہاں تھا۔ وہ دیو جو اس کی جنبش ابرو پر اپنی جان بھی لٹانے کو کمر بستہ نظر آیا کرتا تھا۔ ایک نئے انداز، ایک نئے رنگ روپ میں اس کے روبرو تھا مگر یہ کیسے ممکن تھا بھلا؟ اسے لگا اس کی بصارتوں نے اس کی سماعتوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ وہ دیو نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا اس کے سامنے ایک یکسر تبدیل حالت میں موجود وہ دیو کے علاوہ بھی کوئی اور نہ تھا۔ اسے ماننا پڑا اسے تسلیم کرنا پڑا مگر وہ گنگ ہوگئی تھی وہ سکتہ زدہ تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی نظروں کا مرکز اسکرین پر نظر آتا دیو تھا۔ وہ یک ٹک اسے گھورتی رہی اس کی نظروں میں انڈین آرمی یونیفارم میں سینہ اور گردن تانے ہوئے دیو کی شبیہہ ابھی بھی تازہ تھی۔

"سب کی کارسائی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔" فاطمہ کی آنکھوں میں اترتی دھند نے سامنے کا ہر منظر دھندلا دیا۔ وہ جانے کس جذبے کے تحت گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ دیو یعنی ہارون احمد کی بھرپور آواز ابھی بھی اس کی سماعتوں میں اتر رہی تھی وہ کتنے یقین کیسی بھرپور طمانیت سے گویا تھا۔

"وہ میرا ہی ہے جسے میں نے حالت مرض میں پکارا تو شفاء دے دی ذلت میں پکارا تو عزت سے نواز دیا۔ جہالت میں پکارا تو نور ہدایت سے منور کرکے رکھ دیا۔ راہ میں جب بھی بھٹکا صحیح راستہ دکھایا۔ غربت میں پکارا تو سخی کردیا۔" فاطمہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ کیسا احساس ندامت احساس ملال جاگ اٹھا تھا ابھی کے ابھی جو اسے اندر ہی اندر کاٹے جاتا تھا اس نے پشیمانی میں گھر کر سوچا۔

"دیو کتنے بڑے اور اعلیٰ مقام تک جا پہنچا کیا اس نے محبت نہیں کی تھی۔ یا اس نے ہجر نہیں کاٹا تھا مسلمان تو وہ بھی ہوا اور منزل پالی۔ مسلمان میں بھی ہوئی اور محض چند بے دھیان سجدوں اور اٹک اٹک کر پڑھے قرآن پاک کے چند لفظوں کے سوا دامن میں کچھ بھی قابل فخر نہیں ہے۔ کیسا ایمان ہے میرا، کیسی تلاش سب بے کار گیا۔ مجھ میں اخلاص تھا ہی نہیں، میں آگے بڑھتی بھی تو کیسے۔"

وہ پہلی بار اس شدت سے اس بے قراری سے اللہ کے سامنے نہیں روئی بلکہ اپنی نااہلی اور ناعملی پر رو رہی تھی۔ اور رب کی بارگاہ میں تو ایک آنسو بھی خوف خدا سے بہہ جائے تو وقعت سے خالی نہیں ہوتا۔ سب سے جلدی راضی ہوجانے والی ہستی اللہ کی ہی پاک ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو بھی اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو اس کا کوئی کام کیسے رک یا بگڑ سکتا ہے۔

❀❀......❀❀......❀

"چیک اپ کے لیے گئی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس؟" لاریب نے جس وقت دودھ کا گلاس لاکر اس کے پاس رکھا سکندر کے سوال نے اسے چونکا ڈالا۔ اس نے گردن موڑ کر سکندر کی جانب دیکھا۔ لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ لیے کسی مہنگے بوتیک کا شلوار سوٹ پہنے جس کی آستین کہنیوں تک فولڈ تھی۔ لاریب کے لیے سکندر کا یہ روپ غیر شناسا مگر سحر انگیز تھا اتنا سحر انگیز کہ وہ کسی کے بھی سر چڑھ کر بول سکتا تھا۔ خاص طور پر صالحہ کے جبھی تو......!" اس نے ہونٹ بھینچ کر سر جھٹکا بلکہ سوچ جھٹکی۔

"خاموش کیوں ہو، کچھ پوچھا ہے تم سے میں نے۔" اس کی خاموشی کے جواب میں سکندر جھنجلانے لگا۔ جبھی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس نے قہر بھری نظروں کو اس پر جمایا۔ لاریب نے نگاہ کا زاویہ بدلنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کی۔

"گئی تھی۔" وہ جیسے ناچار بولی اور پلٹ کر صوفے پر جا بیٹھی۔ جانتی تھی سکندر کا اگلا سوال کیا ہوگا۔ اس کی سوالیہ نظروں سے نظریں کتراتے وہ مضطرب بیٹھی رہی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" سکندر کا ضبط جواب دینے لگا تھا جیسے وہ دانت کچکچا کر ہی بولا تھا۔

"پازیٹیو ہے رپورٹ۔" وہ اسی مشینی انداز میں بولی سکندر اس کے اس سپاٹ انداز پر ہونٹ بھینچنے پر مجبور ہوا تھا کچھ دیر اس کی جانب یونہی جھلستی نظروں سے تکتا رہا پھر



اپنی جگہ چھوڑ کر اس سے کچھ فاصلے پر آن ٹھہرا اور دونوں بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"یقیناً تمہارے لیے یہ خوشی کی خبر نہیں ہوگی؟" اس کا لہجہ بلا کا سرد اور طنزیہ تھا۔

لاریب نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا مگر کچھ بولی نہیں تھی سکندر کا طیش اور دکھ بڑھنے لگا۔

"اگر تم خوش نہیں ہو، تمہیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں ہے تو تمہیں پلٹ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا میں نے نہیں بلوایا تھا اپنی مرضی سے اگر جاسکتی ہو تو واپس......!"

"میں اس وجہ سے نہیں گئی تھی جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" سکندر کو اشتعال آمیز انداز میں بولتے پاکر لاریب نے ایمان کے الفاظ دہرائے تھے یہی سمجھایا تھا اس نے اسے بقول اس کے اس طرح بات زیادہ نہیں بگڑتی۔ مصلحت کا تقاضہ یہی تھا مگر اس وقت سکندر پر اس کے نرم الفاظ و عاجزی کا اثر دکھائی نہیں دیا تھا۔ جبھی ہونٹوں پر پھیلی زہر آلود مسکان گہری ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر تلملاتے ہوئے انداز میں لاریب کو بازوؤں سے پکڑ کر جارحانہ انداز میں جھنجوڑا۔

"پھر کیوں گئی تھیں تم بولو؟" وہ چیخا تھا اس کی آنکھیں اس پل کتنی سرخ ہو رہی تھی۔ لاریب کو بہانہ بنانا مشکل ثابت ہوا۔

"بابا جان سے ملنے کو......!"

"بکواس نہیں کرو، جھوٹ مت بولو مجھ سے حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں بھروسہ ہی نہیں ہے۔ مجھ پر کبھی بھی نہیں تھا تم پہلے بھی بے بنیاد مجھ پر شک کرچکی ہو اور اب تو......!"

"ہاں...... کیا ہے میں نے شک یہی سچ ہے اس لیے کہ مجھے دکھ ہوا تھا، بہت کرب سے گزری ہوں میں بھی اس بات کو لے کر......!" وہ چیخ پڑی آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔ اس نے سسکی بھری اور منہ پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے دانستہ سکندر کے چہرے سے نگاہ ہٹائی جو اس پل بے تحاشہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میں کم از کم یہ بات ہضم نہیں کرسکتی، نہ برداشت اس سے قبل یاد کریں میں نے آپ کی ہر ناانصافی ہر زیادتی پر خاموشی اختیار کی ہے اس لیے کہ میں واقعی ازالہ کرنا چاہتی تھی اس زیادتی کے لیے جو کبھی آپ کے لیے تکلیف کا باعث بن چکی تھی۔" اس کی بات کاٹ کر وہ گھٹے ہوئے انداز میں کہہ کر پھر رونے لگی۔ وہ خود پر جیسے تمام ضبط گنوا چکی تھی۔

"کیوں برداشت نہیں کرسکتیں، جب تمہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں تو اس بات سے کیا غرض کہ میں کتنا باکردار ہوں۔" سکندر لہورنگ اسے گھور رہا تھا وہ دکھ شکستگی اور اذیت سے چور ہو رہا تھا۔ لاریب نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کیوں غرض نہیں ہونی چاہیے محبت کبھی بھی اپنے نقصان سے بے غرض نہیں ہوا کرتی۔" وہ شاید جذباتیت کی کسی رو میں کہہ گئی مگر سکندر سناٹے کی زد پر آ گیا تھا وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا۔

"کون سی محبت؟" اس کے سرسراتے لہجے میں کتنی تلخی کتنی رکھائی تھی۔ جبھی لاریب بے تحاشا اذیت کا شکار ہوئی۔ اس نے غضب ناک نظروں کو سکندر کے تلخ چہرے پر ٹکا کر اسے دل گداز نظروں سے دیکھا۔

"آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی سکندر کہ اگر مجھے آپ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے اس سمجھوتے پر کبھی کوئی مجبور نا کر پاتا جو میں نے آپ کے ساتھ کو قبول کرکے کیا۔ طبیعت پر جبر کبھی میرے مزاج کا حصہ نہیں رہا اور اس بات کے آپ بھی گواہ ہیں۔" سکندر لب بستہ رہ گیا۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی۔ وہ اتنا انوکھا اور دل گداز تھا کہ اس کا دھوکہ سمجھ کر بھی سہی مگر ایمان لانے کو دل کرنے لگا تھا۔ لیکن ایسا ممکن ہی کہاں تھا۔ وہ اب خود فریبی کا ہی تو شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لاریب نے اسے تذبذب کا شکار پایا اور اس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ بے حد ملائمت بھرے انداز میں رکھ دیا۔

"میں جانتی ہوں آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا سکندر، میں ابھی اسی لیے اس اظہار کی قائل نہیں تھی۔ ویسے بھی میں زبانی کی بجائے عملی ثبوت دینے کو پسند کرتی ہوں مگر حالات کی تیزی سے تبدیل ہوتی صورت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔" وہ انتہائی عاجزی سے کہہ

رہی تھی۔ سکندر نے اس کی جانب دیکھے بغیر اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹک دیا۔ صاف ظاہر تھا وہ اس کی بات کا یقین نہیں کر پا رہا تھا لاریب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ ہونٹ کچلنے لگی۔

"اب بھی تمہاری کوئی مجبوری ہرگز نہیں ہے کہ تم یہ غلط بیانی کرو۔" اس کے نروٹھے انداز پر لاریب کی آنکھیں پھر سے پانیوں سے چھلک گئیں بے بسی کا کتنا گہرا احساس تھا اس وقت اس کے چہرے پر۔

"آپ بتائیں آپ کو یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے سکندر، وجہ یہی ہے کہ میں اپنی زندگی کو بدگمانی اور شک کی نذر نہیں کرنا چاہتی۔" وہ کس درجہ مضمحل تھی سکندر نے نا چاہتے ہوئے بھی ایک نظر اس پر ڈالی، آخر کیا مجبوری تھی کہ وہ اسے ہر صورت منا لینا چاہ رہی تھی۔ سکندر زچ ہونے لگا۔

"میری اجازت کے بغیر کیوں گئی تھیں تم عباس کی طرف؟" اصل غصہ بالآخر سامنے آ گیا تھا۔ لاریب چونکی۔

"تم جانتی ہوں میں تمہارا اس سے......!"

"آپ نہیں چاہتے تو میں آئندہ کبھی بھی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی، ویسے آپ کی تسلی کے لیے عرض کردوں کہ میں ماضی کی ہر بات کو فراموش کر چکی ہوں۔ عباس حیدر اس سے وابستہ ہر بات کو بھی اور مزید کہ یہ اماں نے مجھے بے حد اصرار سے چلنے کا کہا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ اماں ان تمام باتوں سے لاعلم ہیں سکندر میں انہیں منع نہیں کر سکی تو اس کے پیش نظر صرف ان کا احترام تھا اس کے باوجود میں آپ کی اجازت کے بغیر جانا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کا سیل آف تھا آفس میں آپ تھے نہیں۔" ایک کے بعد دوسری صفائی دیتی وہ اپنی بے گناہی اور سچائی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ سکندر نے اسے پہلی بار قدرے دھیان سے دیکھا نیوی بلیو جدید تراش خراش کا لباس جس کا دوپٹہ کاندھے سے اس پل ڈھلک رہا تھا۔ گلابی مائل بے حد گوری رنگت، سحر طاری کرتے ہوئے دلکش نقوش سے سجا چہرہ ریشمی لانبی پلکیں، نازک سراپا اور

نظم

یہ سال جو رخصت ہوا ہے
کون جانے......
ملن ہوا ہے کس کا کس سے
کون کس سے جدا ہوا ہے
گئے دنوں میں......
ٹوٹا ہے دل کس کا
کس سے حق محبت ادا ہوا ہے
یہ تمنا تھی ہماری کہ......
کسی حسین لمحے میں
کسی انمول گھڑی میں
تم ہمیں، ہم تمہیں اپنا لیتے
مگر......
اسی حسرت میں
دسمبر بھی بھیگی آنکھوں کے ساتھ الوداع ہوا ہے

عائشہ پرویز......کراچی

مخملیں بال حسن و کشش کے جیسے جھرنے پھوٹتے تھے۔ اس کے وجود سے وہ آج بھی نظر انداز نہیں کی جا سکی تھی۔ بلکہ سکندر نے جانا وہ آج بھی اس کے لیے اتنی ہی اہم اسی قدر خاص تھی بلکہ خود کو اس کے لیے مخلص ظاہر کرتی۔ اس کی محبت کا دم بھرتی وہ اسے پہلے سے ہمیشہ سے کہیں بڑھ کر پرکشش اور چارمنگ لگی۔

"شک بھی وہیں ہوتا ہے سکندر جہاں محبت ہوتی ہے۔ کم ظرفی اور تنگ دلی کا جذبہ بھی وہیں جنم لیتا ہے جہاں محبت قائم ہو اور یہ کہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی پہلے کسی کو کسی حوالے سے ناپسند کرے تو ساری عمر پسند نہیں کرسکتا۔ اسے آپ میری نادانی بھی تو سمجھ سکتے ہیں نا سکندر، یاد تو کریں اب نہ سہی کبھی تو آپ کو مجھ سے محبت تھی۔ اس کے صدقے تھوڑی سی گنجائش نکال لیں میرے لیے؟" لاریب وضاحتوں اور صفائیوں میں اس حد تک مگن ہوئی کہ سکندر کی بدلتی نظروں کو محسوس نہ کرسکی۔



جن کا شاکی پن اور تلخی دم توڑ کر خوشگوار حیرت کے بعد شوخ رنگ اتر رہے تھے۔ اسے قولاً فعلاً بدل جانے والی لاریب کا بالآخر یقین کرنا پڑا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو یہ ہرگز ضروری نہیں کہ کوئی ہمیشہ ایک جیسے جذبے رکھے ایک جیسی سوچ حالات و واقعات کی تبدیلی فطری طور پر انسان پر اثر انداز ہوتی ہے مجھ پر ہوئی تم پر بھی ہو سکتی ہے تم میری ساری بدتمیزی اور زیادتی اس لیے برداشت کرتی رہیں میں سمجھتا رہا تم خود کو سزا دے رہی ہو۔" سکندر نے دھیمے لہجے میں کہتے اس کا رخسار سہلایا۔ لاریب جو اتنی جلدی شاید اس کے مان جانے ہموار ہونے کی توقع نہیں رکھتی تھی بری طرح چونکی اور یوں اسے تکنے لگی جیسے تاثرات سے اندازہ کرنا چاہتی ہو وہ کس موڈ میں بات کر رہا ہے۔

"تم بہت ہرٹ کر چکی تھیں لاریب، بہت زیادہ میں کہاں تک کس حد تک ضبط سنبھالنے رکھتا یہ پیمانہ لبریز ہوا تو وقتی طور پر ہی مگر وہ محبت اس غم و غصے اور انتقامی کیفیت کی نذر ہو گئی۔ جو میں تم سے کرتا تھا۔" وہ جیسے کسی عظیم نقصان سے دوچار کہہ رہا تھا۔ لاریب نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے انداز میں تسلی بھی تھی عقیدت و محبت بھی۔

"میں سمجھتی ہوں مجھے ہرگز بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" اس کے انداز میں رسان تھا نرمی تھی چاؤ تھا۔ سکندر اسے تکتا رہا پھر سر کو نفی میں جنبش دی۔

"مگر مجھے تم سے شکایت ضرور ہے لاریب تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تم نے چپ چاپ میرے ستم کیوں سہے، میں محبت کی بلندی سے پستی کی جانب عازم سفر ہوا تو خود کو بھی بھولے ہوئے تھا۔ اب تو جیسے خود سے نظریں چار نہیں کر پاتا ہوں محبت یہ تھوڑی ہوتی ہے لاریب۔" وہ ہنوز رنجیدہ و ملول تھا لاریب رواداری سے مسکرائی۔

"وہ سب وقت و حالات کے عین مطابق بالکل درست تھا کبھی میں بھی بہت ستا چکی تھی نا آپ کو۔"

"ہاں جبھی بہت غصہ تھا تم پر مجھے۔"

"مجھے معاف کردیں۔" لاریب کی آنکھیں جانے کیا کچھ یاد کرکے بھر آئیں سکندر پر قدرتی سا اثر ہوا تھا۔

"اس کا بہتر حل یہی ہے کہ ہم پلٹ کر نہ دیکھیں میں خود بھی ماضی میں ہونے والی سب دکھ دینے والی باتیں بھولنا چاہتی ہوں۔" اس نے سیدھی لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے ملکوتی چہرے پر ایسا ہی سکون اتر آیا تھا جیسے صدیوں کی مسافت طے کرنے والے مسافر کو منزل پر پہنچ کر نصیب ہوا کرتا ہے۔ سکندر کی اسے تکتی آنکھیں لو دینے لگیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے جوڑے سے کھل کر بکھر جانے والے بال سمیٹے۔

"خیر ماضی میں ہونے والی ساری باتیں ہی تو دکھی نہیں تھی تھوڑے بہت خوشگوار لمحات بھی تھے جب مختلف کیفیات کے زیر اثر تم نے اپنے مخملیں وجود سے میری ویران و بے رونق زندگی میں رنگ بھرے تھے، بتاؤں کب کب؟" اس کا انداز شوخ و شنگ تھا تو لہجہ بھرپور مردانگی کے تاثر سے بھرا ہوا۔ لاریب پہلے تو سمجھی نہیں جب سمجھی تو کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

"جب وقاص ہمارا پیچھا کر رہا تھا اور ہم کنویں میں گر گئے تھے اس کے علاوہ جب بھی تم مجھے غصہ دلاتی تھیں ایک بار سانپ کا بھی وہم ستانے لگا تھا تمہیں اور اس وقت تو کمال ہو گیا تھا جب ثانیہ کو جیلس کرنے کی خاطر تم......!" وہ پٹڑی سے اترا تو لاریب نے شرماتے ہوئے بے اختیار اس کے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر گویا اس کی بے باکی کو لگام ڈالنی چاہی۔

"مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا آپ اتنے بدتمیز بھی ہیں اس وقت تو بڑے غصیلے موڈ میں ہوا کرتے تھے جناب۔" حیا آمیز لہجہ سے کہتی وہ جھنجلا سی گئی کہ اس کی نظریں ہی ایسی تھیں کہ وہ ڈھنگ سے اسے گھور بھی نہ سکی تھی۔ سکندر نے پہلے سرد آہ بھری پھر شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یعنی غصے کی وجہ بھی محترمہ کو سمجھ نہیں آسکی تھی۔ وہ بھی اب میں بتاؤں۔" لاریب نے سر کھجایا اور شرارتی مسکان سمیت اسے دیکھا۔

"بتائیں نا پلیز، ریئلی مجھے اب تک سمجھ نہیں آسکی۔"

عجب بے چارگی تھی اس کے انداز میں سکندر نے ٹھنڈا اور طویل سانس بھرا۔

''محبت کرتا تھا تم سے ترستا تھا تمہارے لیے ظالم لڑکی تم میری کیفیات کو سمجھے جانے بنا میرے جذبات سے کھیلتی رہیں۔ خود ہی حد بندیاں لگاتی تھیں خود ہی بغاوت پر اکساتی تھیں۔ یعنی حد تھی نا بے نیازی کی بھی اور بے رحمی کی بھی اطلاعاً عرض کردوں محترمہ مجھے مکمل لاریب چاہیے تھی۔ وہ جو مجھ سے محبت کرتی ہو وہ جو مجھے قبول کرتی ہو۔''

''تو پھر مبارک ہو، اللہ نے آپ کے صبر کا بہترین پھل دیا۔ آپ کو حسب خواہش ملا ہے۔'' لاریب مسکرائی ہوئی کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ یہ سکندر نے اب جانا تھا۔

''آپ مجھ سے اب کبھی بدگمان نہ ہوئیے گا سکندر، مجھے واقعی آپ سے محبت ہے۔'' لاریب کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ سکندر کی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ لاریب کے چہرے پر قوس وقزح بکھرنے لگی۔

''مجھے تسلیم ہے، آپ کے ساتھ میرا سابقہ رویہ میری زیادتی ہے اور بدتمیزی کی انتہا بھی۔''

''نہیں لاریب، وہ تمہارا خالص پن تھا مجھے اس سے بھی محبت تھی۔ جبھی تو کبھی تمہارے ساتھ زبردستی کرکے تمہیں توڑا نہیں بکھیرا نہیں تم اتنی ہی عزیز تھیں مجھے۔'' سکندر کا لہجہ گمبھیر تر ہونے لگا اس پل وہ کتنا سنجیدہ تھا۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آتی آپ کی اس درویشانہ محبت کی۔'' اس نے ناز سے ناک چڑھائی۔

''پھر سمجھ آ گئی جب رنگ ڈھنگ بدلا؟'' سکندر کا انداز معنی خیز ہوا اور لاریب کا چہرہ حیا آلود ہوگیا۔

''مجھے پتا چل گیا تھا اگر مقصد اب سیدھی طرح حاصل نہ ہوا تو خود کو تھوڑا خراب کرلوں۔'' وہ چھیڑنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ لاریب اسی طرح سنجیدہ اسے دیکھے گئی تو سکندر کو مزید شرارت سوجھی۔

''ویسے اب سوچتا ہوں خوامخواہ ٹائم برباد کیا۔ یہ دیدہ دلیری مجھے پہلے دکھانا چاہیے تھی کیا کرلیتی تم بھلا؟''

''یہی غلطی ہوتی پھر آپ کی۔ میں تب شدت پسند تھی سکندر انتہائی سوچ کی حامل ایسی لڑکی جسے کسی بھی غلط ترین انجام کی پروا نہیں تھی۔ ایسے میں یقیناً خود کو کوئی شدید نقصان پہنچاتی ابھی کہا نا آپ نے وہی میرا خالص پن تھا۔ تب پاگل تھی میں۔''

''یہ پاگل پن کبھی میرے لیے بھی دکھاؤ گی؟'' سکندر نے مصنوعی آہ بھری۔ لاریب کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوئی تھی۔

''آپ کے لیے ہی مخصوص ہے اب یاد کریں کتنے توہین آمیز انداز میں بارہا مجھے بہت کچھ باور کراچکے ہیں آپ مگر میں حرف شکایت زبان پر نہیں لائی۔ سکندر میرے نزدیک یہی محبت ہے۔ محبوب کو اس کی سب خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنا۔ وہ کوئی الگ تھوڑی ہوتا ہے۔ اپنی خامی بھلا کون عیاں کرنا پسند کرتا ہے۔ اپنے عیب تو ہر کوئی ڈھکتا ہے۔'' اس کی آنکھیں آن کی آن میں بھر کر چھلک گئیں۔

''اس لیے تو سوری کررہا ہوں غصے میں جنونی ہوتے میں بہت توہین کرگیا تمہاری۔'' اس کا لہجہ پرملال تھا۔ لاریب نے ہونٹ بھینچ کر خود کو سنبھالا اور مسکرانے لگی۔

''آپ صحیح کہتے ہیں ہمیں پرانی باتوں کو یاد نہیں کرنا چاہیے۔ دیانت داری سے دیکھا جائے تو زیادہ غلطی میری ہی تھی۔''

''لیکن پھر بھی مجھے......!''

''جانے دیں سکندر بس آج سے ہمارے درمیان ان شاء اللہ اچھی باتیں ہی ہوں گی۔'' اس پل وہ شبنم میں نہائے گلاب کے پھول کی مانند شگفتہ اور کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ سکندر اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ زندگی کا یہ رنگ خوب صورت تھا انمول تھا آسودہ تھا ماحول میں محبت رقص کررہی تھی۔ فتح کا احساس غالب تھا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



نصیب عشق دل بے قرار بھی تو نہیں
بہت دنوں سے تیرا انتظار بھی تو نہیں
تیری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں

سارے گھر میں ایک ہنگامہ سا مچا تھا۔ ہر طرف شور شرابا، گھر کے سبھی افراد مل جل کر خوب ہلہ گلہ کررہے تھے اور وہ جیسے ان سب میں ہوکر بھی ان میں موجود نہیں تھا۔ زندگی میں خوب ترقی کرنے اور حد سے زیادہ دولت کمانے کا خواب دیکھنے والا احمر آفندی سیڑھیوں پر کھڑا اپنی حالت پر حیران تھا۔ دولت اور عیش وعشرت کا پیچھا کرتے کرتے وہ اپنی اصل ہی کھو بیٹھا تھا اور جب سب گھر والے بچوں کی طرح آنے والے سال کا استقبال کرنے کی تیاریاں کررہے تھے تو وہ احمر آفندی جس نے بزنس کی دنیا میں ایک نام کمایا تھا چاہ کر بھی چند سال پہلے کے احمر آفندی کی طرح ان کی شرارتوں میں شامل نہ ہوسکا تھا۔

منظر بے حد گہرا اور محبتوں سے لبریز تھا۔ مگر ان محبتوں میں بے تکلفی تھی دوستی تھی جو وہ اہم اور سب سے زیادہ کامیاب بن کر خود اپنے ہاتھوں سے کھو چکا تھا اور یہ تو ابھی ادراک کی پہلی سیڑھی تھی یہ تو اس کا پہلا اندازہ تھا کہ اس نے اپنے گھر والوں سے پہلے والا لاابالی اور دوستی کا رشتہ کھو دیا تھا ابھی تو اسے اور بھی اندازے لگانے تھے۔

گھر والے اس کی خوراک کا خاص خیال رکھتے سب کچھ اسے تیار ملتا۔ مطلب اس نے اپنی اہمیت حاصل کرلی تھی مگر بے تکلفی کھودی تھی رشتوں میں دوستی کا مان کھو دیا تھا۔ سبھی گھر والے اس کی پسند کے مطابق لباس پہنتے، کن لوگوں سے رابطہ رکھنا ہے کن سے ملاقات بھی نہیں کرنی اس کے فیصلے پر چلنے لگے تھے مطلب اس نے خلوص اور مروت کھودی تھی......اور ابھی کل ہی تو امی نے اسے بتایا تھا کہ رومیسہ کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا تھا اور اس کی طرف سے مسلسل ٹالتے رہنے کی وجہ سے چاچی سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہی تھیں۔

تو کیا وہ اپنی محبت بھی کھونے لگا تھا؟

احمر آفندی کانپ گیا۔ رومی، اس کی کزن، اس کے بچپن کی ساتھی ان دونوں کا ہر پل ایک دوسرے کا خیال رکھتے گزرا...... ہر پل...... مگر تب تک جب تک وہ دولت کی دوڑ کا حصہ دار نہ بنا۔ اپنی زندگی کو دولت سے

بھرتے بھرتے وہ کہیں خالی ہاتھ تو ہونے نہیں جارہا تھا محبتوں سے تہی دامن ہونے۔

گھر کے سب افراد نیو ایئر نائٹ پلان کررہے تھے اور احمر آفندی اپنے پچھلے سالوں کا احتساب کرنے میں مگن تھا۔

❁......○......❁

آٹھ مرلے کے کچے پکے مکان کے چھوٹے سے صحن میں پانچ چھ بچے بال سے کھیل رہے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بچہ باری باری خود سے چھوٹے تمام بچوں پہ رعب بھی ڈال دیتا ذرا سے فاصلے پر جھولے میں دو چوٹیاں باندھی گلابی فراک میں ملبوس بہت ہی پیاری سی بچی بیٹھی تھی۔ اس وقت سائیڈ کے ایک کمرے سے عورت نکلی اور کچن میں چلی گئی۔ اچانک ہی وہ بڑا بچہ تیزی سے اس کمرے میں گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت شیشے کا نازک سا گلاس تھا۔

اس نے کولر سے اس گلاس میں پانی لیا اور پینے لگا کہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور نیچے برآمدے کے پکے فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہوگیا۔ آٹھ سال کی وہ چھوٹی سی بچی فوراً اس کے پاس پہنچی تھی۔

''یہ کیا کردیا، نئے سیٹ کا گلاس توڑ دیا۔'' سلمٰی جو کانچ ٹوٹنے کی آواز پر دوڑتی وہاں پہنچی تھیں۔ ٹوٹا گلاس دیکھ کر ہی بدک اٹھیں۔

''وہ...... وہ...... چاچی۔'' بارہ سال کا احمر آفندی خوفزدہ کھڑا تھا۔

''امی...... مجھے پیاس لگی تھی۔'' وہ منہ بسورتے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی سلمٰی نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔

''تو کیا پرانے سب گلاس ختم ہوگئے تھے، دو ہی سیٹ رہ گئے ہیں جو مہمانوں کے سامنے عزت رکھ لیتے ہیں تم ان کو بھی خراب کرکے دم لوگی۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رومیسہ کو ایک دو لگادیں۔

''کیا ہوگیا ہے سلمٰی، اب ایک گلاس کی خاطر کیا بچی کی جان لوگی۔'' بڑی امی (تائی جنہیں سب بچے بڑی امی ہی کہتے تھے) نے رومیسہ کو بانہوں میں بھرتے ہوئے جھڑکا۔

سلمٰی ان کی آمد پر خاموش ہوکر کانچ اٹھانے لگیں۔

''گھر کے حالات بھی تو دیکھیں بھابی، اب ایسے میں ایک سوئی کا نقصان بھی جان دہلا کر رکھ دیتا ہے۔'' سلمٰی نے اٹھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا اور یہ واقعی سچ تھا۔

احمر کے والد اکبر صاحب کی صدر میں دکان تھی۔ جس میں انہیں بے حد منافع ہوتا تھا مگر اب کئی ماہ سے گھاٹے میں جارہی تھی۔ چھوٹے بھائی رومیسہ کے ابو اصغر کی جاب بھی اچانک ختم ہوگئی تھی تبھی گھر کی حالت دگرگوں تھی۔

''تم نے ایسا کیوں کیا، رومی؟ اب اگر چاچی تمہیں تھپڑ مار دیتی تو۔'' احمر نے ان کے جاتے ہی دوبارہ جھولے پر بیٹھتی رومیسہ کو پکارا۔

''ارے واہ، مجھے کیسے تھپڑ مارتی امی، پاپا سے بہت ڈرتی ہیں ہاں مگر تمہارا پتا چل جاتا تو تمہیں ضرور مارلگتی۔'' رومیسہ نے مسکراتے ہوئے مسئلہ حل کیا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

اس دن بارہ سالہ احمر آفندی نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ بے تحاشہ دولت جمع کرے گا تاکہ اس کے گھر والے کبھی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے نہ ترسیں۔

رومیسہ اس دن کے بعد اس کی سب سے بہترین دوست بن گئی تھی، وہ اس کی ہر بات کا خیال رکھتا، پڑھائی میں اس کی مدد کرتا، جو بھی اس کو چاہیے ہوتا احمر آفندی اسے لاکر دیتا۔ اس کا ہوم ورک کردیتا اور وہ مزے سے بیٹھی کارٹون دیکھتی۔

بچپن کب ختم ہوا کب جوانی کی دہلیز پر قدم دھرے کب بچپن کی دوستی محبت میں تبدیل ہوئی ان دونوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ سارے فیصلے، سارے رشتے وقت نے طے کردیے تھے۔ ان کے رشتے میں دوری تب پیدا ہوئی جب احمر آفندی نے تعلیم کو خیرباد کہہ کر عملی زندگی میں قدم رکھا۔ اس نے آرام خود پر حرام کرلیا۔ ہر وقت کام اور سخت



محنت اس کا وطیرہ بن گیا۔ وہ دن کو ایک انٹرنیشنل فرم میں منیجر کے طور پر کام سرانجام دیتا اور رات گئے چھوٹی موٹی جاب کرتا۔ اس کی دن رات کی محنت کی وجہ سے بہت جلد وہ اچھی خاصی رقم جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس کی لگن کو دیکھتے ہوئے اکبر علی نے اس کی خاطر اپنی دکان بیچ دی اور اس سرمائے سے احمر آفندی نے ایک چھوٹا سا بزنس اسٹارٹ کردیا۔ اس نے شہر کے چند پسماندہ علاقوں کے دورے کیے اور مختلف جگہوں سے غریب ہنرمند لوگ تلاش کرلیے وہ ان سے اپنی پسند کے ڈیزائن اور گھریلو آرائش کی چیزیں بنوالیتا اور پھر سوشل ویب کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک بیچ دیتا اسے ٹھیک ٹھاک منافع ملنے لگا بہت جلد اس کے کام کا دائرہ پھیلنے لگا۔ کیونکہ ان تمام مصنوعات میں پسند اور معیار وہ خود چیک کرتا۔

صرف چند ماہ کے عرصے میں ہی ملک کے بڑے بڑے شہروں کے بڑے تاجروں نے اس سے رابطے شروع کردیے تھے بلکہ بیرون ملک وہ سوشل پیجز پر جتنی بھی تصویریں تمام کوائف کے ساتھ اپ لوڈ کرتا سب کی سب دو تین دن میں ہی فروخت ہوجاتیں اور اسے اپنی مرضی کے مطابق آرڈر ملنا شروع ہوگئے بیرون ملک سے بھی۔ دن جیسے پر لگا کر اڑنا شروع ہوئے تو سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ کئی کئی دن گھر والے اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاتے اور ان سب میں سب سے زیادہ تڑپ رومیسہ کی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ اسے اب زیادہ احمر کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر احمر اسے بس ایک ہی جنون تھا آج کل دولت، دولت، بے انتہا دولت اور وہ بھی جائز، تب ہی اس کا کوئی پل فارغ نہ رہتا۔

انہی دنوں اسے لندن سے ایک پاکستانی تاجر نے پارٹنر شپ کی آفر کی تھی۔ اس نے کافی سوچ سمجھ کر یہ آفر قبول کرلی تھی بابا نے اس کا سارا کام سنبھالنے کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔ سو اب وہ مطمئن تھا۔ اس نے بلا تامل باہر جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے اپنا خواب پورا ہوتا دکھائی

دسمبر بہت ستاتا ہے

سنو......<br>
تم لوٹ آؤنا<br>
اب آ بھی جاؤنا......<br>
میں جب بھی دامنِ زندگی تھامنے لگتی ہوں<br>
ہنسی کی جلترنگ میں<br>
زندگی کے ہر رنگ میں<br>
کھونے لگتی ہوں<br>
خوشی کے سازورنگ کا<br>
پیرہن اوڑھنے لگتی ہوں<br>
تو دھیرے سے تیری یاد کا جگنو<br>
میری ذات کے گرد گنگناتا ہے<br>
مجھ کو رلاتا ہے......<br>
بارہا یہ کہتا ہے<br>
سنو تم اس کو پکارو نا<br>
رمزِ عشق سنوارو نا<br>
اسے کہو ''تم لوٹ آؤنا''<br>
یہ سرد شامیں اداس سی گزری جاتی ہیں<br>
یہ اداس دسمبر بہت رلاتا ہے<br>
سنو......<br>
تم لوٹ آؤنا<br>
دسمبر بہت ستاتا ہے

سامعہ ملک پرویز...... بھیرہ خانپور

دے رہا تھا۔ وہ ان دنوں ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ سب گھر والے اس کی ترقی پر خوش تھے۔

مگر ایک وجود تھا جو ٹوٹ رہا تھا بلک رہا تھا مگر بدقسمتی یہ تھی کہ جو کبھی عکس آئینہ ہوا کرتا تھا اب وہ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ احمر آفندی کو ایک مرتبہ بھی اس کا خیال نہ آیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی اس سے تنہائی میں نہیں پوچھا تھا کہ وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی۔ اپنی ضرورت کسے بتائے گی اپنی شرارتیں کس سے شیئر کرے گی۔ وہ تو بس سپنے سجاتا مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں رومیسہ کی جگہ

سہانے خواب چمک رہے تھے اور پھر ایک دن وہ لندن کے لیے نکل گیا۔ اس دن وہ آسمان پر بس جہاز ہی تلاشتی رہی کہ کون سے جہاز میں نہ جانے اس کا ہم سفر اسے بھول بھال کر نئی منزل کا راہی بنا تھا۔

محنت ہمیشہ پھل لاتی ہے یہ بات حقیقت میں احمر آفندی نے ثابت کردی تھی جلد ہی ان کے دن پھر گئے تھے اس دو کمروں والے کچے پکے مکان کی جگہ انہوں نے ایک بہت اچھی کالونی میں بڑا سا بنگلہ لے لیا تھا۔ گھر کے وسیع گیراج میں دو گاڑیاں ہر وقت موجود رہتیں۔ گھر کے سبھی افراد خوش تھے۔ سب اپنے آپ میں مگن ہو کر رہ گئے۔ احمر کو اگر کوئی یاد بھی کرتا تو تب جب اس کی کال آتی اور اسے یہ لمبی چوڑی فہرستیں تھمائی جاتیں یا پھر اپنے آرام کو دیکھ کر کبھی کبھی غائبانہ تشکر۔ انہی میں صرف رومیسہ تھی جو اسے یاد کرتی اس کے لیے روتی اور اس کی خیر و عافیت سے واپسی آنے کی دعا کرتی تھی۔

❀......○......❀

اور پھر پورے پانچ برس بعد وہ لوٹا تھا۔ اپنی چھوٹی سی دکان کو بڑی اور شاندار فیکٹری میں تبدیل کرنے میں اسے مزید دو سال لگے تھے۔

ورکرز کی تعداد سیکڑوں تک بڑھ گئی تھی۔ اس کے اسسٹنٹ ہائر ہوئے تو اس کی مزید مدد ہوئی اور کام گھٹ کر آدھا رہ گیا۔ محنت کے دن ختم ہوئے اور اس کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ اب اسے کبھی نہ کبھی فراغت مل ہی جاتی تھی۔ زندگی میں ذرا سا دلی اطمینان ملا تو جیسے اب خیال آیا کہ صرف محنت ہی سب کچھ نہیں ہوتی زندگی گزارنے کے لیے رشتوں کو بھی مکمل وقت دینا پڑتا ہے۔ زندگی کا یہ طویل سفر صرف پیسے سے نہیں کٹتا، بلکہ دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ بے حد ضروری ہوتا ہے۔

مگر یہاں آ کر احمر آفندی حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا کیونکہ گھر کے سبھی افراد ایک خول میں بند رہ گئے تھے۔ چھوٹے بہن بھائی اسے کوئی بڑی چیز سمجھنے لگے تھے اور اس کی خفگی کے ڈر سے اس سے اس طرح بے تکلف بات نہیں کرتے تھے جیسے وہ پہلے کیا کرتے تھے بہنیں سارا دن اپنے کمروں میں بند کانوں میں ایئر فون دیے بیٹھی رہتیں۔ بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف رہتے اور رات گئے واپس لوٹتے۔ ماں بابا عمر کے اس حصے میں تھے جہاں رشتوں سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں کٹنے لگتا ہے اب رہی تو رومیسہ مگر وہ احمر سے کترانے لگی تھی اس کی آنکھیں اس کی خاموشی، حتیٰ کہ اس کی ہر ایک ادا سے خفگی ٹپکتی تھی۔ وہ جتنی ہنس مکھ اور خوش مزاج تھی اتنی ہی خاموش سی ہو گئی تھی۔

وہ جہاں اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا وہ چپکے سے وہاں سے کھسک لیتی، وہ بھی نجانے کیوں اسے اس طرح بے تکلفی سے نہ پکار پاتا نہ اس استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک پاتا۔ واقعی وقت اسے بہت بڑا دھوکہ دے گیا تھا وہ جو سوچ رہا تھا کہ دن رات دھڑا دھڑ پیسہ جمع کر کے وہ سب سے آگے نکل گیا ہے سب سے پیچھے رہ گیا تھا۔ احمر آفندی نے سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے نیچے کھڑے سب بہن بھائیوں کو مل کر نیو ایئر نائٹ کا پلان بناتے دیکھا اور مسکرا دیا تھا۔ ایک پلان تو اسے بھی بنانا تھا جو کچھ وہ پچھلے برسوں میں اپنے ہاتھ سے کھو چکا تھا وہ اب کے برس اسے دوبارہ سب حاصل کرنا تھا اپنوں کا پیار، ان کی توجہ اور سب سے بڑھ کر اپنی محبت۔

❀......○......❀

سارا گھر رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا گھر کی دیواروں، ٹیرس اور کھڑکیوں سے لے کر ہر درخت ہر پودے کو قمقموں سے سجا دیا گیا تھا۔ ہرے، پیلے، لال، نارنجی رنگ برنگے قمقمے جب جلتے بجھتے تو سارے ماحول پر عجیب سا فسوں طاری کر دیتے۔ گھر کے بڑے سے لان میں جمع سارے افراد آتش بازی کا سامان لیے نئے سال کے آغاز کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔

رومیسہ سب سے دور کھڑی اداسی سے ان سب کو یوں ناچتا گاتا دیکھ رہی تھی کسی بھی چیز میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔

امی نے اسے بتایا تھا کہ اس کے لیے کسی بہت ہی امیر گھرانے سے رشتہ آیا ہے اور امی کو وہ لوگ بے حد پسند تھے امی نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ احمر اور اس کی امی (بڑی امی) خاموش ہیں سو وہ اس رشتے سے خوامخواہ ہاتھ دھونا پسند نہیں کریں گی اور انہوں نے اسے سوچنے کا وقت دیا تھا اور ساتھ میں وارن بھی کیا کہ اگر وہ جواب دینے میں دیر کرے گی تو وہ خود اس رشتے کے لیے حامی بھر لیں گی۔

اسی دن سے رومیسہ کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہوگیا تھا۔ اوپر سے احمر آفندی واقعی وہ نہیں رہا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ عمر بڑھنے سے اس کی شخصیت جس قدر پروقار ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنے ہی عجیب اور اجنبی رنگ واضح ہوئے تھے اور اس کا نسوانی وقار اسے یہ اجازت ہرگز نہیں دیتا تھا کہ وہ اس سے کوئی سوال کرتی تب ہی خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ البتہ دل تھا کہ کب سے آنسو بہائے جا رہا تھا۔

"رومی......" بے حد مدھم پکارا پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ نہ جانے وہ وہاں کب آیا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھ پائی تھی کہ آنکھیں پہلے ہی رونے پر آمادہ تھیں۔ اس دشمن جاں کی آواز سن کر مزید بہکیں۔

"میں جانتا ہوں رومی کہ اپنے خواب مکمل کرنے کے لیے میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ رشتے، ناطے اور محبت...... سب میرے ہاتھ سے کب چھوٹ گئے مجھے وقت کی تیزی اور پیسے کی دوڑ میں اندازہ بھی نہ ہوسکا۔" وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔ وہ اس کی خوشبو محسوس کرسکتی تھی۔

"لیکن پھر بھی میرا دل کہتا ہے کہ ابھی دیر نہیں ہوئی وہ کہتے ہیں نہ کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ میں بھی پلٹنا چاہتا ہوں رومی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دوستی کی طرف سب رشتوں کی طرف، گئے گزرے سال چاہے جو بھی کھو دیا میں نے اب کے برس میں وہ سب پانا چاہتا ہوں بولو رومی، میری مدد کرو گی۔" اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے آگے پھیلایا تو رومیسہ نے نظریں اٹھائیں اور احمر آفندی کی خوب صورت آنکھوں میں چمکتے محبت اور وفا کے پرانے رنگ دیکھتے ہی دل میں جیسے اطمینان سا دوڑ گیا۔ رومیسہ کی آنکھیں بھی مسکرانے لگیں۔ اس نے دھیرے سے اپنا نرم و ملائم ہاتھ احمر کے مضبوط ہاتھ پر دھر دیا۔ جو اس نے مضبوطی سے تھام لیا۔

اسی وقت رات کے بارہ بج گئے شور شرابے سے ماحول گونج اٹھا تھا۔ آتش بازی نے جیسے ان دونوں کو پھر سے ایک ہونے پر مبارک باد دی تھی۔

دونوں نے چمکتے آسمان پر نگاہ کی تھی۔

گئے برس کی کہانی چھوڑو

نئے برس کی اس ابتدا پر

میں تم کو تحفہ محبتوں کا...... اور ایک وعدہ بھی دے رہا ہوں

کہ میرے ہمدم...... بس ایک تیرے ہی سنگ چلیں گے

یہ زندگانی کی راہ ساری

تمہیں محبت ہی دان کریں گی

ہے میرا وعدہ...... یہ اب کے برس، صرف تم سے

وہ اس کے قریب آ کر گنگنایا تھا۔ رومیسہ نے ایک گہری نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر ڈالی اور اطمینان سے اس کے ساتھ کھڑے ہوکر نئے سال کی خوشیاں مانگنے لگی۔ اب کے برس اللہ نے اسے محبتوں اور خوشیوں سے واقعی مالا مال کر دیا تھا اور یہ خوشی اور اطمینان ان دونوں کے چہرے سے عیاں تھی۔

جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو

ہم اہلِ خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں

کیا جانے کتنی گہری ظلمت میں ہے مقدر

کیا جانے کتنے سورج ڈھل ڈھل کے تھک گئے ہیں

"دھت تیرے کی......" سڑک کا موڑ مڑتے ہی عمیر کی نظر جیسے ہی سامنے کھڑے ٹریفک سارجنٹ پر پڑی اسے اپنی جیب کے خالی ہونے کا دکھ ستانے لگا۔ (ہمیشہ کی طرح وہ عجلت میں بائیک کے کاغذات لانا بھول گیا تھا)۔ وہ انجان بن کر گزر جانا چاہتا تھا مگر وہاں کسی وی آئی پی موومنٹ کی وجہ سے فل پروف چیکنگ ہو رہی تھی۔

"سر پلیز پیپر چیک کروائیے۔" عمیر کو اپنی سماعت کے خراب ہونے کا شدید احساس ہوا کان اس قدر مہذب اور شائستہ لہجہ سننے کے عادی کہاں تھے یہاں تو وہ زبان بولی جاتی تھی کہ اگر لکھی جائے تو قلم کو بھی شرم آ جائے۔ اس نے حیران ہوکر سارجنٹ کو دیکھا جو صاف ستھری اجلی ڈریس میں صبر اور شکر کا مجسمہ بنا آرام سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہمیشہ کی طرح وہ تو نہیں ہے جی مگر......" عمیر نے جیب سے لال رنگ کا نوٹ نکالتے ہوئے دانت بھی نکالے

"سر میں نے کاغذ مانگے ہیں پیسے نہیں۔" عمیر نے ایک بار پھر حیران نظروں سے سارجنٹ کے سر پر سینگ تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کی۔

"اچھا یار سمجھ گیا مہنگائی بڑھ گئی ہے چلو تم یہ دوسرا نوٹ بھی رکھ لو اور جانے دو ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔"

"سر رول کے مطابق آپ کا چالان ہوگا اور آپ آفس جا کر بھروا آئیے گا۔" اس نے پرچی کاٹ کر عمیر کے ہاتھ میں تھمائی اور اگلی بائیک والے کی طرف چل دیا۔

عمیر نے نوٹ واپس جیب میں ڈالتے ہوئے خود کو ایک چٹکی بھری تاکہ یقین ہوجائے کہ وہ کہیں نیند کی حالت میں تو بائیک نہیں چلا رہا۔

قریبی سبزی کے اسٹال پر عمیر نے دوبارہ بائیک کو بریک لگائے اور دل ہی دل میں دو لال نوٹوں کے بچ جانے کا مصرف سوچتے ہوئے وہ سبزی والے کے پاس چلا آیا۔

"بھائی یہ آلو کیا کلو دے رہے ہو؟" قیمت اسے پتا تھی مگر یونہی دل کو گمان تھا کہ شاید کوئی انقلاب آ جائے۔

"بھائی جی تیس روپے کلو......"

"کیا تین سو روپے کلو......اب آلوؤں پر کیا سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے؟" وہ دہاڑا سارجنٹ والی حیرانی اب غصے میں بدل گئی تھی۔

"ارے صاحب غصہ کیوں ہوتے ہو میں کہہ رہا ہوں تیس روپے کلو۔" حیرانی کا ایک اور شدید جھٹکا لگا اور باقی سبزیاں بھول بھال کر عمیر نے پانچ کلو آلو لیے اور بائیک بھگائی کہ کہیں سبزی والے کی رات کی چڑھی ہوئی اترے اور وہ دوبارہ آلو سو روپے کلو کر دے۔

لال بتی کے جلتے ہی عمیر کے پاؤں کا وزن ایک بار پھر بریک کی طرف بڑا چند منٹ گزر جانے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"بابو جی کچھ دیتا جا' اللہ تجھے اچھی سی نوکری' چاند سی دلہن دے اور پیارا سا منا دے۔" وہ پیشہ ور بھکاریوں کو کچھ دیتا تو نہیں تھا مگر صبح صبح ان کے منہ سے ادا ہوتے وہ خوب صورت جملے کانوں میں رس ضرور گھولتے تھے۔

آج وہ شناسا چہرے اور آوازیں نہیں آ رہی تھیں' سگنل پر بڑی خاموشی اور سکون سا تھا۔

"کیا ہم اس قدر امیر اور خوش حال ہو گئے ہیں کہ ہمارے یہاں بھیک مانگنے والے ختم ہو گئے ہیں۔" عمیر کا ذہن الجھتا ہی جا رہا تھا' سگنل گرین ہو چکا تھا اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بائیک بھی آگے بڑھا دی۔

بائیک کے بریک ایک بار پھر چرچرائے' عمیر نے گھر کے گیٹ کے پاس بائیک روک دی اور جلدی سے گیٹ میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اس کی نظر سامنے سے گزرتے عامر پر پڑی۔ اسے اتنے سستے آلو لانے کی فاتحانہ نمائش کی جلدی تھی مگر سامنے سے عامر کا گزرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی ابھی صبح کے آٹھ بجے تھے اور وہ تیار شیار ہو کر روڈ پر کھڑا تھا۔

"ابے کیا آج سورج مغرب سے جلوہ افروز ہوا ہے تُو اور اتنی صبح صبح تیار ہو کر کدھر جا رہا ہے۔" عمیر نے عامر کو پکارا۔

"بس یار اب تو ہر حال میں صبح نو بجے ڈیوٹی پر پہنچ جانا ہوتا ہے' دکھ بھری کہانی ہے شام میں سناؤں گا ابھی دیر ہو رہی ہے ورنہ شامت آ جائے گی۔" عامر نے چہرے پر یتیمی سی طاری کرتے ہوئے کہا اور جلدی جلدی آگے قدم بڑھا دیئے۔

وہ عمیر کا جڈی بدل یار تھا کیونکہ لنگوٹی تو کبھی ابا مرحوم نے باندھی نہیں تھی تو وہ کیا بندھتا' وہ مضافات کے ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر تھا اور مہینے میں دو ایک بار جا کر حاضری لگواتا تھا۔

حیرت کے چوتھے اور پاورفل جھٹکے نے عمیر کو بات کی تہہ تک پہنچنے میں مدد کی اور اس کے زرخیز ذہن میں ایک جھما کے کے ساتھ کتنے ہی بلب روشن ہو گئے۔

"کیا نیا پاکستان بن گیا......کیا سچ میں نیا پاکستان بن گیا......؟"

"ارے کم بخت اٹھ جا' لوگ اپنا گھر بار کام دھندا اولاد سب چھوڑ چھاڑ کر کہاں سے کہاں پہنچے ہوئے ہیں اور ایک تُو ہے کہ ابھی تک الٹا غفیل پڑا ہوا ہے' دیکھ تو سورج کی کرنیں کمروں تک آن پہنچی ہیں۔" اماں کی غصیلی آواز اسے خوابوں کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

"اماں تم بھی ناں...... اچھا خاصا نئے پاکستان میں گھوم رہا تھا' کیا کیا شاہکار تبدیلیاں تھیں اور تم نے پکڑ کر اٹھا دیا۔" عمیر برے بُرے منہ بناتا چپل پاؤں میں اڑستا باہر نکل گیا۔

اماں تخت پر بیٹھی پان لگا رہی تھیں' سویرا بھابی حسب معمول کچن میں تھیں' بھیا آفس گئے ہوئے تھے اور بارہ سالہ مہد جو پیپر ہونے کے بعد کی چھٹیاں منا رہا تھا' ٹی وی کے ساتھ جڑا تحفوں کی لوٹ سیل والا پروگرام دیکھ کر اس طرح خوش ہو رہا تھا کہ جیسے سارے انعام اسے ہی مل رہے ہوں اور مزے کی بات کے ہر کسی کے ساتھ کھڑا ہو کر ٹھک ٹھکی ٹھک ٹھا بھی کر لیتا تھا۔

تین سالہ زرش پاس رکھے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی' سارے منظر میں راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کہ



اچانک عمیر کی انٹری ہوئی۔

"ابے موٹو ریموٹ دے' دیکھیں معاملہ کہاں تک پہنچا؟" عمیر نے ریموٹ سے چینل بدلتے ہوئے صوفے پر بیٹھنے میں دیر نہیں کی۔

"توبہ توبہ ناں سلام نہ دعا نہ کلمہ...... لے کر بیٹھ گئے اس منحوس کو شیطانی ڈبے کے سامنے۔" اماں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے عمیر کو پکارا۔

"ارے پیاری اماں جان! آج کل ہر لمحہ اپ ڈیٹ رہنا ہمارا سب سے بڑا اور اولین فرض ہے اور ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ دھوپ کمروں تک آ گئی ہے اور اب کہہ رہی ہو صبح ہی صبح ہے اماں تمہیں بھی میڈیا کا رنگ چڑھتا جا رہا ہے۔" اس نے دانت نکالتے ہوئے جہاں آراء بیگم کو چھیڑا۔

"کم بخت چکنا گھڑا ہے مجال ہے جو پروں پر پانی پڑنے دے' نرا ددھیال پر جو گیا ہے۔" اماں چھالیہ کترتے ہوئے بڑبڑائیں۔

ٹی وی پر ایک نازک اندام حسینہ گردن کی رگیں پھولا پھولا کر لحہ بہ لحہ اپ ڈیٹ کر رہی تھی۔ وہ اس بات پر بڑی شد و مد سے مصر تھی کہ ہمارے چینل نے سب سے پہلے......شاہراہ دستور پر موجود خوب صورت پھولوں کی کیاریوں کے اجڑنے کا منظر دکھایا ہے۔

"آپ سے درخواست ہے کہ بچے اور نفیس طبیعت والے افراد ان مناظر کو نہ دیکھیں۔ یاد رہے سب سے پہلے ہمارے چینل نے یہ منظر عوام تک پہنچایا ہے اور ٹو اسٹوڈیو......" بس یہی بریکنگ نیوز تھی باقی وہی نعرے وہی دعوے وہی دھرنا تھا۔

"ابے موٹو تجھے پتا ہے میں خواب میں جس نئے پاکستان میں گھوم رہا تھا اس میں کیا تھا؟" حالات اپنے معمول پر ہی تھے اس لیے ریموٹ سائیڈ میں رکھ دیا اور چھوٹی زرش کو گود میں بٹھا کر مہد سے ہم کلام ہوا۔

"کیا تھا چاچو......؟"

"ابے تیرے پسندیدہ آلو جنہیں خریدنے میں تیرے

## غزل

کوئی تدبیر کرو نا' کوئی راہ نکالو
ہے قلب مقید' اسے زنداں سے چھڑا لو
چپ سادھ نہ رکھو' ہے ساعتِ فریاد
اب شور مچاؤ' اب دل کی سنا لو
کشتی ہے بھنور میں اور تم ہو محافظ
یا ڈوب کے جاں دو یا پار لگا لو
نوچے ہیں کلیجے' بلبل نے گلوں کے
اب سوگ گھڑی ہے' آنسو ہی بہا لو
حالات کی سردی' ہے کپکپی طاری
یخ بستہ ہے موسم' کچھ آگ جلا لو
گر ہار بھی جاؤ' تو سر خم نہیں کرنا
عزت ہے اثاثہ' عزت کو بچا لو
بے مول کرو گے' تو بے قدر بھی ہوگا
اخلاص ہے انمول' تم اس کو سنبھالو
کس درجہ ہے تنگی' بہت کال پڑا ہے
اب کوئی نہیں ہے جسے اپنا بنا لو
ہے آبلہ پائی اور آیا ہے دوراہا
رہبر بھی ہے ناپید' اب کون سی راہ لو؟
گر سفر ہو شب کا اور شب ہو اندھیری
خود چاند بنو تم' خود روشنی پا لو

سحر جان......ڈسکہ' سیالکوٹ

ابا کی آدھی سے زیادہ تنخواہ چلی جاتی ہے' پتا ہے تیس روپے کلو مل رہے تھے۔"

"سچ چاچو...... ویسے چاچو اگر نیا پاکستان بن گیا تو ہم کہاں رہیں گے نئے والے میں یا پرانے والے میں؟ چاچو نئے پاکستان میں تھری جی سروس چھوٹے شہروں میں بھی چلے گی ناں؟" مہد کی نانو چھوٹے شہر میں رہتی تھیں اور اسے اپنے کزنز کے ساتھ رابطے میں نیٹ پرابلم ہوتا تھا۔ "چاچو بولو ناں۔" وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھا۔

ہمارے سیاستدانوں نے بچوں کے ذہنوں میں کیا بٹھا دیا تھا' قائداعظم اور ہزاروں مسلمانوں نے مل کر

اپنی جان و مال کی قربانیاں دے کر جو اسلامی جمہوریہ پاکستان بنایا آج وہ سب کے لیے نئے اور پرانے کا تماشا بن کر رہ گیا۔ یہ ہمارا ملک ہے کوئی سامان نہیں جو پسند نہ آئے تو نیا لے لو دھوکہ دہی اور دھرنوں اور جلسوں کی سیاست نے ہمارے ملک کا ہی نہیں معصوم ذہنوں کا بھی بیڑا غرق کر دیا تھا۔

"چائے......"

"ہاں آپ رکھو میں منہ دھو کر آتا ہوں۔" عمیر افسوس کرتا باتھ روم کی طرف چل دیا۔ جیسے ہی عمیر باتھ روم میں گھسا مہد ایک بار پھر انعامات کی بارش میں ڈوب گیا۔

❀......❀......❀

"اے اجالا...... شش...... شش......" اس نے سر جھکائے کتابیں تھامے کالج جاتی ایک لڑکی کو متوجہ کیا۔

"ارے عمیر تم......" وہ ایک لمحے کو رکی اِدھر اُدھر دیکھا۔

"میں نے تمہارے نمبر پر ایزی لوڈ کروا دیا ہے رات کو بات کریں گے۔" اس نے دھیمی آواز میں اطلاع دی۔

"مجھے بھی تم سے ضروری بات کرنی ہے ابا کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا ہے۔" اجالا کی روئی اور سرخ آنکھیں رت جگے کی کہانی سنا رہی تھیں۔

"اجالا یار! ٹیک اٹ ایزی، تم فکر مت کرو میں اب اماں سے ضرور بات کرلوں گا' اچھا اب رات کو بات کرتے ہیں، تمہیں دیر ہو رہی ہے تم جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اپنی بائیک بھگا کر لے گیا۔

اجالا کا گھر گلی کے نکڑ پر ہی تھا' بچپن میں ساتھ کھیلتے وہ اسے اچھی لگنے لگی پھر شکل صورت بھی اللہ نے اچھی دی تھی۔ اچھی تعلیم' خاندان' اخلاق کی وجہ سے اجالا نے بھی عمیر کے لیے گرین سگنل دے دیا۔ کالج آتے جاتے دید ہو جاتی اور وایڈا اور سیل فون کمپنیوں کی وجہ سے یہ لو اسٹوری آگے بڑھنے لگی اور اب عمیر نے اجالا سے شادی کر کے اسے منطقی انجام تک پہنچانا تھا مگر......

"اماں میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے میں خالہ رجو کی بتائی کسی رضیہ یا جمیلہ سے شادی نہیں کروں گا۔" شام کو سارے برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو اماں نے رجو خالہ کے بتائے رشتے کی بات چھیڑ دی۔ اچھے خاندانی لوگ تھے اور پھر سونے پر سہاگہ کے انڈیا کے زمانے کے اماں کی اماں کے پڑوسی بھی تھے۔

زبیر بھائی نے خود کو چائے پینے میں مصروف کر لیا اور سویرا بھابی زرش کو بہلانے لگیں' وہ دونوں خود کو اس معاملے سے دور رکھنا چاہتے تھے' انہیں پتا تھا کہ یہ دو بڑی طاقتوں کی جنگ ہے اور وہ تیسرے فریق کے طور پر اپنی شامت لانا نہیں چاہتے تھے۔

شروع سے ہی ابا کے ہوتے ہوئے بھی اور بعد میں بھی گھر پر جہاں آرا بیگم کی حکمرانی رہی' دو ہی بیٹے تھے زبیر اور عمیر...... زبیر تو باپ پر تھا صابر شاکر مگر مسئلہ وہاں ہوا کہ عمیر ماں پر ہی چلا گیا تھا۔

جہاں آراء بیگم کو اپنے خاندانی ہونے پر بڑا ناز تھا' اس لیے وہ بڑے بیٹے کے لیے اپنے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بیٹی بیاہ لائی تھیں مگر اب مسئلہ چھوٹے کا تھا ننھیال میں تو کوئی اور لڑکی تھی نہیں اور ددھیال والے تھے تو خاندانی مگر بقول اماں کے کوئی کوئی خاندانی لوگ بھی اپنے اطوار اور انداز سے چمار ہی لگتے ہیں۔

"اماں میں شادی کروں گا تو صرف اور صرف اجالا سے۔" عمیر نے بھائی اور بھابی کی امدادی پالیسی سے مایوس ہو کر خود ہی ہمت جمع کی اور ایک ہی سانس میں بول دیا۔

"اللہ کی شان دیکھو' ماں باپ نے ایسا نام رکھ دیا جس سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔" اماں نے اجالا کے سانولے رنگ و روپ پر چوٹ کی۔

"بُری بات ہے اماں! اللہ کی بنائی کسی بھی چیز کو بُرا کہنا یا اس میں عیب نکالنا سخت گناہ ہے۔" عمیر کے دل پر لگی اسے تو اپنی سانولی سلونی محبوبہ بڑی عزیز تھی۔

"اور کل جو خود رجو بے چاری کی ترچھی آنکھوں اور سوکھی ٹانگوں کے قصیدے پڑھ رہا تھا وہ کیا مشین سے بن کر نکلی ہے' اسے اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا کیا؟" اماں بھی نیوز

چینل والوں کی طرح ہر چیز کا حساب رکھتی تھیں اور وقت آنے پر منہ پر دے مارتی تھیں۔

"اماں بس میں نے کہہ دیا تم کل ہی بھابی کے ساتھ اجالا کے گھر رشتہ لے کر چلی جاؤ ورنہ......"

"میرے گھر میں آگے ہی روشن سویرا موجود ہے مجھے کسی کم وولٹیج والے اجالے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اماں نے دھیمے سے مسکرا کر بھابی کی طرف دیکھا۔

"ہاں یہی تو سمجھا رہا ہوں کہ سویرا اور اجالا مل کر اتنی روشنی کردے گی کہ ہمیں روز روز مہنگی ہوتی بجلی کے نخرے نہیں اٹھانا پڑیں گے۔"

"ہائے میرا نصیب...... والد مرحوم بلند پایہ عالم دین اور دادا کو انگریز حکومت نے خان صاحب کا خطاب دیا تھا اور وہ جسے تم مجھے اپنے گھر کی بہو بنانے کا کہہ رہے ہو موچی کی اولاد......"

"پہلے تو اماں اس وقت انگریزوں کو اردو کہاں آتی تھی؛ خان کا کچھ اور ہی مطلب سمجھ کر نانا مرحوم کو کہہ دیا ہوگا اور دوسری بات اجالا کے ابا اور بھائیوں کا جوتے بنانے کا کارخانہ ہے۔" عمیر نے جزبز ہو کر کہا۔

"ہاں تو موچی ہی ہوئے ناں جو جوتیاں بنانے والے۔" اماں نے جوتے پر زور دیا۔

"اس حساب سے تو اماں تم جہاز اڑانے والے کو بھی ڈرائیور ہی کہو گی۔"

"ہاں تو اور کیا۔" اماں نے پان کی گلوری منہ میں دبا کر مزے سے کہا۔

"مگر اماں......"

"اگر مگر کچھ نہیں میں نے کہہ دیا اس اجالا کا خیال دل سے نکال دے ورنہ میں تجھے گھر سے نکال دوں گی۔ کم بخت ضدی؛ ہٹ دھرم اور باتوں کا بنا ہوا۔" اماں نے صلواتوں کے ساتھ ساتھ فیصلہ سنایا۔

"اماں تم پر ہی گیا ہوں۔" کہہ کر عمیر جلدی سے دروازے کی طرف لپکا کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب اماں کا ہاتھ سیدھا اپنی کولاپوری چپل کی طرف جائے گا۔

❁......❁......❁
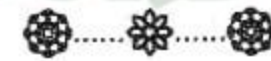
انقلاب یا آزادی...... وہ ریڈزون میں بیٹھا نعرے لگا رہا تھا کہ بھابی بھاگی آئیں۔

"ارے عمیر یہ کیا کر رہے ہو؛ اماں سو رہی ہیں۔ اس وقت تو زرش بھی یہاں نہیں آتی تمہیں پتا ہے اماں دوپہر میں کچھ دیر آرام نہ کریں تو ان کا سر درد کرنے لگتا ہے۔"

"ہاں ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں وہ مزے سے قیلولہ فرما رہی ہیں۔ بھابی اب میں یہاں سے تب ہی اٹھوں گا جب میرے مطالبے پورے ہو جائیں گے...... گو اماں گو؛ اجالا کے گھر گو......" وہ پھر سے نعرے لگانے لگا آوازوں کے شور سے اماں کے کمرے کا دروازہ کھلا تو سویرا جلدی سے وہاں سے کھسک لی کہ دھرنا برادران کے ساتھ اس کا بھی نام نہ آ جائے۔

"کیا مسئلہ ہے کیوں بھری دوپہر میں حلق پھاڑ رہے ہو؛ بخار دماغ کو تو نہیں چڑھ گیا۔" اماں اپنا سفید غرارہ سنبھالتی ہوئی غصے میں بھری عمیر کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

"اماں میں نے آپ سے نافرمانی کی تحریک شروع کردی ہے اور اب مجھ پر اس گھر کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔" رات اس کی اجالا سے بات ہوئی تھی وہ بہت پریشان تھی اور اس کے گھر والے آنے والے رشتے کے لیے راضی تھے۔

انہیں عمیر کا رشتہ پسند تھا دیکھا بھالا گھر ہاتھوں کا پالا شریف بچہ؛ ایم بی اے کر رکھا تھا نوکری بھی مل ہی جانی تھی مگر وہ کب تک انتظار کرتے کہ اجالا کے بعد دو اور بیٹیاں بھی تھیں اور پھر ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے انہیں سن گن مل گئی تھی کہ عمیر کی اماں اس رشتے پر راضی نہیں ہیں تب عمیر نے مجبور ہو کر یہ رستہ سوچا تھا اسے امید تھی کہ اس طرح جہاں آراء کی حکومت دباؤ میں ضرور آ جائے گی۔

"انقلاب یا آزادی...... انقلاب آزادی......" اسے دھرنے پر بیٹھے تیسرا دن تھا گھر اور باہر کے سارے کام چوپٹ ہو کر رہ گئے تھے؛ جنہیں عمیر ہی سرانجام دیا کرتا تھا



اور اماں کے گھر کے سامنے والی راہداری جو اس گھر کی شاہراہ دستور تھی وہاں جا بجا کچرا میلی چادر؛ تکیہ اور کھانے پینے کی چیزوں کے ریپر بکھرے ہوئے تھے۔

وہ رات کو اپنے موبائل پر گانے لگاتا اور آزادی کا جشن مناتا؛ زبیر بھائی نے اعتراض کیا تو اس نے کہا۔

"بھیا آزادی اور انقلاب کے لیے جسم و روح دونوں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے؛ ایسے ہی آزادی نہیں ملتی بھیا...... گو اماں گو؛ اجالا کے گھر گو......" وہ تربوز کھا کر چھلکے وہی پھینک رہا تھا اس نے تین دن سے کام والی ماسی کو اس جگہ کی صفائی بھی نہیں کرنے دی تھی...... شکر ہے وہاں کوئی کیاری نہیں تھی دو تین چھوٹے چھوٹے گملے تھے۔

"عمیر میں کہہ رہی ہوں باز آ جا ورنہ تیرا وہ حشر کروں گی کہ...... میں کئی دن سے چپ چاپ یہ تماشا دیکھ رہی ہوں تو میری خاموشی کو میری کمزوری مت سمجھنا؛ جہاں آراء نام ہے میرا......" اماں نے تخت پر بیٹھتے ہوئے چنگھاڑ کر کہا۔

"اماں اب میں رکنے والا یا پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں میں نے سر پر کفن باندھ لیا ہے۔" اس نے پاس پڑی زرش کی سفید فراک سر پر باندھتے ہوئے کہا۔ "اب یا تو تمہیں میرا مطالبہ ماننا ہوگا یا پھر یہاں خون کی ندیاں بہیں گی۔"

"کم بخت میں چھٹانک بھر خون ہے نہیں؛ آیا بڑا ندیاں بہانے والا۔" اماں بڑبڑائیں۔

ہزاروں مکھیوں اور مچھروں کے مجمع میں (جو کچرے کی پیداوار تھی) کبھی کبھار اک 3 سالہ ورکر کا اضافہ ہو جاتا تو عمیر اس کے ہاتھ میں پلے کارڈ پکڑا دیتا جس پر "وی وانٹ اجالا چاچی" لکھا ہوتا جسے وہ مزے سے ایک ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ سے عمیر کی دی ہوئی چاکلیٹ کھاتی رہتی؛ اس بات سے بے خبر کہ اس دھرنے کے کیا مقاصد ہیں؛ آزادی کی کیا قیمت ہے۔

آج ساتواں دن تھا...... عمیر دھرنے پر جوں کا توں ڈٹا ہوا تھا خلاف توقع اماں خاموش تھیں اور نہایت صبر کا مظاہرہ کر رہی تھیں...... یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔

**زوبیہ شاہین**

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ اللہ آپ سب کو خوش رکھے؛ آمین۔ میں زوبیہ شاہین بنتِ محمد وحید ہوں؛ میں 14 اگست کو اس دنیا میں آئی؛ میرا اسٹار لیو ہے۔ اس اسٹار کی تمام تر خامیاں و خوبیاں مجھ میں موجود ہیں۔ میٹرک کے پیپر دیئے ہیں؛ کھانے میں سوائے چند ایک کے باقی سب پسند ہے۔ فارغ وقت میں آنچل پڑھتی ہوں۔ پھول گلاب کا پسند ہے؛ لباس میں ٹراوزر اور لانگ قمیص پسند ہے؛ صاف ستھرا گھر پسند کرتی ہوں بلاوجہ تنگ کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ کچھ لوگ بہت برے لگتے ہیں جو خود غرض اور ہر وقت اپنا مطلب نکالنے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ مجھے میری سہیلیاں زکیہ بتول؛ عاصمہ تبسم؛ سنیہ خاتون؛ اسما خضر؛ عالیہ بی بی بہت اچھی لگتی ہیں اور بہت یاد آتی ہیں؛ سمیرا شریف؛ عشنا کوثر اور نازی جی آپ سب بہت اچھا لکھتی ہیں؛ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں آمین۔

زبیر بھیا نے دو تین بار مذاکرات کی کوشش کی جو بری طرح ناکام رہی کیونکہ جہاں آراء بیگم اور عمیر دونوں میں سے کوئی بھی اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

عمیر مکمل آزادی چاہتا تھا فیصلوں کی؛ اجازت کی حکمرانی کی اور اماں اسے یہ اختیارات دینے پر بالکل راضی نہیں تھیں۔ گھر میدان جنگ بنا ہوا تھا وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے زبانی گولہ باری ہوتی رہتی تھی...... کام والی نے اہل محلہ میں یہ بات پھیلا دی تھی اس لیے کافی جگ ہنسائی بھی ہو رہی تھی مگر عمیر جب سے دھرنے پر بیٹھا تھا اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی دھرنے پر بیٹھنے سے پہلے عمیر نے اجالا سے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ اب فون کا انتظار مت کرنا؛ لوڈ کا خرچہ تو گھر کے سامان کے کمیشن میں سے ہی نکلتا تھا؛ اب یا تو میں گولڈن اور میرون شیروانی پہن کر تمہارے گھر آؤں گا یا تم کالا یا سفید جوڑا پہن کر میرے گھر آ جانا......

❁......❁......❁

آج صبح سے ہی بہت گرمی تھی' حبس بھی تھا بادل کبھی آتے کبھی چلے جاتے مگر برستے نہیں تھے' عمیر برآمدے والی راہداری میں ہی ڈیرہ جمائے اونگھ رہا تھا۔ ساری رات تو اس نے موبائل پر گانے اور فلمیں دیکھ کر آزادی کا جشن منایا تھا۔

"چاچو آپ میرے کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے آجاؤ' باہر بہت گرمی ہے۔" ننھے مہد کے دل میں اپنے اکلوتے چاچو کے لیے درد جاگا۔

"نہیں یار میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اپنے ان پیارے مچھروں' مکھیوں اور اپنی جگہ کو چھوڑ کر اے سی کی کولنگ میں چلا جاؤں۔ میری جنگ سچی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں اس کے لیے یہ جنگ لڑ رہا ہوں' کوئی مفاد یا عہدہ میرے پیش نظر نہیں ہے۔"

"اچھا چاچو یہ فرنچ فرائز کھالو۔" اس نے کرکرے فرنچ فرائز اور کیچپ سے بھری پیالی آگے کردی۔ رات سے اماں نے کھانے پینے کی رسد بند کردی تھی ورنہ جب اس کا دل کرتا وہ کچن اور فریج سے جاکر کچھ کھالیتا تھا۔

"نہیں موٹو نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا' دیکھتا ہوں اماں کا ظلم وستم کہاں جاکر ٹھہرتا ہے۔ کیا تھا اگر اماں مان جائیں حسب نسب کیا ہوتا ہے ہم سب مسلمان ہیں' پاکستانی ہیں لڑکی کا گھرانہ سب اچھا ہے۔" وہ اماں کی بے جا ضد کی وجہ سے اپنی اور اجالا کی آنکھوں میں سجے سنہرے سپنے نوچ کر نہیں پھینک سکتا تھا۔

"گو اماں گو...... اجالا کے گھر گو...... انقلاب یا آزادی...... منصفوں جواب دو ظلم کا حساب دو۔" وہ اور زور زور سے نعرے لگاتا اور شور سن کر دادی نہ آجائیں مہد اس ڈر سے جلدی سے اندر کی طرف بھاگ جاتا۔

کمرے کے اندر جہاں آراء بے چین اِدھر سے اُدھر پھر رہی تھیں چین پڑتا بھی کیسے ان کے اصولوں کے سامنے جو ڈٹ گیا تھا وہ ان کا اپنا بیٹا تھا اور بیٹا بھی لاڈلہ...... زبیر بے چارے نے تو کبھی کچھ کہا ہی نہیں' عمیر نے تو پیار بھی حق سمجھ کرلیا مگر اب وہ کیا کرتیں اولاد بھی انہیں پیاری تھی مگر وہ اپنی خاندانی روایات اور فطرت کیسے بدلتیں۔ آگے نسلوں کا معاملہ تھا کسی بھی ایری غیری نتھو خیری کو لاکر انہیں پشتوں سے چلتی نوابی لڑی خراب نہیں کرنی تھی۔

باہر شور بڑھتا جارہا تھا جہاں آراء بیگم نے آخری اور حتمی فیصلہ کیا اور کمرے سے باہر قدم نکالا' باہر جھلسا دینے والی گرمی تھی' انہیں ایک لمحے کے لیے عمیر کا خیال ہوا مگر دوسرے ہی لمحے رواج ضد اور فیصلہ ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"عمیر......" اماں نے گرج کر پکارا۔

"جی اماں۔" آٹھ دن کے میلے کپڑے بڑھی ہوئی شیو سرخ آنکھیں' پسینے میں تر بتر یہ ان کا شہزادہ تھا۔ دل یکدم کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا اماں نے ممتا سے مجبور ہوکر دو قدم آگے بڑھائے اور پھر وہ ہوگیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔

"عمیر......" ایک دل خراش چیخ عمیر کے کانوں سے ٹکرائی اس نے بھاگ کر اماں کو اپنی بانہوں میں بھرلیا۔

دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا اور زبیر بھائی برآمدے کی طرف لپکے' سویرا بھابی اماں کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں اور ننھی زرش پریشان ہوکر رونے لگی تھی جسے مہد بہلانے کی کوششیں کررہا تھا۔

اور عمیر...... وہ دیوانوں کی طرح اماں کو پکار رہا تھا جو اَب بے ہوش ہوچکی تھیں۔ دراصل وہاں گند کچرے میں کیلے کے چھلکے بھی پڑے تھے اماں جیسے ہی عمیر کی طرف بڑھیں ان کا پاؤں کیلے کے چھلکے پر پڑا اور ماربل کے فرش پر وہ منہ کے بل آن گریں۔ دہان پان سی تو تھیں خون تو نہیں نکل رہا تھا مگر وہ بے ہوش ہوچکی تھیں۔ زبیر نے اسپتال فون کردیا تھا ایمبولینس کے سائرن کی آواز عمیر کو ہوش کی دنیا میں واپس لائی اس نے اماں کو اپنے بازوں پر اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑ لگادی۔

عمیر نے ایسا تو نہیں سوچا تھا' کیا اپنی پسند کی لڑکی جو شریف اور خاندان بھی ہو اس سے شادی کرنا جرم ہے۔ عمیر کا ایک ایک پور ماں کے لیے دعا کررہا تھا بس ایک بار اماں ٹھیک ہوجائیں وہ ان سے معافی مانگ لے گا مگر اجالا



کا کیا...... جس کی آنکھوں کو اس نے خواب دکھائے جس کے دل میں خود اس نے جگہ بنائی۔ اب کیا وہ اپنی ماں کے لیے پیچھے ہٹ جائے' کیا یہ مردانگی ہے؟

وہ سوال نہیں کرے گی کہ محبت بھی ماں سے پوچھ کر کرنی تھی۔ اماں کا تو وہ ساری عمر اچھا اور لاڈلا بیٹا رہا اماں نے تو کبھی اس کی کوئی بات نہیں ٹالی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا کہ دو چار دن میں اماں خود ہی مان جائیں گی۔ مگر ایسا کچھ ہوجائے گا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دل و دماغ میں جنگ جاری تھی' جب سوچتے سوچتے تھک گیا تو زبیر کے کندھے سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"زبیر بھائی اماں ٹھیک ہوجائے گی ناں!" اماں ابھی تک ایمرجنسی میں تھیں ڈاکٹر ابھی تک باہر نہیں آیا تھا وہ دونوں راہداری میں ہی کھڑے تھے۔ بھابی کو گھر پر بچوں کے پاس چھوڑ دیا تھا کیوں وہ بہت پریشان ہوگئے تھے ڈر گئے تھے۔

اچانک ایمرجنسی کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا دونوں دوڑ کر اس کی طرف لپکے۔

"ڈاکٹر صاحب میری اماں ٹھیک ہے ناں؟" چھ فٹ کے قد کاٹھ کا نوجوان بچوں کی طرح روتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

"ارے آپ اتنے پریشان کیوں ہورہے ہیں خدا کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ان کو کوئی گہری چوٹ نہیں لگی اور ناں کسی قسم کا فریکچر ہوا ورنہ عموماً اس عمر میں بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بس وہ عمر اور کمزوری کے باعث بے ہوش ہوگئی تھیں چند معمولی خراشیں آئی ہیں وہ بالکل فٹ ہیں۔ ینگ مین لگتا ہے تم اپنی ماں سے بہت پیار کرتے ہو اور جس ماں کے اس قدر پیار کرنے والے' پریشان ہونے والے بیٹے ہوں اسے بھلا کیسے کچھ ہوسکتا ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ گیا۔

اس نے شرمندہ ہوکر زبیر بھائی کی طرف دیکھا اب وہ کیا بتاتا کہ اس کی وجہ سے ہی اس کی ماں اس حالت کو پہنچی ہے۔ زبیر جلدی سے کمرے کے اندر چلا گیا اماں کو کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا اور عمیر باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہیں پتا نہیں اماں اب اس کی شکل دیکھیں گی یا نہیں۔ پتا نہیں آج کے بعد وہ دوبارہ اجالا کو دیکھ سکے گا یا نہیں اس سارے معاملے میں اسے سب سے مظلوم وہی معصوم سی لڑکی لگتی تھی۔

اماں دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں' ڈاکٹر نے شام تک ڈسچارج کرنے کو کہا تھا' زبیر سویرا اور بچوں کو لینے گھر چلا گیا تو وہ چپ چاپ اماں کے سرہانے جاکر بیٹھ گیا۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے ان کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا کہ کہیں ان کی آنکھ کھلے اور وہ اسے کمرے سے باہر نکال دیں۔ سامنے اماں لیٹی ہوئی تھیں عمیر چپ چاپ ان کو دیکھے جارہا تھا ان کے نرم و نازک سفید ہاتھ میں سونے کی ایک چوڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں فیروزے کی انگوٹھی جو شاید ابا مرحوم نے دی تھی۔ ڈرپ کی نلکی اسی انگوٹھی کے پاس سے ہوکر گزر رہی تھی' عمیر کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

سفید بے داغ غرارہ جس کے کناروں پر سفید کروشیے کی بیل لگی تھی پر داغ پڑے ہوئے تھے' سلیقے سے بنے بال اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے' عمیر کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی کمرے کے ایک طرف قبلہ رخ کا نشان بنا ہوا تھا' ایک جائے نماز رکھی ہوئی تھی وہ وضو کرنے چل دیا کہ اس پاک ذات کا شکر ادا کرسکے اور آئندہ کے لیے اس سے سیدھے راستے کی توفیق اور اماں کے دل میں نرمی کی دعا کرسکے۔

"جہاں آراء...... بیٹی جہاں آراء......"

"ابا حضور آپ......" اس نے حیرت زدہ ہوکر آنکھیں کھول دیں سامنے اس کے والد محترم فیض ہاشمی کھڑے تھے۔ وہی سفید کرتا پاجامہ سر پر سفید کروشیے کی جالی دار ٹوپی' سفید لمبی داڑھی اور ہاتھ میں تسبیح...... ابا سول سروس میں بڑے عہدے پر تھے مگر نہایت نیک دین دار اور کھرے انسان تھے۔

"جہاں آراء میں نے تو کبھی تمہیں یہ سبق نہیں سکھایا کہ حسب نسب اعلیٰ ادنیٰ خاندانی غیر خاندانی...... بیٹی یہ تم

کن جھمیلوں میں پڑگئی ہو۔ بیٹی ہمارے پیارے نبی آقادو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کسی عجمی کو کسی عربی پر' کسی عربی کو کسی عجمی اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔“

”ابا حضور مگر وہ......“ اس نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے۔

”نہ بیٹی نہ......“ انہوں نے دست شفقت اس کے سر پر رکھ دیا۔ ”اب اور نہیں' اولاد کی جائز خوشی کو پورا کرنا ماں باپ کا فرض ہے اور ہمارے دین میں تو اس معاملے میں بڑی نرمی ہے۔ یہ عمیر کی خوشی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کون برتر اور کون کم تر ہے یہ ہم نہیں جان سکتے۔ یہ تکبر ہے جہاں آراء! اور تکبر ابلیسی صفت ہے۔ کیا تم شیطان کی راہ پر چلنا چاہتی ہو' خدا سے توبہ کرو اور ایک ماں کی حیثیت سے جو تمہارا فرض ہے اسے بخوبی پورا کرو۔“

”ابا حضور..... ابا......“ عمیر سلام پھیر کر اٹھا تھا کہ اماں کے چلانے پر ان کی طرف بھاگا۔

”اماں...... کیا ہوا اماں......“

”وہ...... ابا حضور...... عمیر...... زبیر......“ وہ نیم غنودگی میں سب کے نام لے رہی تھیں۔

”اماں میں عمیر ہوں' اماں مجھے معاف کردو' آپ جیسا کہو گی میں ویسا ہی کروں گا۔“ اس نے بے تاب ہو کر ماں کا ہاتھ تھام لیا۔ جہاں آراء بیگم نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں' اسپتال کے مخصوص ماحول اور مہک نے انہیں یاد دلایا کہ وہ کہاں ہیں۔

”اماں مجھے معاف کردو......“ اب وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔

”ناں میرے بیٹے تو مجھے معاف کردے' میں نے اپنی بے جا ضد کے پیچھے اتنے دن تجھے پریشان کیا' بس میں یہاں اسپتال سے فارغ ہو جاؤں تو ہم سیدھا اجالا کے گھر جائیں گے۔“

”سچ اماں......“ عمیر نے بے یقینی سے اماں کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

”بالکل سچ......“ اتنے میں زبیر بھائی' بھابی اور بچے کمرے میں داخل ہوئے کمرے کا منظر خلاف توقع تھا دونوں ماں بیٹے ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے۔ مہد نے ہُرے کا نعرہ لگایا اور پھولوں کے بوکے سمیت دادی اور چاچو کو چمٹ گیا۔ سویرا نے مسکراتے ہوئے عمیر اور اماں کے سامنے کھانا لگادیا کیونکہ کل رات سے اماں نے بھی عمیر کے کھانا بند کرنے کے بعد دوائی اور کھانا نہیں کھایا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے عمیر اور اماں دونوں کی آنکھوں میں اجالا کا سانولا سلونا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

❁......❁......❁

”عمیر...... عمیر اٹھ جا' ابھی تک سو رہا ہے' دھوپ کمروں تک آن پہنچی ہے۔ آج چھٹی کا دن ہے سونے کا دن نہیں ہے۔“ اماں کی سریلی آواز عمیر کے کانوں کے رستے دماغ اور پھر حواسوں تک پہنچی اور وہ کسمسایا۔

”کیا ہے اماں! ایک دن تو سونے دو۔“

”عمیر بیٹا جلدی سے گاڑی باہر نکال لے' اجالا کو درد ہو رہا ہے لگتا ہے خیر کی گھڑی قریب آنے والی ہے۔“

”کیا کہا اماں......؟“ وہ ایک جست میں بستر سے باہر تھا اس نے یاہو کا نعرہ لگایا اور چپل پیروں میں پھنسا کر باہر کی طرف بھاگا۔

”باپ بننے والا ہے مگر ابھی تک عقل نہیں آئی۔“ اماں نے تسبیح پڑھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اجالا کچھ پریشان کچھ خوش تخت پر بیٹھی تھی......اس نے وکٹری کا نشان بنایا۔

بچے بڑے ایکسائیٹڈ تھے' وہ سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

”ویسے اماں اگر لڑکی ہوئی تو میں اس کا نام آزادی رکھوں گا اور اگر لڑکا ہوا تو اس کا نام انقلاب رکھوں گا۔“ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے عمیر شرارت سے بولا تو سب کا قہقہہ بڑا بے اختیار اور جاندار تھا۔

”ویسے آپ بتائیں آزادی آئے گی یا انقلاب......؟“

❁



وسعتوں میں لوگ کھو دیتے ہیں خود اپنا شعور
اپنی حد میں آیئے اور آگہی بن جایئے
اک پتنگے نے یہ اپنے رقصِ آخر میں کہا
روشنی کے ساتھ رہیے، روشنی بن جایئے

”احمر آخر آپ میری بات کیوں نہیں سمجھتے“ میں اس کی ماں ہوں مجھ سے زیادہ اس کا خیال کون رکھ سکتا ہے۔ جب جی چاہا اسے کھیل میں لگالیا اور جب جی چاہا اپنی اس پھٹیچر سائیکل پر بٹھایا اور لے گئے۔ ان کی تھرڈ کلاس سائیکل دیکھی ہے میری تمام فرینڈز کیا سوچتی ہوں گی؟ آپ اچھی خاصی بائیک افورڈ کرسکتے ہیں تو انہیں لے کیوں نہیں دیتے۔“

”ارے بھئی اگر انہیں اپنی سائیکل کی ہی سواری عزیز ہے تو اس میں تمہارا یا تمہاری فرینڈز کا کیا جاتا ہے اور رہی واجد کی بات تو وہ میرے والد ہیں میں انہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ اس عمر میں اگر واجد ان کی تنہائی میں رونق ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اچھا ہے دونوں کا دل لگا رہتا ہے' اصل میں ابا جی واجد سے بہت پیار کرتے ہیں اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتے' ویسے بھی ہمارے علاوہ ان کا دنیا میں ہے ہی کون؟“

ابا جی کی وجہ سے بحث کرنا شائستہ کا معمول بن گیا تھا۔ شادی کے شروع کے دن تو شائستہ کی مرضی کے عین مطابق گزرے' شائستہ نہ صرف اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھی بلکہ احمر کے والد کو بھی اس نے عزت اور اعلیٰ مقام دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے لگا کہ احمر کے والد خشک مزاج اور روک ٹوک کرنے والے انسان ہیں۔ ٹی وی کی آواز آہستہ کرو' بازار سر پر دوپٹہ لے کر جاؤ اور ایسی بہت سی باتیں شائستہ کو سارا دن ناگوار گزرتیں۔

❁......❁......❁

”ہاں یار کیا بتاؤں آج تک ساس کے قصے سنے تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ سسر صاحب ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں' مجھے تو اپنی مرحومہ ساس پر ترس آتا ہے ان کی ہی وجہ سے بے چاری کی جلد جان خلاص ہوئی ہوگی اور تو اور اب میرے بیٹے کو بھی اپنے جیسا کررہے ہیں۔ اچھا چھوڑو تم سناؤ کیسے دن گزر رہے ہیں؟ اتنے دنوں بعد فون کیا' کہاں مصروف ہوتی ہو؟“ شائستہ نے

خشک میوہ جات کی پلیٹ اپنی گود میں رکھتے دوسرے ہاتھ سے موبائل پکڑے ماریہ سے گفتگو کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں شائستہ! تم تو جانتی ہو میرا بھی تمہاری طرح ایک ہی بیٹا ہے اور آگے کی بھی امید نہیں' سوچا تھا اکلوتا ہونے کی وجہ سے تربیت بھی اچھی ہوگی مگر اس نے تو پریشان کر رکھا ہے۔ دن بہ دن ڈھیٹ اور بدتمیز ہوتا جارہا ہے' میں گھر پر اکیلی ہوتی ہوں اب گھر کے کام نمٹاؤں یا اس کے ساتھ دماغ کھپائی کروں۔ اس کے پاپا تو صبح کے گئے شام کو دیر سے گھر لوٹتے ہیں ان کے پاس بھی ٹائم نہیں ہے اب تو اسکول سے بھی اس کی شکایات آنے لگی ہیں۔ اچھا خیر مجھے ابھی شام کا کھانا تیار کرنا ہے میں پھر کال کروں گی' او کے بائے۔'' ماریہ نے کال ڈسکنکٹ کی۔

شائستہ فون بند کرتے ہی سوچنے لگی آخر ایک بچے کی تربیت اتنی بھی کیا مشکل ہے جو ماریہ اتنا پریشان ہوئے جارہی ہے۔ پتا نہیں ابا جی واجد کو کدھر لے گئے ہیں' جواَب تک نہیں لوٹے۔

''السلام علیکم!'' گھر میں داخل ہوتے ہی ابا جی کی آواز بلند ہوئی۔

''ارے بیٹا! آپ کہاں چلے گئے تھے' ہوم ورک نہیں کرنا کیا؟'' وہ اپنے سات سالہ بیٹے واجد سے مخاطب تھی۔

''مما جانی میں دادا ابو کے ساتھ نماز پڑھنے گیا تھا' اب میرا ہوم ورک بھی جلدی ہوجائے گا۔''

''شائستہ بیٹا! مجھے چائے کمرے میں ہی دے دینا' مجھے کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

شائستہ روز کے معمول کے مطابق شام کی چائے ابا جی کو دے کر ہوم ورک کروانے کی غرض سے واجد کی پاس آ گئی۔

''مما جانی! آپ بھی نماز پڑھا کرو نا' میں مرنے کے بعد آپ کو بھی جنت میں لے کر جاؤں گا۔'' واجد نے اپنی ماں سے کہا تو مرنے کی بات سن کر شائستہ چونک گئی۔

''واجد......! یہ کیسی بات کررہے ہو' تمہیں کچھ نہیں ہوگا میرے بچے۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

''نہیں مما! ہم سب ایک دن مرجائیں گے' مجھے سب پتا ہے۔''

''واجد! ایسا نہیں کہتے' چپ کرو۔ چلو ہوم ورک کریں۔'' وہ اس کا دھیان بٹانے لگی یقیناً ابا جی نے ہی میرے بچے کے ذہن میں موت کا خوف بھر دیا ہے۔ کیا کروں' کیسے اپنے بچے کا پیچھا چھڑواؤں اس بوڑھے سے' احمر ہیں کہ کچھ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔

❀......❀......❀

دروازے پر ہونے والی دستک نے شائستہ کو ٹی وی پر چلتے مارننگ شو کو چھوڑ کر اٹھنے پر مجبور کیا۔

''کیا مصیبت ہے واجد تو اسکول گیا ہے' ابا جی بھی ابھی سبزی لینے گئے ہیں تو یہ کون ہے؟''

''بھابی جی وہ سامنے سڑک پر واجد کے دادا جان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے کچھ لوگ انہیں گاڑی میں بٹھا کر اسپتال لے گئے ہیں۔'' محلے کے ایک نوعمر لڑکے نے اطلاع دی۔ شائستہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''جی احمر......آپ جلدی اسپتال پہنچے میں بھی جارہی ہوں۔'' شائستہ نے فون پر احمر کو تمام صورت حال بتاتے ہوئے کہا۔

''شکر کریں ایکسیڈنٹ اتنا شدید نہیں تھا لیکن ان کے دائیں پاؤں میں فریکچر ہے' اس عمر میں ہڈیاں کمزور ہونے کی وجہ سے جلدی بہتر نہیں ہوتیں اس لیے انہیں کچھ دن اسپتال میں رہنا پڑے گا۔'' ڈاکٹر نے ایکسرے دیکھتے ہوئے بتایا۔

''ہاں ہاں جیسے آپ کہیں ڈاکٹر صاحب' ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔'' شائستہ نے جواب دیا تو احمر نے چونک کر شائستہ کو دیکھا اور دونوں ڈاکٹر صاحب کے روم سے باہر آ گئے۔

❀......❀......❀

''ہیلو ماریہ! کیسی ہو؟ ہاں میں نے یہ کہنے کے لیے



فون کیا ہے کہ نیو ائیر کی خوشی میں میں نے کل شام اپنے گھر پارٹی ارینج کی ہے' تم ضرور آنا۔ اچھا رکھتی ہوں کیونکہ مجھے ابھی شاپنگ کے لیے بھی جانا ہے۔'' اس نے ریسیور رکھا اور واجد کو ساتھ لے جانے کے لیے آواز دینے لگی' سارے گھر میں دیکھنے کے بعد وہ ابا جی کے کمرے میں آئی' واجد ابا جی کی جائے نماز بچھائے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے رو رہا تھا۔

''پیارے اللہ جی! میرے دادا ابو کو جلدی سے ٹھیک کردو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ارے واجد بیٹے! دادا ابو بالکل ٹھیک ہیں وہ چند روز میں گھر آجائیں گے' آپ بھلا کیوں پریشان ہورہے ہو؟ آؤ ہم شاپنگ پر چلتے ہیں تم اپنی چوائس کا سوٹ خرید لینا۔''

''مگر مما ہم کیوں شاپنگ پر جارہے ہیں؟''

''ارے بیٹا نیو ائیر کی خوشی میں میں نے پارٹی ارینج کی ہے میری تمام فرینڈز آئیں گی' آپ کے پاپا نے بھی اجازت دے دی ہے۔ آپ چاہو تو آپ بھی اپنے فرینڈز کو انوائٹ کرلینا' ہم خوب مزہ کریں گے۔''

''مگر دادا ابو......؟'' واجد نے معصومیت سے کہا۔

''ارے بیٹا انہیں کیا پتا چلے گا۔''

''نہیں مما! میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ دادا ابو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا سال نہیں ہے یہ تو انگریزوں کا سال ہے' ہمارا سال تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ ہم انگریزوں کی غلامی کیوں کریں۔'' شائستہ اپنے چھوٹے سے بیٹے کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر حیرت کے نچلے درجے تک جا پہنچی۔

''ہاں بیٹا وہ تو میں سمجھتی ہوں......'' وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ ''مگر یہ نیا دور ہے' نیا زمانہ ہے' ہمیں اس کے ساتھ چلنا ہے۔ سوسائٹی میں اپنا مقام بنانے کے لیے یہ چھوٹی موٹی پارٹیز کرنا پڑتی ہیں بیٹا!''

''لیکن مما ہمیں تو پیارے اللہ جی کے ہاں اپنا مقام بنانا ہے نا۔'' حیرت کا ایک اور دھچکا جس نے شائستہ کو پاتال میں جا گرایا۔

''دادا ابو کہتے ہیں کہ پیارے اللہ جی نے ہمیں ایگزام کے لیے بھیجا ہے جو اس میں فرسٹ آئے گا اس کو سب سے بڑا مقام ملے گا مما! اب میں اپنے دادا جی کے لیے دعا کررہا ہوں نا' آپ دیکھنا وہ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں گے اور ہم پھر سے کھیلیں گے۔ اتنے دنوں سے میرے ساتھ کوئی بھی نہیں کھیلا میں بور ہوجاتا ہوں۔'' شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مردہ قدموں سے کمرے سے باہر چلی آئی۔

''میں کون ہوں...... میرا مقام کیا ہے اور میں اپنے بچوں کو کون سی سوچ' کون سا کلچر دینا چاہ رہی ہوں۔''

نظم

بہت عرصہ ہوا اک دن
بتایا تھا مجھے اس نے
بنانا کچھ نہیں آتا
اگر میں کچھ بناتی ہوں
تو بس ''چائے'' بناتی ہوں
پیو گے نا؟
اور میں اس بات پر
مسکراتا ہی رہا تھا
کہ بنانا کچھ نہیں آتا
بناتی ہو تو بس ''چائے''
مجھے چائے سے الجھن ہے
نہیں پیتا...... نہیں پیتا
اور اس بات کو گزرے
زمانے ہوگئے کتنے
نہیں معلوم وہ کیسی ہے
کہاں پر ہے......
مگر اب ''چائے'' پیتا ہوں
بڑی کثرت سے پیتا ہوں
بڑی حسرت سے پیتا ہوں

شفیق الرحمن...... چکلالہ کینٹ' راولپنڈی

**وقت**

وقت بہت ظالم ہے انسان کی زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب ایک ہی ٹھوکر میں اس کے سارے سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں اور وقت ایسا زخم چھوڑ جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں کرسکتا پھر ہم سوچتے ہیں کاش ہم کوئی بے جان مورتی ہوتے جذبات واحساسات سے عاری ہماری نہ کوئی خواہش ہوتی اور نہ کوئی آرزو۔

(طلعت نظامی......کراچی)

بہت سے سوال اس کے اردگرد گردش کرنے لگے۔

''اب مجھے کیا کرنا ہے۔'' اچانک بجنے والی فون کی گھنٹی کی وجہ سے اس کی سوچوں کا حصار ٹوٹا۔

''ہیلو......'' شائستہ نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں شائستہ! میں ماریہ بات کررہی ہوں' یار تم سے ایکسکیوز کرنے کے لیے فون کیا ہے' دراصل میں نے کل شام آؤٹنگ کے لیے اپنے بیٹے سے وعدہ کررکھا ہے' میں اسے کل ضرور لے کر جاؤں گی۔ میں پارٹی اٹینڈ نہیں کرسکتی۔ دانی پہلے سے بہت تیز ہوچکا ہے میں خود اس کے ساتھ کھیلتی ہوں' اس کے لیے ٹائم نکالتی ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں اس کا اکیلا پن ہی اس کے چڑچڑے ہونے کی وجہ تھا' تم تو جانتی ہو میں گھر میں اکیلی ہوتی ہوں' گھر کے بھی اتنے کام ہیں مگر مجھے اپنے بیٹے سے زیادہ کچھ عزیز نہیں ہے۔ تم تو بہت خوش قسمت ہو' تمہارے بیٹے کی آدھی ڈیوٹی تو تمہارے سسر نے سنبھال رکھی ہے۔ اچھا خیر اینڈ سوری اگین' او کے بائے۔'' فون بند ہوچکا تھا لیکن شائستہ کے ضمیر کی آنکھ کھل چکی تھی۔

صحیح اور غلط کا فیصلہ باآسانی ہوچکا تھا' وہ وضو کرکے جائے نماز بچھائے اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی اور نیک نیت پر استقامت کی دعا مانگنے لگی۔

❁......❁......❁

یکم جنوری 2015ء صبح دس بجے کے قریب شائستہ نے واجد کو آواز لگائی جو کہ آج چھٹی پر تھا۔

''دیکھو بیٹا! کون آیا ہے؟''

''دادا ابو......'' واجد بھاگتا ہوا ان کے سینے سے جالپٹا دونوں کی آنکھیں اشک بار تھیں' انہیں دیکھ کر احمر اور شائستہ کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

''احمر کیا ڈاکٹرز نے آسانی سے چھٹی دے دی؟'' شائستہ نے پوچھا۔

''ہاں تمہارے کہنے پر ہی میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ گھر میں اچھا ٹریٹمنٹ ہوسکتا ہے تو اس لیے اتنا مسئلہ نہیں ہے' لیکن اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' احمر نے جواب دیا۔

''احمر میں غلط تھی آپ مجھے معاف کردیجیے' میں ابا جی کی خدمت خود کروں گی۔ آپ دیکھئے گا وہ کتنی جلدی پھر سے چلنے پھرنے لگیں گے اور ویسے بھی مجھے احساس ہوچکا ہے کہ مجھے سوسائٹی میں نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے ہاں اپنا مقام بنانا ہے۔'' وہ پرعزم تھی۔

''اور تمہاری آج کی پارٹی کا کیا ہوا؟'' حیرت سے احمر نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اس نئے دن پارٹی تو ضرور ہوگی جو میں نے ابا جی کے آنے کی خوشی میں رکھی ہے جس میں میں نے آپ کو ابا جی اور واجد کو انوائٹ کیا ہے کیونکہ آج کا خوشگوار دن تو میری زندگی کا نیا دن ہے جسے میں دھوم دھام سے مناؤں گی۔'' شائستہ بولتی چلی گئی اور احمر نے اس کی اس تبدیلی پر دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''اور ہاں سنو......'' شائستہ نے احمر کو پکارا۔

''آپ پارٹی میں آؤ گے نا؟'' پہلے تو احمر نے شائستہ کو ناسمجھی کے عالم میں دیکھا پھر بات سمجھ آنے پر دونوں کھل کر مسکرادیئے۔

❁



# روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

## سیدہ بی بی...... پاکستان

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔ روزانہ کم از کم 313 مرتبہ استغفار کیا کریں اور دعا کیا کریں۔ وظیفہ یقین کے ساتھ پڑھا کریں۔

## عاطف...... بنوں

جواب:۔ بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھ کر اپنے بیٹے کے لیے دعا کریں روزانہ، ان شاء اللہ مسئلہ جلد ہوجائے گا۔

## مسرت شاہین...... ضلع سدھنوتی

جواب:۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 روزانہ ایک تسبیح۔

## نادیہ نوشین...... چکوال

جواب:۔ سورۃ قریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف، دعا بھی کریں۔

## خدیجہ جمیل...... گوجرانوالہ

جواب:۔ رکاوٹ ہے۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ اخلاص، فجر، مغرب عشا 21،21 مرتبہ (وظیفہ والدہ یا لڑکی خود کرے) رکاوٹ ختم کرنے کے لیے۔ اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔

## محمد اویس...... جہلم

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فاتحہ، 41 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں اور پانی پر دم کرکے پلائیں تیل پر دم کرکے مالش کریں ٹانگوں کی۔ صدقہ بھی دیں۔

## حمیرا...... حیدر آباد

جواب:۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم. روزانہ ایک تسبیح اس لڑکے کا تصور رکھ کر پڑھا کریں کہ پیچھا چھوڑ دے۔

## سکینہ بی بی...... فیصل آباد

جواب:۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 ایک تسبیح روزانہ۔

## نصر اللہ...... وہاڑی

جواب:۔ مکمل روحانی علاج کرائیں آپ اپنا، جادو ہے۔

(۲) رزق کے لیے سورۃ قریش، ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ، درود شریف اول وآخر 3،3 مرتبہ۔

(۳) رشتہ کے لیے

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74،70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

## پلوشہ گل...... کوٹ ادو

جواب:۔ روزانہ ایک مرتبہ سورۃ یاسین پڑھا کریں فجر کے بعد۔

(۲) امتحانوں کے دوران جب ایسی کیفیت ہو تو روزانہ 3 مرتبہ سورۃ عبس پڑھ کر دم کرلیا کریں۔ مغرب کے بعد۔

## عائشہ زاہد...... لاہور

جواب:۔ بظاہر بندش نظر نہیں آرہی سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 روزانہ ایک تسبیح پڑھ کر دم کیا کریں۔

(۲) والدہ روزانہ 3 مرتبہ سورۃ یاسین بعد نماز فجر پڑھ کر اپنے مسئلوں کے لیے دعا کریں ان شاء اللہ جلد حل ہوجائیں گے۔

(۳) عشاء کی نماز کے بعد ''یا عزیز'' 313 مرتبہ روزانہ پڑھ کر خاوند پر دم کیا کریں۔ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

## ایچ آر...... حافظ آباد

جواب:۔ بعد نماز عشا سورۃ قریش اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ روزانہ (پلاٹ کی فروخت اور روزگار کیلئے) دعا بھی کریں۔

## نسرین اختر......

جواب:۔ نسرین اختر تحقی کریں۔

## صائمہ...... ٹنڈو آدم

جواب:۔ روزگار کے لیے

سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود

شریف۔ بعد نماز عشا (گھر کا ایک فرد یا تمام افراد بھی پڑھ سکتے ہیں)

رشتہ کے لیے

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

سورۃ یٰسین بھی ایک مرتبہ پڑھا کریں (رکاوٹیں ختم کرنے کے لیے)

**نویلہ سعدیہ...... گجرات**

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ دعا کریں۔ (جہاں بہتر ہو وہاں رشتہ ہو)

**دعا ...... کھاریا**

جواب:۔ رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 اول و آخر 11،11 مرتبہ شریف۔ دعا بھی کریں۔

3 مرتبہ سورۃ یٰسین بعد نماز فجر (تمام مسائل کے لیے) دعا بھی کریں۔

**ناہید اختر...... حیدر آباد**

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

(۲) لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم (ایک تسبیح)

استغفر اللہ ربی من کل زنب و اتوب الیہ (ایک تسبیح)

درود شریف (جو یاد ہو، ایک تسبیح)
صبح و شام روزانہ 1،1 مرتبہ یہ وظیفہ کیا کریں۔
روزی / گھریلو مسائل کے لیے (باقی وظائف نہ کریں)

**ہارون الرشید...... بھائو الدین**

جواب:۔ صدقہ دیا کریں ہارون کا۔ سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

تمام مسائل کے لیے دعا کیا کریں۔ اس وقت بیرون ملک جانا مناسب نہیں۔

**م...... آزاد کشمیر**

جواب:۔ سورۃ الفاتحہ 41 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اپنے اوپر دم کیا کریں پانی پر بھی چھوٹی بہن کو یہ پلائیں اور خود بھی پئیں۔

بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ (والد اور بھائی کے لیے) نیت رکھ کر پڑھیں کہ مسائل کے حل کے لیے۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

**نوٹ**

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کردیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

**روحانی مسائل کا حل کوپن** برائے فروری ۲۰۱۵ء

نام ........ والدہ کا نام ........ گھر کا مکمل پتا ........

........

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ........



# بیاضِ دل

میمونہ رومان

انعم چوہدری...... جتوئی
میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گال چھوتا تھا
دسمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے گی

ارم کمال...... فیصل آباد
شرم، جھجک، دہشت، پریشانی
ناز سے کام کیوں نہیں لیتیں؟
آپ، وہ، جی یہ سب کیا ہے
تم میرا نام کیوں نہیں لیتیں؟

عائشہ پرویز...... کراچی
ٹھٹھرتی ہوئی شب سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محسن یہ ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے دسمبر

حرا قریشی...... بلال کالونی ملتان
اس نے تھام لیا چوم کے میرا ہاتھ
اس کی یاد میں گم میں، خوشبو اور رات

سامعہ ملک پرویز...... بھیرہ خانپور
ذکر تیرا ہجر میں بھی وصل میں بھی
حیات میری نصاب تو ہے
میری زیست کے الجھے باب کا
سوال تو ہے جواب تو ہے

عابد محمود...... ملکہ ہانس
کس کو دیکھوں تو ماتھے پہ ماہ و سال ملیں
کہیں بکھرتی ہوئی دھول میں سوال ملیں
ذرا سی دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں پھر شاید نہ اگلے سال ملیں

نادیہ کامران...... راولپنڈی کہوٹہ
آج ایک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے

ناہید شبیر رانا...... رحمان گڑھ
میں اکثر آئینے کے سامنے بے چین رہتی ہوں
کسی نے خط میں لکھا ہے، ادائیں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا خزائیں آ گئی ہیں اب تو لوٹ آئے
اسے کہنا دسمبر کی ہوائیں یاد کرتی ہیں

شازیہ ہاشم...... قصور
داستان میرے لاڈ پیار کی
بس ایک ہستی کے گرد گھومتی ہے
پیار جنت سے اس لیے ہے مجھے
کہ یہ میری ماں کے قدم چومتی ہے

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
وقت رخصت اس نے عجب لفظ کہے تھے مجھے
خیال رکھا کرو اپنا اچھے لگتے ہو مجھے

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... سیالکوٹ
یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ہاتھ اٹھاؤں تیرا نام نہ لوں
تو تو شامل ہے میری دعاؤں میں آمین کی طرح

شمع فیاض...... بستی بزدار
میں نے ہیرے کی طرح اس کو تراشا تو بہت
وہ ذات کا پتھر تھا پتھر ہی رہا

محمد آصف شہزاد الہ آباد...... قصور
انسان کی پرکھ میں ہے بھول کا اندیشہ
اپنوں کو بھی عجلت میں اپنا نہ کہا جائے
دھوکہ دیتی ہے معصوم چہروں کی چمک اکثر
ہر کانچ کے ٹکڑے کو ہیرا نہ کہا جائے

ثمرین کنول...... کراچی
مخفی پناہ چادر زہرہؓ نہ چھوڑنا
تعلیم تو سنا ہے کہ دشمن حیا کی ہے

شگفتہ خان...... بھلوال
کیا خوب ہی ہوتا کہ دکھ ریت کے ہوتے
مٹھی سے گرا دیتے، پاؤں سے اڑا دیتے

عائشہ نور عاشا...... شادیوال، گجرات
تمہاری مثل نا ممکن ہے صاحب
تمہارا عکس بھی تم سا نہیں ہے

کوثر خالد......جڑانوالہ

ممکن ہے ایسا وقت ہو ترتیب وقت میں
دستک کو تیرا ہاتھ بڑھے میرا در نہ ہو

کومل زینب......18 ہزاری، جھنگ

مدت سے جن کی آس تھی
وہ ملے بھی کچھ اس طرح
ہم نظر اٹھا کے تڑپ اٹھے
وہ نظر جھکا کر گزر گئے

دعا ہاشمی......فیصل آباد

پرائے پن کی وسیع و عریض دنیا میں
یہ اک خوشی ہی بہت ہے کہ درد اپنا ہے

رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان

بچھڑا تو دوستی کے اثاثے بھی بٹ گئے
شہرت وہ لے گیا مجھے رسوائی دے گیا

نیلم شرافت......جتوئی

خواب اور حقیقت میں فرق صرف اتنا ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں حقیقت توڑ دیتی ہے

تحریم اکرم......ملتان

زندگی بھر کے امتحان کے بعد
وہ نتیجہ میں کسی اور کا نکلا

فریحہ شبیر......شاہ نکڈر

میں تمہاری وہ یاد ہوں
جسے تم اکثر بھول جاتے ہو

عافیہ ظفر، فائزہ علی......جہلم

میں نے تڑپ کر کہا بہت یاد آتے ہو تم
وہ مسکرا کر بولا تمہیں اور آتا ہی کیا ہے

حمیرا قریشی......لاہور

وہ مانگتا ہے مجھ سے میری وفاؤں کا ثبوت
میری جوانی سلگتی ہے اس کی نادانی پر

آنسہ آسیہ حیات......کسووال

محبت ایک ایسا دریا ہے یارو
کہ بارش روٹھ بھی جائے تو پانی کم نہیں ہوتا

شگفتہ نورین......بستی خواجہ

میری جان آج کا غم کر
کہ نجانے کاتب وقت نے
کسی اپنے کل میں بھی شوق سے
کئی لکھ رکھی ہوں مسرتیں

امشاح جنت......فیصل آباد

نہ ساحلوں کی ہے طلب نہ ڈوبنے کا مجھے ہے ڈر
میرا آگ سے نہیں واسطہ پھر بھی جلا ہے میرا گھر

آمنہ غلام نبی......کے ٹی ایس، ہری پور

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

توڑ گیا وہ ہم سے ہر تعلق فقط اتنا کہہ کر
کہ اجڑے ہوئے لوگوں میں ہم بسا نہیں کرتے

حافظہ راشدہ......وہاڑی ماچھیوال

محبت اور چاہت کی شناسائی دے گیا
بڑی درد ناک ہم کو تنہائی دے گیا
اس شخص کے نام تھی سبھی رونقیں
جو ہم سے بچھڑ کر داغِ جدائی دے گیا

بنت پاکستان آبشار......بھکر

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و بیابان میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

مونا شاہ قریشی......کبیر والا

تیری صورت کو جب سے دیکھا ہے
لوگ میری آنکھوں پر مرتے ہیں

شیریں گل......قمن

بے نور ہوگئی میری چشم انتظار
تکمیل ہوسکی نہ تیرے انتظار کی

biazdill@aanchal.com.pk



طلعت آغاز

## گاجر کا زردہ

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| چاول | آدھا کلو (ابلے ہوئے) |
| گاجر | تین عدد (کش کی ہوئی) |
| چینی | آدھا کلو |
| دودھ | آدھی پیالی |
| کھویا | ایک پیالی |
| پستے | آدھی پیالی |
| ناریل | حسب پسند (کش کیا ہوا) |
| گھی | آدھی پیالی |

ترکیب:۔

گاجر کو فرائنگ پین میں پھیلا کر رکھیں اور درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کرلیں۔ چاول، گاجر اور چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پھر ایک پین میں دو سے تین کھانے کے چمچ گھی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو توے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آنچ درمیانی رکھیں اور پھر ہلکی آنچ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت گھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش کو نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

منیبہ ملک......کراچی

## فش شاشلک ود کارن رائس

اجزاء

| | |
|---|---|
| مچھلی | آدھا کلو (بغیر کانٹے کی چکور بوٹیاں) |
| نمک | حسب ذائقہ |
| پیاز | ایک عدد |
| پیاز | ایک عدد |
| شملہ مرچ | ایک عدد |
| ٹماٹر | ۲ عدد |
| کٹی لال مرچ | ایک کھانے کے چمچ |
| سرکہ | ۲ کھانے کے چمچ |
| اجوائن | آدھا چائے کا چمچ |
| چاول | دو پیالی (ابلے ہوئے) |
| کالی مرچ | ایک چائے کا چمچ (گدری پسی ہوئی) |
| آئل | چار کھانے کے چمچ |

ترکیب:۔

پیاز، ٹماٹر اور شملہ مرچ کے چکور ٹکڑے کاٹ لیں اور مچھلی کے ٹکڑوں کے ساتھ ایک بڑے پیالے میں ڈال دیں۔ شاشلک کی چھوٹی سیخوں کو لے کر اس میں احتیاط سے مچھلی اور سبزیوں کو پرولیں فرائنگ پین میں ۲ کھانے کے چمچ آئل ڈال کر درمیانی آنچ پر ایک سے دو منٹ گرم کریں۔ سیخوں کو فرائنگ پین میں پھیلا کر رکھیں تاکہ اچھی طرح فرائی ہوسکیں۔ آنچ تیز کر کے فرائنگ پین کو اس طرح گھماتے جائیں کہ مچھلی ہر طرف سے پک جائے۔ سیخوں کو نکال کر اسی فرائنگ پین میں دو کھانے کے چمچ آئل ڈال کر ایک سے ۲ منٹ گرم کریں اس میں مکئی کے دانے اور کالی مرچ ڈال کر تیز آنچ پر دو منٹ فرائی کریں۔ پھر اس میں چاول ڈال کر ۲ سے ۳ منٹ فرائی کریں اچھی طرح گرم ہونے پر چولہے سے اتار لیں۔ پریزنٹیشن خوب صورت پلیٹس میں کارن رائس کو نکال کر اس پر ہری پیاز کی پتیاں یا باریک کٹا ہوا پارسلے چھڑک دیں اور ایک طرف شاشلک اسٹک رکھ دیں۔ یہ ڈش دیکھنے میں بھی خوبصورت لگے گی اور کھانے میں بھی غذائیت سے بھرپور ہے۔

صبا چوہدری......لاہور

## پانی والے کباب

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| گائے کا قیمہ | آدھا کلو |
| پسا ہوا لہسن ادرک | ۲ کھانے کے چمچ |

| | |
|---|---|
| کٹی ہوئی لال مرچ | ایک چائے کا چمچ |
| پسا ہوا گرم مصالحہ | ایک چائے کا چمچ |
| کچری پاؤڈر | ۲ چائے کے چمچ |
| کٹا ہوا سفید زیرہ | ایک چائے کا چمچ |
| انڈہ | ایک عدد |
| پیاز | ۲ عدد (باریک کٹی ہوئی) |
| پیاز لچھے کٹے ہوئے | ایک عدد |
| ہری مرچیں | باریک کٹی ہوئی ۶ عدد |
| ہرا دھنیا | چھڑکنے کے لیے |
| سوکھی لمبی لال مرچیں | ۶ عدد (بیچ سے کٹی ہوئی) |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | کھانے کے ۲ چمچ |

ترکیب:۔

چوپر میں قیمہ، لہسن ادرک، لال مرچ، گرم مصالحہ، کچری، زیرہ، انڈہ، باریک کٹی ہوئی پیاز، ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور نمک ملا کر یکجان کرلیں۔ اس آمیزے کے لمبوترے یا گول کباب بنالیں۔ دیگچی میں ایک پیالی پانی ابالیں اس میں کباب رکھیں اور ہلکی آنچ پر ڈھکن ڈھانک کر پکائیں۔ ساس پین میں تیل گرم کریں اس میں لچھے دار پیاز اور لال مرچیں ہلکی تلیں۔ اس پر کباب رکھیں اور ڈھکن ڈھانک کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار کبابوں پر ہرا دھنیا چھڑکیں اور گرما گرم پیش کریں۔

جویریہ ضیاء......کراچی

## ریڈ بینز اینڈ بیف رائس

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| لال لوبیا | ایک پیالی |
| گوشت | آدھا کلو |
| چاول | دو پیالی |
| نمک | حسب ذائقہ |
| ادرک لہسن | پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ |
| پیاز | ۲ عدد درمیانی |
| شملہ مرچ | ایک عدد |
| کالی مرچ | پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ |
| سویا سوس | دو کھانے کے چمچ |
| سرکہ | ۲ سے ۳ کھانے کے چمچ |
| کوکنگ آئل | چار کھانے کے چمچ |

ترکیب:۔

انڈر کٹ گوشت لے کر اس کو باریک سلائسز میں کاٹ لیں اور اسے ادرک لہسن، نمک، کالی مرچ، سرکہ اور سویا سوس سے میرینیٹ کرکے رکھ دیں۔ لال لوبیا کو دھو کر اس میں تین پیالی گرم پانی ڈالیں، ایک گھنٹے کے لیے بھگو کر رکھنے کے بعد اسے درمیانی آنچ پر ابلانے رکھ دیں ابال آنے پر آنچ ہلکی کرکے ڈھک دیں اور اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے اور لوبیا اچھی طرح گل جائے۔ چاولوں کو بیس منٹ بھگو کر رکھیں پھر نمک ملے پانی میں دس سے بارہ منٹ ابال کر پھینک دیں۔ بڑے فرائنگ پین میں کوکنگ آئل ڈال کر اس میں پہلے باریک کٹی ہوئی پیاز کو ہلکی سنہری فرائی کریں پھر اس میں میرینیٹ کیے ہوئے گوشت کو فرائی کریں جب سنہرا ہونے لگے تو اس میں لوبیا ڈال کر دو سے تین منٹ فرائی کریں۔ ابلے ہوئے چاول اور باریک کٹی ہوئی شملہ مرچ ڈال کر ایک سے دو منٹ فرائی کریں۔ ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ خوب صورتی سے سجا کر ڈش میں نکالیں اور اس مزیدار ڈش کا لطف اٹھائیں۔

لائبہ ایاز......ملتان

## بیف پاستا سوپ

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| گائے کا گوشت | ۲۰۰ گرام |
| اُبلا کوسن پاستا | ایک کپ |
| شملہ مرچ | ایک عدد |
| گاجر | ایک عدد |
| انڈہ | ایک عدد |
| لہسن کے جوے | ۲ عدد |
| مشروم | ایک کپ |
| تیل | ایک کھانے کا چمچ |
| کالی مرچ | آدھا چائے کا چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سویا سوس | ۳ کھانے کے چمچ |
| کارن فلور | ۲ کھانے کے چمچ |

ترکیب:۔

ایک برتن میں ۲۰۰ گرام گائے کے گوشت کے باریک ٹکڑے ۴ گلاس پانی کے ساتھ گلنے تک پکائیں۔ دوسرے برتن میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کرکے ۲ عدد لہسن کے جوے فرائی کریں اور اس میں ایک کپ مشروم، ایک عدد شملہ مرچ اور ایک عدد گاجر شامل کرکے فرائی کرلیں۔ اب اس میں گوشت اور یخنی چھان کر ڈال دیں۔ جب اُبال آجائے تو اس میں ایک کپ اُبلا ہوا لہسن، آدھا چائے کا چمچ کالی مرچ، نمک اور ۲ کھانے کے چمچے کارن فلور پانی میں گھول کر شامل کردیں۔ آخر میں ایک انڈہ پھینٹ کر ڈالیں اور چولہا بند کرکے ۳ کھانے کے چمچے سویا سوس شامل کرکے سرو کریں۔

سائرہ عباس......عاف والہ

## درباری گوشت

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| ران کے گوشت کی بوٹیاں | آدھا کلو |
| پیاز | ایک عدد (باریک کٹی ہوئی) |
| بڑی الائچی کے دانے | ایک چائے کا چمچہ |
| لہسن | ۵ جوے |
| پسی ہوئی ادرک | ایک کھانے کے چمچ |
| ٹماٹر کا پیسٹ | ۳ کھانے کے چمچ |
| ہری مرچیں | ۴ عدد (باریک کٹی ہوئی) |
| ہرا دھنیا | آدھی گھٹی (باریک کٹا ہوا) |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | ۴ کھانے کے چمچ |
| چار مغز، ہرا دھنیا | چھڑکنے کے لئے |

مصالحے کے اجزاء

| | |
|---|---|
| سفید سرکہ | ۲ کھانے کے چمچ |
| رائی دانہ | آدھا چائے کا چمچ |
| خشخاش | آدھا چائے کا چمچ |
| کشمیری مرچیں | ۵ عدد |
| دار چینی | ایک ٹکڑا |
| سفید تل | ایک کھانے کا چمچ |
| ثابت کالی مرچیں | آدھا کھانے کا چمچ |
| تیج پتے، لونگیں | ۳، ۳ عدد |

ترکیب:۔

توے پر علاوہ سرکہ مصالحے کے تمام اجزاء بھونیں، پھر بلینڈر میں سرکہ ڈال کر پیس لیں۔ اس مصالحے کو گوشت پر لگا کر ۵ گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ لہسن کو نمک کے ساتھ کوٹ لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کریں، پھر ادرک اور لہسن ملا کر گوشت سمیت باقی تمام اجزاء شامل کریں اسے بھون کر تھوڑا سا پانی ڈالیں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ تیل علیحدہ ہونے لگے تو ڈش میں نکالیں۔ مزیدار درباری گوشت ہرا دھنیا اور چار مغز چھڑک کر پیش کریں۔

تنزیلہ عثمان......رحیم یار خان

## ٹماٹر پلاؤ

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| سیلا چاول | ۶۰۰ گرام |
| انڈے | ۴ عدد |
| مکھن | ایک چوتھائی کپ |
| ہینگ | ایک دانہ |
| رائی | ۲ چائے کے چمچ |
| کری پتہ | ۱۰ سے ۱۲ عدد |
| ثابت لال مرچ | ۶ سے ۸ عدد |
| سفید زیرہ | ایک چائے کا چمچ |
| ٹماٹو پیوری | ۲ سے ۳ کھانے کے چمچ |
| چکن اسٹاک | ایک چوتھائی کپ |
| نمک | حسب ذوق |

| | |
|---|---|
| ٹماٹو کیوبز | ۲ کپ |
| ہری مرچیں | ۵ سے ۶ عدد |

ترکیب:۔
مکھن گرم کرکے اس میں ثابت لال مرچ، ہینگ، رائی اور زیرہ ڈال کر مکس کرلیں۔ ساتھ ہی کری پتہ بھی شامل کردیں۔ پھر اس میں ٹماٹو پیوری، نمک اور چکن اسٹاک ڈال دیں۔ اب اس میں چاول شامل کریں۔ اچھی طرح مکس ہوجائے تو اس میں باریک کٹے ٹماٹر اور ہری مرچیں ڈال کردم پر رکھیں۔ فرنچ فرائز اور ابلے انڈوں کے ساتھ سرو کریں۔

اقرا آفتاب......کراچی

### مچھلی کے چٹ پٹے رولز

اجزا:۔

| | |
|---|---|
| فش فلیٹس (بڑے) | 6 عدد |
| زیتون کا تیل | 3 کھانے کے چمچ |
| لیموں کا رس | 1 کھانے کا چمچ |
| مکھن | 2 کھانے کے چمچ |
| لہسن پیسٹ | 2 کھانے کے چمچ |
| سرکہ | 4 کھانے کے چمچ |
| ہلدی پاؤڈر | 1 کھانے کا چمچ |
| بٹن مشرومز (2 کپ) | چوپ کیے ہوئے |
| چھوٹی مچھلی (چوپ کی ہوئی) | 4 ٹکڑے |
| تھائم | 1 چائے کا چمچ |
| لال مرچ کٹی ہوئی | 1 چائے کا چمچ |
| چلی گارلک سوس | 1 چائے کا چمچ |
| چلی سوس | 1 چائے کا چمچ |
| سویا ساس | 1 چائے کا چمچ |
| پیپریکا | آدھا چائے کا چمچ |
| انڈے پھینٹے ہوئے | 2 عدد |
| بریڈ کرمز | 2 کپ |
| تیل | حسب ضرورت |
| نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر | حسب ضرورت |

مایوگارلک سوس کے لیے

| | |
|---|---|
| مایونیز | آدھا کپ |
| دہی | آدھا کپ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سفید مرچ پاؤڈر | حسب ذائقہ |
| لہسن پیسٹ | 1 کھانے کا چمچ |

ترکیب:۔
فش فلیٹس کو دھو کر خشک کرلیں۔ اب اس پر نمک، سرکہ، ہلدی پاؤڈر اور لہسن پیسٹ لگا کر چھلنی میں ڈال کر ۲۵-۳۰ منٹ تک رکھیں تاکہ پانی نتھر جائے اور بو ختم ہوجائے اب دوبارہ دھو کر فلیٹس کو خشک کرلیں۔ زیتون کا تیل اور لیموں کا رس آپس میں ملا کر فلیٹس پر چھڑک دیں۔ ایک گھنٹے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ سوس پین میں مکھن پگھلائیں، مشرومز ڈال کر فرائی کریں مشرومز نرم ہوجائیں تو چوپ کی ہوئی مچھلی، تھائم، نمک، کٹی لال مرچ، چلی گارلک سوس، چلی سوس، سویا سوس، پیپریکا اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کرکے فرائی کریں، تیار شدہ آمیزے کو مچھلی کے سلائس کے اوپر یکساں مقدار میں رکھیں۔ سلائس کو رول کرکے ٹوتھ پک سے بند کردیں۔ فش رول کو پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کرکے بریڈ کرمز میں اچھی طرح کوٹ کریں۔ کڑاہی میں تیل گرم کرکے اس میں رولز ڈال کر ڈیپ فرائی کریں۔ گولڈن براؤن ہوجائیں تو نکال لیں۔ کچن پیپر کی مدد سے زائد چکنائی جذب کرلیں۔ ایک پیالے میں مایونیز، دہی، نمک، لہسن پیسٹ، اور سفید مرچ پاؤڈر ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں، مایوگارلک سوس تیار ہے۔ فرائی کیے ہوئے رولز کو سویا سے گارنش کرکے مایوگارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

مسز طلعت نظامی......کراچی

# بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

## جلد کی صفائی قدرتی طریقوں سے

آرائش جمال خواتین کا بنیادی حق ہے اچھے کپڑے پہننا، اچھا زیور، اچھے میک اپ کی خواہش و تمنا خواتین میں فطری ہوتی ہے۔ خواتین اپنی خوب صورتی بڑھانے اور آرائش جمال کے لیے خوب جتن کرتی ہیں۔ ہم آپ کو حسن کی حفاظت کے کچھ ایسے طریقے بتاتے ہیں جو قلو پطرہ کے زمانے سے موجود ہیں اور جنہیں اس دور کی عورتوں نے بطور آرائش حسن استعمال بھی کیا ہے اور تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ یہ طریقے نہ صرف مستند ہیں بلکہ آپ کی جلد کے لیے بے حد مفید بھی ہیں۔

### جلد کی صفائی

جلد کی عموماً تین اقسام ہوتی ہیں چکنی و حساس جلد، خشک جلد اور نارمل جلد۔ آپ کی جلد کسی بھی قسم کی ہو سب سے پہلے جلد کی صفائی کا مرحلہ آتا ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جلد کی صفائی کے بغیر آپ کی جلد صحت مند نہیں رہ سکتی۔ جلد کی صفائی یا کلینزنگ کرنے سے جلد دانوں، کیل مہاسوں، جھائیوں اور جھریوں سے محفوظ رہتی ہے۔ جلد کی حفاظت اور صفائی کا بہترین طریقہ بھاپ لینا ہے۔

بھاپ لینے سے مسام اندر تک صاف ہوجاتے ہیں، دوران خون تیز ہوتا ہے، پسینہ نکلتا ہے جو فاسد مادوں اور دانوں سے نجات دلاتا ہے۔ بھاپ لینے کا صدیوں پرانا آزمودہ نسخہ حاضر ہے جو ہزاروں سال سے خواتین کے حسن کو نئی تروتازگی بخش رہا ہے، اس مقصد کے لیے آپ کو چند اثر انگیز جڑی بوٹیوں سے بھاپ لینا ہوگی۔

بھاپ لینے کے لیے بابونہ اور نرگس کے پھول لیں، ان دونوں جڑی بوٹیوں کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈالیں اور سر کے اوپر تولیہ لپیٹ لیں پھر دس منٹ تک جڑی بوٹیوں والے پانی کی بھاپ چہرے کو لگائیں ان جڑی بوٹیوں کے علاوہ سونف، نیم کے پتے اور کھٹے کے پھول کی بھاپ لینے سے چہرے کی گندگی صاف کرنے کے لیے اور جلد کو دلکش بنانے کے لیے تینوں جڑی بوٹیوں کو پانی میں کھولا کر بھاپ لیں۔ جھریوں سے نجات کے لیے اور کسی بھی قسم کی جلدی الرجی سے بچاؤ کے لیے پودینہ اور گندنا (کرات عربی) کو کھولتے پانی میں ڈال لیں، فوری فائدہ ہوگا، بھاپ لینے سے جلد صاف ہوجاتی ہے۔

### قدرتی اجزا سے کریم تیار کریں

ہزاروں سال پہلے کے حکیم اور اطبا ایسی نادر و نایاب کریموں کے نسخے جانتے تھے جو شاید آج کل ناپید ہیں۔ سالہا سال سے چلے آئے ایسے ہی چند نسخوں سے کریم بنایئے اور پھر دیکھیے یہ آپ کی جلد پر کیسا جادو جگاتی ہے۔ یہ کریمیں سادہ اور کم قیمت ہونے کے ساتھ ساتھ اثر انگیزی میں جدید کریموں سے ہزار گنا بہتر ہیں۔

### موم اور عرقِ گلاب کی کلینزنگ

اجزاء:

| | |
|---|---|
| سفید موم | آدھا اونس |
| لینولین کا تیل | ایک اونس |
| بادام کا تیل | تین اونس |
| عرق گلاب | ایک اونس |

بنانے کا طریقہ:۔
سفید موم کو لینولین میں پگھلائیں پھر آہستہ آہستہ بادام کا تیل شامل کرتی جائیں اور مستقل اسے ہلاتی رہیں۔ جب تمام اجزا اچھی طرح حل ہوجائیں تو عرق گلاب ملالیں اور ٹھنڈا ہونے پر ایسی بوتل میں ڈالیں جس سے روشنی نہ گزر سکے، دن میں دو دفعہ اسے استعمال کریں نہایت اثر انگیز ثابت ہوگی۔

### شہد اور سوسن کی کریم

اجزا:۔

| | |
|---|---|
| پانی | ایک کپ |
| شہد | ایک چمچہ |
| عرق گلاب | آدھا چمچہ |
| تیل | ایک اونس |
| سوسن کی جڑ کا سفوف | دو چمچے |

بنانے کا طریقہ:۔

سوسن کی جڑ کا سفوف ایک کپ پانی میں ملالیں اب ڈھک کر آدھا گھنٹہ گرم کریں' جب پانی اُبل جائے تو اسے چھان کر اس میں شہد' لینولین تیل اور عرق گلاب ملالیں' اب بوتل میں ڈال کر فریج میں رکھ لیں اور جلد کی خوب صورتی کے لیے استعمال کریں۔

گل داؤدی کی کریم

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| بالائی والا دودھ | ایک پاؤ |
| شہد | دو چمچے |
| گل داؤدی یا اس کی کلیاں | پانچ عدد |

بنانے کا طریقہ:۔

دودھ ہلکا سا گرم کرکے اس میں گل داؤدی کو بھگودیں پھر آدھے گھنٹے تک اس آمیزے کو پکائیں' آگ سے ہٹا کر تین گھنٹے تک رکھا رہنے دیں پھر اس آمیزے کو دوبارہ گرم کرکے چھان لیں اب اس میں شہد شامل کریں اور فریج میں رکھ دیں' چہرے کے حسن کے لیے گل داؤدی کریم تیار ہے۔

ناشپاتی کی کریم

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| انڈے | دو عدد |
| گلیسرین | ایک چمچہ |
| لیموں کا عرق | آدھا چمچہ |
| ناشپاتی کا عرق | اتنا کہ آمیزہ گاڑھا ہوجائے |
| سمندری نمک | ایک چٹکی |
| انڈے کی زردی | تین عدد |
| پانی | دو چمچے |

بنانے کا طریقہ:۔

گلیسرین اور لیموں کے عرق کو اچھی طرح ملالیں' اب ناشپاتی کا رس بھی ڈالیں حتیٰ کہ آمیزہ گاڑھا ہوجائے۔ اب اس آمیزے میں سمندری نمک بھی ڈال دیں' مستقل پھینٹتی رہیں جب یہ کریم کی شکل اختیار کرلے تو انڈے کی زردی اور پانی بھی اس میں شامل کرلیں اب اس آمیزے کو اچھی طرح بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کرلیں یا اگر بیٹر سے پھینٹنا چاہیں تو اچھی طرح پھینٹ لیں تاکہ تمام آمیزہ کریم کی طرح یک جان ہوجائے اس کریم کو فریج میں رکھیں جب لگانا ہو تو چہرے کو دھو کر اس کریم میں تھوڑی سی انڈے کی پھینٹی ہوئی سفیدی ملا کر بیس منٹ تک چہرے پر لگائیں بعد ازاں نیم گرم پانی سے دھولیں پھر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ماریں آپ کی جلد جوان' شگفتہ اور تروتازہ ہوجائے گی۔

## موئسچرائزنگ کریم

موئسچرائزر اور کولڈ کریم کی بہت ساری اقسام ہیں' یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریموور ثابت ہوسکتی ہیں۔ ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ مطلوبہ حصے کی جلد کو کنڈیشن میں بھی لے آتی ہیں۔

ہدایات:۔ آئی میک اپ ایریا پر انگلیوں کی مدد سے اسے لگائیں بعد میں ٹشو سے صاف کرلیں۔

تولیہ:۔ بازار میں ایسے تولیے دستیاب ہیں جن کو آئی میک اپ ریموور ٹاول کہا جاتا ہے اور جن کو استعمال کرنے کے بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ بہت کارآمد ہیں اور ان سے فٹافٹ کام ہوجاتا ہے کیوں کہ ان کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ہدایات:۔ یہ تولیے پہلے سے موئسچرائزڈ ہوتے ہیں بس ان کے ذریعے میک اپ کو پونچھ لیں اور کام ہوگیا۔

ام عائشہ.....ملتان



# نیرنگ خیال

ایمن وقار

نیا سال

زندگی کا ایک سال بیت گیا
اور تم خوشیاں مناتے ہو
ارے نادانوں......
احتساب کرو اس سال کا......
جو بیت گیا
نیکیاں تلاش کرو گزرے سال کی
بدی سے توبہ کرو آنے والے سال کے لیے
یاد کرو اس رب کو
جس نے پھر ایک بار
نیا سال عطا کیا
ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف کیا
پھر ایک موقع دیا
اب اس سنہری وقت کے پنچھی کو
تھام لو اپنی مٹھی میں
اور کر ڈالو ڈھیر ساری نیکیاں
پھر گزرے سال کی خوشیاں
اس عزم سے مناؤ
کہ اب کی بار نیکی کے پلڑے کو بھاری رکھو گے
تو سمجھ لو کہ تمہاری دین و دنیا سنور گئی

مسز نگہت غفار......کراچی

غزل

نئے آنگن کے پھول پیارے تمہیں مبارک
تمہاری آنکھوں کے خواب سارے تمہیں مبارک
ہمارے ہاں تو موسم خزاں ہے کب سے
بہار رُت کے سبھی نظارے تمہیں مبارک
گہری رات کے سائے لے کر کیا کرو گے؟
پریم نگر کے دھوپ کنارے تمہیں مبارک
سبھی تلخیاں کڑواہٹیں ہمارے سر ہیں
اچھے اچھے کلام تمہارے تمہیں مبارک
دل مضطرب چوکھٹِ عشق سے جا رہا ہے
اس مزار کے سبھی چڑھاوے تمہیں مبارک
بھلا اب کیوں وقتوں کو ناپیں تولیں؟
گئے یوں کہ ملال سارے تمہیں مبارک
ہے کون جو سمجھے گا تمہاری باتیں چندا
اس فن کے سخن تاب ستارے تمہیں مبارک

چندا چوہدری......حویلیاں

دسمبر

دسمبر اب کے آیا تو......
میرے سینے میں دفن
یادوں کا انبار اُمڈ آیا
ٹھٹھرتی سرد راتوں میں
سلگتی تنہائی کے ہمراہ
تمام رات
میں اپنے کمرے میں
یادوں کی طلاطم خیز موجوں سے
لڑتے لڑتے ہار جاتی ہوں
ہر اک پل
شدتِ تنہائی سے یوں سلگتا ہے
کہ......
اگر کچھ اور وقت یہ کیفیت رہی
تو جانے کیا غضب ہوجاتاں
تمام سال تیری یادوں کو دفن کرتے
جتن کرتے گزر گیا
مگر اب کے دسمبر آیا تو
بندھن ضبط توڑ کے
تیری یادوں کا سونامی
یوں بپا ہوا کہ
میری انا......
خودداری سب ہار گئی

تیری یاد کے آگے......
تیری یاد کا موسم اور دسمبر مقدر ٹھہرا۔

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

## غزل

آسماں تسخیر کر کے دیکھنا ہے
آپ کو تقدیر کر کے دیکھنا ہے
چاند تارے سب ہمارے ہی ہیں لیکن
ان کو اب زنجیر کر کے دیکھنا ہے
رائیگاں ہوں کیوں مرے جذبات آخر
عشق پُر تاثیر کر کے دیکھنا ہے
مجھ کو اب اپنی خیالوں کی چمک سے
چارہ گر تصویر کر کے دیکھنا ہے
سحر کرنا ہے نگہہ سے اس طرح اب
زہر کو اکسیر کر کے دیکھنا ہے
جس قدر بھی خواب دیکھے میں نے خانم
سب کو اب تعبیر کر کے دیکھنا ہے

فریدہ خانم...... لاہور

## سال نو

اے خدا
دکھ کی زنجیریں کاٹ دے
ہو طلوع خوشیوں کا سورج
آتشیں غم کے لمحوں کو
جو ڈھانپ دے
یوں مسکراتا ہوا پورا سال ملے
نہ کوئی چہرہ اداس ہو
نہ کسی کو رنج وملال ملے
خدا کرے مسکراتا ہوا
ہر کسی کو نیا سال ملے آمین

فصیحہ آصف خان...... ملتان

## غزل

شہر محبت میں وفا کا دام مت پوچھو
ہر شخص ہرجائی ہے کسی کا نام مت پوچھو
ڈھل گئی جیسے بھی ڈھلی حمیرا
اس کے شہر میں گزری وہ آخری شام مت پوچھو
وہ بدل گیا ایسے کہ مجھے جانتا نہیں
کیا ہوا محبت کا میری انجام مت پوچھو
جفا کر کے بھی شہر محبت میں وہ ٹھہرا معتبر
سر کس کے آیا بے وفائی کا الزام مت پوچھو

حمیرا قریشی...... لاہور

## انجام

وصل کی قبر پر
چاہتوں کے مرقد پر
آنسوؤں تلے گیلی مٹی پر
بس اک لفظ محبت دفن کیا ہے
دفن کر کے......
کبھی نہ اس لحد پہ آنے کی قسم کھائی ہے
یوں اپنی ذات کی......
کی میں نے پذیرائی ہے......

حرا قریشی...... ملتان

## غزل

موسم گل کا سفر، آپ کی سندر آنکھیں
بس یہی مانگتی ہیں میری گداگر آنکھیں
میری حسرت کے سفینے کو ڈبویا تھا کبھی
بھول پائیں گی بھلا کیسے سمندر آنکھیں
خون کی ہولی، کہیں بم کے دھماکے یارو
دیکھتی رہتی ہیں چپ چاپ یہ منظر آنکھیں
رقص کرتی ہے مرے گھر میں وہی تاریکی
یاد آتی ہیں مجھے تیری منور آنکھیں
ڈال دیتی ہیں مری جھولی میں اشکوں کے گلاب
جانے ہر بار کیوں یہ تیری سکندر آنکھیں
بس یہی مجھ میں بڑی خامی نظر آتی ہے
فیصلہ کرتی نہیں سوچ سمجھ کر آنکھیں
پیار کی دے گیا سوغات مجھے وہ رانا
ڈھونڈتی پھرتی ہیں جس شخص کو در در آنکھیں



قدسیرانا...... راولپنڈی

## نظم

تیری کوشش پیہم فضول ہے
نہ پگھلا سکیں گے اب
تیرے دلکش لفظوں کے پیرائے
تیری نظروں کی تپش
تیرے لہجے کی کھنک
اس محبت کو
جو کبھی تمہارے لیے میرے دل میں تھی
کیونکہ وہ گزشتہ ملاقات پر
تیرا سرد رویہ
میری رگ وپے میں
منجمد ہو کر رہ گیا ہے

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

## غزل

چاند تاروں سے بات کرنی ہے
غمگساروں سے بات کرنی ہے
ہم نے صحرا میں گھر بنانا ہے
ریگزاروں سے بات کرنی ہے
درد مندوں کے حال سننے ہیں
بے سہاروں سے بات کرنی ہے
اب دسمبر کے سرد موسم میں
کہساروں سے بات کرنی ہے
اس کو راشد پسند کرتا ہوں
اپنے یاروں سے بات کرنی ہے

راشد ترین...... مظفر گڑھ

## نظم

طویل شب کے اداس لمحے
خنک ہوا کے سبک رو جھونکے
یاسیت زدہ پرنم فضائیں
بارہا یہی پیام دیتی ہیں
دسمبر لوٹ آیا ہے......
برف کی آغوش میں دبکی
بوڑھے برگد کی نحیف ٹہنیاں
دھند کی نرم شال اوڑھے
دلکش حسین وادیاں
یہی ہر بات کہتی ہیں
دسمبر لوٹ آیا ہے......
تو ایسے میں اے جان جاں
میری دہلیز تک آتی
ویران راہیں......
میری تشنہ نگاہیں
دل مضطرب کی آہیں
تجھے آواز دیتی ہیں
تجھے ہر پل یہ کہتی ہیں
کہ تم بھی لوٹ آؤ ناں
میری آنکھوں میں روشن
تیری دید کا منتظر
آخری دیپ......
بجھنے سے قبل
لوٹ آؤ ناں
چلو اب لوٹ آؤ ناں
دسمبر لوٹ آیا ہے

نگہت اسلم چوہدری...... سونا ویلی آزاد کشمیر

## میری نظم

آج لفظ ٹوٹتے ہیں
کہ دل اب
وحشت ناک سکوں سے آشنا ہے
بے ربط خیال
بے ثبات حروف
بے خودی بھی منجمد
چشم دل عکس یار کے بنا
اندھا سا لگتا ہے
دسمبر کی یہ بے رحم خنکی

برستے ابر بدلتے منظر
ہمیں کچھ محسوس نہیں ہوتا
کہ دل کی سل پر رکھا
وہ بھاری پتھر سر کا سا ہے
کہ جذبوں کے گلیشیئر ان سرد موسموں میں بھی
پھر سنگ رہے ہیں، پگھل رہے ہیں
حیراں ہیں کہ اب تو
راکھ دل خاک بن کر بھی نہیں اڑتی
کہ اب خیال یار نہیں
بلکہ قفس حیرانی میں مقید ہیں
کیا کہیں کہ آج
لفظ ساتھ نہیں دیتے
کہ اب قلم اس اجنبی نام کو لکھنے کو مچلتا ہے
جسے جاننا ہم نے ضروری نہیں سمجھا تھا
کہ آج حوصلے ٹوٹتے ہیں
سارے لفظ یہ لکھتے ہوئے پشیمان ہیں
ہمیں تم سے محبت نہیں
ہمیں تم سے عشق ہے

عروشہ مبشر چیمہ...... گوجرانوالہ

غزل

کس کے سینے میں وہ دل ہے کہ جو تاراج نہیں
کون وہ شخص ہے جو واقف غم آج نہیں
باتیں آنکھوں سے بھی کہہ دیتی ہیں راز اکثر
دوستی گرمئ گفتار کی محتاج نہیں
رنگ لے آئے گی اک روز یہ کاوش اپنی
گو کہ دنیا میں اخوت کا چلن آج نہیں
یہ آس پاس ہیں جو لوگ ایک جیسے ہیں
ہیں مہرباں تو مگر کوئی ہم مزاج نہیں
کرے گا کون مگر دور وحشتیں دل کی
یہ کہہ رہے ہیں سبھی مرض لا علاج نہیں
ڈگریاں علم کی صدیوں سے ہیں محتاج مگر
علم دنیا میں کسی ڈگری کا محتاج نہیں
ہمیں بھی اپنے بزرگوں کی راہ پر چلنا ہے
ہمارے سر میں بھی سودائے تخت و تاج نہیں
میری پہچان ہے نیر مرا اسلوب سخن
میری شہرت مری تصویر کی محتاج نہیں

نیر رضوی...... لیاقت آباد کراچی

سردیاں لوٹ آئی ہیں

شاید تمہیں معلوم ہو کہ
سردیاں لوٹ آئی ہیں
ہماری محبت کی شاہد
سردیاں لوٹ آئی ہیں
وہی منجمد دھند
وہی چائے اور بارش
مگر جانے کیوں اب مجھے
تمہارے بن
کچھ بھی اچھا نہیں لگتا
سنو تم لوٹ آؤ نا
کہ تمہیں یہ بارش بلاتی ہے
تمہاری بانسری بھی مجھے
بہت یاد آتی ہے
سنو...... تم لوٹ آؤ نا کہ
سردیاں لوٹ آئی ہیں

مخدوم بشریٰ عابد...... سرگودھا

غزل

یاد آ رہی ہیں آج گزرے وقت کی مستیاں
پھر روٹھ گئیں ہم سے کچھ عزیز ہستیاں
جب سے بچھڑے ہیں دل پر گویا ماہ محرم سا ٹھہر گیا ہے
پے در پے چل رہی ہیں تیری یادوں کی برچھیاں
اب اک احسان کرو یہ اپنے ساتھ ہی لیتے جاؤ
سمیٹ کر کہاں رکھوں گی میں اس دل کی کرچیاں
تعلق تو اب بھی نہیں ٹوٹا تو نے لاکھ چاہا لیکن
کچھ انائیں حائل ہیں تیرے میرے درمیان
ہوائیں اڑا کے یادیں تیری، تجھے بدنام نہ کر دیں کنول



لو بند کر دی ہیں ہم نے اپنے دل کی کھڑکیاں

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

غزل

ہم محبت میں کیا نہیں کرتے
وہ تو پھر بھی وفا نہیں کرتے
اب تو رغبت ہوئی اندھیروں سے
دل میں روشن دیا نہیں کرتے
جس قدر بھی رکاوٹیں آئیں
اپنی رہ سے ہٹا نہیں کرتے
آس رکھتے ہیں کیوں بھلائی کی
جو کسی کا بھلا نہیں کرتے
ہم کہ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر
اپنے قد کو بڑا نہیں کرتے
باب الفت کا پڑھ لیا جب سے
ہم کسی کو خفا نہیں کرتے
صاف گوئی ہے جن کی فطرت میں
وہ کسی سے دغا نہیں کرتے
یاد ان کو حقوق ہیں اپنے
جو فرائض ادا نہیں کرتے
جو تکبر سے بات کرتے ہوں
ان کے آگے جھکا نہیں کرتے
ہے یہ لازم جواب دو اس کا
ظلم خود پر سہا نہیں کرتے
کیوں فرشتہ سمجھ لیا ان کو
کیا وہ انسان خطا نہیں کرتے
جس کو مانگا تھا مل گیا شاکر
اور کوئی دعا نہیں کرتے

شاکر نظامی...... سرگودھا

غزل

تیرے ہجر کا درد بڑھتا جا رہا ہے
امید وصال کا سورج ڈھلتا جا رہا ہے
یہ اپنا دل بھی عجیب ہے تیرے لیے
مانند طفل ضد پر اڑا روتا بلکتا جا رہا ہے
سڑی دھوپ میں جسے سائبان نہیں ملتا
اس کا یہاں آنچل بھی سرکتا جا رہا ہے
تنہا ہم ہی تو نہیں جہاں میں گھائل
کیوں ہر شخص ہم پر ہنستا جا رہا ہے
نجانے کیوں زمانے میں حبس ہے
آنکھوں سے تو مینہ برستا جا رہا ہے
کسی کو سمندر عنایت کیا بجھانے کو پیاس
اور کوئی بوند بوند کو ترستا جا رہا ہے

ریمل آرزو...... اوکاڑہ

دسمبر

سنو دسمبر......!
مجھ سے آنکھیں
تو ملاؤ
تم وہی ہو نا؟
جس نے مجھے
اداس کر دیا

عائشہ نور عاشا...... شادیوال، گجرات

غزل

اقرار نہیں تو عہد وفا کیسے کہوں
تجھے نہیں تو مخلص آشنا کیسے کہوں
شب و روز اٹھائے ہاتھ تیرا ملنا میرے ساتھ
سو صبر و انتظار کے دعا کیسے کہوں
در بند میں دریچہ سے شب کو جھانکا جب تو
سامنے مہتاب کھڑا تو تارا کیسے کہوں
ربط الفت میں میرا دل تیرے دل سے ملا
دلبر تو نہیں تو دلدارا کیسے کہوں
جس رنگ کا تو پھول ہے منظور نظر قبول ہے
کیا اور خوشی انمول تحفہ کیسے کہوں
حساس درد نہیں تو پھر تو ہی بتا مہتاب
درد وفا کردار ادا کیسے کہوں

عبدالوحید مہتاب...... میانوالی

آؤ دعا کریں

نئے دور کا آغاز کریں ہم
لفظوں سے نہ بات کریں ہم
بس انکھیوں کی بولی بولیں
لب نہ کھولیں لفظ نہ بولیں
عشق کی ساری روایتوں کو
محبت کی ساری حکایتوں کو
پلٹ کر رکھ دیں' مٹا کے رکھ دیں
عجب ہے کیا جو ہم اور تم
خدا کی مرضی بدل کے رکھ دیں
کسی نے کیا یہ سنا نہیں
دعا سے تقدیر تسخیر ہوئی ہے

سویرا فلک...... کراچی

خاموشی بات کرتی ہے

میں اپنے گھر کے آنگن میں
یوں اپنی دنیا بساتی ہوں
ہواؤں کو فضاؤں کو
یہاں محسوس کرتی ہوں
میں تنہا ہوں تو غم کیسا
بہت سے ہیں یہاں تنہا
گگن پر چاند تنہا ہے
اسے بس دیکھ لیتی ہوں
بڑی خاموش نظروں سے
بنا ہونٹوں کو کھولے ہی
اسے آواز دیتی ہوں
صدا وہ میری سنتا ہے
میں بیتے دن کی کُل روداد اس کو سناتی ہوں
مجھے لفظوں کو چننا بھی نہیں پڑتا
نہ جملوں کو کوئی ترتیب دیتی ہوں
میری خاموشی ہر روز اس سے بات کرتی ہے
گھڑی بھر کو اگر دن میں
کہیں میں بیٹھ جاتی ہوں
پرندوں کی چہکی اور گنگناہٹ کو
میں آنکھیں بند کر کے محسوس کرتی ہوں
ہوائیں مجھ کو چھو چھو کر گزرتی ہیں
اور ایسے سرسراتی ہیں
کبھی جیسے تیری آواز کانوں میں سماتی تھی
مجھے خوابوں سے اکثر جگاتی تھی
ہوائیں چاند خوشبو اور بادل
یہ سب کے سب ہی تنہا ہیں
اگرچہ ان کی تنہائی دکھائی تو نہیں دیتی
مگر محسوس ہوتی ہے تو اے میرے محبوب
میری تنہائی کو تم بھی کبھی نہ دیکھ پاؤ گے
کہا ہے شاعر نے کیا خوب
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
تو پھر میں کیسے تنہا ہوں؟ تم افسردہ نہ ہونا
ہوائیں' چاند' سورج اور ستارے
یہ سب ہی دوست ہیں میرے
یہ سب ہی ساتھ ہیں میرے
یہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں' میں ان سے باتیں کرتی ہوں
ازل سے ہی یہ تنہا ہیں
مگر یہ پھر بھی زندہ ہیں
ان ہی میں مجھ کو ڈھونڈو تم
جو نہی محسوس کر لو گے تو بس مجھ کو پا لو گے
میری یہ آس زندہ ہے
کبھی تو لوٹ آؤ گے
کبھی وہ صبح بھی ہوگی' کبھی وہ شام بھی ہوگی
کہ جب تم لوٹ آؤ گے' کبھی تو لوٹ آؤ گے
وصل کے ایسے لمحے بھی
کبھی تو لوٹ آئیں گے
کہ جب آنکھیں ہی سنیں گی
اور آنکھیں ہی زباں ہوں گی

عبدالخالق...... کراچی



# دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آہ...... فرحانہ ناز

میں اکثر رات کو فارغ ہو کر دن بھر آنے والے میسج چیک کرتی ہوں لیکن اس رات میں نے محترم طاہر صاحب کے میسج کو کوئی تین بار پڑھا' نہیں یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے' کچھ دیر تو میں شاکڈ سی بیٹھی رہی۔ میں فرحانہ کو ذاتی طور پر نہیں جانتی' کچھ عرصہ ہوا جب میں نے اس کی تحریروں کو پڑھنا شروع کیا۔ اس نے کب لکھنا شروع مجھے علم نہیں لیکن جب میں نے اس کی ایک تحریر پڑھی تو مجھے لگا یہ لڑکی بہت آگے جائے گی' اس کی تحریر میں روانی تھی اور پختگی بھی۔ مجھے اس کی عمر کا علم نہیں تھا لیکن میرا وجدان کہتا تھا وہ بہت نوجوان ہوگی یہ عمر بھی بھلا جانے کی ہوتی ہے۔

یار موسم گل کی آمد تھی
یار ابھی تو پھول کھلے تھے شاخوں پر

میں نے کرن میں چھپنے والے اس کے ناول کی چند اقساط پڑھی تھیں' ناول کا آغاز اور اٹھان بہت اچھی تھی میں نے سوچا تھا کہ ایک روز کرن کی طرف خط لکھوں گی اور فرحانہ کو مبارک باد دوں گی لیکن مجھے کیا علم تھا کہ وہ خط کبھی نہیں لکھ سکوں گی اور فرحانہ کبھی نہ جان پائے گی کہ مجھے اس کی تحریر پسند آئی تھی۔ اسے تو ابھی بہت کچھ لکھنا تھا' بہت آگے جانا تھا لیکن...... موت...... یہ لفظ کتنا ظالم ہے' لمحوں میں گھروں کے چراغ بجھا دیتا ہے۔ اتنا بڑا حادثہ سوچتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' کیسے اس کے ابو نے اس کی بہن اور بھائی نے ایک ساتھ چاروں کو رخصت کیا ہوگا۔ اس کے بچوں کا سوچتی ہوں تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں' کیسے برداشت کیا ہوگا انہوں نے یہ اتنا بڑا غم......

ہو سکے تو پوچھے کوئی روٹھ کے جانے والوں سے
روشنیوں کو میرے گھر کا راستہ کون دکھائے گا

اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرے اور پسماندگی کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

نگہت سیما......

چھوٹے آفتاب لودھی کے نام بہت پیار کے ساتھ

سرد تنہا راتوں میں پہروں چاند کو تکتی ہوں کیونکہ جو تنہا اور اداس چاند میرے آنگن میں چمکتا ہے' وہ اس گلی کے آسمان پر بھی چمکتا ہے جہاں تم ارسلان اور ممار رہتے ہیں' وہ اس قبر پر بھی اپنی روشنی بکھیرتا ہے جہاں ہم سب کا پیارا ابدی نیند سو رہا ہے۔ چاند دعا اور خوابوں کا یہ رابطہ میرے لیے تب ایک چھوٹی سی تسلی بن جاتا ہے جب تم سب کی یاد کتی ہی نہیں ہے جب آنسو رکتے ہی نہیں ہیں اور جب دل تم لوگوں کو دیکھے بنا بہلتا ہی نہیں ہے۔ ایان شہزادے 5 دسمبر کو تمہاری سالگرہ تھی' میری اور ہم سب کی طرف سے بہت سارا پیار اور دعائیں۔ نورا آباد میں گزری تمہاری ساری سالگراہیں ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے گزر رہی ہیں' بابا کے بنوائے ہوئے A والے کیکوں کی مٹھاس آج بھی میں محسوس کر سکتی ہوں۔ اپنا' مما کا اور بھائی کا خیال رکھنا اور کبھی کبھی یاد کر لیا کرنا کہ بابا کے چلے جانے کے بعد اتنا ساحق تو ہے (ہنی پھو زندگی کے ہر لمحے میں تم لوگوں کو یاد کرتی ہے)۔ ایان پتا ہے لوگ کہتے ہیں خون کے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے محبتیں دور جانے سے کم نہیں ہوتی لیکن جانو کبھی کبھی انتظار اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ آس اور سانس کی ڈور ضرور ٹوٹ جاتی ہے۔ دو سال پہلے تک دسمبر استعارہ تھا چاہتوں کا مسکراہٹوں اور محبتوں کا مگر اب دسمبر استعارہ ہے دوریوں کا مجبوریوں کا...... آخر میں ان تمام لوگوں سے التماس ہے' جن سے میرا لفظوں کا چاہتوں' دوستی کا' درد اور خوشی کا' دل اور ہاتھوں کا' دعا اور خیال کا' خون اور نسبت کا' غصے اور بے رخی کا رشتہ ہے وہ میرے مرحوم بھائی جان آفتاب لودھی کے لیے مغفرت کی دعا کر دیں اور میرے شہزادوں کے لیے زندگی' صحت سلامتی نیکی اور کامیابی کی دعا کریں۔ اللہ پاک آپ کو اجر دے گا اور میں نہایت مشکور رہوں گی' اللہ حافظ۔

ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

گزرے سال کے نام

اے گزرے سال! تیری آمد پر ہم نے تجھے کس جوش اور ولولے سے تیرا استقبال کیا تھا' تیری آمد کی خوشی میں ڈھیر ساری فائرنگ' پٹاخے اور آتش بازی سے تجھے خوش آمدید کہا تھا۔ تیری آمد پر ہم نے بہت سارے عہد و پیمان بھی کیے' بہت سارے منصوبے بنائے یہ کریں گے وہ کریں گے...... لیکن بحیثیت قوم یہ ہمارا المیہ ہے کہ ہم سوچنے میں اتنی انرجی ضائع کر دیتے ہیں کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو ہم تھک کر بیٹھ جاتے ہیں جب ہم اپنی امیدوں کو پورا نہیں کر پاتے تو اگلے سال سے اپنی امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ اب بھی وقت نہیں گزرا اگر ہم سوچیں 25 فیصد اور عمل کریں 75 فیصد تو کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم بھی

آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں‘ صحرا میں گلاب کھلا سکتے ہیں اور اگر ہم اس سال اپنی اس سوچ پر عمل کرنے پر کاربند ہوجائیں تو یقین مانئے یہ سال بہت اچھا ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

فرحانہ ناز ملک کے نام

کچھ درد اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ ان کے آگے الفاظ بے معنی لگتے ہیں ابھی تو شازیہ چوہدری کے جانے کا درد بھی نہیں بھول پائے تھے کہ اک اور درد اپنا وار کر گیا۔ یہ شہرِ خموشاں میں بسنے والی ہستیاں مدفون نہیں ہیں ہمیشہ قارئین کے دلوں میں زندہ ہیں۔ دعا ہے اس پاک ربّ العزت سے کہ وہ انہیں اپنے پیارے بندوں میں شامل کرے اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اتنا جانتی ہوں کہ جب ان کا نام (مرحومہ کی لسٹ میں دیکھا) تو ایک گہرا صدمہ دل و دماغ کو جامد کر گیا۔ کیا زندگی اتنی ہی بے مایاں ہے یا شاید موت اتنی ارزا ہے۔ جانے کیا بات ہے مگر اب میرے الفاظ میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں‘ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور انہیں آسانیاں عطا فرمائے آمین۔ لاسٹ میں ڈیئر سمیرا بجو آپ کی سالگرہ 26 دسمبر کو ہوتی ہے منی منی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو جیو ہزاروں سال اور 14 دسمبر کو میری خود کی سالگرہ ہے مگر میں خود کو وش نہیں کروں گی‘ یہ صرف اپنی دوستوں کو یاد دلانے کے لیے۔

موناشاہ قریشی...... کبیر والہ

پُرخلوص سسٹر کے نام

سسٹر چونکنے کی ضرورت نہیں یہ میں ہی ہوں آپ کی چھوٹی...... پیاری سسٹر 25 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے اور میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو اور اللہ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی میں خوشیاں نصیب فرمائے آمین‘ میری پیاری اور کیوٹ سی ایک دوست بھی ہے اس کی بھی 25 دسمبر کو برتھ ڈے ہے تو اسے بھی ڈھیر ساری مبارک باد۔ مانو میں تمہارا ذکر کر رہی ہوں میری دوست اللہ تمہیں بھی خوشیاں نصیب کرے اور سسٹر حلیمہ آپ کو بھی دوبارہ مبارک باد۔ تمام آنچل پریوں کے لیے میری طرف سے ڈھیر سارا پیار‘ شاہ گروپ کی تتلیاں پھولوں پر سے کیوں غائب ہیں‘ باقی نازیہ آپی‘ نمرہ آپی اور سمیرا آپی کو میری طرف سے ڈھیر سارا پیار‘ مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا‘ اللہ حافظ۔

شاہ عرب سنی...... صوابی

آنچل فرینڈ اور انا احب کے نام

السلام علیکم! اتنا عرصہ غیر حاضر رہی کسی نے بھی یاد نہ کیا کہ دعا ہاشمی کہاں غائب ہو؟ خیر...... مئی 2013ء میں مما کی طبیعت اچانک ہی زیادہ خراب رہنے لگی تھی‘ بیمار تو وہ پہلے بھی تھیں۔ وہ تھائیرائیڈ کی مریضہ تھیں اور معدہ ٹھیک نہیں تھا پھر نومبر 2013ء کو میری چھوٹی خالہ کا انتقال ہوگیا اور 17 فروری 2014ء کو میرے نانا ابو کی ڈیتھ ہوگئی‘ 28 فروری 2014ء کو پتا چلا کہ مما کے پیٹ میں تین رسولیاں ہیں جو اب کینسر بن چکی ہیں اور 3 مارچ 2014ء کو ہم اسپتال تھے سو میں نے جاب چھوڑ دی‘ پھیپھڑے بالکل ناکارہ ہوچکے تھے۔ کوئی اس وقت دعا ہاشمی کو اسپتال کے ٹھنڈے کاریڈور میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتے اور احاطے میں سنگی بنچ پر بیٹھ کر قسمت کی ستم ظریفی پر حیران ہوتے دیکھتا اور پھر مما 28 جولائی 2014ء رمضان المبارک کے مہینے میں ہمیں چھوڑ گئیں۔ ارسل‘ اسود کی معصوم آنکھوں کی حیرانی‘ ان کی شرارت چھن گئی‘ رجا‘ لبنیٰ کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ اسامہ ایک روبوٹ مشین کی مانند اکیڈمی اور جاب تک محدود ہوکر رہ گیا۔ دعا ہاشمی کو زندگی جینے کی امنگ ختم ہوگئی‘ مجھے مما کے بغیر ایک قدم چلنا بھی نہیں آتا۔ آپ سب سے ایک گزارش ہے کہ اول و آخر درود پاک‘ تین مرتبہ سورۃ اخلاق پڑھ کر مما جی‘ نانا ابو اور صائمہ خالہ کی مغفرت کی دعا کریں‘ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ انا احب یار کدھر غائب ہو؟ آنچل میں انٹری دو اور مطرب کیسی ہے‘ اپنے میاؤں جی (شاہ زار لالہ) کو بھی سلام کہنا‘ دو اور ہاں دیور کی شادی کی بہت بہت مبارک باد۔ فیصل آباد کب چکر لگا رہی ہو‘ میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ مطرب کو آنو (میری) کی طرف سے زور زور سے ڈھیر ساری پاریاں کرو۔ دعا کے لیے دعا کیجیے گا سکون کی‘ صبر کی‘ ہمت کی‘ دعا کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہے‘ اللہ حافظ۔

دعا ہاشمی...... فیصل آباد

آنچل فرینڈز قارئین اور نایاب امبر کے نام

آداب عرض‘ کافی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ اپنی آنچل فرینڈز سے بات کروں لیکن میری بیماری آڑے آتی رہی۔ میری جانب سے ان دوستوں کو سالگرہ مبارک جن کی سالگرہ دسمبر میں ہوتی ہے۔ کہو کیسی ہو امبر گڑیا! ارے ہوگئیں نا حیران! جی ہاں یہ میں ہی ہوں تمہاری ممانی تمہیں پیغام بھیجنے والی ارے ارے بس اتنی خوشی کافی ہے۔ میں نے سوچا تمہاری سالگرہ ہے 27 دسمبر کو تمہیں بذریعہ آنچل وش کرکے سرپرائز دیتی ہوں‘ بولو کیسا لگا؟



تمہارے ماموں امین‘ ماموں یوسف‘ کزنز شہلا کنول‘ حسن حسین (جڑواں) بھی مبارک باد دے رہے ہیں۔ ارے یاد آیا حامد یار! تم بھی دسمبر میں ہی پیدا ہوئے تھے تمہیں بھی سالگرہ مبارک ہو شکر ہے مجھے یاد آ گیا ورنہ تم امبر آپی سے لڑتے‘ اچھے بچے دل لگا کر پڑھا کرو۔ کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے اوئے کائنات‘ زویا اور سمیر نے منہ بسورے ہوئے ہیں۔ یار ناراض کیوں ہوتے ہو تمہیں بھی کسی موقع پر بذریعہ آنچل وش کریں گے۔ میری دعا ہے اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے اور کامیابیاں تمہارا مقدر ہوں‘ امبر گڑیا میری طرف سے امی ابو کو ڈھیروں سلام کہنا۔ زویا خان آج کل آنچل میں نظر نہیں آ رہی ہو‘ ٹھیک تو ہو؟ اللہ ہمیشہ ٹھیک ہی رکھے‘ آمین۔ پروین افضل آپ بہت شگفتہ ہو‘ میری دعا ہے اللہ آپ کو نیک صالح اولاد سے نوازے‘ میں آپ کے لیے بہت دعا کرتی ہوں۔ رخسانہ اقبال جوہر آباد کہاں ہو آنچل فیملی میں شامل ہوکر بھول گئی ہو‘ پلیز رابطہ کرو بہت یاد آتی ہو‘ آخر میں آنچل اسٹاف‘ آنچل فیملی اور تمام قارئین کے لیے دعائیں۔

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن

بہت پیاری رمشہ کے نام

سویٹ ہارٹ کیسی ہو؟ 7 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے تھی سوچا تمہیں اپنے اور تمہارے آنچل کے ذریعے دعائیں دے دوں‘ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت سی خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے آمین اور تم ہمیشہ ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہو۔ میرا اللہ تمہاری راہِ حیات میں ہر طرف پھول ہی پھول بچھا دے‘ زندگی کی مالا میں صرف سالوں کے موتی نہ ہوں اس مالا میں خوشی‘ عزت‘ ہنسی اور چاہتوں کے موتیوں میں بھی ہر سال اضافہ ہو‘ آمین ثم آمین۔ سب گھر والوں کو سلام کہنا‘ اللہ حافظ۔

شگفتہ خان...... بھلوال

پیاری سی چھوٹی بہن کے نام

ارے ثمرین! کیا تم بھول گئیں کہ تمہاری برتھ ڈے ہے۔ ارے یار آج 18 دسمبر ہے‘ لو میں نے تم کو یاد کروا دیا نا؟ اب جلدی سے اٹھو اور کیک لاؤ اور گفٹ لو۔ سدا خوش رہو‘ تمہارے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ سجی رہے‘ کوئی دکھ بھول کر بھی تمہارے پاس نہ آئے۔ میری پیاری اور سویٹ بہن ہمیشہ مسکراتی رہے اور اللہ تمہارے دل کی آج ہر خواہش پوری کرے۔ اللہ تم کو لمبی زندگی دے‘ تم کو قدم قدم پر خوشیوں سے ممنون فرمائے‘ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر ثمرین!

شبنم کنول...... حافظ آباد

بستی چھوہن اور خیر و دیہہ والوں کے نام

السلام علیکم! گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول بستی چھوہن کی میری تمام کولیگز میم نسرین اختر‘ صبا محمود‘ کوثر سلطانہ‘ نسرین سردار‘ نسیم اختر‘ ساجدہ پروین‘ کلثوم اور شازیہ عبدالخالق‘ طاہرہ پروین‘ کلثوم فاطمہ اور مسرت بیگم میری دعا ہے کہ آپ سب ہمیشہ ہنستے مسکراتے اپنی زندگی کے شب و روز گزاریں‘ جس دن سے آپ سب سے دور ٹرانسفر کروایا ہے‘ اداسیوں نے میرے اندر کہیں ڈیرے جما لیے ہیں۔ میری بہت پیاری پیاری تتلیاں‘ پریاں میری تمام طالبات آپ سب کی زندگی سے بھرپور شوخیاں اور شرارتیں بہت یاد آتی ہیں‘ ان گاؤں کی ماں باپ‘ بہن بھائی نے غرض کہ ہر رشتے نے مجھ سے جو محبت کی جو احترام کیا وہ میں شاید کبھی نہ بھلا سکوں۔ ربیعہ منظور خان آپ اور آپ کی فیملی کی محبت اور چاہت مجھے ہر ہر قدم پر یاد آئے گی۔ ڈاکٹر ظہور احمد کی فیملی قرۃ العین‘ الماس اسلم‘ شمیم در محمد‘ خیر و دیہہ کی حسینہ کریم‘ سکینہ کریم اور گلناز چک کٹورہ کی انسر آپ سب کی محبت میرا عظیم سرمایہ ہے۔

شازیہ کنول...... حاصل پور

پیارے بہن بھائیوں کے نام

انشاء ضیاء 4 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے تمہیں میری طرف سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو۔ سدا پھولوں کی طرح مسکراتی رہو‘ ہم سب خصوصاً حسنین اور فاطمہ کی طرف سے تمہیں ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ میرے پھولوں جیسے بھائی شہزادے 7 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے‘ حنظلہ میری طرف سے تمہیں یہ سالگرہ مبارک ہو‘ مون تم مجھے بہت یاد آتے ہو۔ تمہاری مزے کی اور پیاری پیاری باتیں خصوصاً (آپی کو الو بنایا بلا مجا آیا) یہ بہت یاد آتی ہے۔ مون پلیز دسمبر کی چھٹیوں میں حذیفہ‘ حمزہ شیر اور ماما کو ساتھ لے کر آ جاؤ نا۔ حمزہ شیر تم حذیفہ اور حنظلہ کا نام دیکھ کر جیلس کیوں ہوگئے تھے؟ تم کہتے تھے نا کہ آپی فاطمہ نے کیوں نہیں لکھا دیکھو اب میں نے لکھا ہے نا تمہارا نام اور اب اپنا نام دیکھ کر آ جاؤ نا ہم سب آپ سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ حذیفہ میرے پیارے شہزادے بھائی تم کیوں مجھ سے ناراض ہوگئے لو اب تو میں نے تمہارا اتنا پیارا نام لکھا ہے پلیز اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔ پھوپو رضیہ سلطانہ آپ حذیفہ‘ حمزہ اور ماموں کے ساتھ آئیں نا میں آپ کو خصوصاً حمزہ شیر کو بہت یاد کرتی ہوں۔ شفق مطیع الرحمٰن 14 دسمبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے

تمہیں ہم سب خصوصاً فاطمہ اور حسنین کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو۔ تم ہمیں بہت یاد آتی ہو تمہارا وہ چھوٹا سا مگر جان دار قہقہہ بہت یاد آتا ہے۔ تم کھلکھلاتی ہوئی بہت پیاری لگتی ہو میری دعا ہے کہ سدا پھولوں کی طرح ہنستی مسکراتی رہو شفق سوتی ہوئی بھی بڑی پیاری لگتی ہے میں نے بڑے پیارے پیارے بچے دیکھے ہیں مگر شفق کی تو کیا ہی بات ہے اور صفوان بھی بہت یاد آتا ہے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اقراء روشی 29 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے میری طرف سے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اللہ تمہارے دل کی نیک خواہش کو پورا کرے آمین' سدا مسکراتی رہو۔

**فاطمہ گل ضیاء...... قلعہ دیدار سنگھ**

میمونہ اور آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ مونا کیا حال ہے جاب کیسی جا رہی ہے؟ اب ایسی بھی کیا ناراضگی نہ ایس ایم ایس نہ کال' کدھر ہو جناب؟ میری طرف سے بہت بہت پیار۔ رخسانہ سعدیہ' کلثوم فیصل آباد کیا حال ہے گھر والوں کا کیا حال ہے؟ آمنہ امداد' فوزیہ سلطانہ کہاں گم ہو یار' مجھے ڈریم گرل کا خطاب دیا اور خود ڈریم ہو گئی ہو۔ ویری فنی' جلدی انٹری مارو اوکے۔ شمع مسکان' شاہ زندگی' سعیہ' اقصیٰ جیا عباس' عائشہ' مدیحہ نورین' مہر گل دعا گل' صائمہ سکندر سومرو' مدیحہ کنول فریدہ فری' سب کیسی ہو؟ اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ آمنہ غلام نبی آپ کی دوستی قبول ہے جی' ڈیئر رائٹرز سباس گل' سمیرا شریف طور' راحت وفا' ام ثمامہ' ام مریم کیا حال ہیں جی! نازیہ جی آپ سے تو پکی ناراضگی ہے آپ کسی بات کا جواب نہیں دیتیں' میں نے تو آپ کو فیس بک پر بھی ریکوئسٹ بھیجی لیکن آگے سے خاموشی...... جواب ضرور دیجیے گا' اللہ تعالیٰ آنچل کو ہنستا مسکراتا رکھے' تمام بہنوں سے التجاء ہے کہ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ بلند کرنا تو اپنے ملک کو ضرور یاد رکھنا' ملک ہے تو ہم ہیں' حیات باقی ملاقات باقی' اجازت دیجیے آپ کی اپنی۔

**آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات**

خاص لوگوں کے نام

ڈیئر فرینڈز السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گی' شاہ زندگی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اس کے علاوہ طیبہ نذیر کیا حال ہے؟ کدھر گم ہو' انٹری مارو یار! ہائے گل معاج اور حمیرا تم دونوں کو بہت یاد کرتی ہوں' جاناں اور پارس شاہ کیسی ہو تم دونوں؟ اپنے ہی علاقے کی ہو ساتھ آپ کو آنچل سے وابستہ دیکھ کر خوشی ہوئی' حمیرا پلیز بے وجہ ہنسنا چھوڑ دو تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ عتیقہ احمد (خونخوار جنگلی بلی) کیسی ہو بھئی (ہاہاہا)۔ مدیحہ گل میں آپ کی دوست بننا چاہتی ہوں' اس کے علاوہ عائشہ نور محمد' روبی علی' اقراء روشی' مدیحہ نورین مہک' کول رباب' شمع مسکان (گڑیا)' ماریہ چوہدری' ماریہ کنول ماہی' عروسہ پرویز' مسرت شاہین' نورین مسکان' فاطمہ ماریہ' خنساء عباس' عمارہ شاہ' سباس گل' آنسہ شبیر' عروسہ علی' سیدہ جیا عباس اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان کو بھی بہت بہت سلام اور پلیز اپنی فرینڈز میں مجھے بھی شامل کرلیں۔ حارث بلال بھائی آپ کو بھی آنچل سے وابستہ دیکھ کر خوشی ہوئی (اندھوں میں کانا راجا) لکھتے رہیے گا (ہاہاہا)۔ فائقہ سکندر مجھے تمہاری دوستی قبول ہے اگلے ماہ ملاقات ہوگی ان شاء اللہ' سب فرینڈز کو سلام اینڈ اللہ حافظ۔

**شیریں گل...... ٹمن**

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں سب بہت خوش وخرم زندگی بسر کررہی ہوں گی۔ امبر گل' عائشہ خان (ٹنڈ محمد خان) شاہ زندگی' حافظہ سمیرا' شمع مسکان آپ سب میری فرینڈز بن جائیے۔ اس کے علاوہ جو کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے میں ان سب کی فرینڈ بنوں گی' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

**تحریم اکرم...... ملتان**

سویٹ دل والے گروپ کے نام

السلام علیکم! اللہ جانے کتنے مہینوں بعد پھر سے قلم اٹھایا ہے' تھینکس ٹو ڈیئر زندگی! تم نے ہمیں بلایا تو ایک مرتبہ پھر دل میں ہلچل سی مچی کافی عرصہ بعد آنچل ہاتھ میں لیا پھر سے اس کے سائے تلے آنے پر مجبور ہوئیں۔ کلینڈر کے سیاہ اور سفید خانوں میں وقت چاہے سال بہ سال آگے بڑھ رہا ہو مگر ہمیں لگتا ہے وقت ٹھہر سا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو کہ ہمارے عزیز از جان سے پیارے بھائی 8 دسمبر کی صبح ہمیں ہمیشہ کے لیے روتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے منوں مٹی تلے جا سوئے۔ یقین کرنے کو دل نہیں مانتا کہ ہمارا یوں شہزادوں کی طرح آن بان رکھنے والا بھائی ہمیشہ کے لیے اکیلا کرکے ہمیں چھوڑ یوں چلا جائے گا اب تو یہ عالم ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں تو لگتا ہے جیسے الفاظ کہیں کھو گئے ہیں۔ بھائی جان کے چلے جانے کا دکھ اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر دل کو جو تھوڑا بہت سکون آنے لگا تو ماں کی یوں



شدید بیماری نے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ شکر اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے اپنا خاص کرم کرکے ہماری ماں کو پھر سے زندگی کی دولت سے نواز دیا۔ آخر میں قارئین سے دلی درخواست ہے کہ ہمارے پیارے بھائی جان کے لیے اور ہمارے ماموں جان کے لیے بھی جو کہ 3 جنوری کو وفات پا گئے مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

**قرۃ العین' صائمہ عمیر...... دار بن کلاں**

7 اسٹار گروپ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! میری 7 اسٹار گروپ فرینڈز' شگفتہ (شگی ڈھولو) ثناء افضل (کالیہ) طیبہ' رباب' ارم اور ثناء نواز آپ سب کیسی ہیں؟ یقیناً سب فٹ فاٹ ہوں گے اور طیبہ ڈیئر تھینکس مجھے آنچل میں مخاطب کرنے کا' اب جبکہ تم نے قسمت آزما ہی لی ہے تو ہر ماہ انٹری دیتی ہی رہنا' ہاں لیکن مجھے مت بھولنا۔ ثناء نواز تم کیسی ہو ڈیئر اور سوری کان پکڑ کر نومبر میں تمہارا برتھ ڈے تھا اور میں وش نہ کرسکی لیکن اب وش کررہی ہوں (بہت بہت سالگرہ مبارک) میری دعا ہے کہ تمہیں ہر وہ خوشی ملے جس کی تم تمنا کرو اور میری دعا ہے اور ایسے ہزاروں دن تمہاری زندگی میں بار بار آئیں آمین۔ ثناء افضل اور رباب تم دونوں کو بہت بہت مبارک ہو فرسٹ ائیر میں شاندار مارکس لینے پر' اللہ تم لوگوں کو دنیا اور آخرت کے ہر امتحان میں کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ شگی مائی بیسٹ فرینڈ تم سناؤ' آئی مس یو ڈیئر اور تم مجھ سے ذرا کم ناراض ہوا کرو' بس تم ہر وقت ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہو' خوش رہو ہمیشہ صرف میرے ساتھ۔ نازش جی تم کیسی ہو؟ تمہاری شادی ہوگئی ہے سو شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں بہت ساری خوشیاں عطا فرمائے آمین اور آخر میں تمام فرینڈز اور آنچل ریڈرز کو میری طرف سے ڈھیر سارا اسلام' اللہ حافظ۔

**حافظہ راشدہ وہاڑی...... ماچھیوال**

خوب صورت حساس دوستوں کے نام

السلام علیکم! اقصیٰ چڑیل ہیپی برتھ ڈے 9 نومبر کو تمہاری سالگرہ تھی' میری دلی دعا ہے تمہارے لیے کہ تم شوخ و چنچل بن جاؤ' اگر تم ایسی ہی بوریت کی دکان بنی رہی تو پھر میرا بھی اللہ حافظ ہے۔ سمیرا آپی 26 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے سو مینی مینی ہیپی ریٹرن آف دا ڈے' اللہ آپ کو بہت سی خوشیاں دکھائے۔ نازی آپی آپ کو بھی لیٹ سالگرہ مبارک' اللہ آپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب کرے آمین۔ 25 دسمبر شہناز اقبال سالگرہ مبارک' کرن شاہ' ساریہ چوہدری' مسکان (قصور) سدرہ شاہین' ملائکہ چوہدری' ام کلثوم آپ سب کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ امبر گل آپ تو ہر شمارے میں نظر آتی ہو' گریٹ' اچھا لگتا ہے۔ انجم خان الحمدللہ میں فٹ ہوں آپ اپنی سناؤ' کراچی سے پنڈی تک کا سفر اگر موقع ملا تو ضرور سناؤں گی بہت لمبی کہانی ہے جی۔ خوشی ہوتی ہے جب آنچل میں موجود ہوتی ہو' شبانہ امین آپ کیسی ہو؟ کیا کرتی ہو؟ ساریہ چوہدری' مشعال اسلام جے (جھنگ) کیا آپ مجھ ناچیز سے دوستی کریں گی۔ طیبہ نذیر' خنساء عبد المالک آپ بھی؟ شاہ زندگی کیسی ہو؟ عائشہ پرویز میری بہن کا کہنا ہے کہ آپ میری طرح معصوم اور بہت سویٹ ہو۔ نزہت نسیم عباسی عفت مس یو ڈیئر اتنی بدگمانی اچھی نہیں کبھی تو یاد کیا کرو۔ آمنہ غلام نبی (ہری پور) موسٹ ویلکم مریم بٹ' تمثیلہ بٹ' ہم آپ کے دوست بننا چاہیں گے' باقی سب آنچل فرینڈز کو سلام' خوش رہیں۔

**زویا خان بنگش...... پنڈی**

ام مریم کے نام

السلام علیکم! آپ کیسی ہیں؟ بہرحال مجھے آپ کا ناول "مجھے ہے حکم اذاں" بہت پسند ہے اور آپ کا نام بھی مجھے بہت پسند ہے' کیا آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہیں گی۔ میں جب بھی آپ کا نام پڑھتی ہوں دل بے اختیار آپ کی طرف کھنچتا ہے پلیز مجھ سے دوستی کرلیں ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں گی کیوں کہ جس طرح ہم محبت میں توحید کے قائل ہیں اسی طرح ہم دوستی میں بھی توحید کے قائل ہیں۔ اچھا اب اجازت دیں اور اپنا بہت سا خیال رکھنا اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

**سحر بٹ...... میر پور خاص' سندھ**

ربیعہ شعیب آزاد کشمیر' ثوبیہ نذیر گجرت کے نام

ثوبیہ نذیر کہاں غائب ہو؟ تمہاری اور میری فرینڈ شپ آنچل کے ذریعے ہوئی تھی اور اب میں اسی میں میسج کررہی ہوں تمہارا فون نمبر بند ہوتا ہے پلیز مجھ سے رابطہ کرو۔ ربیعہ شعیب تم بھی پلیز مجھ سے رابطہ کرو' زاہدہ رشید علوی' فوزیہ سحر کائنات' سونی اور میری تمام آنچل فرینڈز پلیز مجھ سے رابطہ کیجیے گا اور کسی بھی فرینڈ کو کوئی ٹپ چاہیے ہو تو بھی مجھ سے لے سکتی ہیں۔ میرا پارلر ہے اور بہت سے آزمودہ نسخے میرے پاس ہیں' اجازت دیجیے والسلام۔

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان

اپنے پیارے گھر والوں کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کا؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گے اور مزے میں ہوں گے سب سے پہلے پیاری امی جان سے کہنا چاہوں گی کہ آج میں بھی ایک بیٹی کی ماں ہوں اور مجھے بھی احساس ہے کہ بیٹیاں کتنی پیاری ہوتی ہیں، ماں باپ کا کام ہوتا ہے بچوں کی غلطیوں کو معاف کرکے درگزر سے کام لیں کیونکہ ماں باپ کا دل بہت بڑا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے مجھے پتا ہے کہ میں نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی کہ جس سے آپ ناراض ہوں لیکن بس کچھ غلط فہمیاں شاید ہمارے رشتوں کے درمیان محبت کو ایک ناسور کی طرح نگل رہی ہیں پلیز امی جان ہم کتنے ہی بڑے ہوجائیں آپ کے لیے ہم بچے ہی رہیں گے پلیز آپ ہمیں ڈانٹیں، ماریں لیکن ناراض مت ہوں۔ وہ بھی ایسی باتوں پر جو بے بنیاد ہیں امید ہے آپ میری باتوں کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گی اور جاننے کی کوشش ضرور کریں گی کہ آخر غلطی کس کی ہے آخر میں اپنی پیاری ننھی پری اپنے گھر کی چاندنی میری زندگی کا مقصد میری آنکھوں کی تارا اپنی بیٹی کو سالگرہ کی مبارک باد دوں گی، جس کی 16 نومبر کو سالگرہ تھی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ منی منی ریٹرن آف دا ڈے ہزاروں سال جیو۔

حفصہ عمران...... جھنگ صدر

آنچل کی مہکتی کلیوں کے نام

السلام علیکم! کاجل شاہ آپ آنچل میں شرکت کرتی رہا کریں۔ جاناں، اریبہ شاہ اور شاہ زندگی کہاں گم ہیں بھئی آپ لوگ؟ جلدی سے انٹری دیں میں آپ کو بہت یاد کررہی ہوں۔ نورین شاہد ہمیشہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ شمع مسکان، سونیا زرگر، اقصیٰ زرگر اور سنی شاہ کیا آپ بھی مجھ سے دوستی کریں گی؟ باقی تمام آنچل فرینڈز کو سلام اللہ حافظ۔

پارس شاہ...... چکوال

میری پیاری سنہری ڈبلیو جی کے نام

سلام پیار! پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے کہ ایک ہزاروں میں میری دوست ڈبلیو جی ہے اب میرا پیغام دیکھ کر مت اترانا میں جانتی ہوں کہ تمہارا دل چڑیا جتنا ہے (ہاہاہا)۔ خیر مائی سویٹ فرینڈ ڈبلیو جی تمہیں بہت بہت زیادہ شادی مبارک اینڈ برتھ ڈے بھی۔ دعا ہے کہ سدا ہنستی مسکراتی رہو 8 دسمبر کو تمہارا برتھ ڈے تھا سو میری طرف سے منی منی ہیپی برتھ ڈے۔ بہت یاد آتے ہیں اسکول و کالج کے وہ لمحات جو ہم نے ساتھ ساتھ گزارے، خیر تم نہ بھی یاد کرنا کہیں تجھ سے نہ یہ غلطی ہو جائے (ہاہاہا) اور 14 دسمبر کو میری سویٹ سی کیوٹ سی بھانجی (حمنہ) کی پہلی سالگرہ ہے سو میری طرف سے مما پپا آل آنٹیز پھوپو اور ماموں (اویس) کی طرف سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو سدا خوش رہو جگ جگ جیو تمام آنچل فرینڈز اینڈ پڑھنے والوں کو سلام اللہ حافظ۔

حافظ فاریہ سرور...... ماچھیوال وہاڑی

MBBS کے نام

MBBS امید ہے کہ تم دونوں چڑیلوں نے پہچان لیا ہوگا اپنے ناموں کے ساتھ MBBS لکھا کرتے تھے کیونکہ یہ ہمارے ناموں کے پہلے حروف تھے ہر دیوار ہر جگہ پر یہ نام لکھا تھا۔ آج تم دونوں مجھ سے دور ہو مگر دل سے قریب تر ہو، یار کبھی تو فون کرلیا کرو۔ اسکول کے دن بڑے یاد آتے ہیں۔ ثمرین تم تو پیا دیس جانے والی ہو، مبارک ہو تم کو۔ بختیار اور یار بہن کی شادی کب کررہی ہو۔ تمہاری املی کی چٹنی یاد آتی ہے اللہ تعالیٰ میری اکلوتی دوستوں کو بہت سی خوشیاں دے آمین۔ میری پوری کلاس جن میں اقراء، سدرہ قریشی، صدف قریشی، رومیہ، عائشہ، مہوش، آمنہ، جویریہ، فرحت، نادیہ، فروا، زلیخا اور مجھے بھی یعنی فرسٹ آنے والی کو مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیابی دے آمین۔ نورین شاہد شکریہ دوستی کرنے کا۔ سنیاں زرگر، صبا زرگر سے دوستی کرنا چاہتی ہوں کیا دوستی کرو گی۔ فرح طاہر قریشی آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آپ بہت اچھی ہیں اور اپنی ٹیچر سعدیہ کو مبارک باد جن کی وجہ سے ہم کامیاب ہوئے والسلام۔

حبا قریشی...... عبدالحکیم

تمام دنیا کے انسانوں کے نام

آداب عرض! تمام دوستوں کو میرا اسلام
تمام دشمنوں کو ہدیٰ کا پیغام
تمام ظالموں کو امن کا کلام
میں سب سے دوستی نبھاتی ہوں کہ جانتی ہوں نفس سے بڑا دشمن کوئی نہیں۔ پاکستان زندہ باد۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ



# یادگار لمحے

جویریہ سالک

شانِ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❀ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سر سے پاؤں تک ہم شکل مصطفیٰ ﷺ تھیں۔

❀ آپ کی چال ڈھال ہر ضلع وضع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی۔

❀ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتون جنت فاطمہ الزہرہؓ کو آتا دیکھتے تو خوشی سے کھڑے ہوجاتے اور اپنی جگہ بٹھا لیتے۔

❀ تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی کو جنتی لوگوں کی بیویوں یا مومنوں کی بیویوں کی سردار ہونے کی بشارت دی۔

❀ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ام السادات، دختر مصطفیٰ ﷺ بانوئے مرتضیٰ سردار خواتین اور ام الحسنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انعم چوہدری...... جتوئی

نیا سال

گزرتے ہوئے لمحات کو بھول کر
نیک تمناؤں کے ساتھ
امن کی مثال قائم کریں
آؤ مل جل کر
ایک اچھے سال کا آغاز کریں

ناہید شبیر رانا...... رحمان گڑھ

دسمبر کی اداسیاں

یخ بستہ لبوں کی خوشیاں
منجمد سانسوں کی بے ربط تلخیاں
ایک میں تنہا
اور دسمبر کی اداسیاں

سامعہ ملک پرویز...... بھیرہ خانپور

محبت

سنا ہے آج اس کی آنکھوں
میں آنسو آگئے
وہ بچوں کو سکھا رہی تھی کہ
”محبت“ ایسے لکھتے ہیں

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

نیا سال

خدا کرے نیا سال تیرے
دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
تیرے خیال میں شمعیں
جلا رکھی تھیں

بختاور نقیبی...... شیخوپورہ

رحمت خداوندی

ایک مسجد کی دیوار پر لکھا خوبصورت جملہ ”اگر تم گناہ سے تھک گئے ہو تو اندر آجاؤ خدا کی رحمت تمہارے انتظار میں ابھی تک نہیں تھکی۔“

آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات

ذرا سوچیے

ہم طوطے کا بچہ پالتے ہیں بکری کا بچہ پالتے ہیں مرغی کے بچے پالتے ہیں۔ بلیاں پالتے ہیں۔ یہ سب بری بات نہیں مگر افسوس تو اس بات کا ہے پرندوں اور جانوروں کے بچے ہم خوشی اور شوق سے پالتے ہیں لیکن ایک انسان کا یتیم بچہ ہم نہیں پال سکتے۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

اچھی باتیں

❀ اگر ہزار برس بھی روزی کے پیچھے مارے مارے پھرو گے تو پھر بھی وہ ہرگز زیادہ نہیں ہوگی پس لوگوں کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں صادق الیقین رہیں۔

❀ دنیا میں سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع ہے۔

❀ دنیا میں سب سے زیادہ غریب وہ ہے جو

قناعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ (حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ)

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان

لفظ زندگی

لفظ زندگی کے حروف پر نظر ڈالی تو 'ز' نے بڑے کرب ناک انداز میں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ زینت دنیا میں گم نہ ہو، یہ تو خالی ہے ابدی زندگی کے لیے زادراہ تیار کر۔

'ن' نے بڑی رنجیدگی سے بتایا کہ "نادان گلیمر کی دنیا میں مگن ہونے کی بجائے زندگی کے اصل سے روشناس ہوکر اپنے تشخص مسلمانی کو برقرار رکھنے کی کوشش کر۔

'د' نے انسانیت کی تار تار ہوتی حالت پر زار و قطار روتے ہوئے کہا کہ "دائمی زندگی تو بعد از موت ہے غافل انسان غفلت کے تاریک کنویں سے نکل کر اعمال حسنات اور رضائے الٰہی سے اپنے سیاہ وجود کو دھولیں۔

'گ' نے مسلمانیت کی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے تنبیہ کی کہ "گناہوں بھری زندگی سے توبہ کر کے صراط مستقیم پہ آجا۔"

'ی' نے بڑی آس اور پرامید لہجے میں انسانیت کو خوش امیدی کا درس دیتے ہوئے مسکرا کر کہا کہ "یاوری قسمت کو اچھا بنانے کے لیے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اتباع سنت صلی اللہ علیہ وسلم کر۔

ابھی تو میں حروف کی گفتگو سن ہی رہی تھی کہ اچانک حروف غائب ہوگئے اور میں ان کو تلاش کرنے لگی مگر یہ کیا کہ وہ حروف سمٹ کر لفظ زندگی بن کر بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں گویا ہوئے۔

نہ سمیٹ زندگی کی رعنائیاں دلکشیاں شاذ
یہ تو فانی ہے یہ تو فانی ہے

شازیہ ہاشم کھڈیاں...... خاص قصوری

اور سنو

دلہا! آج سے تم میری زینت ہو، تبسم ہو، تمنا ہو، آرزو ہو۔

دلہن شرما کر! آج سے آپ بھی میرے خالد ہو، طارق ہو، عثمان ہو، عمران ہو۔

ثناء خان...... ہری پوری

سطر سطر خوشبو

☆ دلچسپی کو طلب مت بننے دو کیونکہ طلب بڑھ کر ضرورت اور ضرورت بڑھ کر کمزوری بن جاتی ہے۔

☆ اعتماد پتھر ہے پربت کا جب ایک بار اکھڑ جائے تو نیچے ہی آتا ہے۔

☆ خواہشوں اور شیشوں میں ایک خوبی سانجھی ہے یہ اکثر بے یقینی کے باعث اندر ہی اندر اپنے ہی دباؤ، اپنے ہی بوجھ بجھاؤ اور اپنی ہی گرمی سردی سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

☆ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہوجائے تو تعمیر تکمیل مکمل ختم ہوجاتی ہے۔

عاصمہ عنبرین عنبر...... ڈھرنال تلہ گنگ

دانائی کی باتیں

کسی سیانے کا کہنا ہے کہ تین چیزوں میں غور و فکر نہیں کرنا چاہیے۔

غربت، تنگ دستی۔ اس میں غور و فکر کرنے سے غم، تشویش، حرص و پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسروں کی زیادتی اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو اس کی جانب مطلق دھیان نہ دو ورنہ تمہارا دل سخت اور کینہ پرور ہوجائے گا اور تو ہمیشہ غصہ میں رہے گا اور اس سے بالکل فائدہ نہ ہوگا۔

طویل عمری، دنیا میں زیادہ دن رہنے کی خواہش ہرگز نہ کرو، ورنہ مال جمع کرنے کی آرزو پیدا ہوگی عمر برباد ہوگئی اور عمل خیر میں ٹال مٹول کرنے لگے گا۔

کرن شہزادی...... بھیر کنڈ مانسہرہ

لوگ

○ کچھ لوگ سمندر کی طرح ہوتے ہیں جو اپنی پر سکون سطح کے ساتھ اپنے سینے میں لاکھوں طوفان چھپائے



ہوتے ہیں۔

○ کچھ لوگ درختوں کی مانند ہوتے ہیں جن کا وجود بلاامتیاز ہر ذی النفس کو سایہ دیتا ہے۔

○ کچھ لوگ چاند کی مانند ہوتے ہیں جن کی چاندنی ایک نئی اور روشن زندگی سے بھرپور صبح کی امید دلاتی ہے۔

○ کچھ لوگ کانٹوں کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور، دوست اور دشمن کی پروا کیے بغیر ہاتھ زخمی کردیتے ہیں۔

عابد محمود...... ملکہ ہانس

مطلبی

اسٹوڈنٹ! مس آئی لو یو کا مطلب کیا ہے؟

ٹیچر! میں تم سے پیار کرتی ہوں۔

اسٹوڈنٹ! مس میں نے تو صرف مطلب پوچھا تھا اور آپ تو فری ہوگئیں۔

زویا خان بنگش...... پنڈی

یقین، بھروسہ اور امید

ایک دفعہ گاؤں کے لوگوں نے اکٹھے ہوکر بارش کے لیے دعا کرنے کا فیصلہ کیا دعا کے دن سب لوگ اکٹھے ہوئے اور صرف ایک بچہ چھتری لے کر آیا۔

"یہ ہے یقین"

جب آپ کسی بچے کو اٹھا کر ہوا میں اچھالتے ہو وہ ہنستا ہے روتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے آپ اسے پکڑ لیں گے گرنے نہیں دیں گے۔

"یہ ہے بھروسہ"

ہر رات جب ہم سونے کے لیے بستر پر جاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ہم اگلی صبح تک زندہ بھی ہوں گے یا نہیں مگر پھر بھی الارم لگاتے ہیں اگلی صبح کا۔

"یہ ہے امید۔"

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

پیغام

❖ کانٹوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہوا کے گیلے سے جھونکے کو محسوس کر کے پھول کی طرح جھوما اور مسکرایا کرو۔

❖ شک و شبہ کو اپنی زندگی میں اپنے "دل و دماغ" میں کسی صورت جگہ نہ دو، زندگی عارضی ہے ہر لحہ ہر پل محبت ہے اس لیے وقتی خوشی کو دائمی مسرت جانا کرو۔

❖ سب سے پیار کیا کرو سب کو اچھا سمجھو اور کسی سے یہ توقع مت رکھو کہ وہ تمہیں پیار کرے گا یا اچھا سمجھے گا۔

حافظ راشدہ...... وہاڑی ماچھیوال

ندامت

ہو کر شرمندہ گناہوں سے کبھی سر جھکا تو سہی
وہ کرے گا معاف تجھے دو اشک بہا تو سہی
رہے گی چاندنی قبر میں بھی ساتھ تیرے
تو اس کی یاد کو دل سے ذرا لگا تو سہی
نہ رہے گا تو محتاج تو کبھی کسی کا
کیا ہے جو عہد خدا سے نبھا تو سہی
وہ ہے غفور رحیم
سنتا ہے دعا سب کی (بے شک)
اے نادان اپنے ہاتھ اٹھا کر
دامن پھیلا تو سہی

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... کھٹیالہ سیالکوٹ

تین چیزیں

علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے طلب، تڑپ، ادب اگر یہ تین چیزیں آپ میں ہیں تو آپ کو کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

شیریں گل...... ٹمن

راز

مشہور فلسفی ابن طفیل نے خوش ہو کر لوگوں کو بتایا 'اے لوگوں میں نے وہ راز پالیا ہے جس سے انسانی معاشرہ خوش و خرم رہ سکتا ہے۔ ایک دوست نے دریافت کیا "وہ کس طرح" ابن طفیل نے جواب دیا کہ کائنات کی ہر چیز دوسروں کے لیے ہے درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا، دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا یہ بہاریں یہ برساتیں یہ نغمے سب

کے سب دوسروں کے لیے ہیں وہی زندگی اچھی ہے جو دوسروں کے لیے ہے اور اسی زندگی کی بدولت معاشرہ خوش وخرم رہ سکتا ہے۔

حنا عروج...... لانڈھی کراچی

### غیبت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو جو صرف زبانی ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے عیب کے پیچھے نہ پڑا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ (ابو داؤد)

حسینہ مغل...... ایبٹ آباد

### کرن کرن روشنی

❁ نفرت کو محبت سے ختم کرنے کی کوشش کرو ناکام بھی ہوگئے تب بھی سرخرو ہوگے۔

❁ ہمیشہ دوسروں کی خوشی میں خوش رہو خدا تم سے خوش ہوگا۔

❁ اگر سچی محبت کرنی ہے تو خدا سے کرو۔

❁ اگر ہارنا چاہتے ہو تو اس کے آگے ہارو جو تمہاری خطاؤں کی میل کو اپنی محبت ورحمت سے دھو دیتا ہے۔

ام حمنیٰ...... کوٹ مومن

### ع سے عورت

ماں کے روپ میں باعث جنت، بیٹی کے روپ میں باعث رحمت، بہن کے روپ میں باعث عزت اور بیوی کے روپ میں باعث سکون ہے۔ ایک سمندر ہے جس کی گہرائی ناپنا مشکل ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر صفحہ نئے رنگ کا ہوتا ہے چار دیواری کی زینت ہے نہ کہ بازار کی۔ جس سے پیار کرتی ہے اس پر جان بھی وار دیتی ہے۔ عورت کے دل کا فیصلہ ایک ایسی چٹان ہے جسے سمندر کی موجیں بھی نہیں توڑ سکتیں۔ عورت کی ہمت اور حوصلہ کا کوئی جواب نہیں وہ ہر حالات میں خود کو محفوظ رکھتی ہے کوئی بھی پریشانی ہو کیسے بھی حالات ہوں مگر وہ ان کا بہت حوصلہ سے مقابلہ کرتی ہے۔ عورت کی ذرا سی مسکراہٹ بہت سے دکھ کو مٹا دیتی ہے۔

عورت کی عظمت کو سلام۔

نصرت عارف...... وار برٹن

### قیمتی موتی

✦ اس قرآن کا مقصد لوگوں کو سمجھانا ہے لیکن ہدایت ونصیحت تو اس سے وہی لوگ پکڑتے ہیں جن کے دل میں خوف خدا ہو۔ (احکام خداوندی)

✦ مومن کی زبان دل سے پیچھے رہتی ہے یعنی جب بولنا چاہتا ہے تو دل میں سوچ لیتا ہے۔ (ارشاد نبویؐ)

✦ بادل کی طرح رہو جو پھولوں کے ساتھ کانٹوں پر بھی برستا ہے (خلیفہ مامون رشید)

✦ خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ اور بھرا پیٹ اس کا اکھاڑہ ہے (خواجہ حسن بصری)

✦ جفاکشی کے سمندر کی تہہ کامیابی کے موتیوں سے بھری پڑی ہے (اہل دانش)

✦ اپنے آپ کو سب سے عقل مند اور لائق آدمی تصور کرنا خطرناک غلطی ہے (اہل فکر)

جاذبہ ضیافت عباسی...... (دیول) مری

### انمول موتی

اولاد کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین پر پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ وہ سب کچھ جانتا اور کر سکتا ہے لوگوں کے درمیان یہ فرق وتفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس تفاوت الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے اور اس طرح والدین کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔



☆ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ان کا باپ ہے نہ ماں۔

☆ حضرت حوا علیہ السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا ان کی ماں نہیں ہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا کیا ان کا باپ نہیں ہے۔

☆ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں سے پیدا کیا گیا ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔

مدیحہ شبیر...... شاہ نکڈر

### اچھی بات

جب کوئی شخص آپ کی تعریف کرے تو اس وقت اللہ سبحان وتعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے۔

"اے اللہ پاک یہ شخص نہیں جانتا کہ مجھ میں کیا عیب ہیں لیکن تو بخوبی جانتا ہے یہ شخص میری تعریف میں جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو سچ کر دکھا اور مجھ میں جو عیوب اور غلطیاں ہیں انہیں دور فرما تا کہ میری ذات کا بھرم اس شخص کے آگے قائم رہے مجھے ندامت سے بچا کیونکہ تو ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کس قابل ہے۔"

شبینہ مغل...... حیدرآباد (سندھ)

### سجھ لو

☯ نہ اتنا میٹھا بنوں کہ لوگ تمہیں نگل لیں، نہ اتنا کڑوا بنوں کہ لوگ تمہیں تھوک دیں۔

☯ اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرو جتنا تم اس کے محتاج ہو۔

☯ آخرت کی اتنی ہی تیاری کرنا جتنا تم نے وہاں جا کر رہنا ہے۔

☯ گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ ہو۔

☯ جب کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو پھر ایسی جگہ تلاش کرنا جہاں پر اللہ تعالیٰ نہ دیکھ سکے۔

رافیہ کنول...... دائرہ دین پناہ

### رائیگاں

شوہر اور بیوی کے درمیان شدید جھگڑے کے بعد شوہر نے خودکشی کی ٹھان لی چنانچہ وہ بازار گیا اور زہر خرید لایا پھر بیوی کو دکھاتے ہوئے پھانک لیا کافی دیر بعد بھی وہ مرا نہیں بس طبیعت ذرا سست ہوگئی۔

بیوی نے سر پیٹ کر کہا "سو بار کہا ہے کہ چیزیں دیکھ بھال کر خریدا کرو اتنے پیسے بھی بیکار ہوئے اور جس کام کے لیے لائے وہ کام بھی نہیں ہوا۔"

عائشہ سلیم...... کراچی

### گھر والا

راستے میں ایک صاحب کو اپنے دوست مل گئے ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے منہ سے خون بہہ رہا تھا بال بکھرے ہوئے تھے صاحب پریشان ہو کر دوست سے کہنے لگے۔

"او ہو یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"رہنے دو میں ابھی گھر سے ہی آ رہا ہوں۔" دوست نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

جویریہ ضیاء...... ملیر کراچی

### آنچل

○ آ...... آ جاؤ جلدی جلدی لینے ورنہ دکان بند ہو جائے گی۔

○ ن...... نہیں تو ختم ہو جائیں گے۔

○ چ...... چل کر آؤ یا پھر سواری پر مرضی تمہاری۔

○ ل...... لو ختم ہوگئے چلو اگلی باری تمہاری۔

نادیہ گل نادی...... مخدوم پور

yaadgar@aanchal.com.pk

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے پروردگار کے پاک نام سے جو خالق ارض وسماں ہے۔ نئے سال کا پہلا شمارہ ہماری کوششوں اور کاوشوں سے آراستہ پیش خدمت ہے' امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بزم آئینہ میں جھلملا رہے ہیں۔

**عائشہ پرویز...... کراچی۔** السلام علیکم! آپی سب پڑھنے والوں کو اور آنچل اسٹاف کو میری طرف سے نئے سال کی بہت مبارک ہو' نیا سال خوشیوں بھرا ثابت ہو آمین۔ پچھلے ماہ تو آپ نے مجھے پوچھا ہی نہیں مگر اب کی بار غضب ہوا آنچل ملا ہی 25 کو۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف' 2014ء کا آخری شمارہ نظر نواز ہوا' قیصر آپی یقین کریں سرگوشیاں سننے کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے دل ودماغ روشن ہوگئے ہو پھر بھاگی اپنے فیورٹ ناول کی طرف ''مجھے ہے حکم اذاں'' ام مریم بہت زبردست آپ' بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اللہ آپ کے قلم میں اور طاقت دے۔ بس سکندر کو لاریب کے ساتھ نرم کردیں' ہاہاہا۔ سمیرا آپی آپ تو پوچھیں ہی مت ''ٹوٹا ہوا تارا'' کافی دلچسپ ہے' انا' ولید یا شہوار' مصطفیٰ میں سے کسی ایک کی لائف سیٹ کردیں۔ ہائے مرجاواں ''موم کی محبت'' راحت وفا جی تو چھا گئیں آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ زیبا اب ٹھیک کررہی ہے صفدر کے ساتھ۔ مکمل ناول ''کروں سجدہ اک خدا کو'' پسند آیا' امید ہے آگے بھی پسند آئے گا۔ افسانے سب ہی کے اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں رابعہ اکرام نمبر لے گئیں۔ یادگار لمحے ایک سے بڑھ کر ایک لگے۔ دوست کا پیغام آئے' میں سب کے پیغام تھے مگر ہمارے نام نہیں آیا' کوئی پیغام خیر جی کوئی تو اللہ کی بندی ہوگی جو ہم سے دوستی کرے گی۔ ڈش مقابلہ میں سب ڈشیں مزے کی تھیں لیکن انڈے کی بریانی ضرور ٹرائی کروں گی۔ بیاض دل لاجواب لگا' ہم سے پوچھیے میں تمام بہنوں کے سوال اور آپی کے جواب مزہ دے جاتے ہیں۔ تعارف سب ہی کے اچھے تھے سب اپنی جگہ پرفیکٹ ہیں۔ اللہ حافظ۔

**جاناں...... چکوال۔** السلام علیکم! آنچل ہمیشہ کی طرح تمام ڈائجسٹ میں ٹاپ آف دی لسٹ جارہا ہے دعا ہے کہ یہ ہمیشہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کی منازل طے کرتا رہے' آمین۔ آنچل نے ہمیشہ اپنے پرانے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ نئے رائٹرز کی بھی دل سے پذیرائی کی ہے' آنچل ہمارا رہنما ہے اسی طرح ہر اسٹوری میں کسی نہ کسی کردار کی صورت میں ہمیں اردگرد کا ماحول' معاشرے کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' راحت وفا' ام مریم' نگہت عبداللہ' سمیرا غزل صدیقی ہوں یا کوئی بھی نئی رائٹرز آنچل نے ہمیشہ سب کی دل سے پذیرائی کی ہے۔ ام مریم جی کا ناولٹ ''مجھے ہے حکم اذاں'' بہت اچھا جارہا ہے۔ فاطمہ کو کیا کردیا کس کی نظر لگ گئی اور یہ سکندر صاحب کب سیدھے ہوں گے' خیر یہ سب تو اختتام میں پتا چلے گا۔ ایک دفعہ پڑھنا شروع کردیں اسٹوری تو جی کرتا ہے' ایک نشست میں ہی پڑھنے کو مل جائے مگر لاسٹ میں (جاری ہے) پڑھ کر منہ لٹک جاتا ہے' ہاہاہا سچی۔ راحت وفا ''موم کی محبت'' بہت اچھا اور دکھی انداز ہے' ثمرین کی زندگی مشکلوں سے دوچار ہے' ہر طرف سے دھوکہ' اللہ کرے عارض کے ساتھ اس کی لائف اچھی گزرے۔ سمیرا جی چھا گئے ہو سسی' شہوار اور مصطفیٰ کو دکھوں سے بچا کر پیپی زندگی دے دیں۔ انا کو کاشفہ میڈم سے دور رکھیں' یہ دونوں سسٹرز ٹینشن دیتی ہیں ہر کسی کو' تمام تعارف بیسٹ خصوصاً محمدی بی بی' عشا نور کے تعارف بہت اچھے لگے۔ بیاض دل میں زاہدہ زمان' روبی علی' نادی عباس' آمنہ عدنان' شہزا دان کے اشعار بہت پسند آئے کہ فوراً ڈائری کی زینت بناڈالا۔ ڈش مقابلہ کی تمام ڈشز بہت مزے کی ہیں' جی ضرور بناؤں گی۔ بیوٹی گائیڈ میں روبین احمد نے بہت اچھا گائیڈ کیا۔ سیدہ رباب نے چہرے' ہاتھ پاؤں کی حفاظت کے بہت آسان طریقے بتائے' ضرور عمل کروں گی اور نیرنگ خیال میں ام ثمامہ' جاذبہ ضیافت عباسی' صائمہ قریشی' بلال ایان' آنسہ شبیر' عمیس احمد کی غزلیات نظمیں بہت اچھی لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سب پیغامات پسند آئے' یہ بہت زبردست سلسلہ ہے' اپنوں کے ساتھ وابستہ رہنے کا۔ زاہدہ یعنی لاڈو ملک' طیبہ افضل' رشک حنا' بشریٰ باجوہ (مان جائیں پلیز) ملالہ اسلم' شمع مسکان' باقی سب کے پیغامات بھی اچھے تھے۔ رشک حنا سے پوچھنا تھا کہ ویسے آپ کا نام کیا تھا' یادگار لمحے میں بہت کچھ سیکھنے کو سمجھنے کو ملتا ہے' آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے۔ حرا قریشی' لاڈو ملک' ملالہ اسلم' آنسہ شبیر سب نے آنچل پر بھرپور انداز میں تبصرہ کیا۔ شمائلہ کاشف جی سوالات کے اتنے مزیدار جواب کہاں سے ڈھونڈ لاتی ہوں' ضرور بتائیں اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر جاناں! آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت پسند آیا۔

**حافظہ سمیرا...... 157 این بی۔** السلام علیکم! شہلا آپی اینڈ آنچل فیملی! اس دفعہ آنچل پہلے کی نسبت جلد مل گیا تو اسی لیے آئینہ میں اپنے آپ کو پیش کرنے کا موقع ملا' سب سے پہلے حمد ونعت سے مستفید ہوتے ہوئے کچھ دانش بھری باتیں اپنے دل ودماغ میں بٹھائیں۔ نواب شاہ کی (نوابن) عشا نور سے مل کر اچھا لگا پھر بلا تاخیر چھلانگ لگائی ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی طرف' سمیرا آپی پلیز شہوار کو اب مزید دکھ میں مبتلا مت کیجیے گا اور مصطفیٰ کا دل بھی شہوار کے لیے نرم کردیں' راحت آپی زیبا کو اس کی غلطی کی اتنی بڑی سزا تو نہ دیں۔ صفدر کی ہٹ دھرمی کچھ تو کم کریں۔ ''کروں سجدہ ایک خدا کو'' سیدہ غزل نے شروع میں ہی دل کو اپنے ساتھ باندھ لیا بلاشبہ یہ ان کا ایک شاہکار ناول ہوگا۔ نزہت جبیں نے بھی زبردست لکھا' نظیر فاطمہ اور فائزہ کنول نے بہت اچھا آغاز سفر کیا' ان شاء اللہ جلد ہی منزل تک بھی پہنچ جائیں گی۔ بیاض دل میں تقریباً سارے اشعار اچھے تھے لیکن فائزہ بھٹی' اقراء لیاقت' سمیر العبیر آپ کی تو ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ شزا بلوچ اور اقصیٰ مصطفیٰ کے اشعار دل میں اتر گئے' یادگار لمحے میں امشاج جنت ہمارے کچھ لمحے یادگار بناگئی (ویسے آپ کے نام کا مطلب کیا ہے) سمیر العبیر' اقصیٰ اور سنیاں زرگر کے سوالات وجوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ سمیر العبیر آپ سرگودھا کے کون سے ایریا میں رہتی ہیں (عنقریب ہم بھی وہیں آنے والے ہیں) ارم کمال کا تبصرہ پڑھ کر لطف آگیا' غرض آنچل بہترین تھا اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ آنے والے نئے سال میں اللہ ہم سب کو اچھے کام کرنے اور ڈھیر ساری نیکیاں اکٹھی کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

**ملالہ اسلم...... خانیوال۔** السلام علیکم! کیوٹ سی شہلا آپی اینڈ آنچل اسٹاف آنچل 26 کو ہی مل گیا تھا' ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ سرگوشیاں پڑھیں اللہ ہم سب پر اپنا کرم کرے۔ دانش کدہ سے مستفید ہوئے' نانی جان سے ملاقات اچھی لگی۔ ''موم کی محبت'' کچھ خاص متاثر نہیں کرسکی۔ سمیرا آپی پلیز کاشفہ کے دماغ سے نیا فتور اتار دیں' مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی اور شہوار کے ساتھ بھی کچھ اچھا کریں' آپ جانتی ہیں ملالہ اسے ہیپی ہیپی دیکھنا چاہتی ہے۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھا پلیز سکندر کا دماغ ٹھکانے لگاؤ ورنہ...... (ہاہاہا)۔ مکمل ناول میں سیدہ غزل نے عبیرہ کا رول اچھا لکھا' ایسی تحریریں ایمان کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ''دل بڑی مشکل سے ہارا'' دلچسپ تحریر تھی' راعیہ' حریمہ کے نام اچھے لگے۔ مجھے کہانی میں نام بہت اٹریکٹ کرتے ہیں بشرطیکہ بہت پیارے ہوں' ناولٹ میں نبیلہ نازش ٹاپ پر رہیں۔ ''شاہراہ دل'' سلمیٰ فہیم نے بھی اچھا لکھا' افسانے سب کے اچھے تھے۔ بیاض دل میں فائزہ بھٹی' فرحت اشرف' عائشہ پرویز' دلکش فصیحہ' فریدہ' اقصیٰ زرگر کے اشعار پسند آئے۔ ڈش مقابلہ میں دعا خان اور سیدہ نسبت کی ریسپی پسند آئی دراصل مجھے سب سے زیادہ یہی ایزی لگی نا (ہاہاہا)۔ بیوٹی گائیڈ گرلز کے لیے اچھا سلسلہ ہے۔ نیرنگ خیال' ام ثمامہ' فریدہ فری' سامعہ ملک' آنسہ' ساریہ' قدیر رانا نے اچھا لکھا۔ دوست کا پیغام آئے' میرا پیغام بھی تھا شکریہ آپی۔ یادگار لمحے میں سب کے تبصرے اچھے تھے مجھ سمیت (ہاہاہا)۔ آئینہ میں حرا قریشی' سدرہ رحمن کے تبصرے اچھے تھے یار اریبہ' دلکش' پارس آئینہ میں انٹری دیا کرو پلیز۔ شہلا آپی کے جواب بڑے مزے کے اور کرارے ہوتے ہیں۔ آخر میں اتنا کہوں گی سال نو تمام قارئین' اینڈ تمام مسلمانوں کے لیے مبارک ثابت ہو آمین' اپنا خیال رکھیے اللہ حافظ۔

☆ڈیئر ملالہ! بدگمانی بری بات ہے یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے۔

**مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ۔** السّلام علیکم سوہنی بجو! آنچل اس بار 25 تاریخ کو ہی موصول ہوگیا‘ ٹائٹل قدرے بہتر تھا۔ حمد ونعت اور دانش کدہ کے بعد ڈائریکٹ ناولز پر چھلانگ لگائی اور ایک ہی جست میں پڑھ ڈالے۔ ام ایمان کی تحریر ”ظرف اپنا اپنا“ اچھی لگی۔ نزہت جبیں کی تحریر ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ کافی اچھی تھی مگر راعیہ کا یوں سر جھکا کے ہر بات کو سننا اور کڑھنا پسند نہیں آیا۔ اسی بات نے ذہاد کو اتنی شہ دی کہ وہ بے دردی سے دل کو روندتا ہی گیا۔ سلمٰی فہیم کے ناولٹ ”شاہراہ دل“ نے بھی اچھا تاثر قائم کیا مگر پھر وہی مرد تو یہ ہے ذلیل کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ سیلف ریسپکٹ تک نہیں پاس رہنے دیتے بندے کے اور سمیرا آپی پلیز شہوار کے منہ میں زبان دے دیں اس کا یہ چپ انداز بہت گراں گزرتا ہے۔ ”شام دلسوز کہر اور دسمبر“ ایک اصلاحی تحریر تھی‘ باقی آنچل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ ہاں نیرنگ خیال میں عائشہ کی غزل اور یادگار لمحے میں شبانہ امین کا انتخاب دل کو بھایا‘ اجازت دیں‘ اللہ حافظ۔

**جازبہ ضیافت عباسی...... دیول‘ مری۔** سلطنت آئینہ کی ملکہ شہلا جی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام۔ آئینہ کے دیس کی ہم جیسی تمام پریوں کو ہماری طرف سے ڈھیروں پیار اور نئے سال کی بھی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نئے سال میں اپنی رحمت کی چادر میں چھپائے رکھے آمین۔ ہم آئینہ کے ذریعے آنچل کے تمام ناول نگار‘ افسانہ نگار اور (اپنے جیسے) شعراء (ہاہاہا) کو اور آنچل کی پوری ٹیم کو سو میں سے سو نمبر دیتے ہیں کہ سب نے 2014ء کے آنچل کو اپنی پُر اثر اور رنگا رنگ تحریروں سے ہر ماہ الگ انداز میں سجایا۔ نازیہ کنول نازی‘ سمیرا شریف طور‘ راحت وفا اور ام مریم جیسی رائٹرز کے لیے تعریف کے الفاظ میں کہاں سے لاؤں‘ سمجھ میں نہیں آتا جبکہ تمام نئی لکھاری دوستوں نے بھی بہت خوب لکھا۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس نئے سال کو وطن عزیز پاکستان اور اس کے تمام باسیوں کے لیے باعث رحمت بنادے اور میرا یہ سال میری زندگی کی اداسیوں اور تلخیوں کو کم کرکے مجھے ہلکی سی مسکان دے جائے جس کو شاید میرے لب ترس گئے‘ آمین ثم آمین۔ ارے ارے ہماری تو آنکھیں بھر آئیں اور دور سے اماں جان بھی آتی دکھائی دے رہی ہیں‘ اس لیے اللہ خیر کرے اور اپنا خیال رکھیے گا‘ اللہ حافظ۔

ڈیئر جازبہ! شگفتہ انداز میں لکھا آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔

**شمع مسکان...... جام پور۔** ہیلو...... ہیلو مائی سویٹ شہلا اپیا السّلام علیکم! ادھر بھی اپنا رخ روشن کیجیے ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں‘ بھئی پچھلے مہینے ملاقات نہیں کی اور آپ بھول بھی گئیں‘ یہ امید نہیں تھی آپ سے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے اور آپ کو ہر مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ اس ماہ آنچل 29 تاریخ کو ملا‘ بہت لیٹ اور طویل جان لیوا انتظار کے بعد‘ قسط وار ناولز دونوں ہی بیسٹ انداز میں اپنی منزل کی سمت گامزن ہیں۔ ام مریم بھی اسٹوری کو اعتدال میں خوب صورتی سے اختتام تک پہنچا رہی ہیں۔ سیدہ غزل زیدی کا مکمل ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت پیارا ہے‘ ذہن کی گرہ کھولتا ہے‘ تبصرہ مکمل ہونے پر کروں گی۔ نزہت جبیں کی تحریر تو اس ماہ آنچل کی بیسٹ تحریر تھی‘ تھکا ذہن فریش ہوگیا۔ دوست کا پیغام آئے میں میری دوستوں نے اپنی شمع کو یاد رکھا‘ شکریہ۔ اچھا اب اجازت دیں‘ اگر سانسوں نے وفا کی تو اگلے ماہ اس محفل میں پھر حاضر ہوں گی‘ ربّ راکھا۔

**سحرش خان بھٹو...... کراچی۔** دسمبر کا آنچل ملا بہت دنوں کے بعد آنچل کو چھوا تو دل باغ باغ ہوگیا‘ جی پہلے تو میں ذکر کروں گی آپی سیدہ غزل زیدہ کے ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت بہترین ڈیئر‘ جی کیپ اِٹ اپ۔ بے حد عمدہ موضوع پر قلم اٹھایا‘ اللہ آپ کو کامیابی عطا کرے آمین۔ اف او آپی ام مریم کیا ہوا جی آپ ناول کا اینڈ کرو اب زیادہ دکھ نہ دیں لاریب کو اور بس خوشی خوشی اینڈنگ کردیں او کے جی۔ اب چلتے ہیں سمیرا آپی کی تحریر کی جانب جنہوں نے در شہوار کو بہت دکھ دیئے ہیں‘ آخر جو ڈر تھا شہوار کو وہی ہوا نہ تابندہ بی کے جانے کے بعد سب اس پر ہی انگلیاں اٹھانے لگے‘ سمیرا آپی کہانی کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھا رہی ہیں‘ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔



☆ڈیئر سحرش! آپ کی تجویز پر ضرور عمل کریں گے۔

**صبا شہزادی...... ننکانہ صاحب۔** السّلام علیکم! میں پہلی دفعہ آنچل میں شرکت کر رہی ہوں‘ اس دفعہ ماڈل کو دیکھ کر کوئی خاص تاثر قائم نہیں ہوسکا۔ ”دل بڑی مشکل سے ہارا“ واہ کیا کہانی لکھی‘ سارے کردار ہی بڑے اچھے تھے مگر راعیہ اور ذہاد کے کردار نے تو کہانی کو چار چاند لگا دیئے۔ ”موم کی محبت“ یہ کہانی بھی بیسٹ جا رہی ہے‘ خاص طور پر شرمین کے کردار نے تو کہانی میں انٹرسٹ پیدا کردیا ہے۔ راحت وفا آپ نے تو یہ کہانی لکھ کر کمال کردیا ہے پلیز آپ صفدر کو زیبا کے ساتھ اچھا کردیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ بھئی کیا بات ہے‘ سمیرا جی آپ کی۔ مجھے تو شہوار بے چاری پر ترس آنے لگا ہے‘ سمیرا جی آپ سکندر کو لاریب کے ساتھ ٹھیک کردیں۔ باقی سارے افسانے بھی اچھے تھے‘ یادگار لمحے اور بقیہ تمام سلسلے بھی لاجواب اور بے مثال ہیں‘ اللہ حافظ۔

☆ڈیئر صبا! خوش آمدید۔

**فاطمہ خالق فاتی...... چک نمبر 209۔** السّلام علیکم! امید ہے آنچل کی پوری ٹیم بخیر وعافیت ہوگی‘ ہم تو بس موسم سرما کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ ہر ماہ حسرت ہی رہ جاتی ہے آئینہ دیکھنے کی مگر شاید آئینہ کو ہمارے الفاظ ہی پسند نہیں یا پھر ڈاک والا ہماری ڈاک آپ تک پہنچانے کی زحمت ہی نہیں کرتا۔ بات ہوجائے ام مریم کے ناول ”مجھے ہے حکم اذاں“ کی‘ میرا ذاتی خیال ہے کہ فاطمہ پر حملہ اریشہ کے گھر والوں نے ہی کروایا ہوگا ویسے مجھے لگا تھا اس ماہ آخری قسط ہوگی لیکن آپ نے تو کہانی کا رخ پھر موڑ دیا۔ نگہت عبداللہ جی کا افسانہ ”ناں ہوندی میں“ سب پر بازی لے گیا‘ زبردست ترین...... ”ٹوٹا ہوا تارا“ دکھ ہی دکھ‘ سمیرا آپی جی بس کریں اب ہم سے شہوار کے دکھ نہیں دیکھے جاتے۔ پڑھتے پڑھتے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں‘ ویسے میرا ذاتی خیال ہے روشی ہی شہوار کی بہن ہوگی۔ نظیر فاطمہ کا افسانہ بھی اچھا لگا‘ فائزہ کنول آپ نے تو محفل ہی لوٹ لی‘ چلیں جی اب ہم چلتے ہیں‘ اللہ پاک آنچل ٹیم اور تمام قارئین کو صحت وتندرستی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

☆ڈیئر فاطمہ! خوش آمدید اور دعا کے لیے بہت جزاک اللہ۔

**سنیلہ ساغر‘ رومانہ قریشی...... مانسہرہ۔** ہماری طرف سے آنچل اور آنچل کے تمام قارئین کو پیار بھرا سلام۔ ہم آنچل کی گزشتہ تین سالوں سے خاموش قارئین ہیں جب ہمارے ہاتھوں میں آنچل آتا ہے تو ہم ہر کام بھول کر آنچل میں کھو جاتے ہیں۔ آنچل کے تمام سلسلے خاص طور پر ”ٹوٹا ہوا تارا“ ہم بہت شوق سے پڑھتے ہیں‘ ہماری طرف سے ہماری دوستوں منیبہ غزل‘ سندس پری اینڈ ثمرہ غزل کو سلام اور نیا سال مبارک ہو۔

**انعم زرین‘ سارہ زرین...... چکوال۔** السّلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو سال نو مبارک اور دعا ہے کہ یہ سال ہمارے لیے خوشیاں لائے‘ پاکستان کو اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آنچل کا ٹائٹل پسند آیا‘ سب سے پہلے دوڑ لگائی آئینہ کی طرف۔ اپنا خط دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ بیوٹی گائیڈ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی کہ میری فرمائش پوری کی گئی اور سردیوں کے حوالے سے آپ نے مفید مشورے دیئے۔ مالک یوم الدین پڑھ کر اچھا لگا‘ شہلا آپی مجھے آنچل سے بے حد اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ ہر کہانی کے شروع اشعار کا موجود ہونا بس آنچل کا اپنا ہی انداز ہے۔ ”موم کی محبت“ پڑھ کر زیبا کبھی معصوم لگتی ہے اور کبھی دھوکہ باز‘ راحت آپی آپ پلیز زیبا کے بارے میں جلدی جلدی بتایئے‘ بہت سسپنس ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ میرا پسندیدہ ناول ہے۔ شہوار نے اب اور کون سے دکھ دیکھنے ہیں اور مصطفیٰ کا ایسا رویہ؟ یہ کیا بات ہوئی کبھی ایک ناراض ہوتا ہے تو دوسرا مانتا ہے محبت میں انا تو نہیں ہوتی۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ کی یہ قسط بہت اچھی تھی۔ نبیلہ نازش کا ناولٹ ایک منفرد موضوع کا چناؤ تھا۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ کا موضوع اگرچہ پرانا ہے لیکن کہانی پر مصنفہ کی گرفت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ زبردست ناول ہوگا۔ ”دل بڑی مشکلوں سے ہارا“ کچھ خاص پسند نہیں آیا بس نارمل سا موضوع تھا‘ باقی افسانے بھی ٹھیک ہی تھے‘ اپنا خیال رکھیے گا‘ اگلے ماہ تک اللہ حافظ۔

**کائنات عابد...... فیصل آباد۔** السلام علیکم! شہلا آپی آنچل کو ہمیشہ کی طرح بیسٹ ہے "مجھے ہے حکم اذاں" بہت اچھا ہے مریم آپی لیکن بے چاری فاطمہ کے ساتھ اتنا کچھ ہو رہا ہے مگر اب کم از کم عباس کی بے رخی ختم ہوجانی چاہیے۔ باقی سکندر کا یہ انداز تو بہت بُرا لگ رہا ہے وہ اپنے پرانے والے انداز میں ہی اچھا تھا۔ یہ بے رخی والا انداز اس پر بہت مصنوعی سا لگتا ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" آخر وہی ہوا جس کو لے کر شہوار پریشان تھی۔ ناولٹ میں "رفاقتوں کے خواب" بہت اچھا لگا' افسانوں میں "ظرف اپنا اپنا" مجھے بہت پسند آیا۔ زیبی آپا کی محرومیاں ہی تھیں جنہوں نے ان کو ایسا حاسد بنا دیا' عبدالقادر جیسے منہ بولے بیٹے اتنا خیال رکھتے ہیں اور اپنے سگے بیٹوں کو ماں کا خیال ہی نہیں۔ "موم کی محبت" تو ادھورا رہ گیا باقی کے صفحات ہی نہیں تھے۔ نگہت عبداللہ اور سلمیٰ فہیم گل کو پڑھنے سے محروم رہ گئی ارے وہی صفحات کی غیر موجودگی......! دسمبر بھی چلا گیا' نیا سال مبارک ہو' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' آپی! اللہ حافظ۔

**نورین شاھد...... رحیم یار خان۔** السلام علیکم! پچھلا آنچل جس ایکسائٹمنٹ سے کھولا تھا فرحانہ ناز ملک کے بارے میں پڑھ کر دل غم سے بھر گیا۔ نئے سال کے حوالے سے دعا میں ہم نے بھی آمین کہا' سیدہ غزل کا ناول شروع کیا مگر جاری ہے دیکھ کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ خیر اچھی چیز کے لیے انتظار تو کرنا پڑتا ہے' نزہت جبیں ضیاء نے بھی خوب لکھا بہت اچھا لگا۔ ام مریم ہماری ساری ہمدردیاں لاریب کو منتقل ہوگئی ہیں' لاریب تو بے وقوف تھی مگر سکندر تو عقل مند ہے۔ ناولٹ دونوں اچھے تھے کون سا زیادہ اچھا لگا اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ افسانہ ایک سے بڑھ کر ایک "گواہی دل کی معتبر ٹھہری" نظیر فاطمہ نے خوب لکھا مگر فضہ کی سوچ اتنی درست نہیں تھی اسے رضوان کو پرکھ لینا چاہیے تھا فائزہ کنول کا افسانہ مشکل مگر لاجواب تھا۔ واقعی بچھڑے ہوئے لوگ کسی نہ کسی حوالے سے یاد آجاتے ہیں۔ "ناں ہونڈی میں" نگہت عبداللہ نے لاجواب لکھا' صالحہ نے جس کام کو پہلے خوشی سے شروع کیا اسے ڈیوٹی سمجھنا شروع کردیا۔ "ظرف اپنا اپنا" بہت زبردست تھا حاسدوں سے اللہ بچائے۔ سلسلہ وار ناول سپرہٹ جارہے ہیں بوبی' سکندر اور انا کے دماغ کا علاج ضروری ہے۔ ہمارا آنچل میں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی' دوست کا نام پیغام آئے پڑھ کر اچھا لگا۔ یادگار لمحے سب یادگار تھے' بیاض دل بھی لاجواب ہر انتخاب پسند آیا۔ ہم سے پوچھیے کا تو پوچھیے ہی مت' اب اجازت' اللہ حافظ۔

**طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش۔** السلام علیکم! میری طرف سے آنچل اسٹاف' ممبران' قارئین' لکھاری سب کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ دسمبر کا آنچل 27 نومبر کو مل گیا' آنچل کا ٹائٹل اچھا تھا۔ حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے ام مریم کے ناولٹ "مجھے ہے حکم اذاں" پڑھا' واہ سویٹ مریم بہن کیا ناولٹ ہے' تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ سب لوگ واپس اپنی اپنی جگہ پر خوشی خوشی آرہے ہیں مگر عباس کے ساتھ بہت ظلم کیا' عریشہ کی حقیقت جب اس پر کھلے گی نا تو بہت شرمندہ ہوگا۔ لاریب اور سکندر پر اب تو یہ ظلم و زیادتی بند کردیں۔ "موم کی محبت" میں صفدر پر غصہ بھی آتا ہے اور ترس بھی۔ پتا نہیں کب اس کا دل صاف ہوگا' شرمین کی والدہ کو ابھی تو نہ مارتے جب تک عارض واپس نہ آتا' شرمین اکیلی ہوگئی۔ نظیر فاطمہ بہت اچھا ٹاپک تھا سب پولیس والے ایک جیسے نہیں ہوتے' دنیا میں اچھے بُرے لوگ ہوتے ہیں۔ دعا ہے اللہ بُرے لوگوں کو ہدایت دے' آمین۔ نگہت عبداللہ "ناں ہونڈی میں" بہت نائس ٹاپک اور سچ لکھا آپ نے آج کل یہی سب چل رہا ہے اور آخر تک یہی ہوتا ہے جب انسان کو سب کچھ مل جاتا ہے تو گزری زندگی کو بھول جاتا ہے اور ایسے ہی کرتا ہے جیسے یہاں پر آپ نے دکھایا' والسلام۔

**دلکش مریم' معظم شاہ...... چنیوٹ۔** السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور تمام لکھنے' پڑھنے والوں کو نیا سال مبارک ہو' اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی تمام پریشانیاں دور کرے اور ہمیں اپنی حفظ و امان میں رکھے' آمین۔ ماہ دسمبر کا ٹائٹل بس ٹھیک تھا۔ سرگوشیاں' حمد و نعت کے بعد دانش کدہ سے معلومات میں اضافہ کیا' بہنوں کی عدالت میں نازی کے اخلاق سے ہم بھی متاثر ہوئے۔ خوب صورت ناول "ٹوٹا ہوا تارا" بہت خوب صورت موڑ پر ہے' مصطفیٰ کی



ناراضگی طویل نہیں ہونی چاہیے۔ انا اور ولید کی اب شادی ہوجانی چاہیے' شہوار کو مزید احساس کمتری کا شکار مت کریں۔ "موم کی محبت" بھی اچھا ناول ہے۔ زیبا پر افسوس ہوتا ہے ایسا لگتا ہے زیبا کا عارض سے تعلق رہا ہے' شرمین تو جھوٹی سچی محبتوں میں الجھی پڑی ہے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" اختتامی مراحل میں ہے' عباس کو اب شاید فاطمہ کا احساس ہوجائے۔ سکندر کا رویہ اچھا نہیں لگتا' سکندر کی نیچر کے لحاظ سے اس کو ایسا رویہ سوٹ نہیں کررہا اس لیے سکندر کا رویہ بدلیں مریم! ناولٹ دونوں پسند آئے' مکمل ناول "کروں سجدہ ایک خدا کو" لگ تو اچھا رہا ہے امید ہے آگے بھی اچھا ہوگا' افسانے بھی خوب تھے' اللہ حافظ۔

**نادیہ بنت یٰسین...... ساھیوال۔** السلام علیکم! آنچل اس دفعہ 27 کو ملا آئس کریم پارلر میں آئس کریم کھاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ کب گھر پہنچوں گی اور کب پڑھوں گی۔ چلتے ہیں تبصرہ کی جانب' سلسلے وار ناولز تینوں اچھے جارہے ہیں۔ ام مریم ویل ڈن! اب عباس کو فاطمہ کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور اس کی قدر کرے گا اور یہ سکندر کو کیا ہوگیا' اب بس کریں۔ محبت کرنے والوں کے یہ انداز کب ہوتے ہیں وہ بھی سچی۔ سمیرا شریف طور آپی ناول اچھا جارہا ہے' بس اب سسپنس بھی ختم کردیں اور پلیز انا اور ولید کی دوری ہم برداشت نہیں کریں گے' یاد رکھیے گا۔ راحت وفا جی اچھا لکھ رہی ہیں' مجھے بھی زیبا کی پہلی محبت عارض لگتا ہے اگر وہ ہی ہے تو اس جیسے انسان کو اب کیا کہوں' بس یہ کہ شرمین پھر اسے نہیں ملنی چاہیے اس سے بہتر پھر تو بولی ہے۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" پر تبصرہ محفوظ نزہت جبیں ضیاء کہانی کے شروع میں ہی اندازہ ہوگیا تھا پھر بھی اچھا لگا۔ سمیرا غزل کے ناول سے ملتا جلتا' افسانے پہلے ایک پڑھ چکے ہیں۔ نبیلہ نازش راؤ کی تحریر کے لیے کہوں گی' بہترین۔ نظیر فاطمہ نے اچھا لکھا' ہمارے نبی ﷺ کا بھی یہی حکم ہے کہ ہر ایک کے بارے میں نیک گمان کرو' فضہ نے غلطی کی خیر پھر اصلاح بھی کرلی۔ رضوان کا کردار اچھا لگا' فائزہ کنول نائس' لیکن اداس کردیا۔ نگہت عبداللہ کا افسانہ اور سلمیٰ فہیم گل کے ناول دونوں ہی اچھے تھے۔ چاروں بہنوں کا تعارف اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں سب اچھا لگا اور عائشہ پرویز لگتا ہے آپ ان کھٹے میٹھے ٹوٹکوں پر ضرور عمل کرتی ہوں گی' طیبہ نذیر' ارم کمال آپ کو میرے سوالات اچھے لگے' ویری تھینکس۔ باقی تمام آنچل بھی ہمیشہ کی طرح لاجواب' پھر ملیں گے زندگی رہی تو' دعاؤں کی طالب۔

**دیا آفریں...... شاھدرہ۔** ہم پھر حاضر ہیں "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا شریف طور کی کیا تعریف کی جائے۔ سمیرا نے ہر لحاظ سے اس تحریر کے ساتھ انصاف کیا ہے' اس کے بعد بات کروں ام مریم کے ناولٹ "مجھے ہے حکم اذاں" اکتوبر تک تو بہترین گیا ہے کیا سمیٹا ہے کہانی کو مگر سکندر کو کیا کردیا اتنا کیسے بدل سکتا ہے مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ آپ بھی کیا کہیں گی جب بھی آتی ہے شکایتوں کا پلندہ ساتھ لیے آتی ہے' مگر کیا کیا جائے۔ سب سے پہلے تو آپ کی شخصیت والا سلسلہ دوبارہ بحال کیا جائے یا اسی نوعیت کا کوئی اور سلسلہ شروع کریں' اب تو آنچل بھی ماشاء اللہ کپلو کپلو سا ہوگیا ہے' تھوڑی جگہ بنائیں نا۔ ناول ہو یا ناولٹ یا پھر افسانہ ہی لیجیے' ہر تحریر ہمارے معاشرے کی عکاس ہوتی ہے۔ رائٹرز انہی سماجی واقعات و موضوعات پر کہانی بنتے ہیں' اس طرح سے کہ پڑھنے والا لطف بھی لیتا ہے اور حقیقت سے آگاہ بھی ہوتا ہے مگر معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اگست 2014ء میں شروع ہونے والا نیا سلسلے وار ناول حقیقت سے بہت دور ہے۔ "موم کی محبت" صرف ایک خوب صورت لڑکی کی محبت ہے' جس کے پیچھے ہر کوئی پاگل ہے۔ یہاں تو محبت کا مفہوم ہی دھندلا دکھائی دیتا ہے' آنچل نے اتنے زبردست ناول دیئے ہیں کہ یہ کچھ ہضم نہیں ہو رہا ہے' اب اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

**دعا ھاشمی...... فیصل آباد۔** دسمبر کا آنچل ملا تو ٹائٹل کچھ خاص متاثر نہ کرسکا' در جواب آں کی راہداری سے گزرے' مشتاق انکل کی محفل میں حاضری لگوائی۔ ذہن و دل کو منور کیا' اب آگئے "ہمارا آنچل" میں' عشنا نور' عمرانہ شاہین' لبنیٰ سید سے مل کر اچھا لگا۔ محمدی بی بی سے ملاقات بھی دلچسپ رہی مگر آنٹی آپ نے اپنی نواسی سے ہمارا تعارف نہیں کروایا جن کی خواہش پر آپ نے انٹرویو بھیجا۔ سیدہ غزل زیدی کا ناول "کروں سجدہ ایک خدا کو" بہت

اچھا لگا' بہت حساس موضوع چنا ہے آپ نے مگر کاشان آفریدی اور طوبیٰ کے بارے میں زیادہ نہیں بتایا خیر بیسٹ آف لک۔ راحت وفا ''موم کی محبت'' زیبا کا ماضی یقیناً عارض ہوگا لیکن ناول کچھ خاص متاثر نہیں کر پارہا۔ ام ایمان قاضی کے افسانہ میں انہوں نے حور کو فراموش کردیا' وہ سدھری یا نہیں اور سدھری تو کیسے؟ خیر موضوع بہت اچھا تھا۔ یہ پیری فقیری نری ڈرامہ بازی ہوتی ہے' پیسے بٹورنے کے طریقے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں مصطفیٰ کا رویہ پسند نہیں آیا اب جبکہ شہوار سدھر رہی تھی تو اسے شہوار کو سمجھنا چاہیے تھا اور تابندہ کا ماضی شاید ولید ضیاء لوگوں سے جڑا ہے۔ سمیرا غزل صدیقی ویل ڈن' بہت اچھا لکھا۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' فاطمہ کا عباس سے سرد رویہ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ فائزہ کنول' بہت اچھا' زبردست...... الفاظ کا چناؤ بہت اعلیٰ تھا' کیپ اِٹ اپ۔ 20 نومبر کو انا احب کی زندگی میں ایک ننھی پری کی آمد نے خوشیاں بکھیر دی ہیں اور دعا آنو کی فیری (مطرب) کو ایک گڑیا مل گئی۔ ہم نے اس کا نام انائیہ رکھا ہے۔ یادگار لمحے کی محفل روبی علی اور عائشہ رانا کے نام رہی۔ آپ سب کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو' اللہ کرے یہ نئے سال کا سورج اپنے ساتھ ڈھیروں خوشیاں لے کر طلوع ہو' اس سال 20 جولائی کو میں نے اپنی مما کو ہمیشہ کے لیے کھودیا' سچ ہے کہ کسی ایک انسان کے چلے جانے سے زندگی نہیں رکتی مگر...... تمام دنیا مل کر بھی اس ایک انسان کی کمی پوری نہیں کرسکتی' سو میری ذات کا خلا ہنوز ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

**مریم زمان...... منڈی بہاؤ الدین۔** السلام علیکم ڈیئر شہلا آپی اور تمام آنچل اسٹاف کیسے ہیں' آپ سب لوگ یقیناً خیریت سے ہوں گے۔ اب بات ہوجائے آنچل کی تو جناب میں پچھلے چھ سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں۔ ''برف کے آنسو'' ویل ڈن نازیہ جی آپ کو بہت بہت مبارک ہو اتنا اچھا ناول لکھنے پر۔ آپ نے ہمیشہ کی طرح بہت اعلیٰ اور خوب صورت لکھا باقی سب ناول جیسے کہ ''ٹوٹا ہوا تارا' موم کی محبت'' سب اچھے جارہے ہیں۔ ام مریم جی آپ کا ناول ''مجھے ہے حکم اذاں'' سپرہٹ جارہا ہے' افسانے بھی اچھے اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

☆ ڈیئر مریم! خوش آمدید! آئینہ میں صرف تبصرہ شائع ہوتا ہے آپ الگ سے تعارف ارسال کریں۔

**عائشہ نور عاشا...... شادیوال' گجرات۔** السلام علیکم کیا حال چال ہیں سب کے' میں بہت دیر بعد حاضر محفل ہوں۔ تبصرہ کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر آنچل ہم تک لیٹ پہنچتا ہے' جس کی وجہ سے نہیں لکھ پاتی' ہاں ایک بات یاد آئی ہے جب بھی طیبہ نذیر کی شاعری شائع ہوتی ہے مجھے آنچل سجا سجا سا لگتا ہے شاید اس لیے کہ طیبہ نذیر میرے ہی قصبے سے تعلق رکھتی ہیں' اجازت چاہوں گی' اللہ آنچل کو ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

**مریم مغل...... حیدر آباد' سندھ۔** السلام علیکم! مجھے آنچل ڈائجسٹ بہت پسند ہے آنچل پڑھنا میں نے 8th کلاس سے شروع کیا اس وقت میں باجی سے ڈائجسٹ چھپ چھپ کر پڑھا کرتی تھی لیکن اب تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں ہر ماہ باقاعدگی سے ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔ آنچل میں لکھنے کی خواہش کافی عرصے سے دل کے کسی کونے میں محفوظ تھی لیکن آج قلم اٹھا کر اپنی اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچا ہی دیا۔ آنچل ڈائجسٹ پڑھنے کی خاص وجہ یہ بھی کہ اس میں تمام اسٹوریز اصلاحی موضوع پر ہوتی ہیں جنہیں پڑھ کر ہم میں بہت مثبت تبدیلیاں آئی ہیں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ قسط وار کہانیاں تھوڑی زیادہ ہوں' اب اجازت چاہوں گی اگلی بار ان شاء اللہ مکمل اور تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

☆ ڈیئر مریم! خوش آمدید۔

**صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد سندھ۔** السلام علیکم پیاری شہلا آپی! اس ماہ کا آنچل 21 کو ملا' سمیرا آپی بہت اچھے سے ناول آگے بڑھ رہا ہے' تابندہ کا ماضی کھول دیں اب ہم سے شہوار کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی اور انا کو تھوڑی سی عقل بھی دیں۔ عفت سحر' سعدیہ امل' واپس آجائیں سلسلے وار ناول کے ساتھ' باقی سارا آنچل بیسٹ ہے۔ نادیہ فاطمہ' سباس گل' سیدہ گل بانو' عائشہ خان آپ لوگ بھی سلسلے وار ناول لکھیں ناں۔ آنچل



تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے اتنی پیاری دوستوں سے نوازا' لاڈو ملک' پری چوہدری' مہک ملک' اریبہ شاہ' آئی مس یو سوچ۔ اللہ پاک پیارے ارض وطن کو بدنظروں سے بچائے اور پاکستان کا پرچم ہمیشہ بلند رکھے آمین۔

**عائشہ رانا...... فیصل آباد۔** السلام علیکم! پیاری آپی جی پہلی بار بزم آئینہ میں حاضر خدمت ہیں آپ سب کے لیے یہ سال امن وسلامتی کا پیامبر ٹھہرے آمین۔ یہ سال بھی غروب آفتاب کی طرح غروب ہونے کو ہے اس سال بہت کچھ پایا اور بہت کچھ کھویا جیسا کہ ہم نے بہت ہی اچھی رائٹر فرحانہ ناز ملک کو کھوچکی ہیں۔ یہ ایک کڑوی حقیقت ہے جسے ہر حال میں برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف' ماڈل کچھ خاص متاثر نہیں کرسکی۔ شرمین کی اماں کے انتقال کا سن کے بہت دکھ ہوا' عباس کا فاطمہ کے ساتھ رویہ دل خوش کرگیا لیکن بے چاری یہ گولیوں کی بوچھاڑ عریشہ کے رشتے داروں میں سے ہی کسی نے کی ہوگی۔ مریم آپی آپ جڑانوالہ سے تعلق رکھتی ہیں' سچ جانئے بہت خوشی ہوئی۔ ارم کمال کے تبصرے میں اور یادگار لمحے میں اپنا نام دیکھ کر ڈھیروں خون بڑھا' چلتی سانسوں نے بے وفائی نہ کی اور زندگی نے ساتھ دیا تو پھر کبھی ملاقات ہوگی' فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر عائشہ! خوش آمدید۔

**حلیمہ چوہدری...... بچیانہ۔** السلام علیکم شہلا آپی! امید کرتی ہوں کہ بالکل فٹ فاٹ ہوں گی ''موم کی محبت'' بہت اچھا جارہا ہے۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' لاریب کے ساتھ سکندر بھائی کو ایسے ہی کرنا چاہیے' عباس حیدر کو بھی اب فاطمہ کی اہمیت کا پتا چل رہا ہے' ویری گڈ۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' آپی انا بے چاری پر مجھے بہت ترس آتا ہے پلیز ولید کو انا سے دور مت کرنا اور مصطفیٰ نے بہت اچھا کیا' شہوار کے ساتھ ناراض ہوکر۔ ایسے ہی شہوار کو عقل آئے گی' باقی تمام ناولز بھی بہت اچھے تھے۔ یادگار لمحے میں سب نے بہت اچھا لکھا۔ ''کام کی باتیں'' ہالہ سلیم نے بہت اچھا لکھا' اللہ کرے نیا سال تمام امت مسلمہ کے لیے ڈھیروں خوشیاں لائے آمین۔

☆ ڈیئر حلیمہ! ہماری جانب سے پیشگی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے۔

**مبین اعظم...... مظفر گڑھ۔** ڈیئر شہلا آپی! السلام علیکم! آپی سب سے پہلے ہماری عزیز ترین رائٹر فرحانہ ناز ملک کے لیے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔ فرحانہ جی ادب کی دنیا کا ایک روشن ستارہ تھیں جو ٹوٹ گیا اور ہم سب ان کے گھر والوں کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں' اب آتی ہوں آنچل کی طرف ہمارا آنچل دن بہ دن خوب ترقی کررہا ہے' آپی غزل زیدی کی تحریر ''کروں سجدہ ایک خدا کو'' اتنی زبردست تحریر ہے کہ میں جتنی تعریف کروں کم ہے اور واقعی ہم سب کو اس وقت اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور راحت جی کی ''موم کی محبت'' لگتا ہے جیسے عارض ہی زیبا کا مجرم ہے۔ ''شاہراہ دل'' بھی اچھی تحریر تھی اور میری موسٹ فیورٹ تحریر ''مجھے ہے حکم اذاں'' اس تحریر کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ کم ہیں اور ''ٹوٹا ہوا تارا'' پلیز سمیرا جی اب شہوار کے ساتھ کچھ برا نہ ہو' نزہت جی کی تحریر بھی اچھی تھی۔ اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

**سامعہ ملک پرویز...... خان پور۔** مائی ڈیئرسٹ اینڈ کیوٹ آپی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سال نو کی مبارک باد اور سلام لیے آپ کی بزم میں حاضر ہوں' بھیگا دسمبر اپنی یخ بستہ صبحوں اور ٹھٹھرتی شاموں کے سنگ ہمیں الوداع کہنے کے ساتھ جنوری کی برفانی صبحوں کا حسین آنچل ہمارے ہاتھوں میں تھمائے چلا جارہا ہے۔ ایک سال زندگی سے اور کم ہوگیا مگر یہی نظام قدرت ہے اور یہی نظام زندگانی۔ دسمبر کا آنچل اپنی خوب صورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے حاضر وموجود ہے مگر اُف یہ ماڈل اتنے خوب صورت دسمبر میں ایسا اوٹ پٹانگ ٹائٹل بالکل بھی سوٹ نہیں کیا۔ حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد دانش کدہ میں حاضری دی اور یوم آخرت کے خوب صورت حوالے اور متن سے مستفید ہوئی پھر باری آئی سلسلے وار ناولز کی تو ام مریم کا ناولٹ آف دا لسٹ رہا۔ سمیرا آپی پلیز جلدی جلدی ختم کریں ناراضگیاں۔ اتنے دلنشین موسم میں دلبر کی ناراضگیاں زیادہ تنگ مت کریں ناں' گلے شکوے

ختم کردیں پلیز۔ راحت وفا کا ناول بھی اچھا جارہا ہے‘ عارض کی چاہتیں اور شدت محبت کو کہیں زمانے کی نظر نہ لگ جائے مجھے تو یہی لگتا ہے خیر دیکھا جائے گا‘ باقی ناولز میں ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ ایمان میں نئی روح پھونکنے اور معلومات میں اضافہ کرنے والی تحریر نے اپنے طلسم میں جکڑ رکھا ہے۔ نگہت عبداللہ‘ سلمیٰ فہیم گل‘ ام ایمان‘ سمیرا غزل‘ نبیلہ نازش‘ نظیر فاطمہ اور فائزہ کنول نے بہت زبردست جادوئی الفاظ آنچل کی زینت بنائے۔ فائزہ کنول پہلی بار جلوہ گر ہوئیں ویلکم جی اینڈ گڈ لک فور یور فیوچر...... بیاض دل میں گلناز مان‘ پروین افضل‘ ملائکہ‘ مہر گل اور فائزہ بھٹی کے اشعار زبردست رہے۔ شاعری میں سب کے الفاظ بھلے محسوس ہوئے‘ شگفتہ خان بھلوال کے الفاظ اور دعا پڑھ کے یکدم لبوں سے آمین نکلا۔ اللہ ہم سب کو اپنا پاک گھر دیکھنے کی سعادت نصیب فرمائے‘ آمین۔ باقی سب سلسلے زبردست رہے‘ اب اجازت چاہوں گی‘ اس دعا کے ساتھ کہ ربّ العزت ہم سب کو کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازے اور آنے والے سال میں ہمارے ملک بلکہ پورے عالم اسلام کو اتحاد و یکجہتی کی دولت سے مالا مال فرمائے‘ آمین‘ اللہ حافظ۔

**حافظہ خنساء آفرین...... راجن پور۔** السلام علیکم! آنچل میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں۔ ویسے تو آنچل میں پچھلے دو سالوں سے پڑھ رہی ہوں لیکن لکھنے کی ہمت آج ہوئی ہے آنچل میں موجودہ سیدہ غزل زیدی کا مکمل ناول کا ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ مجھے بہت اچھا لگا اس میں دانیال کا کردار پہلے پڑھ کر بہت افسوس ہوا لیکن پھر خوشی ہوئی کہ وہ واپس لوٹ آیا ایک حافظ قرآن ہو کر ایسی حرکت بس اللہ تعالیٰ ایسا گناہ کرنے سے سب کو محفوظ رکھے‘ کیوں کہ میں خود ایک حافظ قرآن ہوں اور دوسرا کردار عمیر عباد بہت اچھا لگا۔ وہ اسلام کو بہت اچھا بیان کررہی ہے اس کے بعد ”ٹوٹا ہوا تارا“ مجھے بہت اچھا لگتا ہے پلیز اب شہوار کو کچھ مت کیجیے گا اور تابندہ بی بی کے ماضی کو کھول دیں‘ ”موم کی محبت“ بھی بہت اچھا جارہا ہے‘ باقی سب کچھ بہت اچھا تھا سب لکھاری بہنیں بہت اچھا لکھتی ہیں‘ آنچل کو اللہ پاک بہت ترقی دے آمین۔

☆ ڈیئر خنساء! خوش آمدید۔

**شازیہ اختر...... نور پور۔** پیاری آپی شہلا قارئین اینڈ رائٹر السلام علیکم! آنچل اس دفعہ 25 کو مل گیا‘ سرورق اچھا تھا ہمیشہ کی طرح سرگوشیاں سننے کے بعد سلسلہ وار ناول کی طرف دوڑ لگائی‘ سب سے پہلے ”ٹوٹا ہوا تارا“ پر پہنچے۔ میرا خیال ہے کہ اب عباس بھائی عادلہ کو چھوڑ کر رابعہ سے شادی کرلیں‘ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کاشفہ کو گولی ماردوں یہ ولید اور انا کہ بیچ کباب میں ہڈی بن رہی ہے۔ مصطفیٰ میرے خیال میں شہوار کے ساتھ بالکل ٹھیک کررہا ہے اب ایسا بھی انسان کو بے مروت نہیں ہونا چاہیے اور ”موم کی محبت“ میں میرا خیال ہے کہ زیبا کی عزت سے کھیلنے والا عارض ہی ہے اب صفدر کو چاہیے کہ وہ زیبا کو معاف کردے شرمین کی تو مجھے سمجھ ہی نہیں آرہی کہ اس بے چاری کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ ”مجھے ہے حکم اذاں“ سکندر کو اب پلیز مت ستاؤ ورنہ میں غصے میں آکر تمہیں تھپڑ لگادوں گی‘ بے چاری کو اب بخش دو۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے پھر حاضر ہوں گی‘ اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ سال نو کا سورج بہت سی برکتیں‘ رحمتیں اور نعمتیں لیے ہمارے ارض وطن پر طلوع ہو‘ ربّ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت و نیک عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk



# ہم سے پوچھیے

## شمائلہ کاشف

انعم چوہدری...... جتوئی

س: آپی لگتا ہے آپ پروین افضل شاہین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے کافی تیاری کرکے آئی ہیں۔

ج: آپ کی قسم بالکل بھی نہیں۔

س: شمو جی چائنا کی چیزوں کے بارے میں میری رائے ہے کہ چلے تو چاند تک نہ چلے تو شام تک اس بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟

ج: چلیں تو ریل گاڑی، نہ چلیں تو بیل گاڑی۔

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپی جی اتنی دیر بعد آئی ہوں آپ کی محفل میں مس کیا؟

ج: نہ جی البتہ آپ کی مس نے آپ کو بہت مس کیا سچ میں۔

س: آپی میری پیاری سسٹر کی سالگرہ ہے اسے وش کردیں میری طرف سے پلیز۔

ج: سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، خوش رہو وہ بھی اپنے خرچہ پر۔

س: آپی جی ہمدرد انسان کیسے ہوتے ہیں؟

ج: ہماری اور تمہاری طرح ہوتے ہیں ان کے سر پر سینگ تھوڑی ہوتے ہیں۔

س: آپی پاگل اور بے وقوف میں کیا فرق ہے؟

ج: کوئی فرق نہیں ہے تم دونوں خوبیوں سے آراستہ ہو۔

س: اچھی سی دعا دیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ میں سنگل ہوں ابھی۔

ج: دعا ہے کہ جلد از جلد ڈبل ٹرپل ہوجاؤ۔

کومل زینب...... 18 ہزاری، جھنگ

س: شمائلہ آپی ہم پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کررہے ہیں کیسا لگ رہا ہے؟

ج: اظہار بھی مشکل ہے کچھ کہہ بھی نہیں......

س: آپی سردیاں مبارک ہوں۔

ج: کون سی سردیاں جو گزر گئی پچھلے سال؟

س: شعر کا جواب شعر میں دیں،

جستجو میں تھا تیری تو تجھے احساس نہ تھا
رو رو کے پکاریں گے ذرا مر تو جانے دو

ج: ایسے شعر کا جواب کسی بھی بس کے پیچھے دیکھ لو۔

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

س: پیاری شمائلہ آپی! آپ کیا لگا رہی ہیں چہرے پر بڑا چمک رہی ہیں۔

ج: مس کومل آپ کو سب بتادوں۔

س: آپی ہمیں محبت میں ہمیشہ دھوکہ ہی کیوں ملتا ہے؟

ج: اچھا ہے ناں کہ ہر چیز دھو کر ملے تو اچھا ہی رہتا ہے۔

س: آپی ان کی برتھ ڈے آرہی ہے بھلا انوکھا سا کیا گفٹ کروں انہیں؟

ج: اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھانے کی لسٹ تھمادو بس۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اگر پرستان کی پریاں تمہارے پرنس کو پرستان لے جائیں تو تم بتاؤ کہ میں واپس آؤں گا یا نہیں، میں کیا جواب دوں؟

ج: ایسوں کو پریاں نہیں جن بھوت لے جاتے ہیں۔

س: اکثر میرے میاں جانی کے چودہ طبق کیوں روشن ہوجاتے ہیں؟

ج: ہاتھ ہلکا رکھا کرو، بے چارے ایک ہی ہیں اور اس پر بھی اتنا ظلم۔

س: میں اس نئے سال سے محبت، وفا اور خلوص کی سیل لگا رہی ہوں آپ کیا منگوائیں گی؟

ج: سب کچھ تو مجھ سے لے کر جارہی ہو، اسے کہتے ہیں ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں۔

کرن فاروق...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

س: ارے ارے بیٹھ جائیں ہمیں دیکھ کر آنکھیں آپ کی چندھیا جائیں گی۔

ج: ہمارے ساتھ کتنوں کی آنکھیں چندھیا نہیں پھٹ گئیں تم نے میک اپ ہی اتنا فضول جو کیا ہے۔

س: شمائل جی میں نے رات خواب میں آپ کو دیکھا ناک پر عینک ہاتھ میں لاٹھی اور......

ج: لاٹھی جو کمر پر زور سے کھائی وہ بھول گئی کیا پھر سے لاؤں۔

حرا قریشی...... بلال کالونی، ملتان

س: آپی آپ کے نزدیک ایک معیاری تحریر کی کیا خوبی ہے؟

ج: وہ ردی کی ٹوکری میں جانے سے بچ جائے۔

س: آپی آپ نے حاضر جوابی سیکھی یا......؟
ج: حاضر جوابی، بزجستگی، بذلہ سنجی یہی تو ہمارے اوصاف ہیں۔
س: آپی آپ واقعی اچھی ہیں یا ہمیں اچھی لگتی ہیں؟
ج: اچھی ہوں جب ہی تو تمہارے ساتھ ساتھ سب کو بھی اچھی لگتی ہوں...... بس کبھی غرور نہیں کیا۔

عائشہ پرویز...... کراچی

س: سنا ہے کراچی میں دسمبر، دسمبر نہیں لگتا؟
ج: ہاں دسمبر نہیں بلکہ ستمبر لگتا ہے۔
س: آپی جی سردی اتنے مختصر دورانیے کی کیوں ہوتی ہیں؟
ج: اس بے چاری کو بھی سردی لگتی ہے اس لیے کم آتی ہے۔
س: کچھ لوگوں کی دسمبر کے ساتھ یادیں وابستہ ہوتی ہیں کیوں؟
ج: انہی لوگوں سے پوچھو۔
س: سرد برفیلی راتیں، نرم گرم بستر، ایک اسٹرونگ ٹی مگ اور اس کے ساتھ؟
ج: اب یہ بھی ہم بتائیں شرم کرو۔
س: آپی جانی مجھے تو آئسکریم کھانے کا لطف سردیوں میں آتا ہے اور آپ کو؟
ج: کوئی موسم ہو دل میں ہے آئسکریم کا موسم بس اب کھلا بھی دو تم۔
س: اچھا آپی اجازت چاہتی ہوں ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ؟
ج: جی بالکل اجازت ہے سدا مسکراؤ۔

سعدیہ ناز...... لالہ موسیٰ

س: آپی لوگ کہتے ہیں دال میں کچھ کالا ہے، سبزی میں کچھ کالا کیوں نہیں کہتے؟
ج: آپ سبزی میں کالا کہہ لیں ہو دنیا میں احمق کم تو نہیں۔
س: آپی یہ کس کا شہر ہے، ک۔ر۔ا۔چ۔ی۔
ج: روشنیوں کا شہر تھا لیکن واپڈا کی عنایت کی بدولت تاریکیوں میں ڈوبا گیا اب۔
س: آپی میں نے سوال ہاتھوں سے لکھے ہیں یا دل سے؟
ج: بلو پین سے وہ بھی ادھار مانگ کر۔
س: بکرے کی ماں کب تک خیر منائیں گی بکری کی ماں کیوں نہیں؟
ج: بکری ہی تو بکرے کی ماں جی ہیں۔
س: اپنی تو جیسے تیسے کٹ جائے گی آپ کا کیا ہوگا؟
ج: ماشاء اللہ سے بہت اچھا ہوگا اور ہو ہی رہا ہے بس تم اپنی خیر مناؤں۔
س: اگر سفر کرتے ہوئے راستے میں جوتا ٹوٹ جائے تو سفر مکمل ہوگا یا نہیں؟
ج: اگر تمہارے وہ تم کو اٹھا......

آمنہ غلام نبی...... کے ٹی ایس، ہری پور

س: پیاری اپیا جانی جلدی سے خوش آمدید کہیں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں؟
ج: یہ بتاؤ اتنی دیر کہاں تھیں چلو مرغی بن جاؤ جلدی سے۔
س: اپیا سب چھوٹے بڑے آپ کو آپی کہتے ہیں بھلا کیوں؟
ج: آپس کی بات ہے، میں خود نہیں جانتی۔
س: اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟
ج: سدا خوش رہو۔

نوشین مشتاق جوئیہ...... لودھراں

س: ہم آپ کو کس حد تک عقل مند کہیں؟
ج: جس حد تک آپ بے وقوف ہیں۔
س: ہم تمہارے ہیں تمہارے صنم، بھلا کس طرح سے؟
ج: آنچل کے رشتے سے۔
س: جمعرات بھری مراد نہ ہو کوئی آپ کی محفل سے نامراد؟
ج: صدا تو بہت اچھی لگاتی ہو، لیکن یہ بتاؤ کس چوک پر؟
س: آپی آپ کو کہیں دیکھا ہے مدات کو آئینہ دیکھا تو یاد آیا؟
ج: ہرگز نہیں بالکل بھی نہیں۔
س: مصرعہ مکمل کریں، تم آئے تو آیا مجھے یاد کہ......؟
ج: تم نے ادھار لیا تھا، بتاؤ کب واپس کرو گی؟

کوثر خالد...... جڑانوالہ

س: شمائلہ، اگر کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ ہو تو بندہ کیا پوچھے، بتاؤ نا؟
ج: کچھ مت پوچھو منہ پر گوند لگالو۔

امبرین کوثر...... ملتان

س: آپی آپ کو چاہنا اچھا لگتا ہے یا چاہے جانا؟
ج: دونوں ہی اچھا لگتا ہے، کیونکہ پیسے خرچ نہیں ہوتے۔
س: پہلی ملاقات میں کسی میں کیا دیکھتی ہیں؟
ج: اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوں کہ ملاقات کے قابل بھی ہے یا نہیں۔

نادیہ کامران...... راولپنڈی

س: اتنے عرصے بعد ہماری آمد کو کیسا محسوس کیا؟



ج: ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح۔
س: آپ کی نظر میں زندگی کا سب سے خوبصورت رشتہ؟
ج: والدین کا۔
س: ماں کے لیے اپنے جذبات کا اظہار شعر میں کریں؟
ج: محبت کے لفظ کم لگتے ہیں
ماں ایسی ہی ایک ہستی ہے
س: میری ننھی کلی عائشہ بخاری کے لیے کوئی خوب صورت سی دعا؟
ج: ننھی کلی پھول بن کر آپ کی زندگی کو مہکا دے۔

ماریہ کنول ماہی...... چک دورکاں

س: جس دن شامل نہ ہوں ان کی محفل میں
ہزاروں چراغ جلنے پر بھی تاریکی غالب رہتی ہے
شعر سے جواب دیں۔
ج: مس روشنی دوران لوڈشیڈنگ ہمارے ہاں بھی آجایا کرو، روشنی کرنے۔
س: آپی مجھ سے دشمنی ہے جو میرے سوال شامل نہیں کرتی؟
ج: ہمیں تو نہیں البتہ ڈاکیے کو ہو سکتی ہے دشمنی جو تمہاری ڈاک مہنگائی کے باعث کہا جاتا ہے۔
س: اگر ہماری انٹری اتنی بری ہے تو نہیں آئیں گے لوٹ کر (سوچ لیں)
ج: سوچ لیا، بوجھو تو کیا؟
س: اچھی سی دعا دیں کیونکہ یاد پانچ دسمبر کو میری سالگرہ جو ہے۔
ج: سالگرہ مبارک ہو، سدا خوش رہو۔ کیک کھلا دینا۔

شبنم کنول...... حافظ آباد

س: ہائے کیا حال ہے آپ کا آنٹی جی؟
ج: ہائے...... آنٹی کہہ کر اپنی عمر چھپا گئیں منی۔
س: کیسی لگی میری فٹ انٹری اچھی ہوں اچھی لگی نا؟
ج: خوش فہمی تو دیکھو۔
س: آخر وہ مجھ سے کیوں لڑتی ہے پتہ ہے کون میری بہن؟
ج: وہ بھی تمہاری طرح لڑاکا جو ہے۔
س: مجھے سمجھ نہیں آتی آپ کی؟
ج: نا سمجھ ہمیں سمجھنا مشکل ہے جتنی۔
س: تم سے ملنا باتیں کرنا بڑا اچھا لگتا ہے۔
ج: اچھا، مگر ہمیں تو تم سے مل کر ایسا کچھ نہیں لگتا۔
س: کوئی محبت بھری دعا کے ساتھ اجازت، ارے آپی جاؤں گی تو دوبارہ آؤں گی اجازت دے بھی دیں، خدا حافظ۔
ج: جتنی دور سے آئی ہو جلدی سے اتنی دور خیر و عافیت سے پہنچ جاؤ۔

حافظہ راشدہ وہاڑی...... ماچھیوال

س: میرا دوبارہ دھرنے میں شامل ہونا کیسا لگا آپ کو؟
ج: انتہائی فضول۔
س: وہ میری صبح میں، شام میں اور رات میں ہے بھلا کون؟
ج: انتظار، لائٹ آنے کا۔
س: آپی اگر محبت روٹھ جائے اور آس بھی ٹوٹ جائے تو پھر کیا کہا جائے؟
ج: دونوں کو چھوڑ کر گھر کے کام کرنے چاہیے۔
س: جسم پر لگے زخموں کا علاج تو ہو سکتا ہے لیکن دل کے زخموں کا علاج کیسے کیا جائے؟
ج: دوبارہ دل لگا کر۔
س: او کے آپی گھوریں مت آپ ٹھہریں میں چلتی ہوں۔
ج: شکر ہے، ورنہ مجھے ہی جانا پڑتا۔

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن

س: شمائل آپی آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، تھوڑی سی جگہ دیں گی؟
ج: بہت دیر کی مہربان آتے آتے، دروازے پر ہی کھڑی رہو، کان پکڑ کر۔
س: آپی مجھے کوئی اچھا سا پیغام دیں؟
ج: اپنے رب کی رحمت سے کبھی مایوس و نا امید نہ ہونا۔
س: آپی آخر ہمارے ملک کا اندھا قانون کب بدلے گا؟
ج: کیوں آپ نے آنکھوں والا بلکہ نظروں والا قانون دیکھنا ہے۔

بیہ رائے...... فیصل آباد

س: مزاج بخیر ہوں چہرہ کیسے لال ٹماٹر ہو رہا ہے؟
ج: تمہارا تاں، بتاؤ تمہیں کس نے مارا؟
س: جے مینوں یار نہ ملے تے میں مر جاواں۔
ج: جب بھی گاؤ گی بے سرا ہی گاؤ گی، باتھ روم میں گاؤ اپنا شوق پورا کرو۔
س: اس سے پہلے کہ آپی کا جوتا اٹھے مجھے فرار ہو جانا چاہیے، بچاؤ۔
ج: رکو جاتی کہاں ہو، اپنا جوتا تو لیتی جاؤ۔

انیلہ تبسم......خانیوال

س: پہلی بار شریک محفل ہوں، آپی خوش آمدید کے علاوہ کیا کہیں گی آپ؟

ج: ہر دفعہ آئیں مگر سوچ سمجھ کر۔

س: آپی ہر پرخلوص رشتے میں بھی لوگ عیب کیوں تلاش کرتے ہیں؟

ج: جن میں خود عیب ہوتا ہے وہ عیب اور جن میں اچھائی وہ اچھائی تلاش کرتے ہیں۔

س: آپی جب میرے ہاتھ میں آنچل ہوتا ہے تو ہر کسی کے چہرے پر بارہ کیوں بج جاتے ہیں؟

ج: جیلس ہوتے ہیں ناں اس لیے۔

عنزہ یونس......حافظ آباد

س: بہاروں کی ملکہ کیا آپ ہم ناچیز سے گفتگو کرنا پسند کریں گی؟

ج: گفتگو ذرا معقول کرنا۔

س: بہاروں کی ملکہ آپ سے محبت ہوگئی ہے اور سمجھ نہیں آتی اظہار کیسے کروں آپ ہی بتائیں؟

ج: اظہار کے لیے کوئی مہنگا سا تحفہ بھیج دو بس۔

س: بہاروں کی ملکہ آج کل وہ ہمارے خوابوں میں بہت آتے ہیں جوتوں سمیت بولیے کون؟

ج: محبت ہم سے اور خواب کسی اور کے، جوتے ہی پڑنے چاہیے تم کو تو بہت سارے۔

ارم کمال......فیصل آباد

س: اس دفعہ کا دسمبر کہاں رہ گیا ہے؟

ج: جون کے مہینے میں سب شدو سے یاد کر رہے تھے نا تو وہیں رہ گیا۔

س: دل کی حالت الٹ پلٹ کب ہوتی ہے؟

ج: جب میاں جی کا پارہ ہائی ہوتا ہے۔

س: دسمبر بھیگا بھیگا سا کیوں ہوتا ہے؟

ج: تم بھیگی آنکھوں سے دیکھتی ہوں گی نا۔

س: وہ اس دفعہ تو دھرنا ہی دے کر بیٹھ گئے ہیں کہ......؟

ج: تم آئندہ میکے مت جانا۔

س: ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو باپ کون ہے؟

ج: ضرورت باپ، ایجاد ماں اور سائنس ان کا بچہ......بس یا اور کچھ۔

س: وہ مجھے چار آنکھوں سے کیوں دیکھتے ہیں؟

ج: تم دو آنکھوں سے نظر جو نہیں آتیں آنکھیں چار کرنے کے لیے۔

س: دل کے سمندر میں کب سیلاب آتا ہے؟

ج: کیوں تم نے کسی کو ڈبونا ہے؟

لیلیٰ شاہ......چک سادہ گجرات

س: پیاری آنی کیا میں نے سچ سنا میری جدائی میں آپ نے......؟

ج: ہاں، دوسروں کو جگہ دے دی۔

س: آنی جو سیدھی طرح عیدی نہ دیں ان سے کیسے لینی چاہیے؟

ج: لو تم ابھی تک عیدی پر ہی اٹکی ہوئی ہو، یہاں نیا سال شروع ہوگیا......جاگو جاگو......

س: آنی میں آپ سے عیدی نہیں مانگوں گی بس ایک پیارا شعر جو میرے نام؟

ج: شیر حکومت بچاؤ میں مصروف ہے تم گیدڑ سے کام چلاؤ۔

حلیمہ چوہدری......بچیانہ

س: آپی پہلی بار انٹری مار رہی ہوں کیسا لگا؟

ج: بہت زور سے ماری ہے، اف اللہ......

س: شمائلہ آپی جاگتی آنکھیں خواب کیوں دیکھتی ہیں؟

ج: خواب نہیں سراب دیکھتی ہیں۔

جاذبہ ضیافت عباسی......مری

س: ارے باہر اتنی ٹھنڈ ہے ہیٹر تو لگا لیتا تھا ناں میری آمد سے پہلے؟

ج: یہ سردی کا نہیں آپ کی مصنوعی بتیسی کا کمال ہے جو آپ کے دانت بج رہے ہیں۔

س: ہم اکثر سوچتے ہیں بھلا ہر سال دسمبر میں اتنی سردی ہی کیوں ہوتی ہے گرمی کیوں نہیں ہوتی۔

ج: یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم سوچتی بھی ہو کچھ اچھا ہی سوچ لیتی۔

س: سچ بتایئے جناب سردیوں کی شاپنگ کے لیے آپ کون سے والے لنڈے بازار کا رخ کرتی ہیں؟

ج: ہمارے ہاں سردیاں رخ ہی نہیں کرتی البتہ تم ذرا سچ سچ بتاؤ لنڈے بازار میں کیا کر رہی تھی۔



# آپ کی صحت

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا

آرزو نورین میاں چنوں سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت گرتے ہیں سفید بھی ہو رہے ہیں دوشاخے بھی ہیں اور ان کے سرے ایسے ہیں جیسے آگ لگ گئی ہو لمبے بھی نہیں ہوتے پلیز اس کا کوئی حل بتائیں۔ میرا دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام کا ہے ریگولر ہیں مگر اس کی مدت کم ہوتی ہے پلیز اس کا کوئی حل بتادیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مسز امتیاز آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی جس کی عمر تیرہ سال ہے وہ جو بھی سبق یاد کرتی ہے بھول جاتی ہے۔ رنگت بھی سانولی ہے برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ بیٹی کو KALI PHOS-6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھلائیں اور JODUM-1000 am کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن میں ایک بار پلا دیا کریں چھ ماہ کا کورس مکمل کرلیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

صوفیہ گلشن سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری ٹھوڑی پر موٹے موٹے بال ہیں کیا میں ایفروڈائٹ استعمال کرسکتی ہوں اگر ہاں تو اس کا منگوانے کا طریقہ بتادیں میرا دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام کا ہے کبھی دو ماہ کبھی چار ماہ کبھی سال پلیز اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ SENECIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس پر لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال کریں ٹھوڑی کے بال مستقل طور پر ختم ہوجائیں گے۔

ن ح سانگھڑ سے لکھتی ہیں کہ سر کے بال بہت خشک ہیں سفید بھی ہیں پلیز اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

محمد علی لکھتے ہیں کہ میری عمر بیس سال ہے میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترم آپ میرے کلینک سے ہیئر گروور منگوالیں اس کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

مسز خالدہ امین ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میری چھوٹی بہن جس کی عمر بیس سال ہے اس کے بال چھوٹے اور کمزور ہیں اس کا علاج بتادیں اور میرا مسئلہ چہرے کے بالوں کا ہے کوئی ایسی کریم بتادیں جس سے میرا چہرہ صاف ستھرا ہوجائے۔

محترمہ آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائیں گے آپ دونوں کا مسئلہ ان شاء اللہ جلد حل ہوجائے گا۔

ثانیہ چوہدری احسان پور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ NUX VOM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بہن کو MERC SOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔

عاصم خان کوہاٹ اور محمد نواز شاکر ڈیرہ غازی خان سے آنچل کے پتے پر منی آرڈر کیا ہے اور اپنا پتہ مکمل نہیں لکھا صبح دس سے ایک بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنا پتا صاف ستھرا اور مکمل لکھا کریں بمع فون نمبر، اور منی آرڈر ہمیشہ کلینک کے نام پتے پر کیا کریں آپ کو دوا بروقت پہنچ

جائے گی۔

عاصمہ کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ مجھے لقوہ ہے جو کہ دس سال پہلے بھی ہوا تھا حکیموں سے علاج کرایا تھا مگر مکمل آرام نہیں آیا اب پھر دوبارہ ہوگیا ہے اور میرا دوسرا مسئلہ انگلیوں پر الرجی ہے جو ٹھیک نہیں ہوتی برائے مہربانی اس کا علاج بتادیں میں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

محترمہ آپ RANUNCULLUS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور CAUSTIUM-CM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں۔

افشاں بھٹی بورے والا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

افزاء امتیاز گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں مجھے ٹائیفائیڈ ہوا تھا اسی وجہ سے مجھے گنج بھی ہوگیا ہے میں نے آپ کے OIL ہیئر گروور کے بارے میں پڑھا تھا آپ میری رہنمائی کردیں میں کب تک اور کتنا ہیئر گروور استعمال کروں اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کو بہت ریشہ ہے کیرا خوراک کی نالی میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے ابکائیاں بھی آتی ہیں برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ ہیئر گروور کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کے سر پر لمبے، گھنے اور مضبوط بال پیدا ہوں گے اور بہن کو NATRUM CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔

مس تسنیم احمد کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ نظام کی بے قاعدگی ہے پہلے جیسے نہیں ہوتے اس کے لیے میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی اس کا کوئی مناسب علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

عرفان عارف والا سے لکھتے ہیں کہ میری بیٹی کی عمر سولہ سال ہے اس کا قد نہیں بڑھتا اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ بیٹی کو CALCIUM PHOS-6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM-CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پلائیں تین ماہ کا کورس مکمل کرلیں اس کے بعد عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا۔

عثمان ظفر چغتائی ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور سفید بھی ہوگئے ہیں نہانے کے بعد سوکھے اور بے رونق ہوجاتے ہیں اور کنگھا کرنے سے میرے سر میں سے خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے جیسے ہی کنگھا کرتا ہوں بال کنگھے میں بھر آتے ہیں اس کا کوئی علاج بتادیں اور دوسرا مسئلہ میری اسکن کا ہے۔ اسکن بہت آئلی ہے باریک باریک دانے نکلتے ہیں اور بلیک ہیڈز بھی ہیں اس کا علاج بتادیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

محترم آپ SULPHUR-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن صبح نہار منہ پی لیا کریں اور ہیئر گروور میرے کلینک سے منگوالیں اس کا استعمال جاری رکھیں۔

نمل وفا گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ ہیئر گروور منگوانے کا طریقہ کیا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے بتادیں۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گروور ایک ہفتے میں آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

سدرہ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ سر کے بال ہیں جو کہ بہت چھوٹے اور کمزور ہیں اب بہت گرنے بھی لگے ہیں۔ پلیز کوئی علاج بتادیں اور میرے چہرے پر بھی باریک باریک بال ہیں کیا میں ایفروڈائٹ استعمال کرسکتی ہوں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا پلیز مجھے کوئی مفید مشورہ دیں۔

محترمہ آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر کردیں آپ کو ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا طریقہ استعمال لیبل پر لکھا ہوگا لکھی گئی ترکیب کے مطابق آپ آئل استعمال کریں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔



افشاں مغل سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری اسکن بہت آئلی ہے اور چہرے پر موٹے والے دانے نکلتے ہیں۔ چہرے پر بال بھی ہیں جبکہ سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں مجھے کوئی ایسی دوا تجویز کریں جس سے میرے سارے مسئلے حل ہوجائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور کے لیے مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں دوائیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔

ماروی سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری دور کی نظر بہت کمزور ہے اور میرا دوسرا مسئلہ دانوں کا ہے میرے منہ پر باریک باریک دانے ہوتے ہیں اگر انہیں دباؤ تو بڑے ہوجاتے ہیں اور سرخ بھی ہوتے ہیں اور میرا تیسرا مسئلہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور چہرے پر بھی فالتو بال ہیں برائے مہربانی مجھے ان سب مسئلوں کا حل بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ CENERARIA EYE DROPS روزانہ رات سوتے وقت آنکھوں میں ڈالا کریں اور دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں اور ہیئر گروور ایفروڈائٹ منگوانے کے لیے مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر کردیں۔

کشف نور گجرات سے لکھتی ہیں کہ بڑی آس اور امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں میری عمر اٹھائیس سال ہے مجھے چھ ماہ سے خشک کھانسی ہے یہ بہت شدت اختیار کرجاتی ہے سانس لینا بھی مشکل ہوجاتا ہے کوئی اچھی سی دوا بتادیں دوسرا مسئلہ میرے والد صاحب کا ہے ان کی عمر باسٹھ سال ہے ان کی نزدیک کی نظر بہت کمزور ہے ان کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ ARSENIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں والد صاحب کو CENERARIA EYE DROPS روزانہ رات سوتے وقت آنکھوں میں ڈالا کریں۔

فاطمہ بتول ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ اپنا اور بھائی کا مسئلہ لکھ رہی ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ SABALSERRULETA(Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ بھائی کو ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 550 کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کو گھر پہنچ جائے گا ان شاء اللہ آپ کے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

حافظ مقبول حسین گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ میرے دونوں بچوں کا الرجی کا مسئلہ ہے زکام بہت رہتا ہے ہر موسم میں زبان سفید رہتی ہے ہاضمہ خراب رہتا ہے اور میرا مسئلہ معدے کا ہے مجھے السر کی شکایت ہے اور سر کے بال بہت گرتے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ بچوں کو ANTUM CRUD-30 کے پانچ قطرے صبح شام دیں اور TEUCRIUM-3X کے پانچ قطرے دوپہر اور رات سوتے وقت دیں ان کی والدہ کو URINIUMNIT-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور بالوں کے لیے میرے کلینک سے ہیئر گروور منگوالیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

صفیہ عباس لیہ سے لکھتی ہیں کہ میرے بالوں کا مسئلہ ہے بال سفید ہو رہے ہیں ہیئر گروور استعمال کر رہی ہوں۔ آپ نے کسی کو بال سفید ہونے سے روکنے کے لیے JABOQRANDIO استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا کیا میں بھی یہ استعمال کرسکتی ہوں اس کے علاوہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں اور قبض کی شکایت رہتی ہے اور ناخن لمبائی کے رخ ٹوٹا ہوا ہے۔

محترمہ آپ ہیئر گروور کے ساتھ JABORANDI-Q کے دس قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں اور جھائیوں کے لیے BERBARIS AQUI F (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں

ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ناخن کو سرجری کے ذریعے نکلوادیں نیا ناخن صحیح آجائے گا۔

شکیل خان بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھا ہوا ہے 130 کے جی ہے میں بہت پریشان ہوں کافی علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا مہربانی فرما کر کوئی مفید مشورہ دیں۔

محترم آپ PHYTOLACCA BARY (Q) اور FUCUS VES (Q) کے دس دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور زیادہ سے زیادہ پیدل چلنے کی کوشش کریں مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں کھانے کے بعد پانی نہ پئیں ایک گھنٹے بعد پئیں۔

لبنیٰ کراچی سے لکھتی ہیں کہ ان لارجنٹ آف یوٹرس کی شکایت ہے بہت زیادہ پریشانی ہے کئی جگہ علاج کرائے مگر فائدہ نہیں ہوا۔

محترمہ آپ SEPIA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

کنول ٹنڈو الہیار سے لکھتی ہیں کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں اس کی اچھی سی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ NATRUM PHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھایا کریں۔

غزل حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میری ایک دوست کے ساتھ دو سال پہلے زیادتی ہوئی جو کسی کو نہیں معلوم اب اس کی شادی قریب ہے وہ بہت پریشان ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ صبح دس تا ایک بجے شام چھ تا نو بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

بشیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں مجھے شدید کھانسی رہتی ہے رات کو زیادہ ہوتی ہے لیٹنے سے بڑھ جاتی ہے۔ اٹھ کر بیٹھنا پڑتا ہے تو کم ہوجاتی ہے۔

محترم آپ ARSENIC-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں کھٹی اور ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔

سکندر بیگ سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے عرق النساء کی شدید شکایت ہے بہت علاج کیے تکلیف کم نہیں ہوتی چلنے پھر سے معذور ہوگیا ہوں آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں کوئی شافی علاج بتائیں۔

محترم آپ COLOCYNTH-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ارشد بورے والا سے لکھتے ہیں کہ مجھے بچپن سے بیماریاں لگی ہوئی ہیں غلط کاریوں کی وجہ سے، میری شادی ہونے والی ہے مگر میں خوش ہونے کے بجائے پریشان ہوں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں میری پریشانی کا بھی حل بتائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترم آپ STAPHISAGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سدرہ جمال ملتان سے لکھتی ہیں کہ میں بری عادت میں مبتلا ہوں اس کے نقصانات ظاہر ہونے لگے ہیں یہ عادت چھوڑنا چاہتی ہوں مجھے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ORIGARIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کلثوم فاطمہ لاہور سے لکھتی ہیں کہ میری تین بیٹیاں ہیں بیٹے کی خواہش مند ہوں کیا ہومیو پیتھی میں میرے لیے بھی کوئی دوا ہے پلیز مجھے ضرور بتائیں۔

محترمہ آپ CALCIUM PHOS (CM) کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر حمل کے پہلے ماہ رات سوتے وقت لیں اور دوسری خوراک دوسرے دن صبح نہار منہ ان شاء اللہ امید بر آئے گی۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح دس تا ایک بجے شام چھ تا نو بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا، آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔



# کام کی باتیں

حنا احمد

## موسم سرما اور احتیاطی تدابیر

موسم سرما کا آغاز نومبر میں ہوتا ہے اور فروری تک چلتا ہے ان مہینوں میں عموماً شدت کی سردی پڑتی ہے اگر سردی سے بچاؤ کا اہتمام نہ کیا جائے تو سردی مضر ثابت ہوسکتی ہے۔ بیمار حضرات کو اس موسم میں علاج کرانا چاہیے کیونکہ اس موسم میں جلد صحت یابی کی توقع ہوتی ہے۔

### غسل

موسم گرما میں دن میں کئی بار نہایا جاتا ہے لیکن سردی کے باعث لوگ غسل کے سلسلے میں ذرا محتاط رہتے ہیں۔ وہ لوگ جن کی صحت موسمی سختیاں برداشت نہیں کرسکتی وہ ہفتوں بلکہ مہینوں نہیں نہاتے۔ سردی کی شدت اور نمونیا ہونے کا ڈر بجا مگر زیادہ دن تک نہ نہانا بھی مضر صحت ہے۔ مناسب طریقہ تو یہ ہے کہ دن میں ایک غسل آفتابی کریں اگر وقت نہ ہو یا کوئی امر مانع ہو تو پھر دن میں ایک بار نیم گرم پانی سے غسل کرلیا جائے۔ غسل ایسی جگہ کریں جہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نہ آتے ہوں اگر جسمانی کمزوری ہو یا پھر عمر کے سبب جسم میں طاقت نہ ہو تو ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور نہایا جائے۔ غسل سے دوران خون تیز ہوجاتا ہے اور جسم میں فرحت اور چستی پیدا ہوکر صلاحیت کار بڑھ جاتی ہے اگر غسل نہ کیا جائے تو جسم کے اندر گرم غذاؤں کی تاثیر اور مسامات کے بند رہنے سے نہ صرف جلدی عوارض سر اٹھائیں گے بلکہ جسم کی طبعی نشوونما بھی متاثر ہوگی۔

### لباس

موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ہی بتدریج گرم کپڑوں کا استعمال شروع کردیں۔ چھوٹے اور شیر خوار بچے چونکہ جسمانی اور طبعی طور پر سبک اور نازک ہوتے ہیں اس لیے سرد ہوا کا ایک جھونکا بھی انہیں شدید عارضے میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اس موسم میں ہوا سرد اور تیز ہوتی ہے اس لیے ہر شخص اپنی صحت وحالات کے مطابق گرم کپڑوں کا استعمال کرے۔ گردن، سینے اور پاؤں کو سردی سے بچانے کے لیے خصوصی اہتمام کریں۔ علی الصباح بیدار ہوکر نماز فجر کے بعد ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ہلکی پھلکی ورزش کو معمول بنائیں۔

### غذا

گرمیوں میں بھوک کم لگتی ہے اس لیے جسم سے فضلات بذریعہ پسینہ آسانی سے خارج ہوتے ہیں اور اس طرح جسمانی حرارت معتدل اور توانائی برقرار رہتی ہے مگر موسم سرما کے سرد اور تر ہوجانے سے جسم کے مسامات بند ہوجاتے ہیں جس سے پسینہ نہیں آتا۔ اس طرح حرارت وتوانائی کا نظام ٹھیک نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جسم کی حرارت کو برقرار رکھنے کے لیے زیادہ مقوی غذا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کھانے پینے کے شوقین حضرات واہل ذوق کو مرغن، گرم اشیاء اعتدال کے ساتھ استعمال کرنی چاہئیں۔ خشک میوے بادام، چلغوزہ، مونگ پھلی، کشمش وغیرہ کا استعمال جسم کو حرارت مہیا کرتا ہے چونکہ اس موسم میں اشتہا بڑھ جاتی ہے اس لیے ثقیل اشیاء بھی جلد ہضم ہوجاتی ہیں۔ یہ موسم خوش خوراکی و خوش لباسی کے لحاظ سے بہت مناسب ہوتا ہے اس لیے جہاں تک ممکن ہو بہتر سے بہتر اور ہر قسم کی غذا استعمال کرسکتے ہیں تاکہ نشوونما کا یہ موسم امراض کا ذریعہ نا بن جائے۔ ناشتے میں حسب استطاعت دودھ، انڈے، دلیہ، ڈبل روٹی مفید ومناسب ہیں۔ دوپہر وشام کھانے میں گوشت، مچھلی، سبزیاں، پھل وغیرہ استعمال کریں۔ گرم مسالے بھی اعتدال کے ساتھ استعمال کرسکتے ہیں اگر ممکن اور مناسب ہو تو دوپہر کو پھل زیادہ اور کھانا کم کھائیں جب کہ رات کو بھوک کے مطابق کھائیں۔ گاجر جسے اطباء نے سستا سیب قرار دیا ہے اس موسم کی اچھی غذا ہے۔ گاجروں کے درجہ حرارت کو قائم رکھنے کے لیے مقوی

غذاؤں کا استعمال ضروری ہے بشرطیکہ مناسب ورزش کا سلسلہ بھی جاری رہے تاکہ عضلات بنیں اور چربی نہ بڑھے۔

## احتیاطی تدابیر

صبح اور شام سردی میں بلاضرورت باہر نہ نکلیں' رات چونکہ بہت سرد اور طویل ہوتی ہے اس لیے کھلے میں یا بالکل بند کمرے میں نہ سوئیں بلکہ کھڑکی اور روشن دان ہمیشہ کھلا ہونا چاہیے اپنے پیروں کو ہمیشہ گرم رکھیں کیونکہ پاؤں کی طبعی حالت جسم انسانی پر بہت اثر انداز ہوتی ہے اگر آپ جسمانی طور پر کمزور ہیں اور موسمی شدت کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو دھوپ میں بیٹھ کر تلوں کے تیل کی مالش کریں۔ اگر صحت مند ہیں تو نمازِ فجر کے بعد ضروریات سے فارغ ہوکر سیر ضرور کریں اگر یہ نہیں کرسکتے تو صحت کے مطابق کھلی جگہ میں ہلکی ورزش کریں تاکہ جسم میں حرارت پیدا ہو۔ موسم سرما میں چہرے کی جلد زیادہ متاثر ہوتی ہے خصوصاً جن دنوں برفانی سردی پڑتی ہے دیگر اعضاء تو کپڑوں' جوتوں اور جرابوں میں لپٹے ہوتے ہیں لیکن چہرہ کھلا ہوتا ہے۔ اس طرح چہرے کی جلد خشک ہوکر پھٹ جاتی ہے اس کے لیے چہرے پر گلیسرین اور لیموں کا رس مفید ہے اگر اس سے چہرے پر داغ پڑجائیں تو چہرہ نیم گرم پانی سے صابن کے ساتھ دھوئیں بعض لوگوں کی جلد پر خارش ہوتی ہے ایسی صورت میں گلیسرین اور عرق گلاب ملا کر استعمال کرنا مفید ہوتا ہے۔

## نزلہ' زکام اور کھانسی

نزلے زکام اور کھانسی موسم سرما کے خاص امراض ہیں ان کے لیے ذیل کا نسخہ مفید ہے۔

گل بنفشہ پانچ گرام' گل گاؤزبان پانچ گرام' تخم خطمی پانچ گرام' عناب پانچ دانے' سپستاں نو دانے' اصل السوس نیم کوفتہ پانچ گرام' تمام چیزیں پانی میں جوش دے کر چھان کر ضرورت کے مطابق چینی ملا کر صبح وشام پی لیں۔

موسم سرما احتیاط کا تقاضا کرتا ہے' احتیاط کے ساتھ جاڑہ گزاریے اور صحت بہتر بنائیے۔

## نزلہ' زکام سے بچائو

سوجی ہوئی آنکھیں' لال ناک' سوسوں کی آوازیں اور ہاتھ میں رومال' زکام کے شکار فرد کی پہچان کوئی مشکل نہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق نزلہ زکام کے تقریباً ۲۰۰ سے زائد وائرس موجود ہیں جن کا نشانہ ہم اکثر و بیشتر بنتے رہتے ہیں جبکہ بچوں میں زکام کا شکار بننے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے وہ سال میں چھ سے دس مرتبہ زکام کا نشانہ بنتے ہیں۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جب آپ نزلے کے وائرس کا شکار ہوجائیں تو ڈاکٹر کے بجائے گھریلو نسخوں اور ٹوٹکوں پر عمل کریں۔

دنیا بھر کے لوگ نزلہ اور زکام کا علاج اپنے اپنے طریقے سے کرتے ہیں اور اس بارے میں لوگوں کی مختلف رائے ہے اس حوالے سے مختلف طریقۂ علاج رائج ہے جن میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

## عام گھریلو ٹوٹکے

دودھ میں ہلدی' تھوڑا سا ادرک کا رس اور چٹکی بھر پسی کالی مرچ ملا کر پی لیں' سینے پر بام لگا کر سوجائیں۔

ایک کپ گرم پانی میں دو سے تین کھانے کے چمچے سیب کا سرکہ اور حسب ضرورت شہد ملا کر پی لیں۔

جدید سائنس مرغی کے شوربے کی افادیت کو تسلیم کرتی ہے جبکہ دیگر نسخوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف نفسیاتی طور پر بہتری کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

عنبر فاطمہ......کراچی